عدالت اجتماعی

(معاشرتی انصاف)

آیۃ اللہ اکبر ہاشمی رفسنجانی دام ظلہ
سابق صدر اسلامی جمہوری ایران

مؤسسۃ الامام المنتظر (عج)
خیابان چهار مردان، کوچه ۲۷، مقابل مسجد گذر قلعه ـ قم

عدالت اجتماعی

(معاشرتی انصاف)

جلد دوم

آیۃ اللہ اکبر ہاشمی رفسنجانی دام ظلہ

سابق صدر اسلامی جمہوری ایران

مترجم

سید محمد نقوی النجفی

سید محمد حسن نقوی

مؤسسۃ الامام المنتظر علیہ السلام

خیابان چهار مردان، کوچه ۱۷، مقابل مسجد گذر قلعه ـ قم



آیۃ اللہ ہاشمی رفسنجانی ۔آیۃ اللہ سید حافظ ریاض حسین نقوی

حجۃ الاسلام و المسلمین نیاز حسین نقوی



آیۃ اللہ علی اکبر ہاشمی رفسنجانی ۔آیۃ اللہ حافظ ریاض حسین نجفی پرنسپل جامع المنتظر

فہرست

ستائیسواں خطبہ

نام عناوین	صفحہ نمبر

انتیسواں خطبہ

نام عناوین	صفحہ نمبر

﴿تیسواں خطبہ﴾

نام عناوین	صفحہ نمبر

﴿بتیسواں خطبہ﴾

صفحہ نمبر	نام عناوین

﴿تینتیسواں خطبہ﴾

چونتیسواں خطبہ

پینتیسواں خطبہ

﴿چھتیسواں خطبہ﴾

﴿سینتیسواں خطبہ﴾

نام عناوین	صفحہ نمبر

﴿چالیسواں خطبہ﴾

﴿اکتالیسواں خطبہ﴾

﴿بیالیسواں خطبہ﴾

﴿تینتالیسواں خطبہ﴾

نام عناوین	صفحہ نمبر

چوالیسواں خطبہ

نام عناوین	صفحہ نمبر

﴿پینتالیسواں خطبہ﴾

نام عناوین	صفحہ نمبر

﴿چھیالیسواں خطبہ﴾

﴿سینتالیسواں خطبہ﴾

﴿اڑتالیسواں خطبہ﴾

﴿انچاسواں خطبہ﴾

﴿پچاسواں خطبہ﴾

نام عناوین	صفحہ نمبر

﴿اکاونواں خطبہ﴾

﴿باونواں خطبہ﴾

ستائیسواں خطبہ

اسلام میں عدالت اجتماعی پر گفتگو کا سلسلہ
مالیات ادا کرنے پر روایات سے استدلال
اسلامی ثقافت اور مالیات وصول کرنے کا طریقہ کار

بسم اللہ الرحمن الرحیم "خذ من اموالھم صدقۃ تطھرھم وتزکیھم بھا وصل علیھم ان صلواتک سکن لھم "(۱)

گزشتہ تین ابواب (خمس، زکات، اسلامی نظام کے منظور شدہ ٹیکس) میں بیان ہو چکا ہے کہ فقر و تنگدستی کو دور کرنے کے لئے، معاشرے کو چلانے اور ملکی امور سنبھالنے کے لئے درکار اخراجات پورے کرنے کے لئے لوگوں کے قانونی مال و دولت میں سے ایک حصہ وصول کیا جاتا ہے۔

ایک قابل توجہ مطلب کہ جس کا جاننا بہت ضروری ہے۔ (معاشرے کے لئے بالعموم اور حکومتی عہدیداروں کے لئے بالخصوص) وہ یہ ہے کہ اسلامی نظام میں ٹیکسوں کی وصولی کے لئے ایک خاص طریقہ کار و ثقافت موجود ہے اور اس طرح ٹیکس دہندہ و ٹیکس وصول کرنے والے کے درمیان ایک خاص رابطہ اور کچھ اصول و ضوابط اور طریقہ کار موجود ہے کہ جن کا لحاظ کرنا چاہیئے۔ میں ان میں سے ہر ایک کو اجمالی طور پر بیان کرتا ہوں۔

ٹیکسوں کی وصولی کے متعلق حکومتی پالیسی

اصلی مسئلہ یہ ہے کہ ٹیکسوں کی وصولی کے سلسلے میں حکومتی پالیسی کی بنیاد اور

---

(۱) توبہ: ۱۰۳

حقیقت کیا ہے۔ اس سلسلے میں دو حالتیں قابل تصور ہیں ؛ایک یہ کہ حکومت لوگوں کا مال و دولت اپنے اختیار میں لے لے اور کسی حد تک ان کے ہاتھ خالی کر دے یا حکومتی پالیسی یہ ہونی چاہیئے کہ لوگ خوشحال و مالدار ہوں اور فقر و تنگدستی کو ختم کر سکیں اور ملکی امور چلانے کیلئے ہونے والے اخراجات پورے کر سکیں۔

یہ دو حالتیں مکمل طور پر ایک دوسرے کی مخالف ہیں۔ یعنی ٹیکس وصول کرنے والے اداروں، ٹیکس وصول کرنے والے ملازمین وزارت خزانہ، بجٹ بنانے والے ادارے، بلدیاتی ٹیکس وصول کرنے والے افراد اور باقی عہدیداروں پر اس قسم کی فضا حکم فرما ہو کہ لوگوں کے ہاتھوں سے پیسہ لے لیں تاکہ لوگوں کے پاس زیادہ پیسہ نہ ہو۔ دوسری حالت یہ ہے کہ لوگوں کی سطح زندگی بلند ہو تاکہ لوگ ملکی و معاشرتی امور میں تعاون کر سکیں اور مشکلات دور کر سکیں، ان دو حالتوں میں سے دوسری حالت اسلامی ہے جب کہ پہلی حالت نادرست، ضرر رساں اور ممنوع ہے۔

صوبائی گورنروں کو حضرت علیؑ کے احکامات

میری آج کل بحث کا اصلی محور مولائی کائنات امیر المؤمنین حضرت علیؑ کے نورانی کلمات اور وہ فرامین ہیں جو آنجنابؑ نے اپنے صوبائی گورنروں کے لئے بیان فرمائے بالخصوص آپ کی طرف سے زکات کی جمع آوری کے سلسلے میں مصر کے گورنر مالک اشتر (۱) کے نام لکھا جانے

۱۔(مالک بن حارث جعفی) جو مالک اشتر کے نام سے مشہور تھے۔ ان کا تعلق قبیلہ مذحج سے تھا اور عظیم تابعین (یعنی وہ لوگ جنھوں نے اصحاب پیغمبر کو دیکھا ہو) میں سے تھے۔

آپ امیر المومنینؑ کے نزدیکی و خاص اصحاب میں سے تھے۔ ان کی شجاعت زبان زد خاص و عام تھی۔ جنگ یرموک میں ان کی آنکھ زخمی ہوئی اور انہیں اشتر (بمعنای لغوی) کا لقب ملا۔ مالک اشتر امام علیؑ کی طرف

والا خط ملکی تعمیر و ترقی، ٹیکسوں کی جمع آوری اور لوگوں کی فلاح و بہبود جیسے مطالب پر مشتمل ہے۔ اس خط میں اس کے علاوہ اور بھی بہت سے مطالب موجود ہیں۔ لیکن جب امامؑ وضاحت فرماتے ہیں تو یوں ارشاد فرماتے ہیں آپ کی ساری جد و جہد معاشرے کی تعمیر و ترقی اور عوامی فلاح و بہبود کیلئے ہونی چاہئے نہ یہ کہ آپ کی جد و جہد لوگوں سے مال و دولت وصول کرنے کیلئے ہو۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ اسلام میں تمام شعبوں میں ٹیکسوں کی وصولی کا حق حکومت کو حاصل ہے جب کہ منکرین زکات کی حالت یہ ہے کہ وہ کفر کے نزدیک ہیں۔

اسلامی اعتبار سے زکات ادا نہ کرنے والا شخص اپنے مال کا مالک نہیں ہے اور یہ حق وصول کیا جائے گا۔ اس کے ساتھ ساتھ اسلام نے ٹیکس وصول کرنے والے افراد کو ہدایت کی ہے کہ لوگوں سے زکات و ٹیکس وصول کرتے وقت ان کے ساتھ اعتماد، عفو و درگزر، ایثار اور چشم پوشی کا رویہ اختیار کریں۔ اور اسلام نے اس چیز کو بھی مورد تاکید قرار دیا ہے کہ ملت و حکومت کے باہمی روابط اور ٹیکس دہندہ و ٹیکس گیرندہ کے باہمی روابط اسلامی تعلیمات پر استوار ہونے چاہئیں۔

ٹیکسوں میں اختیار کے بارے میں اسلامی نقطہ نظر

ایک ظریف نکتہ بیان کرنا چاہتا ہوں۔ میری تمام گفتگو میں بیان ہونے والی روایات سے یہ مطلب بخوبی سمجھا جا سکتا ہے۔ وہ نکتہ یہ ہے کہ اسلام پسند نہیں کرتا کہ زبردستی اور

سے مصر کی حکومت کی باگ ڈور سنبھالنے کے لئے جا رہے تھے کہ قلزم کے مقام پر حکم معاویہ شہید کر دیے گئے مشہور ہے کہ امیر المومنین علیؑ نے ان کے بارے میں یہ فرمایا: "مالک اس طرح میرے یار و مددگار تھے جس طرح میں رسول خداؐ کا یار و مددگار تھا"۔ حوالہ۔ نہج البلاغہ، مترجم ڈاکٹر شہیدی۔ حاشیہ نمبر ۵۲۹ و ۵۳۰۔

طاقت کے زور پر ٹیکس وصول کئے جائیں اور یہ کہ ٹیکسوں کی وصولی عدم رضایت اور مجبوری کی بنیاد پر ہو، بلکہ اسلام ٹیکسوں کی ادائیگی کو واجب و بر حق جاننے کے ساتھ ساتھ اس چیز کا متمنی ہے کہ لوگ رضاکارانہ طور پر اور ہنسی خوشی اپنے ہاتھوں سے ٹیکس ادا کریں اور ٹیکس ادا کرنے میں رغبت اور خوشدلی کا مظاہرہ کریں.

یہ حالت انسان ساز ہے اور اس حالت سے بہت زیادہ مختلف ہے جس حالت میں بندوق کی نوک پر ٹیکس وصول کئے جاتے ہیں. اسلام اس حالت کا متقاضی ہے کہ جہاں رسولؐ باطنی انسان کو ان حقوق کی ادائیگی پر اکساتا ہے اور حکم دیتا ہے کہ اے بھائی بسم اللہ پڑھ کر یہ حقوق ادا کرو.

یہ دو حالتیں ایک دوسرے سے بہت مختلف ہیں. اور دوسری حالت اسلام کی پسندیدہ حالت ہے. اگر لوگ خود بخود ٹیکس ادا نہ کریں تو زبردستی اور اجبار کی حالت وجود میں آجاتی ہے. لیکن اسلامی ثقافت کا ہدف یہ ہے کہ لوگوں کو اس طرح تیار کیا جائے کہ اپنی مرضی سے ٹیکس ادا کریں.

خطبے کی ابتداء میں تلاوت کی جانے والی آیت بھی اسی معنی کی طرف اشارہ کرتی ہے. خداوند کائنات پیغمبر اسلامؐ کو ارشاد فرماتا ہے کہ لوگوں سے ٹیکس وصول کرو لیکن (صلّ علیهم ان صلوتك سكن لهم) ان پر درود و سلام بھیجو اور ان کی تعریف و تمجید کرو ایسی حالت وجود میں لاؤ جوان کے لئے سکون کا باعث ہو اور یہ لوگ مطمئن ہو کر آئین اور حکومت کے ساتھ مالی روابط بر قرار کریں.

آج میں بہت سی باتیں لکھ کر لایا ہوں جنھیں بیان کرنا چاہتا ہوں، امید ہے کہ یہ مطالب آپ کی اصلاح کا سبب بنیں گے. زیادہ تر میرے مخاطب محکمہ ٹیکس کے عہدیدار، ٹیکس دینے اور لینے والے لوگ ہیں اور عوام کے لئے بھی یہ بحث دلچسپ ہے تا کہ اسلام سے آشنا ہو

سکیں.

ٹیکسوں کے متعلق مالک اشتر کو حضرت امام علیؑ کی نصیحت ؛

حضرت علیؑ کے ہاتھوں مالک اشتر (۱) کے نام لکھے جانے والے خط کا یہ حصہ قابل توجہ ہے۔

و لیکن نظرك فی عمارة الارض ابلغ من نظرك فی استجلاب الخراج

تمہیں ٹیکس کی وصولی کی نسبت زمینیں آباد کرنے پر زیادہ توجہ دینی چاہئے لوگوں کی پیداوار کو بڑھانا، سرمایہ گزاری کرنا، تقسیم کار کرنا اور مشکلات حل کرنے میں مدد کرنا ملکی آبادی اور تعمیر و ترقی کا سبب بنتا ہے.

جیسا کہ حضرت علیؑ اس امر کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں چونکہ فقراء و تنگدست طبقے سے ٹیکس وصول نہیں کئے جاسکتے اس لئے کہ ان لوگوں سے حاصل ہونے والے ٹیکس کی مقدار بہت کم ہے لہذا آپ جس قدر دباؤ ڈالیں گے اور سختی کریں گے اس کا نتیجہ تعمیر و ترقی کی بجائے تباہی و بربادی کی صورت میں سامنے آئے گا.

لانّ ذلك لا یدرك الا بالعمارة

تعمیر و ترقی کے بغیر ٹیکس وصول کرنا ممکن نہیں ہے

اس کے بعد امام فرماتے ہیں :

---

(۱) نہج البلاغہ، نامہ نمبر ۵۳

من طلب الخراج بغیر عمارۃ اخرب البلاد و ابلک العباد و لم یستقم امرہ الا قلیلاً

جو شخص ٹیکسوں کی وصولی سے پہلے ترقیاتی منصوبے پیش نہ کرے یہ شخص ملکی تباہی اور لوگوں کی ہلاکت کا سبب بنتا ہے اور یہ شخص فقط وقتی و عارضی کام کر سکتا ہے یہ کام طولانی مدت کے لئے متصور نہیں ہے.

اس کے بعد حضرت علیؑ ٹیکسوں کی ادائیگی کا طریقہ کار بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

فانّ شکوثقلا او علّۃ او انقطاع شرب او بالّہ او حالہ ارض اغمتر ھا غرق او اجحف لھا عطش خففت عنھم بما ترجوا ان یصلح بہ امرھم

اگر لوگ آکر شکایت کریں کہ ہمارے اوپر آفت آن پڑی ہے بارشیں کم تھیں یا بارشیں زیادہ تھیں یا زمین میں فلاں عیب نمودار ہو گیا یا یہ کہیں کہ ہمارے کاروبار میں مشکلات پیش آگئیں مختصر یہ کہ لوگ شکایت کریں کہ ہماری آمدنی میں مشکلات پیش آگئیں) تو ایسی صورت میں ان کے ساتھ نرمی سے پیش آؤ اور انہیں اتنی چھوٹ دو کہ ان کی شکایات برطرف ہو جائیں اور آسودہ خاطر زندگی گزار سکیں.

اس کے بعد امامؑ فرماتے ہیں اے مالک! یہ خیال نہ کرو کہ تمہیں نقصان اٹھانا پڑے گا.

و لا یثقلن علیک شیٔ خفّفت بہ المو نۃ عنھم خانہ ذخریعودون بہ علیک

کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ چیز تمھاری طبع پر گران گزرے اور یہ خیال کرو کہ ہم نے لوگوں سے مال نہیں نکالا اور مال لوگوں کی جیبوں ہی میں رہ گیا ہے، بلکہ یہی مال ذخیرہ ہوگا اور کسی دوسرے مقام پر تمہیں پلٹا دیا جائے گا.

حضرت علیؑ تاکید فرماتے ہیں اگر ملک میں تعمیر وترقی کی مستحکم فضاء موجود ہو اور معاشرے میں وسائل کی تقسیم کا عادلانہ نظام موجود ہو تو یہ (رقم جو بعنوان ٹیکس وصول نہیں کی جاتی) دوبارہ قومی خزانے میں لوٹ آئے گی لہذا اس سلسلے میں صبر و تحمل سے کام لینا چاہیئے.

فانّه ذخر يعودون به عليك فى عمارة بلا حرك و تزيين و لا تيك

یہ رقم ذخیرہ ہوتی رہے گی اور دوسرے مقام پر تمہارے ہاتھوں میں واپس آجائے گی اس سے شہر آباد ہوں گے اور ملک کی زینت و خوبصورتی کا سبب بنے گی اس سے لوگوں کے دلوں میں حکومت کی محبت پیدا ہوگی اور روابط بھی مستحکم ہوں گے.

اس کے بعد امیر المؤمنین علیؑ مالک اشتر کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں:

مع استجلابك حسن ثناء هم و تبحّجك باستفاضه العدل فيهم معتمداً فضل قوتهم بما ذخرت عندهم من اجمامك لهم و الثقة منهم بما عوّد تهم من عدلك عليهم و فقك بهم فربّما حدث من الامور ماذا عوّلت فيه عليهم من بعد احتملوه طيبة انفسهم به

تم کو اپنی عدالت کے ذریعے حکومت کے حق میں لوگوں کی اچھی

رائے اور مدح و ثنا کے حصول کے خواہاں ہونا چاہیے تمھارے اور تمھارے خدا کے درمیان تمھارا دل مضبوط ہو گا اور تم راضی ہو گے اور تم نے جو لوگوں کا اعتماد بر قرار رکھا ہے اس کے ذریعے لوگوں میں ایک عظیم ذخیرہ وجود میں آئے گا. اور یہی عدل و موافقت جو تم نے انجام دیا ہے، اچھے روابط کی بنیاد بنے گا. اگر تم نے اس مورد میں ایثار سے کام لیا اور صحیح رابطہ بر قرار کیا تو لوگ دوسرے موارد میں بھی رغبت کے ساتھ حکومت سے تعاون کریں گے اور درپیش مشکلات کو حل کریں گے.

یہ مسئلہ ایسے ہی ہے جیسے آج کل جنگ میں مشاہدہ ہو رہا ہے. اگر ہم چاہتے کہ جنگ کے تمام اخراجات زبردستی لوگوں سے وصول کریں تو آیا ممکن تھا؟ جب لوگوں اور حکومت کے درمیان خوشگوار روابط موجود ہوں تو لوگ ہنسی خوشی اور رغبت سے حکومت کو درپیش مسائل و مشکلات کو عمومی طور پر حل کرتے ہیں. اس سلسلے میں مزید گفتگو کروں گا. حضرت علیؑ بن ابیطالبؑ ارشاد فرماتے ہیں:

فانّ العمران محتمل ما حمّلته و انّما یوتی خراب الارض من اعوازاھلھا و انّما یعوز اھلھا لا شراف انفس الولاۃ علی الجمع

اگر ملک آباد و خوشحال ہو تو لوگوں کے کندھوں پر بوجھ ڈالا جا سکتا ہے. تمام مصائب و مشکلات عوامی غربت و تنگدستی کا نتیجہ ہیں اور حکومت کی طرف سے دباؤ اس کا سبب بنتا ہے کہ لوگ اپنے امور میں کامیاب نہ ہو سکیں. حکمرانوں کی یہ فکر و ذہنیت ہو کہ لوگوں سے مال

بٹورا جائے اور ان کی جیبیں خالی کی جائیں تو یہ ایک عظیم خطرہ ہے۔

یہ ذہنیت اور طرز فکر دو حالتوں میں ممکن ہے، یا حکمران ایسے افراد ہوں جو اقتصادی پہلو کو مد نظر رکھتے ہوئے یہ خیال کرتے ہیں کہ لوگوں کی جیبیں خالی کرنا بہتر ہے. یا فاسد حکمران اور فاسد حکومتیں ہوں جو خیال کرتے ہیں کہ ان کی مدت اقتدار مختصر ہے لہذا کہتے ہیں اس مختصر عرصے میں لوگوں سے مال بٹورا جائے. دونوں حالتیں بری اور ناپسندیدہ ہیں.

اس باب میں امیر المومنین علیؑ کی عبارت درج ذیل ہے لا شراف نفس الولاة علی الجمع و سوء ظنهم بالبقاء و قلة انتفاعهم بالعبر.(۱)

دباؤ مسئلے کا حل نہیں

یہ درست نہیں کہ تاریخ کا مطالعہ کئے بغیر، فلسفہ تاریخ (۲) کو سمجھے بغیر اور اقتصادی تجزیہ و تحلیل کئے بغیر یہ خیال کیا جائے کہ لوگوں پر بوجھ ڈال کر حکومت کو خوشحال کیا جاسکتا ہے اور لوگوں میں عدالت قائم کی جاسکتی ہے. نہیں یہ مسئلے کا حل نہیں ہے. امیر المومنینؑ کا فرمان بنیادی طور پر اس چیز پر مبنی ہے کہ اجازت دی جائے کہ لوگوں کے پاس مال و دولت موجود ہو تاکہ ان سے وصول کیا جاسکے. حکومتی عہدیدار اور خصوصاً وزارت خزانہ کے ملازمین توجہ

---

(۱) یہ کتنا خوبصورت جملہ ہے: لوگوں پر بوجھ ڈالنا اس صورت میں ممکن ہے جب ان کی سطح زندگی بہتر ہو.

(۲)۔ (فلسفہ تاریخ) سے مراد حوادث و واقعات کی تحقیق اور تجزیہ و تحلیل کرنا ہے. فلسفہ تاریخ سب سے پہلے مغربی مورخ (ابن خلدون) نے پیش کیا. جیساکہ بین الاقوامی انسائیکلوپیڈیا بھی اسی شخص کو اس علم کا بانی سمجھتا ہے. ابن خلدون کے تجزیہ و تحلیل کا مطالعہ کرنے کے لئے مقدمہ ابن خلدون، جلد نمبر ۲ کا مطالعہ فرمائیں. مولف ابن خلدون. فارسی مترجم: محمد پروین گنابادی اسلامی انقلاب کے بعد یہ کتاب انتشارات علمی و فرہنگی نے نشر کی ہے.

فرمائیں کہ اسلامی مالیاتی نظام میں کچھ نرمیاں اور چھوٹ موجود ہے جس کے نتیجے میں حکومت اور عوام کے درمیان خوشگوار تعلقات و روابط بر قرار کئے جاسکتے ہیں.

ٹیکس کے متعلق پیغمبر اسلامؐ کا نظریہ

حضرت علیؑ کا نظریہ بیان ہو چکا . اب پیغمبر اسلامؐ کی ایک روایت بیان کرتا ہوں (حضرت علیؑ سے ایک اور دلچسپ مطلب نقل ہوا ہے جو کسی اور موقع پر بیان کروں گا) یہ روایت متعدد اسناد سے پیغمبر اکرمؐ سے نقل ہوئی ہے، یہ روایت (دعائم الاسلام) (۱) میں نقل ہوئی ہے. کتاب دعائم الاسلام کا مؤلف کہتا ہے کہ حضرت علیؑ نے پیغمبر اکرمؐ سے نقل کیا ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا:

انّه ،صلى الله عليه و آله و سلم ،نهىٰ ان يخلف الناس على صدقاتهم و قال هم فيها مامونون۔

پیغمبر اسلامؐ صدقہ وزکات وصول کرنے والوں کو اس بات کی اجازت نہیں دیتے تھے کہ لوگوں کو قسم کھانے پر مجبور کیا کریں بلکہ لوگوں کی بات پر اعتماد کرنا چاہئے .جب لوگ ٹیکس کی ادائیگی کی رسید دکھاتے تھے تو زکات وصول کرنے والے افراد قبول کرتے تھے . اور لوگوں کو قسم پر مجبور نہیں کرتے تھے. ان پر دباؤ نہیں ڈالتے تھے،

---

(۱)۔ دعائم الاسلام کے مؤلف سید حسن بن نصر اللہ ارموی ہیں. یہ کتاب :ارکان اسلام واصل الاسلام ؛ کے نام سے ایک جلد میں تبریز سے شائع ہو چکی ہے. جبکہ دوسرا اڈیشن تہران میں ۱۳۲۹ ش میں انہی حروف کیساتھ شائع ہو چکا ہے.

بلکہ ان پر اعتماد کیا جاتا تھا.(۱)

حضرت علیؑ پیغمبر اکرمؐ سے نقل کرتے ہیں

نهی رسول الله ان یغلظ علیهم فی اخذها منهم

پیغمبر اکرمؐ صدقات کی وصولی میں سختی سے منع فرماتے تھے.

حضرت علیؑ مزید فرماتے ہیں :

و ان یقهروا علی ذلك ، او یغیروا ، او یشدد علیهم فوق طاقتهم(۲)

لوگوں کو مجبور نہ کرو، انھیں مارو پیٹو نہیں اور ان سے ان کی طاقت سے زیادہ وصول نہ کرو

ٹیکسوں کی جمع آوری میں حضرت علیؑ کا طریقہ کار ؛

حضرت علیؑ نے ٹیکسوں کی جمع آوری کرنے والے ایک شخص کو مجمع عام میں ارشاد فرمایا :

و انظر خراجك فی الجهل ولاتترك منه درهماً

تم جاؤ اور پوری شدت کے ساتھ ٹیکس وصول کرنا یہاں تک کہ ایک درہم بھی معاف نہیں کرنا

آنجناب نے کھلے عام یہ ارشاد فرمایا اور اس کے بعد اس شخص کو مخاطب ہو کر فرمایا :

---

(۱)۔ الکافی ج ۷ : ص ۷ ۳ ۴

(۲) ۔ نہج البلاغہ ۔مکتوب نمبر ۲۵،۲۶

جب ٹیکس وصول کرنے جاؤ تو میرے ساتھ تنہائی میں ملاقات کرکے جانا

فاذا اردت ان تتوجه الی عملك فمرنی

ٹیکسوں کی وصولی پر تعینات یہ شخص کہتا ہے: میں حضرت علیؑ کی خدمت میں گیا. حضرت نے مجھ سے فرمایا: میں نے لوگوں کے سامنے جو کچھ کہا ہے وہ اس لئے تھا کہ لوگ ٹیکس کے معاملے میں سستی نہ کریں اور یہ خیال نہ کریں کہ لوگوں کے حقوق ادا نہیں کرتے ہیں.

انّ الّذی سمعته منی خدعة

کہیں ایسا نہ ہو کہ میرے ان الفاظ کو دلیل بنا کر لوگوں پر سختی کرو.

ایاك ان تضرب مسلماً او یهودیاً او نصرانیاً فی درهم خراج

کسی مسلمان، یہودی یا عیسائی کو ایک درہم ٹیکس نہ دینے کی وجہ سے مت مارنا

او تبیع دابّة عمل فی درهم

یا یہ کہ ایک درہم کی خاطر ان کے حیوانات کو مت بیچنا".

اس کے بعد حضرت علیؑ اس شخص سے فرماتے ہیں:

فانّما امرنا ان ناخذ منهم العفو(۱)

ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ٹیکس دہندہ کے ساتھ عفو و درگزر سے پیش آئیں

ٹیکس ایک حق ہے

دوسری طرف سے یہ بات بھی طے شدہ ہے کہ لوگوں کو کھلی چھٹی نہیں دی جا سکتی کہ اگر چاہیں تو ٹیکس ادا کریں اور اگر نہ چاہیں تو ٹیکس ادا نہ کریں. اس سے پہلے بیان کر چکا ہوں کہ

---

(۱)۔ نہج البلاغہ مکتوب نمبر ۲۶. یہ مضمون ان کے اس حدیث میں ملاحظہ فرمائیں.

خداوندگان خداکامال ہے اگر کوئی شخص ادانہ کرے تو اس کے مال میں باقی رہتا ہے اور روز قیامت ایک اژدہا کی شکل میں اس شخص کی گردن میں آویزان ہوگا. اگر حکومت کو نقصان اٹھانا پڑے تو حکومت زبردستی کر کے ٹیکس وصول کر سکتی ہے. لیکن اسلامی ثقافت و طریقہ کار یہ نہیں ہے کہ لوگوں کے ساتھ سختی کی جائے. بلکہ آہستہ آہستہ انہیں مومن بنایا جائے تا کہ اس کام کو انجام دیں اور اپنے ایمان کے مطابق عمل کریں. پھر کام کی کیفیت کا ملاحظہ فرمائیں. ہمارے سامنے بہترین دلیل حضرت علیؑ کا طریقہ کار ہے. آپ ملاحظہ فرمائیں کہ آنجناب کس طرح لوگوں سے ٹیکس وصول کرتے تھے؟

آپؑ نے فرمایا:

بعث امیر المومنین مصدّق من الكوفه الى باديتها

حضرت علیؑ کوفے کے دیہاتوں میں اپنے نمایندے روانہ کرتے تھے. اور انہیں فرماتے تھے: جب ٹیکس وصول کرنے کے لئے جانے لگو تو میرے احکامات لے کر جانا. حضرت علیؑ فرماتے ہیں:

يا ابا عبد الله (يا عبد الله ، انطبق عليك تقوىٰ الله.

شاید اس شخص کا نام ابا عبداللہ تھا. فرمایا اپنے اوپر اللہ کے تقویٰ کو ظاہر کرو

زکات و ٹیکس کی جمع آوری کی پہلی شرط تقویٰ ہے

لوگوں کے ساتھ برتاؤ اور اموال کی حفاظت میں تقویٰ اختیار کرو. اگر کوئی شخص با تقویٰ نہ ہو تو یہ ذمہ داری اس کے سپرد نہیں کی جاسکتی. حضرت علیؑ ٹیکسوں کی جمع آوری میں تقویٰ کی نصیحت فرماتے ہیں:

فاذا قدمت على الحيّ فانزل بمائهم من غير ان تخالط ابياتهم

جب وہاں جاؤ تو ہرگز لوگوں کے گھروں میں نہ جانا۔ دریا کے کنارے یا شہر سے باہر خیمہ نصب کرنا تاکہ لوگوں کی نظروں سے اوجھل رہو اور ان کے لئے مشقت کا باعث نہ ہو۔ لوگوں کے گھروں زندگی میں داخل نہ ہونا۔

ثم امض الیهم بالسکینة والوقار

لوگوں کے ساتھ شان و شوکت اور نرمی کے ساتھ روابط برقرار کرو

حتیٰ تقوم بینهم فتسلّم

جب لوگوں کے درمیان جاؤ تو ان پر سلام کرو۔

ثم تقول عباد اللّٰہ ارسلنی الیکم ولی اللّٰہ و خلیفته لاخذ منکم حق اللّٰہ هل للّٰہ فی اموالکم من حق؟۔

پھر کہنا مجھے اللہ کے ولی اور اس کے خلیفہ نے تمہاری طرف بھیجا ہے کہ تم سے اللہ تعالیٰ کا حق وصول کروں جو تمہارے مال میں ہے کیا تمہارے مال میں اللہ تعالیٰ کا حق ہے ؟

اس کے بعد حضرت علیؑ تاکید فرماتے ہیں :

فانْ قال قائل لا، فلا تراجعه(۱)

اگر لوگ کہیں ہمارے پاس کچھ نہیں ہے تو ان کی بات پر اعتماد کرو اور دوبارہ ان کی طرف رجوع نہ کرو (اور ان پر دباؤ مت ڈالنا)۔

سختی سے پرہیز

حضرت علیؑ زکات کی جمع آوری پر مامور افراد کو ارشاد فرماتے ہیں اگر لوگ ٹیکس دینا چاہیں اور قبول کریں کہ فلاں مال سے ٹیکس ادا کریں گے تو ان کے ساتھ سختی نہ کرنا مثلاً اگر انہوں نے ایک بھیڑ زکات کے طور پر دینی ہو تو بہترین بھیڑ کا انتخاب نہ کرنا۔ لیکن لوگوں کو حق

حاصل نہیں ہے کہ گھٹیا قسم کی بھیڑ زکات کے طور پر دیں. اگر ایک شخص عیب دار جنس زکات کے طور پر ادا کرے تو گویا اس نے زکات ادا نہیں کی اور اسے چاہیئے کہ بعد میں صحیح وسالم بھیڑ ادا کرے. تم تقسیم کرو اور کہو یہ مال کا آدھا حصہ ہے. اور پھر اس آدھے حصے کو دو حصوں میں تقسیم کرنا اور ہمیشہ زکات دینے والے کو اختیار دینا اور کہنا کہ تمہیں اختیار حاصل ہے جو حصہ چاہو لے لو.

آنجناب تاکید فرماتے ہیں:

(زیادہ تر مال زکات دینے والے کا ہے اور تمہارا حصہ اس کی نسبت بہت کم ہے، لہذا یہ خیال نہ کرنا کہ تمھیں مکمل اختیار حاصل ہے اور اس طرح اس پر دباؤ نہ ڈالنا. مال کو تقسیم کرنا اور اسے انتخاب کرنے کا حق دینا. دوسرے حصے کو تقسیم کرنا سے یہاں تک تقسیم کرنا کہ تمھاری مطلوبہ مقدار باقی رہ جائے اور آخر میں رہ جانے والا حصہ وصول کر لینا.

پس آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ زکات کی جمع آوری کا طریقہ کار اور لوگوں کے ساتھ رویہ، ٹیکسوں کی مقدار کی تعیین اور ٹیکسوں کی ادائیگی کا جدول اس بنیاد پر تیار کیا جائے کہ حکومت ایک طاقت ور اور ستمگر قرض خواہ کے طور پر لوگوں کے ساتھ برتاؤ نہ کرے. اور حکومت کی کوشش یہ ہونی چاہیئے کہ لوگ زکات کی ادائیگی میں دل، دین، ایمان اور اپنے عقائد سے مدد لیں۔

حضرت علیؑ زکات کی جمع آوری پر تعینات شخص سے ارشاد فرماتے ہیں:

اذا اتیت علی رب المال فقل تصدق رحمك الله مما اعطاك الله

جب زکات لینے جانا تو کہنا اے وہ شخص کہ جسے خدا نے مال و دولت عطا کیا ہے خدا

---

(۱)۔ نہج البلاغہ. خطبہ نمبر ۲۵

کے دیئے ہوئے مال میں سے حکومت کو ٹیکس ادا کرو".(۱)

جو شخص ٹیکس ادا نہیں کرتا

(رحمک اللہ) ایک ایسی تعبیر ہے جو زکات وصول کرنے والے کو استعمال کرنی چاہیئے. یہ وہی رویہ و بر تاؤ ہے جس کا حکم حضرت علیؑ نے دیا ہے. لیکن قرآن، پیغمبر اسلام اور حضرت علیؑ نے خدا کا حصہ نہ دینے والے شخص کے لئے بہت بری اور سخت تعبیریں استعمال کی ہیں:

حضرت علیؑ اس قسم کے افراد کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں

(متاما یھودیا او نصرانیا)(۲)

"یہ شخص یہود و نصاریٰ کی موت مرے گا".

زکات کے مال میں سے ایک پیسہ ادا نہ کرنے والے شخص کے لئے بہت سخت تعبیریں استعمال ہوئی ہیں. ٹیکس نادہندہ تمام لوگوں کے سامنے جواب دہ ہے۔ اور (حضرت علیؑ کے قول کے مطابق) روز قیامت فقراء و مساکین، غلام و آزاد، اور مشکلات میں مبتلا تمام پسماندہ لوگ اس سے اپنا حق طلب کریں گے (۱) اور اس کو عدالت کے کٹہرے میں لا کھڑا کریں گے.

قانونی اعتبار سے بھی یہ مال اس کا اپنا نہیں ہے. اس کا مال حرام ہے اور لوگوں کا مال شمار ہوتا ہے اس کی نماز بھی لوگوں سے متعلق اور اس کی آمدنی بھی لوگوں سے متعلق ہے.

تربیت اور اسلامی ثقافت

اسلامی طریقہ کار کی بنیاد اس چیز پر استوار ہے کہ ٹیکس کی وصولی پر تعینات اشخاص

---

(۱)۔ الکافی جلد ۳ صفحہ ۸ ۳ د

(۲) عقاب الاعمال صفحہ ۸ ے ۲ (باب عقاب مانع الزکاۃ) ملاحظہ فرمائیں

لوگوں کو تربیت اور اسلامی ثقافت کی طرف رہنمائی کریں اور لوگوں کے ساتھ ان کا برتاؤ اس طرح ہونا چاہیئے کہ لوگ اپنے ایمان و عقائد کی بنیاد پر زکات و ٹیکس ادا کریں.

اس قسم کا طریقہ کار بہت موثر ہے. ممکن ہے دس سال تک ہمیں نقصان اٹھانا پڑے لیکن تدریجاً ٹیکسوں کی ادائیگی وہ شکل اختیار کر لے گی جو صدر اسلام میں موجود تھی. صدر اسلام میں صورتحال یہ تھی کہ زکات دہندہ اپنا مال اونٹوں پر لاد کر مارا مارا پھرتا تھا لیکن زکات وصول کرنے والا شخص نہیں ملتا تھا.

یہ شخص آواز دیتا تھا:

(ہم کس مشکل میں پھنس گئے ہیں، ہم خدا کا مال ادا کرنا چاہتے ہیں لیکن کوئی مستحق نہیں ملتا)

یعنی صورتحال یہ تھی کہ لوگ مستحق کی تلاش کرتے تھے اور مستحق تک رسائی حاصل کرنے تک اپنے اموال کو سٹوروں میں رکھ دیا کرتے تھے. ہمارے لئے بھی اس جنگ کے دوران اس کام کا تجربہ کرنے کے لئے مناسب موقع ہے. چند روز قبل میں نے امام خمینیؒ ویلفیر کمیٹی کے عہدیداروں کے ساتھ ملاقات کی تو انہوں نے نہایت ہی دلچسپ واقعہ بیان کیا.

لوگوں کا حکومت کے ساتھ مالیاتی رابطہ

بڑی بڑی گانٹھیں لائی گئی تھیں جن میں چند کیلو گرام سونا، چاندی، کڑے گوشوارے اور ان کے علاوہ چھوٹی بڑی چیزیں موجود تھیں. یہ چیز خوشی کا باعث ہے کہ جمہوری اسلامی کا لوگوں کے ساتھ مالی رابطہ اس حد تک مستحکم و خوشگوار ہو چکا ہے.

(۱)۔ اسی خطبہ کا حاشیہ نمبر ۷ ملاحظہ فرمائیں.

امام خمینی ویلفیر کمیٹی کے عہدیداروں نے بتایا کہ یہ تحائف زیادہ تر تہران کے ان لوگوں نے دیئے ہیں جو لوگ امام خمینی ویلفیئر کمیٹی کے زیر کفالت ہیں اور حکومت سے امداد حاصل کرتے ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ امام خمینی ویلفیر کمیٹی ایک ایسا ادارہ ہے جو انقلاب کے اوائل میں غریب اور نادار لوگوں کی حالت بہتر بنانے کے لئے قائم کیا گیا۔

آج اس ادارے کی پانچ سو سے زیادہ شاخیں موجود ہیں اور یہ ادارہ ملک بھر میں ۱۳ لاکھ سے زیادہ اشخاص کی کفالت و سرپرستی کر رہا ہے۔ چھ ہزار سے زائد انسان اس ادارے میں خدمات سر انجام دے رہے ہیں جن میں سے ساڑھے تین ہزار آدمی تنخواہ کے بغیر کام کرتے ہیں اور اسے اپنے لئے باعث فخر سمجھتے ہیں۔

باقی اڑھائی ہزار ملازمین معمولی تنخواہ وصول کرتے ہیں۔ اس ادارے کے عہدیداروں کے بقول تقریباً سات ہزار چھوٹی صنعتیں قائم کی گئی ہیں اور غریب و نادار لوگوں کو خود کفیل بنایا گیا ہے۔ اور نہایت ہی مفلس و نادار لوگ اس ادارے کے زیر کفالت ہیں۔ یہ تمام تحائف اس قسم کے افراد نے دیے تھے جن کا ایک نمونہ یہ تھا۔ یہ لوگ اس کے علاوہ اور خدمات بھی سر انجام دیتے ہیں اور محاذ جنگ کے پیچھے رہ کر بھی خدمات سر انجام دیتے ہیں۔

شاندار مدد

جمہوری اسلامی کے زیر کفالت لوگوں کی طرف سے اتنی بڑی امداد دیکھ کر مجھے تعجب ہوا۔ کیسے ممکن ہے کہ یہ لوگ اتنے قیمتی تحائف عطا کر سکیں، لیکن غور و فکر کرنے کے بعد میں نے اسے بہت ہی خوبصورت پایا۔

یعنی جس غریب و نادار شخص کے گھر میں کچھ بھی نہیں ہے اور حکومت کی مدد سے زندگی گزارتا ہے ممکن ہے کہ جوانی کے دور میں اس کے پاس گوشوارے موجود ہوں اور اب

وہی گوشوارے محاذ جنگ کے لئے عطا کر رہا ہے. زکات کے مصرف کے بارے میں بعد میں گفتگو کریں گے۔آپ ملاحظہ فرمائیں کہ جن لوگوں کے پاس اور تو سب کچھ ہے لیکن ان کے پاس سال کا خرچ نہیں تو ایسے لوگ زکات کے مستحق قرار پا سکتے ہیں. اگر معاشرے میں ہمارے روابط کی نوعیت اس طرح ہو تو کوئی وجہ نہیں کہ فلان تاجر اس طرح عمل نہ کرے. سرکاری ملازمین بھی یہی کام سرانجام دیں گے.

اگر لوگ یہ احساس کریں کہ حکومت ان کے حق میں مخلص ہے اور فقط خوشنودی خدا کی خاطر ان کی حمایت و مدد کرتی ہے تو اس صورت میں روابط کی نوعیت یکسر بدل جاتی ہے. اور اگر لوگ یہ احساس کریں کہ ان گوشواروں کے بدلے میں انہیں بہشت میں بہترین چیزیں ملیں گی تب ہی روابط کی نوعیت بدل سکتی ہے.

حال ہی میں مجھے قم سے ایک لسٹ موصول ہوئی ہے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ حوزہ علمیہ قم کے طالب علموں نے (محاذ جنگ کی مدد) کے عنوان سے ایک انجمن بنائی ہے. (خود یہ طالب علم محاذ جنگ پر بھی جاتے ہیں یہ ایک علیحدہ مسئلہ ہے لیکن قابل توجہ یہ نکتہ ہے کہ طالب علم معاشرے کا غریب ترین اور مفلس ترین طبقہ ہے اور ابھی تک ان کے خاندانوں کی آمدنی بہت کم ہے دینی طالب علموں کی سطح زندگی غریب غیر دینی طالب علموں سے بہت پست ہے) .اس لسٹ سے پتہ چلتا ہے کہ ان طالب علموں نے محاذ جنگ کے لئے کتنی بڑی خدمات سرانجام دی ہیں. انہوں نے کمبل، عبا، قبا، پیسہ، ہیٹر، گھڑیاں، ریڈیو اور اس کے علاوہ اپنے پاس موجود بہت سی چیزیں محاذ جنگ کے لئے روانہ کی ہیں.

انسان انتہائی خوشی محسوس کرتا ہے کہ خدا نے اسے ایسے معاشرے میں زندگی بسر کرنے کی توفیق عطا فرمائی ہے کہ جس معاشرے کے غریب و پسماندہ افراد بھی اپنے تمام تر وسائل انتہائی خلوص کے ساتھ حکومت اسلامی کو دینے کے لئے تیار نظر آتے ہیں.

دوسرے ممالک کے لوگوں کی طرف سے محاذ جنگ کیلئے امداد

بھارت (۱) سے قابل توجہ رقم طالب علموں کے ذریعے محاذ جنگ کے لئے ارسال کی گئی ہے. ہمیں شرم محسوس ہوئی کہ ان لوگوں سے یہ رقم قبول کریں۔

لہذا ہم نے فیصلہ کیا کہ یہ رقم بھارت ہی میں اسلام کی تبلیغ پر خرچ کی جائے اور ہم اپنے بجٹ سے محاذ جنگ کی مدد کریں گے. کشمیر (۲)، پاکستان اور آفریقا سے بھی نسبتاً بڑے مبالغ موصول ہوئے ہیں. یہ حالت غریبوں کے ساتھ خاص نہیں ہے.

چند روز قبل عراقی مہاجرین نے لندن سے محاذ جنگ کے لئے ایک تحفہ بھیجا. تحائف کی نوعیت سے پتہ چلتا تھا کہ عراقی مہاجرین مالدار اشخاص تھے. قیمتی کپڑے اور اسی طرح کی اور قیمتی اشیاء بھیجی گئی تھیں.

---

(۱)۔ بھارت کی مجموعی آبادی کا ۴. ۱۱٪ حصہ مسلمانوں پر مشتمل ہے (اعداد و شمار کے مطابق ۱۹۹۲ میں بھارت کی آبادی ستاسی (۸۷) کروڑ بارہ لاکھ تھی). زیادہ تر بھارتی مسلمان اور خصوصاً وہ لوگ جو جمہوری اسلامی کے حامی ہیں غریب و نادار ہیں.

(۲)۔ کشمیر بھارت کے شمال مغرب میں واقع پہاڑی، زرخیز سرسبز و شاداب اور قابل دید علاقہ ہے. کشمیر میں بڑے بڑے دریا موجود ہیں اور کشمیر ہمالیہ کے پہاڑی سلسلے کے دامن میں واقع ہے. کشمیر کا دارالخلافہ سرینگر ہے. کشمیر کا رقبہ ۲۱۳۰۰۰ مربع کیلو میٹر ہے. دوسری عالمی جنگ کے بعد سے لے کر اب تک کشمیر کے معاملے پر بھارت و پاکستان میں اختلافات پائے جاتے ہیں.

۱۹۴۹ میں اقوام متحدہ نے ایک نظارتی کمیشن قائم کیا جو اس علاقے کی نظارت کرتا ہے اس وقت بھارت نے کشمیر پر ناجائز قبضہ کر رکھا ہے. مظلوم اور نہتے کشمیری مجاہدین بھارت سے آزادی حاصل کرنے کے لئے برسرپیکار ہیں.

یہ لوگ لندن مین زندگی گذارتے ہیں ان کی مالی حالت بھی اچھی ہے اور ان پر کسی قسم کا دباؤ اور زبردستی بھی نہیں ہے. لیکن اس کے باوجود بھی یہ لوگ اس طرح جنگی محاذ کی مدد کرتے ہیں. اسلام اسی چیز کا خواہاں ہے. اسلامی ثقافت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اعتماد، احترام، ادب، ایمان اور احساس ذمہ داری کی بنیاد پر لوگوں سے ٹیکس وصول کیے جائیں.

انسان کے دل، روح اور سینے میں موجود ضمیر اسے مجبور کرتا ہے کہ ہر حالت میں اپنا قرض ادا کرلے. یہ طے شدہ بات ہے کہ اگر کوئی شخص ٹیکس ادا نہیں کرتا تو حکومت اپنے اور معاشرے کے امور نمٹانے کی خاطر مجبوراً اس شخص سے ٹیکس وصول کرتی ہے. یہ قضیے کی ایک شق ہے. لیکن اس کی دوسری شق حکومتی عہدیداروں، وزارت خزانہ اور ٹیکسوں کی وصولی پر تعینات لوگوں سے خطاب ہے. مندرجہ بالا لوگوں سے خطاب ہو رہا ہے کہ تم لوگ جہاں بھی ہو تمھیں اپنے وظائف پر عمل کرنا چاہیئے اور اپنے پروگراموں کو آگے بڑھانا چاہیئے.

لوگوں کے ساتھ برا سلوک

لیکن اسلام و جمہوری اسلامی کی خدمت کرنے والے اچھے عوام کے ساتھ تمھارا رویہ اعتماد، احترام اور نرمی پر مبنی ہونا چاہیئے. کیونکہ اس کا نتیجہ وہی ہے جو ہمیں مطلوب ہے. کہیں ایسا نہ ہو کہ ٹیکس وصول کرنے والا کوئی شخص اپنے وظائف پر عمل کرنے کی بجائے ٹیکسوں کی وصولی میں زیادہ حساس اور سیریس ہو کر لوگوں کے ساتھ برا سلوک کرے.

ہم لوگ تمام مسائل سے آگاہ ہیں. یہ چیز پہلے زیادہ مقدار میں تھی لیکن اب کم ہے. مثال کے طور پر کاروباری لائسنس حاصل کرنے کے لئے جاتے ہیں، تو کوئی شخص توجہ نہیں دیتا. اس افسر سے اس افسر تک اور اس دفتر سے اس دفتر کے چکر لگانے پڑتے ہیں. لیکن اس کے برعکس جب کوئی افسر یا ملازم ٹیکس وصول کرنا چاہتا ہے تو پوری توجہ سے اپنا کام انجام دیتا ہے اور

کوئی چیز فراموش نہیں ہونے پاتی. ایسا نہیں ہونا چاہیئے، بلکہ لوگ یہ احساس کریں کہ سرکاری ملازمین جس طرح ٹیکس وصول کرنے میں تگ ودو کرتے ہیں اسی طرح لوگوں کی مشکلات حل کرنے کے لئے بھی سعی و کوشش کرتے ہیں. اور لوگوں کے حق میں مخلص ہیں. عام شخص کاروباری لائسنس حاصل کرنے کے لئے مارامارا پھرتا رہے لیکن سرکاری ملازم ٹیکس وصول کرتے، وقت مارامارانہ پھرے ؟.

ٹیکس کی وصولی پر تعینات لوگوں کو یہ خیال نہیں کرنا چاہیئے اور یہ نہیں کہنا چاہیئے کہ ہم نے اٹھارہ سال تعلیم حاصل کی ہے. اور ہماری سروس کی مدت ۲۳ سال ہے اور ہماری ماہانہ تنخواہ پانچ یا چھ ہزار تومان ہے، جب کہ اس شخص کے پاس گھریلو صنعت ہے اور اس کی ماہانہ آمدنی تیس ہزار تومان ہے، یہ کہاں کا انصاف ہے ؟ اس کا جواب یہ ہے کہ آپ بھی اس شخص کی طرح کام کر سکتے ہیں. اور آپ کو کسی نے سرکاری ملازمت پر مجبور تو نہیں کیا. یہ بات بھی معقول ہے کہ حکومت کو ایسی پالیسیاں مرتب کرنی چاہیئں جن سے لوگوں کی ماہانہ آمدنی میں توازن برقرار ہو سکے. لیکن ٹیکس وصول کرنے والے اشخاص کو یہ حق حاصل نہیں کہ لوگوں پر سختی کریں.

تمام پروگراموں کا ہدف یہ ہونا چاہیئے کہ لوگ آزاد رہتے ہوئے اپنی ایمانی قوت کی تحریک کے سبب میدان عمل میں قدم رکھیں، یہ فطری امر ہے کہ غلط فائدہ اٹھانے والے لوگ بھی ہوتے ہیں. پہلی بات یہ ہے کہ آیندہ چند سالوں میں آہستہ آہستہ ایسے لوگوں کی تربیت کی جائے گی. اور دوسری بات یہ ہے کہ یہ لوگ وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ پہچانے جائیں گے اور ان پر خصوصی توجہ دی جائے گی.

ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت پیغمبر اکرمؐ نے بعض ٹیکس نادہندہ اشخاص کے ساتھ جنگ کی اور فوج بھیج کر انہیں بہ عنوان کافر قیدی بنا کر لایا گیا. اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر ضروری ہو اور اس قسم کی شرائط و حالات پیدا ہو جائیں تو اس طریقے سے بھی ٹیکس وصول کئے جا سکتے ہیں.

لیکن ٹیکسوں کی جمع آوری، لوگوں کے ساتھ حکومت کے مالی روابط اور حقوق خدا کی وصولی کی بنیاد ایمان ہے۔ اور لوگوں کے حق میں تعمیری سوچ ایثار اور عفوودرگزر سے کام لینا چاہیئے۔

اجباری ٹیکس

یہاں پر ایک ظریف نکتہ قابل توجہ ہے۔ عام طور پر اجباری ٹیکسوں کا اثر اشیاء کی قیمتوں میں ظاہر ہوتا ہے۔ یعنی جب آپ زبردستی کسی صنعت یا کارخانے پر دباؤ ڈالتے ہیں کہ اپنے مزدوروں کی انشورنس کروائے تو یہ کارخانہ بھی اپنے اخراجات اور انشورنس کا حساب کرتا ہے اور فیصلہ کرتا ہے، جنس کی قیمتوں میں اضافہ کرے۔

لیکن اختیاری ٹیکسوں کا اثر قیمتوں میں ظاہر نہیں ہوتا۔ جو شخص ادا کرتا ہے وہ جنس کی قیمت بڑھا کر اس کی تلافی نہیں کرتا۔ بلکہ وہ تو خدا کی راہ میں دیتا ہے اور ایسے کاموں کو نتیجے کے خلاف تصور کرتا ہے۔ اور یہ امر اسلام کا طرۂ امتیاز ہے۔ اسلامی معارف میں جو ظرافتیں دیکھنے میں آتی ہیں تجربے سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کی جڑیں آسمانوں اور انسان کی گہری فطرت میں پائی جاتی ہیں۔ یہ بندگان کے لئے خدائی عطیہ ہے اور اس طرح کی پالیسی مرتب کی گئی ہے کہ جس سے ٹیکسوں کا نظام مطلوبہ اور پسندیدہ شکل اختیار کرلے۔

بنابر این ٹیکسوں کے مورد میں لوگوں کے تقویٰ سے مراد یہ ہے کہ ایک ایک پیسے کا حساب کریں اور شوق ورغبت کے ساتھ ادا کریں۔ لوگوں کو جان لینا چاہیئے کہ اگر انہوں نے دوسرے لوگوں کا مال کھایا تو روز قیامت ان کا گریبان پکڑا جائے گا اور اگر ضروری ہوا تو دنیا میں بھی ان سے وصول کیا جاسکتا ہے۔ ٹیکسوں کی وصولی پر تعینات اشخاص کے تقویٰ سے مراد یہ ہے کہ لوگوں کے ساتھ ان کا برتاؤ ادب، احترام عفوودرگذر اور ملائم رویئے پر مبنی ہو۔ اور اگر کسی مقام پر سختی کرنا لازم ہو تو بھی منطقی و معقول طریقے سے پیش آئیں۔

اٹھائیسواں خطبہ

اسلام میں عدالت اجتماعی کی گفتگو کا سلسلہ

زکواۃ فطرہ، فقہ اسلامی میں کفارات کے سولہ موارد کی

وضاحت

بسم اللہ الرحمن الرحیم "ومن یتق اللہ یکفر عنه سیاته ویعظم له اجرا"(۱)

آپ کو یاد ہو گا کہ عدالت اجتماعی کی بحث کے اقتصادی شعبے میں بحث کے سلسلہ کو عدالت قائم کرنے کے کلی و عمومی قوانین ور ہنما اصولوں کے بیان تک پہنچایا تھا۔

گزشتہ گفتگو کا خلاصہ

اس شعبے میں اسلام کا ہدف و مقصد یہ ہے کہ معاشرے میں موجود مال و ثروت کے پہاڑوں کی چوٹیوں کو تراش کر معاشرتی فقر و تنگدستی کے گڑھوں کو پر کیا جائے تاکہ دنیا کی نعمتوں سے بہرہ مند ہونے کے اعتبار سے معاشرے کے اشخاص میں توازن بر قرار ہو سکے اور مختلف طبقات کی زندگی کو ایک دوسرے کے قریب کیا جائے.

ہدف و مقصد اصلی یہی ہے اور جو چیزیں اب ذکر کر رہا ہوں انھیں وسائل و اسباب کے نام سے یاد کیا جا سکتا ہے. اس سلسلے میں تین اہم مالیاتی عناصر (خمس، زکات اور قابل تغیر و تبدل ٹیکس جنھیں اسلامی حکومت لاگو کر سکتی ہے) کی وضاحت کر چکا ہوں. چوتھے عنصر تک پہنچنے سے پہلے میں نے جملہ معترضہ کے طور پر زکات و ٹیکس دینے والے افراد کے ساتھ حکومت و

---

(۱) طلاق : ۵

اسلام کے رویہ و برتاؤ کو بیان کیا.

اس سلسلے میں عرض کیا ہے کہ ٹیکسوں کی وصولی میں اسلام کی پالیسی قناعت پر مبنی ہے اسلام کی کوشش یہ ہے کہ لوگوں کو ایسی راہ پر گامزن کیا جائے کہ لوگ شوق ور غبت اور قصد قربت، معاشرے کی خدمت اور فرامین الہی نافذ ہونے کی نیت سے ٹیکس ادا کریں. اس کے ساتھ ساتھ اسلام بے اعتمادی، سوء ظن، زبردستی اور اس قسم کے باقی امور سے اجتناب کرتا ہے مگر وہ موارد جہاں صورتحال ایسی ہو کہ زبردستی سے کام لینا ضروری ہو یا یہ کہ لوگ شوق و رغبت سے ٹیکس ادا نہ کریں. اس سے پہلے بیان کر چکا ہوں کہ ہماری ایک دلیل جنگی اخراجات پورے کرنے میں لوگوں کی بھرپور شرکت ہے اور اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ بہت اچھی پالیسی ہے.

یعنی اگر لوگ اچھی طرح جان لیں کہ وہ کیونکر اور کس لئے ٹیکس ادا کرتے ہیں اور یہ ٹیکس کہاں اور کس کے ہاتھوں خرچ ہوتے ہیں، اور یہ کہ معاشرے پر ٹیکس کے کون کونسے اثرات مرتب ہوتے ہیں تو یہ عامل ٹیکسوں کی وصولی اور دوسرے حقوق کی جمع آوری کا بہترین عامل ہے.

غیبی دلیل

اس ہفتے میری ابحاث کی تائید میں غیب سے ایک دلیل ہاتھ آئی اسے بیان کرتا ہوں اور اس کے بعد بحث کے ایک اور باب کے بارے میں گفتگو کروں گا. امام خمینی نے کاروباری لوگوں کے ساتھ اپنی ملاقات کے دوران دیندار اور کم آمدنی اور پسماندہ طبقے اور حکومت کے جنگی اخراجات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے، مالدار و ثروتمند طبقے کی ہلکی سی مذمت کی کہ وہ لوگ یہ باتیں سننے کے لئے تیار نہیں ہیں.

جو ٹیکس وصول کرنے کی کیفیت کا نمونہ ہیں اور حقیقی اسلامی سیاست کو آشکار کرتے ہیں، معاشرے میں اس قدر موثر واقع ہوئے کہ اس میں ایک عظیم لہر وجود میں آئی ہے.

بازار قم کا کردار

امام خمینیؒ کے بیان کے اثر کا ایک نمونہ قم کے تاجروں کی طرف سے چلائی جانے والی تحریک کی صورت میں سامنے آیا.

قم کے تاجروں نے اعلان کیا کہ دس ارب ریال (ایک ارب تومان) جنگی اخراجات کی غرض سے حکومت اسلامی کو دیں گے.

یہ ایک معمولی واقعہ نہیں ہے. قم کا بازار بہت چھوٹا بازار ہے شاید تہران کے بازار کا ۱۰۰/ ا حصہ ہو. قم کا بازار، اصفہان، مشہد، تبریز، شیراز اور دوسرے بڑے شہروں کے بازاروں سے بہت چھوٹا ہے.

دوسری طرف سے قم کے لوگ غریب بھی ہیں. اس شہر کی آبادی کا کچھ حصہ دینی طالب علموں پر مشتمل ہے جن کی حالت آپکے سامنے ہے. اس شہر کی آبادی کا کچھ حصہ وہ غریب ریٹائر مہاجر ہیں (جو دوسرے شہروں سے آئے ہیں) اور دنیا کی رنگینیوں کو چھوڑ کر فقط حضرت معصومہ سلام علیہا کی زیارت کے شوق سے قم آئے ہیں. اس شہر کی آبادی کا بڑا حصہ عراقی و افغانی مہاجرین و پناہ گزینوں اور جنگی مہاجرین پر مشتمل ہے. ان مہاجرین کی سطح زندگی بھی معلوم ہے.

قم کے لوگ بھی پسماندہ ہیں. اصولی طور پر قم کا بازار بڑی تجارت کا مرکز نہیں ہے. لیکن جب بازار کا چھوٹا سا حصہ اعلان کرتا ہے کہ ایک ارب تومان کی امداد دے گا تو یہ امر ان کی عظمت و شجاعت کی دلیل ہے. یعنی وہ اقتصادی میدانوں اور باقی تمام میدانوں میں سر فراز اور

کامیاب ہیں.(۱)

دوسری عوامی تحریکیں

اس سلسلے میں اور بھی چھوٹے چھوٹے کام ہوئے جو اپنی جگہ پر قابل قدر ہیں. مثال کے طور پر قومی اسمبلی کے ملازمین اور مزدوروں نے میرے ساتھ رابطہ کر کے اپنی تمام مدت ملازمت میں کی جانی والی بچت اور پونجی محاذ جنگ کی مدد کے لئے پیش کر دی.

ابھی ابھی ایک ملازمہ عورت نے خط لکھا ہے کہ میرا اور میرے شوہر کا کوئی بیٹا نہیں تھا جسے محاذ جنگ پر بھیجتے لہذا ہم اپنی زندگی کا تمام سرمایہ و پونجی (کہ جس میں سونا اور پیسہ شامل ہے) امام خمینیؒ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں خدا جانتا ہے کہ اس قسم کی تحریک جو مورد اعتماد و محبوب لیڈر اور معاشرے کی حمایت یافتہ حکومت کے ذریعے وجود میں آئی ہے کس قدر مؤثر واقع ہو سکتی ہے. یہ ہے اسلام کی اقتصادی پالیسی.

اس کے ساتھ اسلام نے قطعی منصوبہ بندی کی ہے کہ اگر وقت آجائے اور لوگ از خود میدان میں قدم نہ رکھیں تو اس صورت میں قانونی کاروائی کی جائے اور زبردستی کر کے ٹیکس وصول کئے جائیں.

لیکن مجھے مکمل اطمینان ہے کہ اسلامی معاشرے میں کبھی بھی یہ صورتحال پیدا نہیں ہوگی. یہ مطلب جسے جملہ معترضہ کے طور پر بیان کیا ہے یہاں اختتام کو پہنچا. اب میں اپنی اصلی

---

(۱) ارب کے بارے میں پہلے وضاحت کر چکا ہوں کہ اگر ایک ارب کو پانچ تومان کے نوٹوں میں تبدیل کیا جائے تو دنیا کے ایک کونے سے لیکر دوسرے کونے تک نوٹوں کی چادر بچھائی جا سکتی ہے. امام خمینیؒ کے بیانات کے نتیجے میں اتنی بڑی رقم عطا کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ غریب و نادار لوگوں کے حقوق حاصل کرنے اور انھیں مالی جہاد کے لئے تیار کرنے کے سلسلے میں اسلام کی پالیسی کس قدر اہمیت کی حامل ہے.

بحث کو آگے بڑھاتا ہوں. میری بحث اس پیسے کے بارے میں ہے جو پیسہ اسلام عدم مساوات کے گہرے گڑھوں کو بھرنے اور حکومتی اخراجات پورے کرنے کی خاطر وصول کرتا ہے.

واجب اقدامات

گزشتہ ابحاث میں عرض کر چکا ہوں کہ پیسے کی فراہمی دو طریقوں سے ممکن ہے. ایک واجب اقدامات کے ذریعے اور دوسرا مستحب اقدامات کے ذریعے (مستحب اقدامات جو میری بحث کا اہم و تعمیری حصہ ہے. اس کے بارے میں آیندہ گفتگو کروں گا).

آج واجب اقدامات کے ظاہر اسادے مگر نہایت اہم نمونے بیان کر کے اپنی بحث کو آگے بڑھاؤں گا. کچھ واجبات مالی ایسے ہیں جو ابتدائی نظر میں کم اہمیت معلوم ہوتے ہیں لیکن بحث کے اختتام پر واضح ہو گا کہ اسلام میں مالداروں سے پیسہ وصول کر کے غریب و نادر لوگوں کو دینے کی پالیسی میں کون کونسے لطیف نکتے پوشیدہ ہیں. واجب مگر ظاہری طور پر چھوٹی چیزوں میں سے (کفارات) و (زکات فطرہ) قابل ذکر ہیں. چونکہ زکات فطرہ ایک ہی ہے لہذا پہلے اسی کے بارے میں گفتگو کرتا ہوں اور بعد میں (کفارات) کے متعلق بحث کریں گے. اقتصاد و عدالت کے بارے میں اسلامی پالیسی میں ایک ظریف و دلچسپ نقطہ پایا جاتا ہے اسے سننے کے لئے اپنے آپ کو تیار کریں.

زکات فطرہ

زکات فطرہ ایک واضح موضوع ہے. اسلام نے عید فطر کے دن (زکات فطرہ) کے نام سے ٹیکس مقرر فرمایا ہے جس کا ظاہری مقصد انسانی صحت و سلامتی کی حفاظت ہے. لیکن ایک قابل توجہ رقم جمع ہو جاتی ہے. چونکہ ہماری طرح کے معاشرے (یعنی اسلامی معاشرہ) میں جس کی آبادی اس وقت (یعنی ۱۳۶۱ میں) چار کروڑ ہے. غریب اور نادار لوگوں کی تعداد کہ

جن کے پاس سالانہ خرچ موجود نہیں ہے تقریبادس فیصد ہوگی.

ہم فرض کرتے ہیں چار ارب آبادی میں سے ۳ ارب لوگ زکات فطرہ ادا کر سکتے ہیں (کیونکہ حتی ایک دن کے بچے کا بھی فطرہ واجب ہے) اگر زکات فطرہ کی مقدار تین کیلوگرام گندم یا چاول ہو اور یہ مقدار لوگوں سے وصول کی جائے۔ اگر تین کیلوگرام گندم کی قیمت پندرہ تومان فرض کی جائے تو تقریباً پچاس کروڑ تومان بعنوان زکات فطرہ ایک ہی دن میں جمع ہو جائے گا اور معاشرے کے غریب و نادار طبقے کو عطا کیا جائے گا. یہ ایک بہت بڑی رقم ہے. اب (کفارات) کی بحث کا آغاز کرتا ہوں.

کفارہ کا معنی

(کفارہ) کو (کفر) کے مادہ سے لیا گیا ہے اور کفر کا معنی ہے چھپانا، پوشیدہ کرنا. اس قسم کے مال کو (کفارہ) کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس مال کے ذریعے اس جرم کو چھپا دیا جاتا ہے انسان جس کا ارتکاب کر چکا ہوتا ہے. تمام حکومتوں میں (جرمانہ) نامی چیز پائی جاتی ہے. مثال کے طور پر ٹریفک قوانین کی خلاف ورزی کرنے والے کو (جرمانہ) کیا جاتا ہے. لیکن اسلام نے آج سے چودہ سو سال پہلے اس مسئلے کے بارے میں ظریف اور عمیق پالیسی اختیار کی اور اس مسئلے کو قانونی صورت میں بیان کیا جسے اسلامی قانون سازی کا عظیم معجزہ کہا جا سکتا ہے. اسلام نے اس کا نام (جرمانہ) نہیں بلکہ (کفارہ) رکھا ہے. چونکہ جس ہدف کے تحت یہ جرمانہ معین کیا جاتا ہے وہ ہدف (جرمانے) کی بجائے (کفارے) کے ساتھ مکمل مطابقت رکھتا ہے.

دوسرے الفاظ میں کفارہ انسانی خدمت کا ایک وسیلہ ہے جو خدمت قضاء ہونے والے امور کی تلافی کی غرض سے انجام پاتی ہے. اس طرح کفارہ خطاؤں پر پردہ ڈالنے اور اندرونی خرابیوں کی درستگی کا نام ہے. انسانی وجود جو گناہوں کے نتیجے میں آلودہ و تاریک ہو جاتا ہے، ایک

عمل کے نتیجے میں نئے سرے سے پاک ونورانی ہو جاتا ہے. میں نے اپنے محدود مطالعہ کے نتیجے میں اسلامی فقہ میں کفارہ کے سولہ موارد تک دسترس حاصل کی ہے. (اگر علماء کرام مزید تحقیق کریں تو ممکن ہے اور موارد بھی موجود ہوں) کفارے کے ان سولہ موارد میں سے بعض موارد ایسے ہیں جہاں کفارہ نافرمانی کے مقابلے میں قرار پایا ہے.

بعض کفارے (تخییری) ہیں اور بعض (ترتیبی) ہیں. ترتیبی سے مراد یہ ہے کہ اگر پہلا مورد ممکن نہ ہوا تو دوسرا امور انجام دینا ہوگا. کفارے کے بعض نمونے (جمعی) ہیں جہاں تمام موارد کو انجام دینا ضروری ہے. کفارے کی مختلف اقسام ہیں(۱). کفارے کے سولہ موارد کی وضاحت سے پہلے ایک اسلامی و نفسیاتی بحث کی طرف اشارہ کرتا ہوں تاکہ آپ لوگ آگاہ ہو سکیں کہ گناہوں اور انحرافات کا مقابلہ کرنے اور ان بیماروں کے علاج سے متعلق اسلامی طریقہ کار کیا ہے.

کفارے کی بنیاد تقوی پر ہے

ارکان خطبہ میں سے ایک رکن تقوی ہے لہذا اس مقام پر اپنا وظیفہ ادا کرتا چلوں. کفارے کی بنیاد تقوی پر استوار ہے. میں نے اپنی گفتگو کے آغاز میں آیہ شریفہ کی تلاوت کی تھی

من یتق اللّٰہ یکفر عنہ سیاتکم ویعظم لہ اجرا.

ان تتقوا اللّٰہ یجعل لکم فرقاناً و یکفر عنکم سیاتکم.(۲)

۱۔ کفارے کے سولہ موارد اور ان کے تخییری و ترتیبی ہونے کے بارے میں مطالعہ کرنا مقصود ہو تو توضیح المسائل (خصوصاً روزہ، نذر و قسم کے باب میں) اور دوسری فقہی کتب کی طرف رجوع کریں.

(۲).انفال:۲۹

اگر تقوی اختیار کرو گے تو خداوند تمہیں ایسی بصیرت و قدرت عطا فرمائے گا جس کے ذریعے حق و باطل میں تمیز کر سکو گے. اور خداوند تمھارے گناہوں پر پردہ ڈال دے گا. تقوی، کفارہ اور گناہوں کی تلافی کے درمیان ڈائریکٹ رابطہ موجود ہے. میرے خیال کے مطابق تقوی معاشرے میں علاج اور حفظان صحت کا کام دیتا ہے (اگر جسمانی علاج کے ساتھ مقایسہ کیا جائے). حفظان صحت اس متقی انسان میں بصیرت کا نور موجود ہوتا ہے۔

ان تتقوا اللّٰہ یجعل لکم فرقانا(۱)

تقویٰ اس اعتبار سے علاج کا کام دیتا ہے کہ اگر انسان سے کوئی لغزش سرزد ہو جائے یا انسان سیدھی راہ سے منحرف ہو جائے تو تقویٰ ایسا عامل ہے جو انسان کی اصلاح کر دیتا ہے

ویکفر عنکم سیاتکم(۲)

خداوند متعال قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

ان تجتنبوا کبائر ما تنھون عنه نکفر عنکم سیاتکم و ندخلکم مدخلا کریماً(۳)

اگر تم کبیرہ گناہوں سے اجتناب کرو گے جن سے منع کیا گیا ہے تو ہم تمھارے گناہ معاف کر دیں گے اور تمہیں دنیا و آخرت میں بلند مرتبہ عطا کریں گے.

پروردگار عالم اس آیہ کریمہ میں فرمارہا ہے

اگر تم گناہان کبیرہ سے پرہیز کرنے پر قادر ہوئے تو یہ پرہیز کی قدرت تمہارے اندر

---

(۱)انفال :۲۹

(۲)انفال :۲۹

(۳)نساء :۳۱

نفسیاتی اور حفظان صحت کا ایسا عامل ایجاد کرے گی جو تمہاری حفاظت کرے گا. پس تقویٰ معاشرے اور انسان کے لئے (نفسیاتی حفظان صحت) کا سبب ہے یعنی معاشرے کا ماحول انحراف سے پاک وپاکیزہ ہو جائے گا اور انسانیت محفوظ رہے گی. اس کے ساتھ ساتھ تقویٰ (علاج) بھی ہے اور انحرافات میں مبتلا انسان تقوی کے وسیلے سے اپنی اصلاح کر سکتا ہے. اور یہ (کفارہ) ہے. پس تقوی حفاظت کا وسیلہ (مادہ وقایہ میں حفاظت کا مفہوم پوشیدہ ہے) اور انسان پر شیطانی یلغار کے سامنے ڈھال سمجھا جاتا ہے. اگر شیطان انسان پر حملہ کرنے میں کامیاب بھی ہو جائے تو اس کے بعد بھی تقویٰ شیطان کے ساتھ مقابلے کا ذریعہ ہے اور شیطان سے انسان کو رہائی دلا سکتا ہے. اب (کفارات) کے جزئی مسائل کو بیان کرتا ہوں.

گناہوں کی پودوں اور ٹہنیوں سے تشبیہ

حدیث نبویؐ:

پیغمبر اکرمؐ کی مشہور روایت ہے. پیغمبر اکرمؐ ایک سفر کے دوران بے آب وگیاہ ریگستان و صحراء سے گزرے آنحضرتؐ نے اپنے اصحاب سے فرمایا۔ کچھ لکڑیاں اکٹھی کرو. اصحاب نے عرض کی: یارسول اللہ! اس صحراء میں لکڑیاں کہاں سے آئیں ہم جس طرف جائیں ریت ہی ریت نظر آتی ہے.

پیغمبر اکرمؐ نے ارشاد فرمایا: بہر حال جاؤ اور ایندھن جمع کرو.

اصحاب مایوسی کی حالت میں مختلف اطراف میں پھیل گئے. کچھ دیر بعد واپس آئے تو ہر شخص کے ہاتھوں میں چھوٹی چھوٹی ٹہنیاں اور خشک پودے تھے جو انہوں نے اس صحرا ہی سے اکٹھے کئے تھے. جب تمام اصحاب نے جمع کردہ ایندھن ایک جگہ پر اکٹھا کیا تو ایندھن کا ایک ڈھیر لگ گیا، اس وقت پیغمبر اکرمؐ نے ارشاد فرمایا: گناہ تمھارے اس کام کی طرح ہیں انسان اپنی

زندگی میں بہت سے گناہ انجام دیتا ہے لیکن ان پر توجہ نہیں دیتا(۱).

اگر آپ اپنے اعمال پر نظر ڈالیں اور رات کی تاریکی میں اپنا محاسبہ کریں تو معلوم ہوگا آپ نے کتنے برے اعمال انجام دیئے ہیں جن کے جبران کے لئے کفارے کی ضرورت ہے. آپ ناشتے کی میز پر بیٹھے ہوئے، روٹی کے ٹکڑے دور پھینک دیتے ہیں، چائے کے کپ کے پیندے میں چینی کی کچھ مقدار رہ جاتی ہے جو کپ دھونے سے ضائع ہو جاتی ہے اپنی گاڑی کی صفائی کرتے ہوئے کوڑا کرکٹ سڑک یا گلی میں پھینک دیتے ہیں بغیر موقع محل کے گاڑی کا ہارن بجاتے ہیں جس کے نتیجے میں لوگ ڈر جاتے ہیں.

برفباری میں پھنسے ہوئے شخص کو اپنے حال پر چھوڑ دیتے ہیں اور اسے گاڑی پر سوار نہیں کرتے ہیں اپنے گاہک کو بلاوجہ لیٹ کرتے ہیں یا آپ کے پاس ایک جنس موجود ہوتی ہے لیکن اپنے گاہک کو نہیں دیتے. جنس کی خرید و فروخت کرتے وقت غلط بیانی سے کام لیتے ہیں رات کے وقت جب اپنے بستر پر لیٹے ہوں تو ان چھوٹے چھوٹے کاموں کو نوٹ کریں تو گناہوں کی ایک طویل و عریض لسٹ سامنے آئے گی.

ان گناہوں میں سے بعض کا کفارہ ضروری نہیں ہے. ہماری زندگی ایسے مسائل سے پر ہے. حضرت پیغمبر اکرمؐ نے اپنے اس عمل کے ذریعے نفسیاتی اور معاشرتی طور پر امت کو بہترین درس دیا ہے. حضرت پیغمبر اکرمؐ نے غریب و نادار لوگوں کے لئے مال جمع کرنے کے ظریف و باریک پہلوؤں پر بھی توجہ دی ہے اور مسئلہ (کفارہ) کو بھی پیش کیا ہے جس کے دو یا تین موارد کی وضاحت کرنا چاہتا ہوں.

---

(۱)۔ وسائل الشیعہ جلد ۲ صفحہ ۶۲ ۴اس روایت کو شہید مطہری نے اپنی کتاب (سچی کہانیاں) میں کہانی اور نثر کی صورت میں درج کیا ہے. (سچی کہانیاں) جلد نمبر ۱ صفحہ ۲۰۴ و ۲۰۵.

کفارے کی اقسام

جہاں تک میرا حافظہ ساتھ دیتا ہے، کفارے کے بارے میں کبھی کہا جاتا ہے ایک غلام آزاد کرو یا ساٹھ روزے رکھو یا ساٹھ مسکینوں اور غریبوں کو کھانا کھلاؤ. بہت سے کفارے اس طرح ہیں کہ ان میں انسان مخیّر ہے کہ یا دس غریبوں کو کھانا کھلائے یا دس غریبوں کو لباس پہنائے یا کچھ دن روزے رکھے.

ان کفاروں میں سے آٹھ کفارے ایسے ہیں جن میں ساٹھ مسکینوں کو کھلانا ایک ایسا متبادل عمل ہے جو دوسری دو چیزوں یعنی ساٹھ دن کے روزے کے مقابلہ میں اور غلام کو آزاد کرنے کے مقابلہ میں آیا ہے. عام طور سے یہ دو متبادل چیزیں انجام نہیں دی جاتیں. کیونکہ ساٹھ دن روزے رکھنا ایک مشکل ودشوار کام ہے اور اسی طرح غلام آزاد کرنا بھی ممکن نہیں ہے کیونکہ اس وقت غلام نہیں پائے جاتے. اصولی طور پر اسلام کی پالیسی بھی یہی تھی کہ غلام نہ پائے جائیں. نتیجہ یہ کہ تمام کفارے ساٹھ (مسکینوں کو کھانا کھلانے) کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں. اب کفارہ کے آٹھ موارد کی وضاحت بیان کرنا چاہتا ہوں. انسان کو قتل کرنا دو طرح قابل تصور ہے. ایک یہ کہ عمداً قتل کیا جائے دوسرا یہ کہ سہواً قتل ہو جائے۔ عمدی قتل کی اصلی سزا جہنم ہے۔

یہاں بھی (کفارہ جمع) دینا ہوگا یعنی غلام بھی آزاد کرے. ساٹھ روزے بھی رکھے اور ساٹھ مسکینوں کو کھانا بھی کھلائے. لیکن اگر قتل سہوی ہو تو تخییری کفارہ واجب ہوگا. یعنی یا غلام آزاد کرے یا ساٹھ روزے رکھے یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے، اس صورت میں بھی عملی طور پر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانے کی باری آئے گی.

ماہ رمضان میں روزہ چھوڑ دینا بھی دو طرح کا ہے. یا تو کوئی شخص حرام کام کے ذریعے

روزہ توڑتا ہے (نعوذباللہ) شراب پیتا ہے یا نا محرم عورت سے زنا کرتا ہے۔ اس مورد میں (کفارہ جمع) دیا جائے گا۔ دوسری قسم یہ ہے کہ حلال طریقے سے روزہ تاڑ دیتا ہے (مثلاً کھانا کھاتا ہے) تو اس مورد میں کفارہ تخییری دینا پڑتا ہے۔

عہد شکنی اور قسم توڑنا

ایک اور مورد عہد شکنی (۱) اور حنث نذر ہے۔ مثلاً آپ نذر کرتے ہیں کہ فلاں کام انجام نہیں دیں گے۔ آیندہ سگریٹ نوشی نہیں کریں گے، مشہد جائیں گے، محاذ جنگ پر جائیں گے یا مخفی پناہ گاہیں اور مورچے بنائیں گے۔ یا (عہد) کرتا ہے مثلاً خدا کے ساتھ عہد کرتا ہے کہ آیندہ سگریٹ نوشی نہیں کرے گا۔ اگر عہد شکنی کرتے ہوئے سگریٹ نوشی کرے تو کفارہ دنیا ہو گا۔ یا غلام آزاد کرے یا ساٹھ روزے رکھے یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔

چھٹا مورد

جز المرئة شعرها فی المصاب

یعنی مصیبت کی حالت میں عورت کا بے تاب ہو کر اپنے بال کاٹنا۔ یہ مورد موجودہ معاشرے میں بہت کم انجام پاتا ہے کہ عورت قینچی کے ذریعے اپنے بال کاٹے۔ چونکہ یہاں (جز) یعنی قینچی کے ذریعے کاٹنا شرط ہے۔ (سحف جو کھینچنے اور جڑ سے نکالنے کے معنی میں ہے دوسرے مقامات پر وارد ہوا ہے) اس مورد یعنی (جز الشعر) میں بھی کفارہ دینا ہو گا یا غلام آزاد

---

(۱) عہد و نذر کے لئے خاص الفاظ کی ضرورت ہے۔ ایسا نہیں کہ صرف ذہن میں لے آئے۔ بلکہ خدا کے ساتھ قرارداد باندھنا ہوتی ہے۔ عربی میں صیغہ پڑھنا ضروری نہیں ہے بلکہ فارسی میں بھی صیغہ جاری کیا جا سکتا ہے۔

کرے. یاساٹھ روزے رکھےیاساٹھ غریبوں مسکینوں کو کھانا کھلائے.

ایک مورد بعنوان (ظہار) ہے جوآج کل موجود نہیں ہے. یہ عربوں کی رسم ہے. قسم کھاتے تھے کہ آج کے بعد اپنی زوجہ کے ساتھ ہمبستری نہیں کریں گے. یہ قسم ان کے ساتھ مخصوص تھی اوراس کی عبارت یہ ہے:

ظهرك عليّ كظهر امّي

شوہر اپنی بیوی سے کہتا ہے

تمھاری پشت میری ماں کی پشت کی طرح ہے

اگر کوئی شخص ایسا اقدام کرے تواسے کفارہ دینا پڑتا ہے. پانچ موارد اور بھی ہیں جہاں ساٹھ مسکینوں کی بجائے، دس مسکینوں کو کھانا کھلانا پڑتا ہے. ان میں سے ایک مورد یہ ہے کہ ماہ رمضان کے قضاء روزے کوبعد از ظہر افطار کرے. ایک اور مورد (جوبہت زیادہ جنتلابہ ہے) یہ ہے کہ مصیبت نازل ہونے کی صورت میں عورت اپنےبال نوچے

نتف المرئة شعرها(۱)

خواتین عام طور سے یہ کام انجام دے دیتی ہیں. یا (خدش المرئة وجهها) یعنی عورت کااپنے چہرے کو نوچنا. خواتین معمولاً مصیبت وغم کے دوران ایسے کام کرتی ہیں. معمولاً مالدار عورتیں کہ جن میں صبر و تحمل کم ہوتاہے ناگوار حادثات کی صورت میں اپنا چہرہ نوچتی ہیں .اگر خراش کے نتیجے میں خون نکل آئے تودس مسکینوں کو کفارے کے طور پر کھانا کھلانا پڑتا ہے.

ایک مورد یہ ہے کہ مرد اپنی اولاد یابیوی کی وفات پر اپنالباس پھاڑے اور گریبان چاک

(۱)یہ مورد جز المرئة شعرها فی المصاب یعنی قینچی کے ساتھ کاٹنے سے مختلف ہے.وہاں پر اس عمل کاکفارہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا تھاجب کہ یہاں پر کفارہ دس مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے.

کرے۔

شق المرء ثوبه فی مصاب زوجتهاو ولده

میرے خیال میں اس کا کفارہ بھی تقریباً یہی ہے کہ دس مسکینوں کو کھانا کھلائے. اس چیز کا واقع ہونا بھی فراوان ہے. بہر حال جو مرد اپنی بیوی کی وفات پر گریبان چاک کرتا ہے بہت اچھا مرد ہے اور امید کرتا ہوں کہ ایسے مردوں کی تعداد معاشرے میں زیاد ہونی چاہیئے، لیکن انہیں یہ کام نہیں کرنا چاہیئے! بلکہ انہیں غیرت مند اور اچھا مرد ہونا چاہیئے جو مصیبت پر صبر کرے.

روزے کی قضاء

ہمارے پاس دو اور مورد بھی ہیں مثلاً آپ ماہ رمضان میں روزے نہیں رکھ پائے اور سستی کی اور دوسرے رمضان سے پہلے ان روزوں کی قضاء بجانہ لائے تو اس صورت میں ایک (مد) (تقریباً ایک کیلوگرام سے کچھ کم) بعنوان کفارہ غریبوں کو دینا ہوگا.

یہ عذر کی صورت میں ہے اور بعد میں قضاء بجالائیں. اگر آپ کا عذر برقرار رہا تو دوبارہ وہی مقدار ادا کرنا پڑے گی. ایک اور مورد بھی ہے. اگر حج میں کچھ کوتاہیاں کریں تو ایک بھیڑ ذبح کرنا پڑتی ہے اگر بھیڑ ذبح نہ کرسکیں تو مسکینوں کو کھانا کھلانا پڑتا ہے.

یہ سولہ موارد تھے جو اب تک میری نظروں سے گذرے ہیں. حتی کہ جہاں انسان نے دیہ ادا کرنا ہو، مقتول کا وارث معاف کردے (فمن تصدّق فهو كفارة له) تو اس صورت میں بھی ایک قسم کا کفارہ ادا کرنا پڑتا ہے. ممکن ہے آپ کے ذہن میں یہ خیال آئے کہ یہ چھوٹے چھوٹے موارد تو زیادہ اہمیت کے حامل نہیں ہیں. لیکن میں نے جو محاسبہ کیا ہے اس کی بنیاد پر ان موارد میں بہت بڑی رقم جمع ہو جاتی ہے. فرض کریں کہ ہمارے ملک کی مجموعی آبادی کا ۵۵٪

(پچپن) حصہ بالغ عاقل ہو اور ۴۵٪ (پینتالیس) حصہ غیر بالغ و غیر عاقل ہو یا ان کی عمر کم ہو یا یہ کہ بعض دوسرے عوامل کے نتیجے میں ایسے ہوں).

اس بنا پر اگر دو کروڑ بالغ عاقل موجود ہوں (۱) اور فرض کریں کہ ان دو کروڑ اشخاص میں سے اوسطاً ہر شخص دو سال میں ایک بار قسم کھائے. (۲) یا بیس لاکھ اشخاص (تقریباً دس فیصد) روزہ نہ رکھیں اب آپ پہلے دن کو فرض کریں. روزہ نہ رکھنا ہمارے معاشرے میں فراوان ہے. (البتہ ہماری خواہش ایسے معاشرے کا قیام ہے جس میں کوئی شخص ایسا نہ ہو جو روزہ نہ رکھے لیکن عملی طور پر جانتے ہیں کہ لوگ تیس کے تیس روزے ہضم کر جاتے ہیں. اور بعض لوگ ایسے ہیں جو ایک دو روزہ نہیں رکھتے) اگر ان بیس لاکھ اشخاص میں سے ہر شخص ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے تو اس کے اعداد و شمار کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے؟

کھانے کی کیفیت اور اس کی مقدار بھی مناسب ہونی چاہیئے یعنی وہی کھانا جو آپ اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہیں. کم سے کم ایک وقت کا کھانا اور زیادہ سے زیادہ تین وقت کا کھانا لیکن تین وقت کھانا کھلانا افضل ہے. اگر ایک وقت کے معمولی کھانے کی قیمت بیس تومان حساب کی جائے

---

(۱) جس وقت یہ خطبہ دیا جا رہا تھا اس وقت ایران کی آبادی تقریباً چار کروڑ تھی.

(۲) جو مورد فراموش ہو گیا وہ ہر قسم کا مورد ہے. اگر انسان قسم اٹھائے اور قسم کو توڑ دے. قسم کا مطلب یہ ہے کہ آپ سچ بولنے کی قسم اٹھاتے ہیں. اگر کوئی شخص قسم اٹھائے کہ آج بارش آئے گی تو اسے قسم نہیں کہا جا سکتا اور نہ ہی اسی کی مخالفت کی صورت میں کفارہ واجب ہوتا ہے.

یہ لوگوں کی غلط فہمی ہے کہ اسے قسم خیال کرتے ہیں. اگر کسی شخص کو قسم دلوائے کہ فلاں کام انجام دو گے. یہ بھی قسم نہیں ہے. قسم یہ ہے کہ کوئی کام انجام دینے کا فیصلہ کرو مثلاً یہ کہو کہ آیندہ سگریٹ نوشی نہیں کروں گا اور ساتھ قسم بھی کھاؤ: (واللہ سگریٹ نوشی نہیں کروں گا) اگر قسم پر عمل نہ کرو تو دس مسکینوں کو کھانا کھلانا ضروری ہے -

اگر بیس لاکھ اشخاص میں سے ہر شخص ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے تو کھانا کھانے والے مسکینوں کی تعداد بارہ کروڑ ہو گی اور کفارے کی رقم تقریباً اڑھائی ارب تومان تک پہنچ جائے گی. ابھی تو ہم نے معمولی رقم کو مد نظر رکھا ہے. کیونکہ قرآن مجید میں آنے والا حکم بھی اسی بنیاد پر مبنی ہے.

من اوسط ما تطعمون اہلیکم او کسوتھم (۱)

جو کچھ آپ اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہیں یا پہناتے ہیں مسکینوں کو بھی وہی کھلاؤ اور وہی پہناؤ. یہ ناقص اعداد و شمار تھے جو انسانی ذہن میں بھی نہیں سما سکتے.

اب فرض کریں کہ اگر دو کروڑ افراد ہر سال ایک قسم توڑیں، تو کتنی بڑی رقم جمع ہو جائے گی (البتہ ایسے لوگ بھی ہیں جو پوری زندگی کے دوران عہد شکنی نہیں کرتے جب کہ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو دکان پر بیٹھے بیٹھے ایک گھنٹے میں دس دفعہ جھوٹی قسم اٹھاتے ہیں الغرض سب لوگ ایک جیسے نہیں ہیں). ہم عام مسلمان معاشرے کو مد نظر رکھتے ہیں اور اسی معاشرے کا ہر رکن اوسطاً سال میں ایک مرتبہ اس عمل میں ہم نے پہلے والے موارد میں بیس لاکھ انسانوں کو محور قرار دیا جب کہ یہاں دو کروڑ انسانوں کو محور قرار دیا ہے.

اگر یہ دو کروڑ انسان دس سالوں میں ایک بار مرتکب گناہ ہوں تو اعداد و شمار کی بازگشت اسی بیس لاکھ کی طرف ہو گی. یعنی پھر بھی ہر سال اوسطاً بیس لاکھ انسان مرتکب گناہ ہوں گے. ضمناً اس نکتے پر بھی توجہ کریں کہ کفارہ حتمی اور ناقابل معافی قرضوں میں سے ایک قرض ہے. یہاں تک کہ انسان کی وفات کے بعد وارثوں کو مرحوم کا ترکہ کفارہ ادا کیے بغیر تقسیم کرنے کا حق حاصل نہیں ہے

پس سب سے پہلے مرحوم کے ترکے میں سے کفارہ ادا کیا جائے اور اس کے بعد باقی

---

(۱) مائدہ. ۸۹

ماندہ ترکہ وارثوں میں تقسیم کیا جائے. کفارہ انسان کے مال سے تعلق رکھتا ہے اور مرنے کے بعد بھی اس کی گردن پر باقی رہتا ہے. عام لوگ جو مختلف مجبوریوں کی وجہ سے روزے نہیں رکھ پاتے مثال کے طور پر، سفر پیش آجاتا ہے یا مریض ہو جاتے ہیں. اور ان کا عذر باقی رہتا ہے اور دوسرے ماہ رمضان سے پہلے پہلے قضاء بجا نہیں لاتے ایسے لوگ ہمارے معاشرے میں بہت زیادہ ہیں.

اس کی دلیل یہ ہے کہ دیندار اور متدین انسان مرتے وقت وصیت کر کے جاتے ہیں کہ مرنے کے بعد کچھ سال ان کے لئے روزے رکھے جائیں. آپ خود حساب کریں اور ملاحظہ فرمائیں کہ اسی ایک (مدّ) سے کتنی بڑی رقم حاصل ہو سکتی ہے. یہ رقم ایک کھرب سے بھی تجاوز کر جاتی ہے.

اگر ایک معاشرے میں صحیح طریقے سے ان قوانین پر عمل کیا جائے تو غریبو ں مسکینوں کی بہت بڑی تعداد کی کفالت کی جا سکتی ہے. یہ رقم گورنمنٹ کے حق کا حصہ بھی نہیں ہے. میں نتیجہ گیری کرنا چاہتا ہوں :

اگر یہ چھوٹے چھوٹے امور (زکات، فطرہ) اور کفارے کے سولہ موارد جو واجب الادا ، ہیں اور اسلام میں انہیں تعیری جرمانے (گناہوں کی تلافی کرنے والا کفارہ) کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

اگر صحیح حساب کتاب کیا جائے اور قربت کی نیت سے ادا کئے جائیں اور بنابر احتیاط کچھ زیادہ مقدار دی جائے تو لوگوں کے مال میں سے ایک بڑی رقم غریبوں کے ہاتھ آئے گی. اگر صحیح حساب کیا جائے تو معاشرے سے غربت و تنگدستی کا خاتمہ کیا جا سکتا ہے.

انتیسواں خطبہ

اسلام میں عدالت اجتماعی کی گفتگو کا سلسلہ

کفارات لینے والے مستحق افراد کی سورہ توبہ کی آیت نمبر ۶۰ کی روشنی میں تقسیم بندی

کفارے اور انفاقات ادا کرنے کے شرائط

بسم اللہ الرحمن الرحیم "انما الصدقات للفقراء والمساکین والعاملین علیها" (۱)

معاشرتی ماحول میں اسلامی اقتصاد کا بیان

آپ کو ایک نکتے کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں کہ معاشرتی عدالت کے اقتصادی شعبے میں میری بحث، ایک خالص اقتصادی بحث نہیں ہے۔ یعنی اس کو (اسلامی اقتصاد) کے نام سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا۔

اگر ہماری بحث خالص اقتصادی بحث ہوتی تو ہمیں مجبوراً پیچیدہ اقتصادی ابحاث کا خلاصہ پیش کرنا پڑتا لیکن ہماری بحث (عدالت) کی بحث ہے اس وضاحت کے ساتھ کہ (عدالت) کی حدود وسیع و متعدد ہیں، عدالت کے مختلف شعبوں میں سے ایک شعبہ اقتصادی مسائل ہیں اور یہاں (اسلامی اقتصاد) کے متعلق پیش کی جانے والی ابحاث کو معاشرتی عدالت کے ساتھ منسلک کیا جاسکتا ہے۔

بنابر ایں آپ کو یہ توقع نہیں رکھنا چاہئے کہ میری ابحاث کا مجموعہ اسلامی اقتصاد کو مکمل طور پر بیان کر سکے گا۔ جو کچھ اب تک بیان کیا ہے اور بحث کے اختتام پر اس کی جمع بندی کروں گا،

---

(۱) توبہ: ۶۰

وہ یہ ہے کہ اسلام مال و دولت کے حصول کے طریقوں پر کڑی نظر رکھتا ہے تا کہ لوگ قدرتی وسائل اور نعمتوں سے بہ طور مساوی بہرہ مند ہو سکیں، مال و دولت کے حصول پر اسلامی نظارت کی وضاحت کر چکا ہوں۔ اس سلسلے میں کہا تھا کہ چونکہ اسلام نہیں چاہتا کہ انسانوں کے کام اور جدو جہد کا نتیجہ دوسرے حاصل کریں (لوگوں کی جدو جہد بھی متفاوت ہے) لہذا ایسی صورتحال وجود میں آتی ہے کہ لوگوں کے سرمایہ اور مال و دولت کی مقدار مساوی نہیں رہتی، بلکہ قدرتی طور پر بعض لوگوں کے پاس زیادہ مال و دولت موجود ہو جاتی ہے۔

غریبوں کے حق میں توازن بر قرار کرنے کا اسلامی اقدام

اس سے پہلے بیان کر چکا ہوں کہ لوگوں میں مالی توازن بر قرار کرنے کی خاطر اسلام نے یہ عملی قدم اٹھایا ہے کہ غریب و نادار لوگوں کی حالت بہتر بنانے کے لئے مالدار اور ثروتمند لوگوں سے مال و دولت کی کچھ مقدار وصول کی جائے۔ اس باب میں (یعنی ثروتمند لوگوں سے غریبوں کے لئے وصول کرنا) چند موارد کو واجب امور کے طور پر ذکر کیا تھا۔ خمس، زکات ٹیکس اور کفارے انہیں واجب امور میں سے ہیں۔ کچھ اور موارد بھی ہیں جنہیں بیان کروں گا۔ لیکن واجب حقوق اور غیر واجب حقوق (جنہیں بعد میں بیان کروں گا) کے درمیان ایک اہم بحث کی وضاحت ضروری سمجھتا ہوں۔

میرے خیال کے مطابق آج کی بحث اقتصادی شعبے میں اسلامی عدالت کی نسبت روح کی حیثیت رکھتی ہے۔ حتمی نتیجے تک پہنچنے سے پہلے اس سلسلے میں دیئے گئے دسیوں خطبات کی متعلقہ ابحاث کی جمع بندی پیش کروں گا اور کلی نتیجہ گیری کروں گا۔

اسلام میں طبقاتی تفاوت کی مخالفت

اگر آپ کو یاد ہو (یقیناً یاد ہو گا) میں نے اپنے خطبوں میں متعدد بار بیان کیا تھا کہ اس

شعبے میں اسلام کا ہدف و مقصد یہ ہے کہ مادی اور قدرتی وسائل سے بہرہ مند ہونے کے اعتبار سے معاشرے کے تمام افراد کی سطح زندگی ایک دوسرے کے قریب ہونا چاہیئے.

میرا یہ دعوی ہے (میرے پاس متعدد سوال موجود ہیں اور اس سلسلے میں تمام دانشوروں اور فضلاء کے ساتھ بحث کر سکتا ہوں اور گول میز کانفرنس میں شرکت سکتا ہوں کہ اسلام ہرگز اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ وسائل اور نعمتوں سے بہرہ مند ہونے کے اعتبار سے معاشرے اور دنیا میں ایک گہرا خلیج وجود میں آئے اور لوگوں کی بہت بڑی اکثریت پر پسماندگی مسلط کی جائے جب کہ ایک خاص طبقہ بے جا طور پر آسودہ اور خوشحال زندگی بسر کرے.

اگرچہ مالکیت کے بارے میں اسلام نے زیادہ اصرار نہیں کیا اور اسے کچھ فرقوں کے ساتھ قبول کیا ہے یہ ہے میرا دعوی اور آج کے خطبے میں اسی کی وضاحت کروں گا. ہم قبول کرتے ہیں کہ استعداد توانائیوں، واقعات، حوادث اور اخراجات (جو مختلف شکلوں میں انسانوں کو تحمل کرنا پڑتے ہیں) میں اختلاف کی وجہ سے کچھ لوگ مالدار ہیں اور کچھ مالدار و ثروتمند نہیں ہیں.

لیکن اسلام کی کوشش یہ ہے کہ وسائل سے بہرہ مند ہونے کے اعتبار سے مختلف طبقوں میں فرق نہیں ہونا چاہیئے، بلکہ سب لوگ بہرہ مند ہو سکیں. نادار لوگ بھی اسلامی معاشرے میں ایک معقول حد تک وسائل و نعمتوں سے فائدہ اٹھا سکیں.

پوشاک، غذا، صحت، رہائش، اور دوسری آسائشات، اور سیر و تفریح، اور وہ عبادات جو اخراجات کی متقاضی ہیں اور باقی سب چیزوں سے تمام لوگوں کو بہرہ مند ہونا چاہیئے. یہ فقط میرا دعوئی ہی نہیں، بلکہ شیعہ فقہاء کی واضح اکثریت کا فتوی بھی یہی ہے.

اسلام کے پسندیدہ اور آئیڈیل معاشرے کے قیام کی کیفیت

ممکن ہے آپ سوال کریں کہ کہاں سے ؟ معاشرہ کہاں سے یہ پیسہ فراہم کرے اور خرچ کرے ؟ اسلام نے اس مسئلہ کی ضمانت فراہم کی ہے اور میرا دعویٰ ۲ ہے کہ واجبات کے شعبے میں اس کی ضمانت دی گئی ہے اور اگر بعض حالات و شرائط کی وجہ سے واجبات سے یہ پیسہ فراہم نہ ہو سکے تو بعض اور موارد (جنھیں بعد میں بیان کروں گا) سے اس رقم کی فراہمی ممکن ہے.

گزشتہ ابحاث میں ذکر کیے جانے والے ٹیکسوں کی کچھ اقسام کو فی الحال ایک طرف رکھتا ہوں. اس کی وجہ یہ ہے کہ حکومت معمولاً کچھ خدمات کے مقابلے میں ٹیکس لگاتی ہے. اگر حکومت قانونی اور عوامی ہو تو اسے حق حاصل ہے کہ اگر ہزاروں اربوں خرچ کرنا چاہے تو لوگوں سے وصول کر کے اپنے امور نمٹائے.

وہ ایک علیحدہ بحث ہے جس کی وضاحت ٹیکسوں کے شعبے میں گذر چکی ہے. لیکن کچھ اور اقسام کہ جن میں خمس، کفارات، اور زکات شامل ہے. اس تخمینے کی بنیاد پر جسے پہلے بیان کر چکا ہوں۔ ہم اس نتیجے تک پہنچے ہیں کہ فقط کاروباری نفع سے حاصل ہونے والے خمس کی مقدار موجودہ معاشرے میں تقریباً سالانہ تیس ارب تومان ہے. اور اگر معدنیات اور دوسری چیزوں سے حاصل ہونے والے خمس کو ساتھ ملائیں تو یہ رقم تقریباً پچاس ارب تومان تک پہنچ جاتی ہے. زکات ایک ایسی عظیم آمدنی ہے کہ اگر بعض فقہاء کے فتویٰ کے مطابق مال تجارت سے زکات وصول کی جائے تو زکات کی مقدار خمس سے کم نہیں ہے.

کفارات اور باقی چھوٹی چھوٹی چیزوں کی مقدار بھی اتنی ہی ہے، جو اسلام مختلف وقتوں میں وصول کرتا ہے. یعنی ان واجب امور سے بیت المال کو تقریباً ایک کھرب سے لے

کر دو کھرب تک آمدن ہو سکتی ہے. اب اس آمدنی کو کس طرح خرچ کیا جائے ؟اس کے صرف کرنے کے طریقے بیان کر چکا ہوں.

خمس، زکات اور کفارات کا مصرف

بے شک کفارات غریبوں اور نیاز مندوں سے متعلق ہیں اور خمس بھی محتاجوں کا حق ہے. قرآن مجید میں بھی ہر شخص کا حصہ معین کیا گیا ہے. زکات کی صورتحال بھی اس آیہ کی روشنی میں واضح ہو جاتی ہے جس کی میں نے گفتگو کے آغاز میں تلاوت کی. اس آیہ کریمہ میں آٹھ مصرف بیان ہوئے ہیں. غرباء، مساکین زکات کی جمع آوری پر تعینات اشخاص غلام آزاد کرانا موجودہ دنیا میں متصور نہیں ہے

اسلامی معاشروں یہ مصرف نہیں پایا جاتا، یا بہت کم ہے) مولفۃ القلوب(۱) یعنی کفار کے دلوں کو اسلام کی طرف مائل کرنے کے لئے زکات کا پیسہ خرچ کرنا کیونکہ ممکن ہے کہ بعض کفار مالی امداد کی وجہ سے حق کے نزدیک ہوں اور ان کے دلوں میں اسلام سے محبت پیدا ہو جائے یا ایسے منحرف اور گمراہ مسلمان جنہیں مالی امداد کے ذریعے اسلام کے نزدیک کیا جا سکتا ہے.

اگر چہ بعض لوگوں کو اس سے اختلاف ہے لیکن مشہور فتویٰ یہ ہے کہ زکات کی رقم تالیف قلوب کی خاطر کفار اور مخالف مسلمانوں کو دی جا سکتی ہے.

فقراء مساکین اور مسافروں کا حصہ

ایک مورد وہ مسافر ہے جس کا خرچ سفر کے دوران کم پڑ جائے (مثلاً سفر کے دوران

---

(۱)۔ خطیب محترم اس بحث میں (تالیف قلوب) کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور اس کی وضاحت کرتے ہیں.

اس کی جیب کاٹ لی جائے یا کسی بھی وجہ سے اس کے پاس اپنا سفر مکمل کرنے کے لئے پیسہ موجود نہ ہو) جسے فقہی اصطلاح میں ابن السبیل کہا جاتا ہے۔ یعنی وہ شخص جس کے پاس اپنے وطن میں وسائل موجود ہوں لیکن دوران سفر اس کے پاس کچھ نہ ہو. ایسی صورتحال میں زکات سے اتنی مقدار میں دیا جاسکتا ہے جس کے ساتھ وہ اپنے وطن تک پہنچ سکے. فقراء و مساکین دو مختلف موضوع ہیں.

فقیر و غریب وہ ہے جو نیاز مند ہو لیکن مسکین وہ ہے جو نیاز مند ہونے کے ساتھ زمین گیر بھی ہو اور اس کی حالت ناگفتہ بہ ہو. زکات کا ایک اور مصرف (فی سبیل اللہ) ہے. یعنی ایسے کام جو نیک اہداف کی تقویت کا سبب ہوں.

بعض فقہاء نے کہا ہے کہ تمام اچھے کام فی سبیل اللہ میں شامل ہیں. لیکن بعض دوسرے فقہاء کا خیال ہے کہ فی سبیل اللہ فقط وہ کام ہیں جو راہ خدا اور حق کی تقویت کا سبب بنیں جیسے خدا کی راہ میں جہاد، یعنی علوم حاصل کرنا. مساجد بنانا اور اس طرح کے دوسرے کام، بہت سے فقہاء سب کاموں پر زکات خرچ کرنے کو جائز سمجھتے ہیں جن کاموں میں سے ہسپتال بنانا اور اس قسم کے دوسرے کام شامل ہیں.

یہ وہ موارد ہیں جو قرآن مجید میں ذکر ہوئے ہیں.

انما الصدقات للفقراء و المساكين و العاملين عليها و المؤلّفة قلوبهم و فى الرقاب و الغارمين و فى سبيل الله و ابن السبيل(١)

اس کے بعد بھی آیہ کریمہ میں دو دلچسپ جملے ذکر ہوئے ہیں(فريضة من الله) یعنی یہ حتمی فریضہ ہے جو ہر حال میں ادا کرنا ہے.

---

(١)توبہ: ٦٠

و اللہ علیم حکیم

یعنی خدا نے جو یہ قانون بنایا ہے خداوند عالم ودانا اور حکیم ہے.

یعنی یہ قانون علم وحکمت خداوندی پر مبنی ہے. میری بحث کے اختتام پر آپ اس نکتے کی طرف متوجہ ہوں گے کہ یہاں پر علم و حکمت جیسے الفاظ کیوں استعمال ہوئے ہیں. میں عرض چکا ہوں کہ اگر آپ مصارف زکات کا ملاحظہ فرمائیں تو موجودہ حالات میں ان مصارف کے مصادیق موجود نہیں ہیں. ان مصارف میں سے قابل اہمیت مصرف فقراء و مساکین ہیں. باقی موارد بھی ہیں لیکن ان کا مصرف زیادہ نہیں ہے.

اگر ہم واجب امور سے حاصل ہونے والی رقم کا تخمینہ ایک کھرب سے ڈیڑھ کھرب سالانہ لگائیں اور وسعت نظری سے فقہی مسائل پر نگاہ ڈالیں جس طرح آج کل آیت اللہ منتظری تحقیق کررہے ہیں.

(میرے خیال کے مطابق ان کی تحقیق روزمرہ مسائل اور ضروریات کے مطابق ہے)

اگر ہم اس طرح کریں تو مذکورہ اعداد و شمار اس سے بھی زیادہ ہو جائیں گے. ہم موجودہ ملکی بجٹ کے مساوی رقم کو مد نظر رکھتے ہوئے (موجودہ بجٹ ایک کھرب ستاسی ارب ہے) بات کرتے ہیں ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ ملک میں تنخواہ وصول کرنے والے اشخاص کی تعداد پندرہ سے بیس لاکھ کے درمیان ہے اور یہ لوگ اسی تنخواہ ہی سے اپنے خاندان کی کفالت کرتے ہیں. فوج اور محکمہ تعلیم کے ملازمین کی تعداد بھی بہت زیادہ ہے.

اگر باقی سرکاری ملازمین کو ان کے ساتھ ملایا جائے تو تقریبا بیس لاکھ خاندان عزت و احترام کی زندگی گذار رہے ہیں. یہ لوگ بعض اوقات اپنی ضرورت سے زیادہ رقم وصول کرتے ہیں اور اسے ذخیرہ کر لیتے ہیں. پس شرعی و اسلامی مبالغ سے بہت بڑی رقم حاصل ہوتی ہے جو احکام ثانویہ بھی شمار نہیں ہوتے تا کہ بعض لوگ مخالفت کریں بلکہ ان کا شمار قرآن مجید کے حتمی

احکام اولیہ میں ہوتا ہے اور تمام فقہاء کا فتوئ بھی اسی کے موافق ہے لہذا کوئی شخص مخالفت کی جرات نہیں کر سکتا.

اسلام کی آمدنی محروم وپسماندہ افراد کیساتھ مختص ہے

یہ مسلّمہ حقیقت ہے کہ (موقوفات)، (انفاقات) (یعنی خرچ کرنا) اور (اخوّت وصیغہ برادری) جس کو بعد میں ذکر کریں گے. (ردّ مظالم) کا مسئلہ ابھی بیان نہیں ہوا اور اس وقت تک جو کچھ بیان ہوا ہے وہ حتمی و ضروری واجبات ہیں. یہاں ہر بریکٹ میں جملہ معترضہ کے طور پر بیان کرنا چاہتا ہوں کہ جمہوری اسلامی کا اصول یہ نہیں ہے کہ لوگ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں اور خمس وزکات کے ذریعے ان کی ضروریات پوری کی جائیں.

اگر صورتحال یہ ہو تو انہیں خمس وزکات نہیں دی جا سکتی. خمس وزکات کا تعلق ان لوگوں سے ہے جو لوگ عام لوگوں کی طرح کام کرنے کے خواہشمند ہونے کے باوجود پسماندہ ہوں. اس سلسلے میں ایک روایت پیش کرتا ہوں تاکہ میری بحث سے غلط فائدہ نہ اٹھایا جا سکے.

امت کے ساتھ حضرت پیغمبر اکرمؐ کا رویہ

حضرت پیغمبر اکرمؐ مسجد میں تشریف فرما تھے اور گفتگو میں مشغول تھے ایک شخص مسجد میں داخل ہوا اور اس نے حضرت پیغمبر اکرمؐ سے کسی چیز کی درخواست کی. آنحضرتؐ نے اس کی شکل وصورت سے اندازہ لگالیا کہ یہ شخص بھیک مانگنے آیا ہے (یا پیغمبر اکرمؐ اسے جانتے تھے یا اس کے چہرے سے گداگری کے آثار نمایاں تھے) قبل اس کے کہ وہ شخص اپنے مافی الضمیر کا اظہار کرتا اور اپنی آبروریزی کرتا حضرت پیغمبر اکرمؐ نے ایک جملہ ارشاد فرمایا جس سے وہ شخص خبردار ہو گیا. آپ نے فرمایا:

من سئلنا اعطیناه و من سئل اللّٰہ استغنیٰ

جو شخص ہم سے سوال کرتا ہے ہم اسے عطا کرتے ہیں لیکن جو شخص خدا سے مانگتا ہے خدا اسے بے نیاز کر دیتا ہے اور اسے دوسرے کے سامنے دامن پھیلانے کی ضرورت نہیں پڑتی وہ شخص حضرت پیغمبر اکرمؐ کے اس جملے سے سمجھ گیا کہ آنحضرتؐ سے بھیک نہیں مانگی جا سکتی، لہذا وہ شخص اٹھ کر چلا گیا اگلے دن یہ شخص پھر آیا اور پیغمبر اکرمؐ نے وہی جملہ دہرایا. روایت کے مطابق یہ شخص تین دن آتا رہا اور آپ تینوں دن اس کے کچھ مانگنے سے پہلے یہی جملہ دہراتے رہے تو یہ شخص سمجھ گیا کہ حضرت پیغمبر اکرمؐ کی مراد یہ ہے کہ نہ آؤ اور بھیک نہ مانگو.

یہ شخص اٹھ کر چلا گیا اور سعی و کوشش کے بعد اسے کام مل گیا اور اس نے چند دن کام کر کے اپنے اخراجات بھی فراہم کئے اور کچھ رقم بچت کے طور پر اکٹھی بھی کر لی. اس کے بعد پیغمبر اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہؐ آپ نے اپنی حکمت آمیز نصیحتوں کے ذریعے مجھے نجات دلا دی. نزدیک تھا کہ میں گداگر بن جاتا لیکن اب میں نے اپنی ضروریات زندگی بھی پوری کی ہیں اور کچھ رقم بچ گئی ہے جسے آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں تا کہ یہ رقم خدا کی راہ میں اور جنگی محاذوں پر خرچ کی جا سکے (۱).

مسلمانوں کے لئے روزگار فراہم کرنا

یہ ہے اسلام کی روح اور حقیقت. یعنی یہ ابحاث پیش کرنے سے پہلے حکومت کی ذمہ داری ہے کہ لوگوں کو روزگار فراہم کرے اور لوگوں کو سرمایہ دے تا کہ لوگوں کو خمس و زکات کی ضرورت نہ ہو. اس مسئلے کے بارے میں مستقل طور پر بحث کروں گا.

ممکن ہے زکات کا ایک مصرف یہی ہو کہ خمس و زکات سے حاصل ہونے والی رقم

---

(۱)۔ کتاب (ہمارے پیغمبر کی زندگی سے مختلف داستانیں) مؤلف علامہ سعیدی.

طاقت نہ رکھتے ہوں یا یہ کہ لوگ تو کام کریں لیکن ان کی آمدنی، ان کی ضروریات زندگی کے لئے ناکافی ہو۔ یا لوگ بعض مشکلات و حوادث کی وجہ سے تنگدستی میں پھنس جائیں اور ضرورت مند ہو جائیں.

ممکن ہے ہمارے معاشرے میں اس قسم کے لوگوں کی تعداد دس فیصد سے بھی کم ہو. اگر اسلامی معاشرے میں اپنے وظائف پر صحیح طریقے سے عمل کیا جائے اور انصاف فراہم کیا جائے تو یہ تعداد دس فیصد سے تجاوز نہیں کر سکتی ممکن ہے کچھ فیصد لوگ ایسے ہوں جو بعض حوالوں سے نیاز مند ہوں لیکن بعض حوالوں سے بے نیاز ہوں. اب دیکھنا یہ ہے کہ ان اشخاص کو کتنی مقدار دی جاسکتی ہے اور غریب کون ہے ؟

بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ زکات و صدقات اور اس قسم کی باقی چیزیں فقط بیچاروں اور ان لوگوں کو دی جاسکتی ہیں جن کے پاس کھانے کو کچھ نہ ہو. جن کے پاس دوائی خرید نے کے لئے پیسہ نہ ہو، بچوں کے لئے کپڑے خریدنے کے لئے پیسے نہ ہوں. غرض یہ ہے کہ جو لوگ بیچارے ہی بیچارے ہوں. لیکن مسئلہ اس طرح نہیں ہے.

توجہ فرمائیں!

خصوصا ان لوگوں کو متوجہ کرنا چاہتا ہوں جو مسلمان نہیں ہیں یا جن لوگوں نے ابھی تک اسلام کو اچھی طرح نہیں سمجھا یا بالکل نہیں سمجھا یا منحرف اور بائیں بازو کے (۱) مسلمان جن کا تصور ہے کہ غیر اسلامی معارف کے ذریعے اور دوسرے مکاتب فکر کو اسلامی مکتب

---

(۱)۔ ان دانشمندوں کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے جو اسلام اور مارکسیزم کو آپس میں مخلوط کرتے ہیں اور امام خمینی کے بقول جو لوگ فقط دین کے ساتھ تمسک کرتے ہیں جیسے منافقین کا گروہ اور فرقان نامی گروہ جو کہ ایران میں پائے جاتے تھے اور ان کے مشابہ گروہ جو عرب اور اسلامی ممالک میں پائے جاتے ہیں.

کے ساتھ ملا کر معاشرے میں عدالت قائم کی جاسکتی ہے.

غربت کا مفہوم اور اس کے مصادیق

غربت کا معنی نسبی ہے (یعنی غربت کے مختلف مراتب ہیں)۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ کن امور کی نسبت کسی شخص کو غریب کہا جاسکتا ہے اور اس کی مقدار کیا ہے؟ صحیح السند اور صریح روایات سے اور فقہاء کے فتاوٰی خصوصاً امام خمینیؒ کے فتویٰ سے (جو اس وقت ملک کے علی الاطلاق مرجع تقلید ہیں) یہ بات واضح ہوتی ہے کہ فقر و غربت کے مختلف مراتب ہیں۔

یعنی جس شخص کے پاس معاشرے کے عام لوگوں کی نسبت کم وسائل ہوں (جس کی سطح زندگی عام سطح زندگی سے پست ہو) معاشرے کی سطح زندگی اور زمانے کی ضروریات کو مد نظر رکھیں: جس شخص کو کچھ رقم خرچ کر کے اس کے معیار زندگی کو عام لوگوں کے مساوی کیا جاسکے.

اگر کوئی شخص صحرا میں زندگی گزارتا ہے (خانہ بدوش لوگ) تو ممکن ہے کہ اس کی رہائش کا معیار ایک خیمے کے ذریعے پورا کیا جاسکے البتہ خیمے کی کیفیت صحراء میں زندگی گذارنے والے عام لوگوں کی طرح ہونی چاہیئے. لیکن اگر یہی شخص اپنے خاندان کے ہمراہ ہمارے جیسے معاشرے میں زندگی گذارتا ہے تو اس کی رہائش کا معیار ایک ایسا مکان ہے جو دو تین کمروں پر مشتمل ہو. بہ الفاظ دیگر ایک سر چھپانے کی معقول جگہ اور ضروری وسائل زندگی میسر ہوں.

یعنی اگر معاشرے کا عام معیار زندگی یہ ہو کہ لوگوں کے پاس فریج، گیس اور قالین موجود ہو تو ہر حالت میں اس شخص کو بھی یہ وسائل فراہم کیے جائیں. عام طور پر جو آسائشات دوسرے لوگوں کو میسر ہوں وہ اسے بھی میسر ہونی چاہئیں.

ہر معاشرے میں عام طور پر لوگ سال میں ایک مہینے کی چھٹی پر جاتے ہیں، ریسٹ کرتے ہیں، اپنے بچوں کو تفریحی مقامات پر لے جاتے ہیں، مشہد، کربلا، مکہ کا سفر کرتے ہیں. زکات حاصل کرنے والے لوگ بھی انہیں وسائل و سہولیات سے بہرہ مند ہو سکتے ہوں اور ہر صورت میں (اگرچہ دکھانے کیلئے ہی کیوں نہ ہو) انہیں یہ وسائل فراہم کئے جانے چاہیئں.

زکات کے مصرف کے متعلق امام خمینیؒ کا فتوی

زکات کے مصرف کے بارے میں امام خمینیؒ کے فتوی پر توجہ فرمائیں. امام خمینیؒ فرماتے ہیں اگر کوئی شخص عام معیار کے مطابق زندگی بسر کرتا ہے اور اس کی زندگی میں زینت کے وسائل بھی موجود ہیں جیسے لباس، اچھا قالین وغیرہ اور اس کے پاس اسکی حیثیت کے مطابق ضروریات زندگی موجود ہوں تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اسے زکات نہیں دی جا سکتی (۱) بلکہ ایسا شخص اپنی ضروریات زندگی پوری کرنے کے لئے زکات لے سکتا ہے. اور اس کے پاس موجودہ وسائل بھی باقی رہنے چاہیئں، ہم یہ نہیں کہتے کہ اپنا گھر فروخت کر کے ضروریات زندگی فراہم کرے. ایک شخص کاروباری ہے، مزدور ہے، یا کوئی مکینک ہے لیکن اس کی آمدنی ضروریات زندگی سے کم ہے.

فرض کریں کہ اس کی ماہانہ آمدن تین ہزار تومان ہے لیکن ماہانہ خرچ چار ہزار تومان ہے. یہ شخص ایک ہزار تومان بہ طور زکات لے سکتا ہے تاکہ اس کی زندگی میں توازن بر قرار رہ

---

(۱)۔ تحریر الوسیلہ جلد ۱ صفحہ ۳۳۸ اس کتاب میں امام خمینی کی عبارت کا ترجمہ یہ ہے: اگر کسی کے پاس رہائش کے لئے گھر موجود ہو، خادم موجود ہو، اور اگر اس کے پاس اپنی شان و شوکت کے مطابق گاڑی موجود ہو اور اس طرح کی اور چیز کا موجود ہونا زکات سے مانع نہیں بن سکتا. یعنی ان تمام وسائل کے باوجود اسے زکات دی جا سکتی ہے.

سکے. ایک متوسط زندگی کو مد نظر رکھیں. میں نے عرض کیا ہے کہ اس بجٹ کی مقدار ملک کے جاری بجٹ کی مجموعی مقدار کے برابر ہے جو حکومت اسلامی کے اختیار میں ہے تاکہ ہر کمی کو پورا کر سکے.

اس طرح کہ معاشرے میں کوئی ایسا شخص موجود نہ ہو جس کے آٹھ بچے ایک ہی کمرے میں زندگی گذار رہے ہوں البتہ یہ غیر ممکن ہے کہ صورتحال ایسی ہو کہ کوئی شخص ایسا نہ پایا جائے جو دوائی خریدنا چاہے لیکن اس کے پاس پیسے نہ ہوں یا کوئی ایسا شخص موجود نہ ہو جس کے پاس سفر کا وسیلہ نہ ہو یا اس کے پاس حمل و نقل کا وسیلہ نہ ہو.

حضرت امام جعفر صادقؑ کی حدیث

اب تک بیان ہونے والے مطالب فتوئی کی بنیاد پر تھے. اب کچھ روایات پیش کرتا ہوں تاکہ آپ ان مطالب کو سمجھ سکیں. امام صادق علیہ السلام سے روایت بیان کرتا ہوں اس کا متن لکھ کر لایا ہوں راویوں میں سے ایک نہایت معتبر و قابل اعتماد راوی کہتا ہے کہ ہم امام صادقؑ کی خدمت میں تھے ہم نے امام صادقؑ کے سامنے ایک داستان بیان کی جس سے امامؑ بہت متاثر ہوئے اور آپ نے ایک جملہ ارشاد فرمایا:

(میری بحث کا اصل محور یہی جملہ ہے) راوی کہتا ہے ہم نے امام صادقؑ کی خدمت عرض کی کہ کل ہم نے ایک عجیب و غریب منظر دیکھا ہے. فلاں شخص جس کا نام (عمر) ہے عیسیٰ بن اعین (۱) کے پاس آیا اور کہنے لگا

---

(۱) ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عیسیٰ بن اعین زکات کی جمع آوری پر تعینات تھا، ہمارے پاس دو تین عیسیٰ نامی افراد ہیں شاید یہ عیسیٰ زرارہ بن اعین کا بھائی ہو.

(میں محتاج ہوں لہذا زکات کی کچھ رقم مجھے دو) عیسیٰ بن اعین نے کہا : میں تمہیں زکات نہیں دے سکتا. پیسہ بیت المال میں ہے لیکن تمھیں نہیں دوں گا. اس شخص نے پوچھا کیوں نہیں دو گے ؟ عیسیٰ نے جواب دیا : کل میں نے اپنی آنکھوں سے تمہیں گوشت، کھجوریں اور روٹیاں خرید کر گھر لے جاتے دیکھا.

جو شخص گوشت، کھجوریں اور روٹیاں خرید سکتا ہے اسے نیاز مند و محتاج نہیں کہا جا سکتا . میں زکات فقط ان لوگوں کو دیتا ہوں جن کے پاس اس قسم کی اشیاء موجود نہ ہوں. اس شخص نے جواب دیا : بہت بہتر ! میں نے کل جا کر مزدوری کی اور ایک درہم (۱) دیا گیا. اور میں نے اس درہم کا ایک تہائی دے کر، روٹیاں لیں اور ایک تہائی کی کھجوریں اور دوسری چیزیں خریدیں اور ایک تہائی اپنی متوقع ضروریات کے لئے بچا لیا اور اس کے علاوہ میرے پاس کچھ نہیں ہے یہی کچھ تھا.

اس کے باوجود عیسیٰ بن اعین نے اس شخص کو زکات نہ دی. راوی کہتا ہے کہ جب امام ؑ نے یہ داستان سنی تو اپنے دونوں ہاتھ پیشانی مبارک پر رکھ دیے اور فرمایا :

(فوضع ابو عبداللهؑ يده على جبهه ساعة ثم رفع راسه . ثم قال ان الله نظر فى اموال الاغنياء ثم نظر فى الفقراء فجعل فى اموال الاغنياء ما يكتفون به و لم يكفهم افرادهم بلى فيعطيه ما ياكل و يشرب يكتفى و يتزوج و يتصدق و يحج)(۲).

---

(۱) معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں درہم کی اتنی اہمیت تھی. اس زمانے میں درہم کی قیمت پر توجہ فرمائیں، چونکہ بعد والی روایت میں درہم کی قیمت پر توجہ کرنا ضروری ہے.

(۲)۔ فروع کافی جلد ۳ صفحہ نمبر ۵۵۶ . وسائل الشیعہ جلد ۶ صفحہ نمبر ۲۰۱.

حضرت امام صادقؑ نے کچھ دیر تک پیشانی پر ہاتھ رکھے رکھا (اس سے امامؑ کے حزن کا پتہ چلتا ہے اور امامؑ سوچ میں پڑ جاتے ہیں کہ کیونکر ایسی صورتحال پیدا ہوئی ہے) اس کے بعد گردن اٹھائی اور فرمایا:

(بہت برا ہوا ایسا سلوک کیا؟) جب خداوند کریم نے غنی اور بے نیاز لوگوں کے مال میں زکات (یہ حق) رکھی تو خدا نے مالداروں کے مال کی مقدار پر نگاہ ڈالی اور غریبوں کی تعداد اور غریبوں کے ضروری اخراجات (جن کے ذریعے غریب زندگی بسر کر سکتا ہے) پر نگاہ ڈالی اور اس کے بعد ایک مقدار معین کی.

(عیسیٰ سے کہو کہ انہیں اتنی مقدار دی جائے جن سے یہ لوگ غذا، پینے کا پانی، لباس، شادی کے اخراجات، اور حج و صدقہ کے اخراجات فراہم کر سکیں. (چونکہ ممکن ہے غریب انسان بھی کسی کو کوئی چیز دینا چاہتا ہو). کبھی انسان ایسے شخص کے روبرو ہوتا ہے جو اس سے بھی زیادہ کمزور و ناتوان ہے (مالی اعتبار سے) اور انسان چاہتا ہے اسے کوئی چیز عطا کرے. اس میں انسان کی اصلاح کا پہلو پایا جاتا ہے. حضرت امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں:

خدا نے یہ مقدار ثروتمندوں کے مال میں قرار دی ہے. غریبوں کو اس سے کیوں محروم کیا جائے؟ ایک ہی دن میں کھجور اور روٹیاں خریدنے والے شخص کو کس دلیل کی بنا پر زکات نہ دی جائے؟

آپ امامؑ کے اس جملے سے کیا سمجھتے ہیں؟(۱) آیا یہ چیز نہیں سمجھی جاتی کہ خدا نے

---

(۱) زیادہ تر میرے مخاطب طالب علم ہیں جو تعلیم حاصل کر رہے ہیں. یہ لوگ ملک و قوم کی امیدوں کا مرکز ہیں. انہیں پوری توجہ دینا چاہیئے. ان کے لئے ضروری ہے کہ دوران تعلیم ہی سے معاشرے میں پائے جانے والے حقائق پر توجہ دیں اور ان حقائق کو فقہ کے ساتھ منطبق کریں.

مالداروں کے مال میں اتنی مقدار میں واجب حقوق رکھے ہیں جن سے پسماندہ طبقے کی تمام ضروریات پوری ہو سکیں ؟آیا یہ چیز نہیں سمجھی جاتی ؟ کون اس مسئلے کی مخالفت کر سکتا ہے ؟آج ہم کس منہ سے یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ ہمارے پاس جمہوری اسلامی اور اسلامی معاشرہ موجود ہے جب کہ صورت حال یہ ہو کہ ہمارے معاشرے میں ایسے انسان بھی موجود ہیں جن کے پاس کچھ بھی نہیں ہے ؟

غارمین کا مسئلہ

آیہ شریفہ میں ذکر ہونے والے زکات کے موارد میں سے ایک مورد جو فراموش ہو گیا اور اس کا ذکر نہیں ہوا، وہ ہے مصداق (غارمین) (یعنی مقروض لوگ) جنہیں زکات دی جا سکتی ہے . کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جن کا سارا دارومدار قرض پر ہے . جنہوں نے تمام اشیاء قسطوں پر خریدی ہیں. جن کے مکان قرض کی بابت بک چکے ہیں. ایسے لوگ مستحق زکات ہیں. ہر حالت میں یہ بحث وصول کر کے ان لوگوں کو دینا چاہیے . تا کہ کوئی مسلمان مقروض باقی نہ رہے. البتہ جو شخص کاروبار کرتا ہے اور کسی جگہ سے اس نے کچھ پیسے لینے ہیں جب کہ کسی اور شخص کی نسبت مقروض ہے تو ایسے شخص کو مقروض نہیں کہا جاتا

اسلامی معاشرے میں ایسا شخص نہیں ہونا چاہیئے جو مقروض ہو اور اس کا گھر قرض کی بابت بک چکا ہو. جس طرح بھی ہو سکے مالدار لوگوں سے واجب حقوق وصول کر کے ایسے شخص کی ضروریات پوری کرنی چاہئیں. یہ روایت تقریباً تواتر کے نزدیک ہے.

اب میں اس روایت کے بارے میں استعمال ہونے والی تعبیرات کو بیان کرتا ہوں کہ علماء کرام مندرجہ ذیل کتب کی طرف رجوع کریں اور تمام فقہی کتب میں موجود خمس وزکات کی متعلقہ روایات ملاحظہ فرمائیں

(وسائل)(١)۔(استبصار)(٢)۔(تہذیب)۔(٣)(کافی)(٤)۔ یہ تعبیرات تواتر کی حد تک نقل ہوئی ہیں. امام صادقؑ فرماتے ہیں: نیاز مند شخص کو اتنی مقدار دی جائے جس سے وہ بے نیاز بن جائے

توتیه من الزکوة حتی تغنیه(٥)

بے نیاز سے مراد یہ ہے کہ سال بھر کے لئے بے نیاز ہو جائے. اس سلسلے میں علماء کے فتویٰ یہ ہیں

من السنه الی السنه

یعنی ایک سال سے دوسرے سال تک نہ یہ کہ عمر بھر کے لئے بے نیاز ہو جائے. یعنی زیادہ سے زیادہ یہ ہونا چاہئے کہ سال کی ابتداء میں انسان کو اطمینان ہو کہ پورے سال کے اخراجات اس کے پاس موجود ہیں. دوسرے سال کے لئے دوبارہ اسے زکات دی جائے گی. یعنی اگر ایک شخص کا ماہانہ خرچ اوسطاً پانچ ہزار تومان ہو تو سال کی ابتداء میں اسے ساٹھ ہزار تومان دینے چاہئیں تا کہ پورا سال آسودہ خاطر زندگی گذار سکے اگر کسی شخص کو یہ فکر لاحق ہو کہ اس

---

(١)۔ وسائل الشیعہ۔ جس کا شمار حدیث کی معتبر کتابوں میں ہوتا ہے. اس کے مؤلف شیخ محمد بن حسن حر عاملی ہیں جن کا ذکر گذر چکا ہے.

(٢،٣)۔ استبصار و تہذیب۔ یہ دونوں کتابیں شیعہ کی کتب الاربعہ میں سے ہیں اور ان دونوں کے مولف شیخ الطایفہ، ابو جعفر محمد بن حسن طوسی ہیں.

(٤)۔ الکافی (فروع و اصول) شیعوں کی کتب الاربعہ میں سے ایک ہے جس کے مولف ثقۃ الاسلام کلینی ہیں۔

(٥)۔ فروع کافی جلد نمبر ٣ صفحہ نمبر ٥٤٨۔ وسائل الشیعہ جلد نمبر ٦ صفحہ نمبر ١٧٨

کے پاس اگلے ہفتے کے اخراجات موجود نہیں ہیں تو ایسا شخص اطمینان کی زندگی نہیں گذار سکتا.

سلمان اور ابوذر کا طریقہ کار

سلمان فارسی اور ابوذر میں سے کسی ایک کا واقعہ ہے کہ جب تنخواہ وصول کرتے تھے تو کچھ مقدار بچا کر رکھ لیتے تھے. ایک صوفی نما شخص انہیں کہتا ہے ۔(۱) ممکن ہے آپ کل تک زندہ نہ رہیں! تو آپ (ابوذر یا سلمان) جواب دیتے ہیں: (ممکن ہے کل تک زندہ نہ ہوں) اور اگر کل تک زندہ رہا تو کیا کروں گا؟ لہذا انسان کو اس حد تک اطمینان ہونا چاہیئے کہ اس کے پاس کل کے لئے اخراجات موجود ہیں (۲).

اسلام میں یہ حقیقت موجود ہے کہ جٹ تقسیم کرتے وقت غریبوں اور ناداروں کو اتنی مقدار دی جائے جس کے ذریعے ان کے سال بھر کے اخراجات فراہم ہو سکیں اور یہ لوگ سال بھر آسودہ خاطر زندگی گزار سکیں.

حضرت امام موسیٰ کاظمؑ ارشاد فرماتے ہیں:

و اغنه ان قدرت ان تغنيه (۳)

اگر ہو سکے اسے اتنی مقدار دو جس کے ذریعے وہ بے نیاز ہو جائے.

لیکن تمام فقہاء کا خیال یہ ہے کہ وہ شخص ایک سال تک کے لئے بے نیاز ہو جائے. یعنی اسے سال بھر کے اخراجات دیئے جائیں. حضرت امام باقرؑ سے روایت ہے:

---

(۱) اس زمانے میں صوفی کا یہ معنی نہ تھا بلکہ بعض لوگ صرف زہد اختیار کرتے تھے۔

(۲)۔ ایرانیان مسلمان۔ مولف محمدی اشتہاروی۔ ناشر سازمان تبلیغات اسلامی

(۳)۔ ۲۰: فروع کافی جلد نمبر ۳ صفحہ نمبر ۵۴۸۔ وسائل الشیعہ جلد ۶ صفحہ نمبر ۱۷۹

اذا اعطیت فاغنه

جب کسی کو عطا کرو اتنی مقدار عطا کرو جس کے ذریعے وہ بے نیاز ہو جائے. اس قسم کی عبارت امام موسیٰ کاظم، امام رضاؑ اور باقی ائمہ اطہارؑ سے بھی نقل ہوئی ہے.

متواتر احادیث

ان احادیث کا مضمون اور معنی متواتر ہے کہ انسان (کم از کم) مذکورہ بالا مقدار مستحق زکات کو عطا کر سکتا ہے. البتہ زمان و مکان کی شرائط کو ملحوظ خاطر رکھنا چاہیئے. اگر ایسے حالات پیدا ہو جائیں کہ وسائل ناکافی ہوں اور غریبوں کی تعداد زیادہ ہو تو ان حالات میں زکات کا مال اس طرح تقسیم کیا جائے کہ تمام فقراء کو اتنی مقدار مل سکے جس کے ذریعے وہ اپنا پیٹ پال سکیں. بعض لوگوں کے ذہن میں یہ اعتراض موجود تھا اور امام صادقؑ کے سامنے اس کا اظہار بھی کرتے تھے.

جب امام صادقؑ نے (مذکورہ روایت کے مطابق) غریبوں کو دیئے جانے والے مال کی مقدار بیان کی تو ایک شخص نے کہا: مولیٰ! ہم نے پیغمبر اکرمؐ کی زبانی سنا کہ آپ نے بعض غریبوں سے یہ کہا اگر تم لوگ دو درہم بچا کر ایک طرف رکھو گے تو تمھاری پیشانی پر داغ لگایا جائے گا.

کیّ فی جبینه یا بین عینیه.

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: یہ واقعہ اصحاب صفہ (۱) کے متعلق ہے، جو لوگ آنحضرتؐ

---

(۱)۔ اصحاب صفہ: پیغمبر اکرمؐ کے فقیر و غریب دوستوں کی ایک جماعت جیسے سلمان۔ ابوذر۔ مقداد و...... جو مدینے میں پیغمبر اسلامؐ کی مسجد کے (صفہ) (یعنی سایے) میں مقیم تھے.

کے مہمان تھے اور آنحضرت انھیں ہر روز کا خرچہ دیا کرتے تھے۔ ان اصحاب میں سے کچھ صحابی کچھ پیسہ بچانا چاہتے تھے جنگوں کے زمانے کا واقعہ ہے لہذا پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا۔

ذخیرہ اندوزی نہ کرو اور سب کو مل کر کھانے دو (۱)۔ اس وقت حالات مختلف تھے

خطیب محترم فرماتے ہیں:

میں مانتا ہوں کہ شرائط مختلف ہوا کرتی ہیں۔ لیکن عام شرائط میں اور جب حالات ایسے ہوں جو ہمارے ملک میں پائے جاتے ہیں اور اقتصادی صورت حال بھی ہمارے ملک جیسی ہو اور مذکورہ اعداد و شمار اور مذکورہ رقم حکومت اسلامی کے اختیار میں ہو (اگر یہ رقم وصول ہو سکے) تو معاشرے میں اس قسم کے فقراء باقی نہیں رہیں گے۔ اس مقام پر امام صادق ارشاد فرماتے ہیں:

فان الناس انما یقطون من السنه الی السنه فللرّجل ان یاخذ ما یکفی عیاله من السنه الی السنه (۲)۔

وہاں (ولید بن صبیح) کا تذکرہ ہوا اور کہا گیا کہ ولید بن صبیح زکات وصول کرنے گیا ہے لیکن اسے زکات نہیں دی گئی۔ یا یہ کہ امام سے سوال کیا گیا کہ آیا اس شخص کو زکات دی جا سکتی ہے؟ یہ روایت ہمارے مطلب کو واضح طور پر بیان کرتی ہے۔

ابو بصیر کا واقعہ

ایک روایت بیان کرتا ہوں تا کہ آپ پوری طرح سے مطلب کو سمجھ لیں۔

(۱)۔ معانی الاخبار صفحہ نمبر ۵۲ و وسائل الشیعہ جلد نمبر ۶ صفحہ نمبر ۱۸۰

(۲)۔ وسائل الشیعہ جلد نمبر ۶ صفحہ نمبر ۱۸۰

حضرت امام صادقؑ نے فرمایا:

اس کے پاس کیا ہے؟

جواب میں کہا گیا کہ اس کے حالات زیادہ خراب نہیں ہیں.

له دار تسوى اربعه الاف دراهم

اس کے پاس مکان موجود ہے جس کی قیمت چار ہزار درہم ہے. (۱)

و له جاريه و له غلام

اس کے پاس ایک غلام اور ایک کنیز بھی موجود ہے. (۲)

يستسقى على الجمل

اس شخص کے پاس ایک اونٹ بھی ہے جس کے ذریعے اس کا نوکر پانی کھینچتا ہے.

كل يوم مابين درہمين الى الاربع

اس شخص کی روزانہ آمدنی دو سے چار درہم تک ہے.

سوا علف الرجل

---

(۱) درہم کے متعلق پہلے گفتگو ہو چکی ہے اس زمانے میں درہم کی مالیت اس قدر تھی کہ اس شخص نے ایک درہم کے تیسرے حصے سے کھانا، کھجور اور مختلف اشیا خریدیں تھیں۔

(۲) ہم جانتے ہیں کہ اسلام کنیز اور غلام رکھنے کا مخالف ہے۔ اسی وجہ سے زکات کا ایک مصرف ؛ زکات فی الرکاب ؛ تھا یعنی ہم ان کو خرید کر آزاد کر دیں۔ اسلام نے اس بات کی اجازت بھی دی ہوئی تھی کہ ایک غلام اپنے مالے سے درخواست کر سکتا تھا کہ مجھے قسطوں پر آزاد کرو، میں کام کر کے قسط ادا کر دوں گا۔ ان اقساط کی ادائیگی زکات سے بھی ہو سکتی ہے۔ بہر حال اسلام غلاموں کی آزادی چاہتا ہے۔ مذکورہ حدیث میں فرض یہ تھا کہ ولید کے پاس مکان کے علاوہ کنیز اور غلام بھی تھے۔

اونٹ کے خرچ کے علاوہ۔ (یعنی اونٹ کے لئے چارہ خرید نے کے بعد اس کی صافی آمدنی دو سے چار درہم تک ہے) یہ شخص عیال دار بھی نہیں ہے۔

ا یاخذ من الزکوۃ

آیا ایسا شخص زکات لے سکتا ہے؟

قال نعم

امامؑ نے فرمایا: ہاں، ایسے شخص کو زکات دی جا سکتی ہے بشرطیکہ نیاز مند ہو۔ سوال کرنے والے شخص نے تعجب کرتے ہوئے امام سے پوچھا: ان سب وسائل کے باوجود (اسے زکات دی جا سکتی ہے؟)۔

قال و له هذه العروض؟

حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا:

یا ابا محمد !فتامرنی ان امره یبیع داره و ہی عزه و مسقط راسه او یبیع خادمه له الذی یقیه الحر و البرد و یصون وجهه و وجه عیاله او امره ان یبیع غلامه و جمله و هو معیشته و قوته و بل یاخذ زکوۃ و ہی له حلال و لا یبیع داره و لا غلام و لا جمله)(۱)

وہاں (ولید بن صبیح) کا تذکرہ ہوا اور کہا گیا کہ ولید بن صبیح زکات حاصل کرنے گیا ہے لیکن اسے زکات نہیں دی گئی۔ یا یہ کہ امام سے سوال کیا گیا کہ آیا اس شخص کو زکات دی جا سکتی ہے؟

امامؑ فرماتے ہیں:

(۱) فروع کافی ج: ۳، ص ۵۶ و ۶۱

اے ابوبصیر ! آیا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ میں اسے حکم کروں کہ اپنا گھر بیچ دے ؟ حالانکہ یہ گھر اس کی عزت وآبرو ہے، یہ شخص اسی گھر میں پیدا ہوا ہے اور اس گھر کے ساتھ محبت کرتا ہے. یا میں حکم کروں کہ اپنے خادم کو فروخت کردے ؟ حالانکہ گرمی سردی میں یہ خادم اس کی مدد کرتا ہے اور اس کی عزت وآبرو ہے. (جو کام یہ شخص خود نہیں کرسکتا انہیں خادم انجام دیتا ہے) یا میں یہ کہوں کہ یہ شخص اپنا اونٹ اور غلام فروخت کردے ؟ جب کہ اس کی معشیت کا دارومدار انہیں چیزوں پر ہے. پس اسے زکات دی جانی چاہئے اور زکات لینا اس کے لئے حلال و جائز ہے. بغیر اس کے کہ اپنے گھر، غلام اور اونٹ کو فروخت کرے.

نیم آسودہ افراد کے ساتھ زکات کا تعلق

یہ ایسی روایت ہے جس کے مطابق فقہاء نے فتوئ دیا ہے. جس شخص کے پاس مکان ہو، وسائل زندگی ہوں نوکر ہوں اسے زکات دی جاسکتی ہے. تاکہ عام لوگوں کی طرح زندگی گزار سکے. محروم وپسماندہ طبقے کو متوسط حد تک وسائل فراہم کئے جانے چاہئیں. ایک شخص نے امامؑ سے سوال کیا: آیا ایسے شخص کو زکات دی جاسکتی ہے جو مکہ جانا چاہتا ہے اور زکات کا پیسہ اس سفر پر خرچ کرنا چاہتا ہے ؟ امامؑ نے جواب دیا: ہاں اسے زکات دی جاسکتی ہے.

اس کے بعد یہ شخص سوال کرتا ہے کہ آیا اسے مکہ جانے سے ثواب بھی حاصل ہوگا.

امامؑ نے فرمایا:

ہاں اسے ثواب بھی ملے گا، یہ پیسے تمھارے نہیں ہیں بلکہ خدا نے اس شخص کو ان پیسوں کا مستحق قرار دیا ہے لہذا یہ پیسے اس کے ہیں. اسے بھی تمھاری طرح مکہ جانے کا حق حاصل ہے. لہذا اسے زکات کی اتنی مقدار دی جائے کہ جس کے ذریعے وہ مستطیع ہوسکے اور مکہ جاسکے.

یہ ہے ہمارا اسلام. یہ ہے ہمارا اسلامی اقتصاد اور اقتصادی مساوات.

ہمیں واقعی اسلام تک پہنچنے میں بہت وقت لگے گا اور ہم ابھی تک واقعی اسلام سے بہت دور ہیں. مرحوم سید جمال الدین اسد آبادی (۱) کے بقول (الاسلام محجوب بالمسلمین) یعنی ہم مسلمانوں نے اسلام کی آبرو ریزی کی ہے. ہم حائل ہوئے ہیں اور اسلام کی آبرو ریزی کا سبب بنے ہیں.

ابھی تک ایسے انسان موجود ہیں جو فقراء کے مقابلے میں ارب پتی لوگوں کی حمایت

---

(۱)۔ سید جمال الدین اسد آبادی بہت بڑے مفکر اور اسلامی مصلح (تاریخ ولادت ۱۲۵۴، تاریخ وفات ۱۳۱۴ ہجری قمری) اتحاد بین مسلمین کے علمبردار اور قرآن کی طرف رجوع کرنے کی دعوت دینے والے تھے. انہوں نے حکومتوں اور اسلامی قوموں کو اتحاد بین المسلمین کی رغبت دلائی. انہوں نے تمام زندگی ایران، مصر اور عثمانی حکومت کے ظالم حکمرانوں اور برطانیہ کی استعماری پالیسیوں کے خلاف جہاد میں گزار دی. یہ ہمیشہ شرق و غرب کے سفر پر رہتے تھے.

انہوں نے پیرس میں (عروۃ الوثقی) نامی روزنامہ شائع کیا اور مشرق میں برطانوی پالیسیوں کے خلاف قلمی جہاد کیا. انہوں نے قاہرہ، استانبول، ہندوستان اور افغانستان میں اپنی ولولہ انگیز تقاریر کے ذریعے ان ممالک کے لوگوں میں آزادی کی فکر اجاگر کی.

ایران آئے تو ناصر الدین شاہ کے حکم پر (۱۳۰۶ میں) ایران سے نکال دیئے گئے اور لندن چلے گئے، وہاں پر انہوں نے (ضیاء الخافقین) نامی روزنامہ (جو عربی اور انگریزی زبانوں میں شائع ہوتا تھا) شائع کرنے پر ان کی مخالفت کی جانے لگی تو یورپ چھوڑ کر استانبول چلے گئے. اور وہاں پر سلطان عبد الحمید عثمانی آپ کے افکار کی تہ تک پہنچا تو آپ کو خطرہ میں محسوس کیا اور زہر کے ذریعے قتل کر دیا. اس سلسلے میں مزید معلومات حاصل کرنے کے لئے مرحوم استاد علامہ طباطبائی، علامہ سعیدی اور ڈاکٹر صدر واثقی کی تحقیقات کا مطالعہ فرمائیں.

کرتے ہیں اور ان کا دفاع کرتے ہیں۔ ہمارے اسلامی معاشرے کی کیفیت یہ ہونی چاہیئے کہ اس معاشرے میں ایسا کوئی شخص موجود نہ ہو جس کے پاس سال بھر کے اخراجات موجود نہ ہوں۔

امام خمینیؒ کا فتویٰ

امام خمینیؒ کا واضح فتویٰ ہے کہ مستحق زکات شخص کے لئے گھریلو زینت کے وسائل بھی مستثنیٰ نہیں ہیں ایک شخص معاشرے میں موقر ہے اور اس کے گھر رشتے داروں کا آنا جانا ہے، قالین کے بغیر اس کا گزارا نہیں۔ آپ اسے مجبور نہیں کر سکتے کہ وہ شخص اپنا قالین فروخت کر دے لیکن زکات نہ لے۔ بلکہ اس کے لئے قالین کا ہونا ضروری ہے۔ ہمیں مستحقین زکات کے ساتھ ایسا برتاؤ کرنا چاہیئے۔ آپ کہتے ہیں کہ کہاں سے لائیں؟

میں نے ذرائع آمدنی ذکر کیے ہیں اور کمی بیشی کی صورت میں ولی فقیہ کو نئے ٹیکس عائد کرنے کا حق حاصل ہے۔ یہ ولی فقیہ کا قانونی حق ہے جو اسے عطا کیا گیا ہے۔ اسلام نہیں چاہتا کہ ایسا نہ ہو۔ اسلام یہ بھی نہیں چاہتا کہ حلبی آباد (۱) زعفرانیہ (۲) جیسا فرق روا رکھا جائے۔ ہمارے ہاں یہ عیب پایا جاتا ہے۔ افسوس کا مقام یہ ہے کہ اسے اسلام کا نام دیا جاتا ہے۔ جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ میں اور میری طرح کے افراد اور ہمارے فقہاء ان مسائل کو پوری صراحت

---

(۱)۔ (حلبی آباد) ایسی جھونپڑیوں کو کہا جاتا ہے جو ٹین اور اس قسم کی دوسری اشیاء کے ذریعے بنائی گئی ہوں یہ پہلوی دور حکومت کی وراثت تھی یہ جھونپڑیاں شہروں کے باہر تعمیر کی گئی تھیں جن میں بہت سے خاندان رہائش پذیر تھے۔

(۲)۔ (زعفرانیہ) تہران کے شمالی حصہ کے اعیان نشین محلوں کو کہا جاتا ہے جو سعد آباد کے محلات کے پڑوس میں موجود ہیں۔ خطیب محترم کا یہ جملہ جو نمایاں حروف کے ساتھ لکھا گیا ہے بہت جلدی سے مشہور ہوا اور بہت سی ابحاث کا پیش خیمہ بنا۔

کے ساتھ بیان نہیں کرتے تو ہمارے جوان مارکس اور لینن سے ان مسائل کا حل چاہتے ہیں. آیا مسئلے کا حل ان لوگوں کے پاس ہے ؟ نہیں ہر گز ایسا نہیں ہے. بلکہ موجودہ توضیح المسائل اور اسلام کے احکام اولیہ کے ذریعے (احکام ثانویہ اور حکومتی حق سے مدد لئے بغیر) ان مسائل کو حل کیا جا سکتا ہے.

اگر اسلام کو صحیح طریقے سے نافذ کیا جائے تو اس ملک سے فقر و غربت کا خاتمہ کیا جا سکتا ہے اور معاشرے میں کوئی شخص غریب و نیاز مند باقی نہیں رہے گا. جب ہم جانتے ہیں کہ مالدار شخص کو اسراف کرنے کا حق حاصل نہیں ہے. اور دوسری طرف سے یہ بھی جانتے ہیں کہ غریب و فقیر انسان اپنا گھر، نوکر اور قالین فروخت کئے بغیر زکات لے سکتا ہے (یہاں تک کہ اسے اپنی سواری فروخت نہ کرنے کا حق بھی حاصل ہے) تو ہمارا فریضہ ہے کہ اس کے لئے وسائل زندگی فراہم کریں.

اگر ہمارے پاس وسائل نہ ہوتے تو کہہ سکتے تھے کہ کہاں سے لائیں. جب کہ صورتحال یہ ہے کہ ایسے ارب پتی اشخاص کا پیسہ بینکوں میں جمع ہے جو نہ تو زکات ادا کرتے ہیں اور نہ ہی خمس و کفارات. یہ ارب پتی لوگ چوری اور ذخیرہ اندوزی کے مرتکب بھی ہوئے ہیں. ان لوگوں کا بینکوں میں موجود سرمایہ اتنا زیادہ ہے کہ انہیں اپنے سرمائے کے صحیح اعداد و شمار بھی معلوم نہیں ہیں اور اپنے پیسوں کو شمار بھی نہیں کر سکتے. ان کا پیسہ تو ادارات اور لاکھوں تومان کی سینریوں کی شکل میں اور دوسری اشیاء کی صورت میں تبدیل ہو چکا ہے اور ایک خواب خیال سے زیادہ ان چیزوں کی کوئی اہمیت نہیں ہے. جب کہ دوسری طرف سے ہمارے عوام مشکلات میں گھرے ہوئے ہیں اور مشکل زندگی گذار رہے ہیں. یہ صورتحال برقرار نہیں رہنی چاہیئے اور ان مسائل پر غور و خوض کرنا چاہیئے.

علماء کے فتاویٰ

میں عرض کر چکا ہوں کہ ہماری فقہ، علماء کرام کے فتاویٰ اور روایات اس قدر وسیع اور بے نیاز ہیں اور راستہ اس قدر روشن ہے کہ ہمیں کوئی اور طریقہ کار اپنانے کی ضرورت نہیں ہے.

لیکن مشکل یہ ہے کہ کچھ لوگ اجازت نہیں دیتے کہ یہ امور عملی طور پر نافذ ہوں. موجودہ صورت حال اسلامی نہیں ہے اور ہمارا معاشرہ اسلامی راہ پر گامزن نہیں ہے. ہمارے ملک پر اسلام دشمن طاقتیں مسلط رہی ہیں جس کی وجہ سے بہت سی بے انصافیاں وجود میں آئی ہیں لہذا ہمیں ایسی راہ پر گامزن ہونا چاہئے جو راہ ہمیں (اسلام میں) مطلوبہ معاشرے تک پہنچائے.

زکات دیتے وقت لوگوں کی عزت کا خیال رکھنا

غریبوں کی مدد کرنے کے طریقہ کار میں کچھ فرق پائے جاتے ہیں اور کچھ کو مد نظر رکھنا پڑتا ہے.

امام معصومؑ فرماتے ہیں کہ بعض لوگوں کے لئے زکات لینا مشکل ہے. فرض کریں ایک عزت دار شخص ہے جو ماضی میں خوشحال زندگی گذارتا تھا اور اس کے حالات اچھے تھے مثلاً یہ شخص وزیر یا وکیل تھا لیکن اب بعض وجوہ کی بنا پر نیاز مند و محتاج ہو چکا ہے. (ضروری ہے کہ زکات دیتے وقت اس شخص کی عزت کا خیال رکھا جائے)۔

ہمارے ہاں روایت بھی موجود ہے کہ کوئی شخص زکات وصول کرتے ہوئے شرم محسوس نہ کرے لیکن ممکن ہے کہ معاشرے کی ثقافت اس طرح کی ہو کہ کچھ افراد زکات وصول نہ کرنا چاہیں. حضرت امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں کہ ایسے افراد کو تحفے کے عنوان سے

دیا جائے (۱) اور اسے زکات کا نام نہ دیا جائے ۔ یا امام صادقؑ فرماتے ہیں : اگر عزت دار شخص کو زکات دینا مقصود ہو تو گھوڑے ، اونٹ ، اور بھیڑ بکریوں جیسی اشیاء دی جائیں ۔ ظاہر وضع قطع اور عزت دار اور خاندانی لوگوں کو ایسی چیزیں دی جائیں کہ یہ لوگ برا نہ مانیں ، ایسے افراد کو سو روپے دینے کی جائے ایک اونٹ یا گھوڑے کا تحفہ دیا جائے ۔ اگر آج کل دینا مقصود ہو تو گاڑی کا تحفہ دیا جائے (البتہ اگر فقہاء فتویٰ دیں کہ گاڑی دی جاسکتی ہے) ۔ زکات میں ایسے لطیف نکات کو مدِ نظر رکھا گیا ہے تا کہ جو لوگ اس لحاظ سے نیاز مند ہیں ان کی ضروریات پوری کی جا سکیں ۔ (۲) ۔

تقویٰ اور مستحقین زکات ؛

فقہاء نے زکات کے مورد میں انسان فاسق و فاجر اور انسان متقی کے درمیان فرق رکھا ہے (۳) ۔ چوں کہ میرا وظیفہ ہے کہ خطبے میں تقویٰ کے بارے میں گفتگو کروں لہذا تقویٰ کے بارے میں گفتگو کرتا ہوں تا کہ یہ وظیفہ بھی ادا ہو جائے اور زکات کے مورد میں انسان فاسق اور انسان متقی کے درمیان پایا جانے والا فرق بھی واضح ہو سکے ۔

---

(۱) ۔ تحریر الوسیلہ جلد نمبر ۱ صفحہ نمبر ۳۳۸ امام خمینیؒ کی عبارت کا اصل متن یہ ہے : اگر فقیر و تنگدست شخص کو زکات دی جائے تو یہ بتانا ضروری نہیں کہ یہ زکات کا مال ہے ۔ بلکہ مستحب یہ ہے کہ بعنوان تحفہ دیا جائے اور در حقیقت زکات کی نیت کی جائے ۔

(۲) ۔ تحریر الوسیلہ جلد نمبر ۱ صفحہ ۳۴۰ ۔ ۳۴۱

(۳) ۔ تحریر الوسیلہ جلد نمبر ۱ صفحہ نمبر ۳۴۱ امام خمینیؒ فرماتے ہیں : مستحقین کی شرائط میں سے ایک شرط ایمان ہے ، بنابر این کافر اور بے ایمان شخص کو زکات نہیں دی جاسکتی مگر اسے تالیف قلوب کے حصے سے دیا جا سکتا ہے ۔

زکات دینے میں بھی تقویٰ ضروری ہے

انما یتقبل اللہ من المتقین(۱)

اگر انسان کا زکات دینا تقویٰ کے بغیر ہو تو اس زکات کی کوئی اہمیت نہیں ہے. زکات لینے والے شخص میں بھی تقویٰ ضروری ہے. ایسے شخص کو زکات دینا جائز نہیں ہے (امام خمینی کے فتویٰ کے مطابق) جو فاسق و فاجر ہو اور علی الاعلان گناہ کرتا ہو مثلاً شراب خور ہو یا دوسرے گناہان کبیرہ کا ارتکاب کرتا ہو.

لیکن گناہ صغیرہ کا حکم جدا ہے. اگر ایک شخص علی الاعلان گناہ صغیرہ انجام نہ دے تو اسے زکات دینے میں کوئی حرج نہیں ہے. لیکن اس مسئلے میں ایک بنیادی فرق موجود ہے. اور وہ فرق یہ ہے کہ اگر متقی شخص کو زکات دینا چاہیں تو یہ شخص جتنی مقدار کا مطالبہ کرے اسے دی جا سکتی ہے. مثال کے طور پر اگر متقی شخص یہ کہے کہ میرا روزانہ کا خرچ پانچ سو تومان ہے اگر ایسے شخص کو پیسہ دیا جائے تو گناہوں اور برے کاموں پر خرچ کرے گا. (ایک روایت میں ہے کہ) امام جعفر صادقؑ سے مستحق زکات کو دی جانے والی مقدار کے بارے میں سوال کیا گیا حضرتؑ نے فرمایا:

یعطی المومن ثلاثة الاف خمسة الاف عشرة الاف

تین ہزار دو، پانچ ہزار دو، دس ہزار دو.

الغرض اسے جتنی مقدار درکار ہو اور اس کا مطالبہ کرے، لیکن

و یعطی الفاجر بقدر

---

(۱) مائدہ: ۲۷

بے دین اور گناہکار انسانوں کو اندازے کے مطابق دیا جائے ۔ یعنی اسے اتنی مقدار دی جائے جس کے ذریعے وہ گذر اوقات کر سکے لیکن اس کے پاس فالتو پیسے نہیں ہونے چاہئیں ورنہ وہ شخص گناہوں پر خرچ کرے گا.

لانّ المومن ینفقھا فی طاعة اللہ و الفاجر فی معصیة (۱)

مومن شخص خدا کی راہ میں خرچ کرتا ہے. اور اگر فاسق کے پاس اضافی پیسہ آجائے تو اسکے ذریعے شراب خوری کرتا ہے اور دوسرے برے اعمال انجام دیتا ہے.

تمام مقامات پر تقویٰ

اسلامی تعلیمات کے مطابق جو چیز فضلیت کا سبب ہے اور انسان کو دوسروں کی نظروں میں قابل اعتماد بناتی ہے اور انسان کو حقیقی انسان میں تبدیل کرتی ہے، اس کا نام ہے تقویٰ. اگر انسانی عمل تقویٰ کے جوہر سے خالی ہو تو اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے ۔ یہاں تک کہ بے تقویٰ انسان کا محاذ جنگ پر جا کر جنگ کرنا بھی کوئی اہمیت نہیں رکھتا. تقویٰ کے بغیر انفاق کرنے کا ثواب بھی بہت کم ہے.

اگر بے تقویٰ انسان زکات لینا چاہے تو زکات آفیسر کا وظیفہ ہے کہ اسے روز مرہ اخراجات کے مطابق زکات دے اور اس سے زیادہ مقدار نہ دے ۔ کیونکہ اگر اسے تھوڑی سی زیادہ مقدار دی جائے تو یہ شخص بیوی بچوں کے لئے کوئی چیز خریدنے کی جائے، ہوٹل میں بیٹھ کر مرغ اڑائے گا اور جب گھر واپس آئے گا تو بیوی بچوں سے کہے گا میرے پاس کچھ نہیں ہے. اس کے بیوی بچے خالی روٹی کھانے پر مجبور ہوں گے.

---

(۱) فروع کافی و وسائل الشیعہ زکات سے متعلقہ ابواب.

اس مسئلے سے واضح ہوتا ہے کہ اسلامی مراحل میں تقویٰ کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ تقویٰ انسانی روح کو خدا کے قریب کرتا ہے اور متقی اشخاص معاشرے میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں۔

میں نے آج یہاں تک کی بحث سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے (باقی بحث بعد میں بیان کروں گا) کہ ہم نیازمندوں اور محتاج لوگوں کو اتنی مقدار میں مال دے سکتے ہیں کہ جس کے ذریعے ان کی سطح زندگی معاشرے کی متوسط سطح زندگی تک پہنچ سکے۔ ضرورتمند اشخاص کو رہائش، لباس، گاڑی، علاج معالجے کی سہولیات، اور نوکر جیسی تمام ضروریات زندگی فراہم کی جاسکتی ہیں۔ خدا کے فضل و کرم سے ہمارے پاس وسائل بھی موجود ہیں۔ لیکن اس کی شرائط یہ ہیں کہ یہ شخص، بیکار اور سست و کاہل نہ ہو جو بیٹھ کر کھانے کی فکر میں ہو۔ ایسے شخص کو زکات نہیں دی جاسکتی۔ سب سے پہلے تو اسے روزگار فراہم کیا جائے۔

اگر یہ شخص کام کرنے کے باوجود ضروریات زندگی پوری نہ کرسکے یا اصلاً کام کرنے پر قادر نہ ہو تو اس صورت میں اسے زکات دی جاسکتی ہے۔ حکومت کی ذمہ داری ہے کہ روزگار فراہم کرے اور اگر اس کے باوجود بھی کوئی کمی رہ جائے تو اسے اس بجٹ سے پورا کیا جائے۔ مزید تفصیل کے لئے استاد ڈاکٹر شہیدی کی کتاب (تاریخ تحلیلی اسلام) کا مطالعہ فرمائیں۔ اور باقی تاریخی کتب کی طرف رجوع کریں۔

تیسواں خطبہ

اسلام میں عدالت اجتماعی کی گفتگو کا سلسلہ

فضول خرچی اور قرآن کریم میں اس کی تعبیرات

اور روایات و فتاوی

بسم اللہ الرحمن الرحیم :کلوا واشربوا ولا تسرفوا انه لایحب المسرفین(۱)

اجتماعی عدالت کو بیان کرتے ہوئے (اجتماعی عدالت کے اقتصادی پہلو میں) اور آدھی بحث کی نتیجہ گیری کرتے ہوئے ہم نے دو فصلوں پر مشتمل ایک باب کھولا تھا اور پہلی فصل کی وضاحت بھی کی تھی جب کہ آج کی بحث دوسری فصل سے متعلق ہے. ہم نے یہ نتیجہ اخذ کیا تھا کہ اسلام کی منصوبہ بندی کے مطابق شرعی واجب اموال میں ایک بجٹ مد نظر رکھا گیا ہے جس کے ذریعے تمام پسماندہ و محروم لوگوں کی حالت اس قدر بہتر بنائی جا سکتی ہے کہ یہ لوگ معاشرے میں متوسط زندگی گزار سکیں. گزشتہ خطبے میں کہا تھا کہ آیات، روایات اور فقہاء کے فتاویٰ سے یہ بات اچھی طرح سمجھی جا سکتی ہے کہ اسلام کے لئے یہ امر پسندیدہ نہیں ہے کہ کسی بھی شخص کا معیار زندگی معاشرے کے عام و متوسط معیار سے کم ہو. لہذا ہم اس نتیجے تک پہنچتے ہیں کہ اقتصادی شعبے میں اسلامی عدالت کی روح یہ ہے کہ تمام لوگ قدرتی وسائل و نعمتوں سے فائدہ اٹھانے کے اعتبار سے ایک دوسرے سے قریب ہوں. میرا یہ دعویٰ ہے ورنہ اسلام شناس اشخاص اسلامی معارف میں اسی نتیجے تک پہنچے ہیں اور جو شخص بھی تحقیق کرے یہ امر اس کے لئے واضح و آشکار ہو جائے گا.

---

(۱) اعراف

بیس لاکھ خاندانوں کی کفالت

گذشتہ ابحاث میں بیان کیا تھا کہ اعداد و شمار کی روشنی میں خمس، زکات، کفارات اور باقی اموال شرعی کی مقدار موجودہ ملکی بجٹ کے برابر ہے اور اس رقم کے ذریعے بیس لاکھ خاندانوں کی کفالت کی جاسکتی ہے. اور اس بجٹ کے ذریعے ملکی سطح پر خاندانوں کی زندگی میں پائے جانے والے نقائص کو بر طرف کیا جاسکتا ہے. ضرورتمند خاندانوں کی صورتحال بھی اس قدر ابتر نہیں ہے کہ ان کی زندگی کے تمام شعبوں میں مشکلات پائی جاتی ہوں بلکہ یہ خاندان زندگی کے بعض امور میں نیازمند ہیں، بنابر این اموال شرعی سے حاصل ہونے والے بجٹ کے ذریعے لاکھوں افراد کی ضروریات زندگی پوری کی جاسکتی ہیں.

ممکن ہے بعض لوگوں کے ذہن میں یہ بات آئے کہ اس بجٹ کے ذریعے تمام ضرورتمندوں کی ضروریات پوری کی جاسکتی ہیں اور نتیجۃً کوئی شخص نادار باقی نہیں رہے گا لیکن یہ بات بھی طے شدہ ہے کہ ثروتمند لوگ اور وہ لوگ جو نجی شعبے میں پائی جانے والی آزادی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے زیادہ مقدار میں پیسہ جمع کرسکتے ہیں. ان کے ہاتھ کھلے ہیں تاکہ اپنے لئے شان و شوکت والی زندگی فراہم کرسکیں جب کہ ضرورتمند و نیازمند لوگ زیادہ سے زیادہ، معمولی سطح زندگی کے مالک بن سکتے ہیں مثلاً زیادہ سے زیادہ انکے لئے گھر، گاڑی، دوائی، غذا اور لباس جیسی سہولیات میسر آسکتی ہیں. بنابر این پھر بھی قدرتی طور پر سطح زندگی کے اعتبار سے تفاوت و فرق پایا جائے گا میری آج کی بحث کا دوسرا حصہ اسی موضوع سے متعلق ہے.

اسراف و زیادہ روی سے پاک آزادی

اسلام میں لوگوں کو آزادی حاصل ہے کہ سعی و کوشش کریں، پیدوار بڑھائیں، تجارت کریں، کاروبار کریں اور پیسہ کمائیں لیکن اسلام نے یہ آزادی نہیں دی کہ لوگ جس

طرح چاہیں کھلے ہندوں خرچ کریں. بلکہ اسلامی معارف نے اسراف وزیادہ روی کی روک تھام کی ہے.

ان اسلامی معارف میں سے بعض معارف اخلاقی جب کہ بعض قانونی حیثیت رکھتے ہیں . اسلام نے معاشرے کو اسراف وفضول خرچی کے ذریعے دو طبقوں میں تقسیم کرنے کی سخت مخالفت کی ہے. تاکہ ایسی صورت حال پیش نہ آئے کہ بعض لوگ وسائل سے زیادہ فائدہ اٹھا ئیں جو عوامی اکثریت کی فکروآرزو بھی نہیں ہے. میں جانتا ہوں کہ ان اقتصادی ابحاث کو ہضم کرنا تمام لوگوں کے لئے مشکل ہے.

اس کے ساتھ ساتھ اقتصادی ابحاث کو پیش کرنا لڑائی جھگڑے کا مؤجب بھی ہے اور خوشحال طبقے کے افراد کی ناراضگی کا سبب ہے. یہ ابحاث اخلاقی ابحاث کی نسبت قدرے مشکل ہیں. کیونکہ مال ودولت کا مسئلہ ہے مشہور مقولہ ہے کہ (یہ مال ہے جان تو نہیں ہے تاکہ آسانی سے دی جاسکے) لہذا ان مسائل کی بنیاد پر شوروغوغا کیا جاتا ہے. لیکن میرا وظیفہ اسلام کا تعارف کرانا ہے. نماز جمعہ کے ذریعے جو فرصت نصیب ہوئی ہے اور جو منبر ہمارے اختیار میں دیا گیا ہے اس کی وجہ سے ہماری گردنوں پر اہم وسنگین وظیفہ عائد ہوتا ہے تاکہ اسلام کا صحیح تعارف کروایا جائے.

ممکن ہے کہ ہم (میں اور میری موجودہ حکومت) حقیقی اسلام اور اسلامی عدالت کو عملی طور پر نافذ نہ کرسکیں اور موجودہ مشکلات کی وجہ سے ہمیں طولانی راہیں طے کرنا پڑیں لیکن ہماری کمزوری وناتوانی کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اسلام کو غلط انداز میں متعارف کروایا جائے کیونکہ ہمیں جانا ہے اور کچھ دوسرے لوگ ہماری جگہ لے لیں گے. جو اسلامی راہ کو آگے بڑھائیں گے.

سود خوروں کے خلاف قرآن کی پکار

ہم جانتے ہیں کہ پیغمبر اکرمؐ کی زندگی کے دوران کلی طور پر اپنے مطلوبہ اسلام نافذ نہ ہوا تھا کیونکہ پیغمبر اکرمؐ کی زندگی کے آخری ایام ہیں لیکن ابھی تک سود خوروں کے خلاف قرآن کی فریاد بلند ہے اور قرآن مجید میں ارشاد ہو رہا ہے اگر تم سود خوری کو ترک نہیں کرتے تو خدا کے ساتھ اعلان جنگ کرو یا خدا کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے تیار ہو جاؤ. یہ آیات پیغمبر اکرمؐ کی زندگی کے آخری ایام میں نازل ہوئیں اور ہم بھی اس سے بخوبی آگاہ ہیں. حضرت علیؑ کے دور میں بھی یہ مشکلات موجود تھیں. حالانکہ ہم علی بن ابی طالبؑ کے غلام (قنبر) کے شاگردوں کے شاگردوں کے شاگرد بھی نہیں بن سکتے.

لہذا ممکن ہے کہ ہم لوگ حقیقی اسلام کو نافذ نہ کر سکیں اور داخلی مشکلات نفاذ اسلام کی راہ میں رکاوٹ بنیں. لیکن اگر لوگ اسلام کی حقیقی معرفت حاصل کریں اور اسلامی عدالت کی حقیقت سے آشنا ہو جائیں تو اپنے راستے پر چلتے رہیں گے اور ایک نہ ایک دن اس عدالت تک پہنچ جائیں گے. آج کی بحث (اسراف) کے متعلق ہے.

عرض کر چکا ہوں کہ ممکن ہے انسان کے پاس بہت سی چیزیں موجود ہوں لیکن اس کے باوجود معاشرے میں موجود وسائل سے فائدہ اٹھانے کے اعتبار سے کچھ محدودیت بھی پائی جاتی ہو. وسائل سے فائدہ اٹھانے سے مراد (وسائل سے فائدہ اٹھانے کے اعتبار سے زیادہ فرق نہ ہونا) ہے نہ یہ کہ (مساوی فائدہ) اٹھایا جائے.

اس مسئلے کو پوری صراحت کے ساتھ کہہ دوں (اگر میری باتوں میں یا کسی کلمہ میں شبہ پایا جائے تو اس سے سوء استفادہ نہ کیا جائے) پہلے بھی بار ہا کہہ چکا ہوں کہ معاشرے کی سطح برابر نہیں ہو سکتی. یہ ایک ایسی چیز ہے کہ جس کے درپے انبیاء بھی نہیں تھے. لیکن وسائل سے

فائدہ اٹھانے میں معقول تفاوت ہونا چاہیئے، ایسا تفاوت کہ جس کی وجہ سے موجودہ صورتحال پیدا نہ ہوبلکہ صورتحال قدرے مختلف ہونی چاہیئے.

اسراف کی تعریف

اسراف ایک ایسا کلمہ ہے کہ جو قرآن مجید میں مورد مذمت قرار پایا ہے اور روایات میں بھی اس کی بہت زیادہ مذمت کی گئی ہے. گزشتہ دو تین دنوں میں جب میں اسراف کے بارے میں مطالعہ کررہا تھا تو مجھے تعجب ہوا کہ قرآن وائمہ اطہارؑ نے اس مسئلے پر کتنی زیادہ توجہ دی ہے. جب کہ فقہاء و علماء کے درمیان اس مسئلے پر زیادہ توجہ نہیں دی گئی کیونکہ اگر ان آیات سے استفادہ مقصود ہو کہ جن کی تلاوت میں ابھی کرنے والا ہوں اور اگر معارف کی نگاہ سے اس مسئلے کے بارے میں تحقیق کی جائے تو ہم لوگ عدالت تک پہنچ سکتے ہیں بہ این معنی کہ اگر ہمارے پاس فقط یہی موارد ہوتے تو ہمارے لئے کافی تھا کہ ان موارد سے رہنمائی لیتے ہوئے اپنا مطلوبہ راستہ تلاش کرسکیں.

افسوس کا مقام ہے کہ ہماری فقہی کتب اور معارف سے مربوط کتابوں میں اسراف کے بارے میں سنجیدگی کے ساتھ بہت کم بحث کی گئی. (فقط منابع و مصادر کو لکھا گیا ہے اور انہیں از... کیا گیا ہے اگرچہ یہ کام بھی اپنے مقام پر اہمیت کا حامل ہے) اسراف سے متعلق بہترین بحث معتبر عالم دین مرحوم فاضل نراقی (۱)

---

(۱)۔ مرحوم الحاج ملا احمد نراقی (۱۲۴۵ یا ۱۲۴۴ ہجری قمری) ولد الحاج ملا مہدی نراقی. اپنے والد کی طرح جامع الفنون تھے. اور اپنے باپ کی طرح صاحب فتویٰ، مجتہد اور مرجع تقلید تھے. شعر بھی لکھا کرتے تھے. خزائن (جو تمام علوم کا کشکول ہے) اور عرفانی مثنوی (طاقدیس) ان کے مجموعہ اشعار ہیں. شیخ انصاریؒ آپ کے شاگردوں میں سے تھے.

کی کتب میں پائی جاتی ہے ان سے پہلے بھی فقہاء، علماء، اور علماء اخلاق کی کتابوں میں اسراف کے متعلق مطالب دیکھنے میں آتے ہیں. لیکن انہوں نے فراگیر و مفصل بحث نہیں کی. یہ مفصل بحث بھی چند صفحات پر مشتمل ہے. یعنی ملا احمد نراقی کی کتاب؛ عوائد الایام؛(۱) میں زمین ہموار کی گئی ہے اور تحقیق کا باب کھولا گیا ہے. اس کتاب کی طرف رجوع کر کے بہت سے مطالب سمجھے جاسکتے ہیں اور دینی طلباء بھی اگر چاہیں تو اس منبع کی طرف رجوع کر سکتے ہیں

قرآن کریم میں تقریبا تئیس (۲۳) بار لفظ اسراف استعمال ہوا ہے اور اسے مورد مذمت قرار دیا گیا ہے جب کہ دو مقامات پر لفظ تبذیر استعمال ہوئے ہیں الغرض جو آیات عدالت، حد وسط اور اعتدال کی دعوت دیتی ہیں ان آیات سے استفادہ کیا جاسکتا ہے.

قرآن میں عناوین مسرف ؛

قرآن مجید میں مسرف کے لئے جو عناوین استعمال ہوئے ہیں وہ بہت وحشت ناک ہیں. جب مسرف و اسراف کے بارے میں گفتگو کی جاتی ہے تو شاید آپ کے ذہن میں یہ بات آئے کہ اسراف سے مراد یہ ہے کہ مثلاً انسان زیادہ پیسہ خرچ کرے یا فضول خرچ کرے نہیں اسراف سے مراد فقط یہی نہیں ہے. بلکہ اسراف ایک وسیع باب ہے جسے کفر سے تعبیر کیا جاسکتا ہے. یہاں تک کہ مثال کے طور پر اگر انسان ٹشو پیپر کا غلط استعمال کرے تو بھی مسرف ہے.

اسراف کا دائرہ کار بہت وسیع ہے جس کے بارے میں متعدد ابحاث کی ضرورت ہے.

---

(۱)۔ عوائد الایام فی قواعد الاحکام؛ ملا احمد نراقیؒ کی فقہی کتب میں سے ایک ہے جس میں ولایت فقیہ سے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کیا گیا ہے. اس کتاب کی ولایت فقیہ سے متعلقہ بحث کا فارسی ترجمہ منتشر ہو چکا ہے. کتاب کا نام؛ شئوون فقیہ، مولف ملا احمد نراقی، مترجم ڈاکٹر سید جمال موسوی، انتشارات بنیاد بعثت. تہران. ۱۳۶۷

اوراس کے حدوداربعہ کوواضح کرنے کی ضرورت ہے. جن موارد میں اجتہاد کادروازہ کھولنے کی ضرورت ہے ان موارد میں سے ایک مورد (اسراف) ہے (بالخصوص تشیع میں اجتہاد کی زیادہ ضرورت ہے چونکہ کتب شیعہ میں اسراف زیادہ اہمیت کا حامل ہے اوراس کے بارے میں زیادہ موادپایاجاتاہے). اسراف کے متعلق قرآن کریم میں استعمال ہونے والی تعبیرات خوف زدہ کرنے والی ہیں. ان تعبیرات میں سے ایک دو تعبیریں یہ ہیں کہ خداوند مسرف کو پسند نہیں کرتا۔ خدافرماتاہے

کلوا واشربو ا و لا تسرفوا انه لا یحب المسرفین

یہ آیت قرآن کریم کی دوسورتوں (انعام واعراف) میں پائی جاتی ہے. کھانے پینے کے موارد میں معلوم ہوتاہے کہ اسراف سے مرادزیادہ مصرف کرناہے. یہ ایک واضح مسئلہ ہے لہذا بعد میں کچھ حضرات یہ بحث نہ کریں کہ آیایہاں پر مسرف سے مرادکافرومجرم ہے؟ یہ آیہ سورہ اعراف میں (زینت) یعنی آرائش اور کھانے پینے کے ذکر کے بعدآئی ہے، ارشاد ہوتاہے :

یا بنی آدم خذوا زینتکم عند کل مسجد و کلوا و اشربوا و لاتسرفوا انه لا یحب المسرفین.(۱)

اے اولاد آدم! مقام عبادات میں زینت کے ساتھ جاؤاور کھاؤپیواور اسراف نہ کرو چونکہ خدااسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا. اس آیہ کریمہ سے بخوبی سمجھا جاتاہے کہ مسرف محبوب خدانہیں ہےاور جو شخص محبوب خدانہ ہواس نےاپنی تمام حیثیت گنوادی ہے.

خداونداپنی مخلوقات کے ساتھ محبت کرتاہے. اور جو شخص خداکی محبت سے محروم ہو جائے اس کا خدا کے ساتھ ولائی رابطہ کٹ جاتاہے. کھانے پینے اور زینت کے معاملے میں

---

(۱)سورہ اعراف. آیہ۳۱.

اسراف کرنے والے اشخاص کے بارے میں ان آیات سے بہت کچھ سمجھا جاسکتا ہے. چند موارد میں اسراف کو قوم فرعون، مصر کے قبطی، خود فرعون، قوم لوط، و مستکبرین و معاندین کی صفت کے طور پر یاد کیا گیا ہے. (انتم قوم مسرفون)(۱)و(ان فرعون لعال فی الارض و انه لمن المسرفین)(۲) جیسی تعبیرات موجود ہیں.

یہ مسرفین فرعون کے القاب میں سے ایک لقب ہے. اسراف کے اور مصادیق بھی پائے جاتے ہیں. کچھ موارد میں اس مطلب کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ خداوند کریم مسرف کو اپنی ہدایت سے محروم کردیتا ہے. (انه لا یهدی القوم المسرفین)(۳). پس مسرف انسان کے لئے جو تعبیرات استعمال ہوئی ہیں وہ درج ذیل ہیں. ایک یہ کہ مسرف محبوب خدا نہیں ہے.

دوسری تعبیر یہ کہ اسراف کی ضد اعتدال ہے جو کہ بندگان خدا کی صفات میں سے ایک صفت ہے. اور اسراف ان لوگوں کی صفت ہے جو بندگان خدا نہیں ہیں

والذین اذا انفقو لم یسرفوا و لم یقتروا و کان بین ذلك قواماً(۴)

یہ وہ لوگ ہیں جو انفاق کرتے وقت اسراف سے کام نہیں لیتے اور بخل بھی نہیں کرتے بلکہ احسان کے کاموں میں میانہ روی واعتدال سے کام لیتے ہیں"

جو لوگ قرآن مجید سے آشنائی رکھتے ہیں انہیں سورہ (فرقان) کی آخری آیات کا ملاحظہ

---

(۱)یسین :۱۹

(۲)یسین :۳۱

(۳)یونس :۸۳

(۴)فرقان :۶۷

کرنا چاہیئے. ان آیات میں خدا کے شائستہ ولائق بندوں کی صفات بیان کی گئی ہیں. شائستہ انسان کی ایک صفت یہ ہے کہ انفاق کرتے وقت بھی اسراف سے کام نہ لے. آیہ مبارکہ میں خود پیغمبر اکرمؐ کو خطاب ہوتا ہے:

ولا تجعل یدك مغلولة الی عنقك و لا تبسطها کلّ البسط(۱)

مخلوق خدا پر احسان کے معاملے میں زیادہ ہاتھ کھینچ کر نہ رکھو (زیادہ سخت نہ کرو) اور نہ ہی بہت زیادہ فراغ دلی کا مظاہرہ کرو (بہت زیادہ نرمی نہ کرو)، اس آیہ کریمہ میں بھی اسراف سے نہی کی گئی ہے:

و ات ذالقربیٰ حقه والمسکین وابن السبیل ولا تبذر تبذیر(۲)

اے رسولؐ! آپ اور آپ کی امت رشتہ داروں کے حقوق ادا کریں۔ مسکین اور مسافر کو بھی حق دیں اور ہرگز (اپنے کاموں میں) اسراف روا نہ رکھیں

انفاق میں بھی اسراف وزیادہ روی نہیں ہونی چاہیئے. ایک اور مورد یہ ہے کہ مسرف شخص خدا کی ہدایت سے محروم ہو جاتا ہے

انّ الله لا یهدی من هو مسرف کذاب(۳)

بتحقیق خداوند مسرف اور جھوٹے لوگوں کی ہدایت نہیں کرتا. مسرف خدا کی ہدایت سے مایوس ہوتا ہے. مسرف چشم بینا نہیں رکھتا اور گمراہی وضلالت مسرفین کی صفات میں سے ہے۔

---

(۱) اسراء: ۲۹

(۲) اسراء: ۲۶

(۳) مومن: ۲۸

كذالك يضلّ الله من هو مسرف مرتاب(۱)

خداوند کریم نے قرآن مجید میں ایک قصہ بیان کیا ہے کہ فلان کام کا انجام یہ ہوا اور اس کے بعد خداوند ارشاد فرماتا ہے

یہی (اسراف) ضلالت وگمراہی کا سبب بنا. پس مسرفین خود خواہ زیادہ توقعات رکھنے والے اور اپنے آپ سے راضی ہیں

كذٰلك زين للمسرفين ما كانوا يعملون(۲)

یہ کفران نعمت اور غفلت (اسراف) ہی ہے کہ جس نے مسرفین کے برے اعمال کو ان کی نظروں میں خوبصورت بنادیا ہے. مسرفین کے اعمال ان کی اپنی نگاہوں میں خوبصورت ہیں اور وہ خیال کرتے ہیں کہ ہم نے اچھا کام انجام دیا ہے.

مسرف کی یہ حالت ہے جو اس مصیبت میں مبتلا ہو جاتا ہے اپنے عیوب کو نہیں سمجھ سکتا اور توقع رکھتا ہے کہ خداوند اس کے ناز اٹھائے اور اس کے ساتھ رعایت کرے

افنضرب عنكم الذكر صفحاً ان كنتم قوماً مسرفين(۳)

آیا ہم تم کو (قرآن کی) یادآوری کرانے سے صرف نظر کریں فقط اس لئے کہ تم قرآن کا انکار کر کے اپنے اوپر ظلم روا رکھتے ہو.

خداوند کریم اس آیہ شریفہ میں ارشاد فرماتا ہے: فقط اس لئے کہ تم مسرف ہو، زیادہ توقعات رکھتے ہو اور خیال کرتے ہو کہ خدا کو تمہارے ساتھ رعایت برتنا چاہیئے جب کہ حالت

---

(۱) مومن: ۳۴

(۲) یونس: ۱۲

(۳) زخرف: ۵

یہ ہے کہ تم لوگ ہلاکت کے مستحق ہو.

واهلكنا المسرفين(۱).

یہ حکم اس صفت پر مترتب ہوا ہے. یہاں پر کلمہ ((مسرفین)) خاص طور پر آیا ہے اور خداوند کریم فرمانا چاہتا ہے اس قوم کی ہلاکت، اسراف کا نتیجہ تھی. یہ لوگ اطاعت و تقلید کی صلاحیت نہیں رکھتے اور ان کی زندگی کو نمونہ عمل قرار نہیں دیا جاسکتا۔

ولا تطيعوا امر المسرفين(۲)

نہی ہوئی ہے کہ اسراف کرنے والوں کی اطاعت نہ کرو. یعنی اگر حکمران طبقہ مسرف بن جائے تو ان سے حق اطاعت سلب ہو جاتا ہے. یا یہ کہ ایسی صورتحال میں حکمرانوں کی زندگی کے طریقہ کار کو اپنے لئے نمونہ عمل قرار نہ دو. آپ مسرفین کے ساتھ ہم طبقہ نہیں ہیں بلکہ آپ لوگوں کی حالت مسرفین سے متفاوت ہے اور مسرفین مستحق عذاب ہیں

ان المسرفين هم اصحاب النّار(۳)

مسرفین وہ ہیں جنھیں آگ کے شعلوں میں جلنا چاہیئے. کلمہ (ہم) جو آیہ شریفہ میں استعمال ہوا ہے اگر انحصار پر دلالت نہ کرے تو تاکید پر ضرور دلالت کرتا ہے.

مسومة عند ربك للمسرفين(٤)

خدا نے مسرفین کے لئے علامت والے پتھر چن رکھے ہیں یہ ایک قسم کا عذاب ہے

---

(۱)انبیاء :۹

(۲)شعراء :۱۵۱

(۳)غافر :۴۳

(۴)ذاریات :۳۴

جو مسرفین کے لئے معین کیا گیا ہے اور یہ عذاب انہیں کے لئے ہے.

مسرفین شیاطین میں سے ہیں.

اس آخری مورد میں ایک لطیفہ بھی ہے

ان المبذرین کانوا اخوان الشیاطین(۱)

مبذرین و مسرفین (جو اپنا مال و دولت اور اپنی عمر شیطانی خیالات میں صرف کر دیتے ہیں) شیاطین کے بھائی ہیں. مسرفین جنھیں یہاں (مبذرین) کے لفظ کے ساتھ بیان کیا گیا ہے (بعد میں بیان کروں گا کہ مبذرین و مسرفین میں زیادہ فرق نہیں ہے) شیاطین کے بھائی ہیں.

امریکہ دنیا کا تجاوز گر کا مصداق

امریکہ دنیا کے تجاوز گر کا مصداق ہے مغربی بلاک (۲) بھی امریکیوں کا بھائی شمار ہوتا ہے متکبرین اور سرمایہ داروں کو بھی قرآن نے شیاطین کے بھائی قرار دیا ہے. امام خمینی نے (شیطان بزرگ) یعنی بڑے شیطان کو معین کر دیا ہے.

ان المبذرین کانوا اخوان الشیاطین﴾(۳)

آیہ کریمہ میں کلمہ (کانوا) استعمال ہوا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ اسراف و تبذیر نیا

---

(۱) اسراء: ۲۷

(۲) اسراء: ۲۷

(۳) نیٹو کے ممبر ممالک کے علاوہ ان یورپی اور ان ممالک کو جو امریکہ کے اتحادی تھے اور امریکہ، اور امریکہ کے اتحادیوں کے ساتھ ہم فکر تھے (مغربی بلاک) کہا جاتا ہے.

مسئلہ نہیں ہے بلکہ یہ ایک تاریخی مسئلہ ہے جو گذشتہ زمانوں میں بھی پایا جاتا تھا. اور حقیقت بھی یہی ہے کہ یہ ایک پرانا مسئلہ ہے.

یہ وہ صفات ہیں جو قرآن کریم نے مسرف کے لئے بیان فرمائی ہیں (میں نے ان صفات کی طرف سرسری اشارہ کیا ہے) البتہ بعد میں مسرف کے بارے میں تفصیلی گفتگو کروں گا. روایات میں بھی مسرف کے بارے میں بہت سخت تعبیرات موجود ہیں جنہیں اس وقت بیان نہیں کیا جاسکتا. خواتین و حضرات کتب اخلاق کی طرف رجوع کر کے ان تعبیرات سے آگاہ ہو سکتے ہیں. بعض روایات میں سے فقط ایک دو جملے بیان کر کے اپنی بات کو آگے بڑھاتا ہوں حضرت امام جعفر صادقؑ کی روایت ہے:

انّ القصد امر یحبّہ اللہ

اعتدال ایسی چیز ہے جسے خداوند پسند فرماتا ہے

و انّ السرف یبغضہ اللہ حتی طرحک النواہ فانّھا تصلح یشی

خدا اسراف سے نفرت کرتا ہے یہاں تک کہ کھجور کی گٹھلی کو بھی دور نہ پھینکا جائے کیونکہ کسی نہ کسی کام آجائے گی.

اسلامی معاشروں کے لئے یہ بات جالب نظر ہے کہ کارخانوں اور صنعتوں کے فالتو مواد کو دور نہ پھینکیں اور اسے ضایع نہ کریں. امام صادقؑ تاکید فرماتے ہیں

و حتیٰ حبک فضل شرابک)(۱).

یہاں تک کہ جس برتن کے ساتھ پانی پیتے ہو اسے بھی دور نہ پھینکو. حضرت امام

---

(۱)۔ جامع السعادات، مولف حاج ملا مهدی نراقی۔ معراج السعادہ، مولف حاج احمد نراقی اور عوائد الایام فی قواعد الاحکام کہ جس کا ذکر گذر چکا ہے.

جعفر صادقؑ فرماتے ہیں: یہ ایسا کام نہیں جسے خداوند طلب کرے.

امام خمینیؒ کا طرز عمل

ایک دوست (امام خمینی کے فرزند، سید احمد خمینی) بیان کر رہے تھے کہ جب امام خمینی کے سامنے ٹشو پیپر کے ڈبے سے ٹشو پیپر نکالتے تھے تو کبھی ایک کی بجائے دو ٹشو پیپر نکل آتے تو امام خمینی برہم ہو کر فرماتے تھے: (یہ کیا کر رہے ہو) جب امام خمینی خود ٹشو پیپر استعمال کرتے تو اسے چار ٹکڑوں میں تقسیم کرتے اور پھر ہر دفعہ ایک ٹکڑے کو استعمال کرتے تھے. سید احمد خمینی مزید نقل کرتے ہیں کہ امام خمینی فرمایا کرتے تھے کہ (جب مجھے مختلف مقامات سے مختلف رپورٹیں موصول ہوتی ہیں (مثال کے طور پر وزارت داخلہ، پولیس اسٹیشن، پاسپورٹ آفس و غیرہ سے) اور ہر ایک رپورٹ علیحدہ کاغذ پر لکھی ہوتی ہے تو اسے دیکھ کر میرا خون کھول جاتا ہے) امام خمینی فرماتے تھے:

یہ کیا طریقہ کار ہے کہ ملک میں کاغذ کا استعمال اتنی بے دردی سے ہوتا ہے. یہ چھوٹے چھوٹے امور میں دقت ہے جسے میں نے گزشتہ حدیث کی مناسبت سے ذکر کیا. ایک اور نکتہ یہ ہے کہ امام خمینی وضو کے دوران چہرے پر ہاتھ ملتے وقت ٹونٹی کو بند کر دیتے ہیں. اس کی وجہ یہ نہیں کہ امام خمینی کے پاس مال امام ہے تو احتیاط کرتے ہیں بلکہ یہ امر اسلامی تعلیمات کا نتیجہ ہے. پیغمبر اکرمؐ جب ایک شخص کے پاس پہنچے جو وضو کر رہا تھا تو پیغمبر اکرمؐ نے اسے منع کر کے فرمایا:

اس طرح پانی نہ ڈالو! کیوں اتنا پانی بہاتے ہو؟ حضرت علیؑ نے جب ایک شخص کو پانی گراتے ہوئے دیکھا تو اسے منع فرمایا. اسراف کی عادت ایک بری عادت ہے جس کے بارے میں امام صادقؑ ارشاد فرماتے ہیں: (برتن کے پیندے میں موجود پانی کی تھوڑی سی مقدار کو بھی نہ

گراؤ). امام رضاؑ نے اسراف و تبذیر کو گناہان کبیرہ میں سے شمار کیا ہے. یعنی جب امام علی رضاؑ گناہاں کبیرہ کو بیان کر رہے تھے تو اس وقت اسراف و تبذیر کو بھی بیان کیا(۱). امام علیؑ فرماتے ہیں:

القصد مثراۃ السرف متواۃ(۲)

زندگی میں اعتدال مال کی جمع آوری کا وسیلہ ہے جب کہ اسراف تباہی و بربادی اور فقر کا وسیلہ ہے امام صادقؑ ارشاد فرماتے ہیں:

انّ السرف یورث الفقر و ان القصد یورث الغنیٰ(۳)

اسراف فقر و تنگدستی کا باعث بنتا ہے (ممکن ہے خود انسان کے لئے فقر کا سبب کی بجائے معاشرے کے لئے فقر کا سبب ہو) اور اعتدال بے نیازی اور مال و ثروت کے سبب بنتا ہے. یہ وہ حکمتیں ہیں جو مختصر طور پر ذکر ہوئی ہیں. تفاسیر و لغات کی کتابوں میں اسراف کے لئے بہت سے معانی ذکر ہوئے ہیں۔

لیکن اہم مسئلہ جو ہمیں معلوم ہونا چاہیے یہ ہے کہ اسراف کیا ہے کہ جس کی اتنی تاکید (سے مذمت) کی گئی ہے، یہاں تک کہ تفاسیر و لغت کی کتابوں میں پندرہ سے زیادہ معانی پائے جاتے ہیں. مرحوم نراقی نے ان سب معانی کو پہلے تین معانی کی طرف اور بعد میں ایک معنیٰ

---

(۱)۔ جامع السعادات، مولف حاج ملا مہدی نراقی۔ معراج السعادۃ، مولف حاج احمد نراقی اور عوائد الایام فی عواعد الاحکام کہ جس کا ذکر گذر چکا ہے۔

(۲)۔ غرر الحکم (حضرت علیؑ کے کلمات قصار)۔

(۳)۔ جامع السعادات، مولف حاج ملا مہدی نراقی۔ معراج السعادۃ، مولف حاج احمد نراقی اور عوائد الایام فی عواعد الاحکام کہ جس کا ذکر گذر چکا ہے۔

کی طرف پلٹایا ہے. اور میں اسی ایک معنیٰ کے بارے میں بحث کروں گا.

اسراف حد سے تجاوز

اسراف کبھی کبھار گناہ، جرم، غفلت، خطااور اس قسم کے دوسرے معانی میں استعمال ہوتا ہے. لیکن جو اسراف میرے مد نظر ہے. وہ اعمال اور مادّی وسائل سے فائدہ اٹھانے سے متعلق ہے. اسراف کی بہترین تعریف، حد سے تجاوز کرنا ہے. البتہ ہر وقت اور ہر جگہ ایک ہی معنیٰ ہمیشہ نہیں پایا جاتا، بلکہ یہ ایک نسبی مسئلہ ہے جس میں زمان و مکان کی تبدیلی کے ساتھ تبدیلی آتی ہے، بہت سے موارد میں اجتہاد کی ضرورت ہے اور مجتہدین ور ہبروں کی نظارت میں اسراف کی حدود معین کی جانی چاہئیں. معاشرے کی سلامتی کے لئے اس مرض کا علاج ضروری ہے.

ممکن ہے کہ ایک کام بعض موارد میں اسراف شمار نہ ہو جب کہ بعض دوسرے موارد میں سے اسراف کہا جا سکے. لہذا اسراف کے لئے ایک مستقل و ثابت معنیٰ پیش نہیں کیا جا سکتا، لیکن اجمالی طور پر اسراف کا معنیٰ حد سے تجاوز کرنا ہے.

اس نکتے کی طرف توجہ کرنا چاہئے کہ اسلام دین زندگی ہے. اور اسلام میں زندگی کے حقائق کو مد نظر رکھا گیا ہے. اعتدال بھی اسلامی معاشرے اور مسلمانوں کی زندگی کے بنیادی اصولوں میں سے ایک ہے.

و كذلك جعلناكم امة وسطاً لتكونوا شهداء على الناس (۱)

اور اس طرح ہم نے تمہیں درمیانی امت قرار دیا تاکہ تم لوگوں پر گواہ رہو.

---

(۱) بقرہ: ۱۴۳

اسلام ریاضت کا مخالف ہے

اس سلسلے میں اور بھی متعدد آیات موجود ہیں جن آیات کا ایک مفہوم یہ ہے کہ اسلام پسند نہیں کرتا کہ تمام لوگ ریاضت کریں. ایک دن ہم نے یہ بھی کہا تھا کہ اسلام اصلاًریاضت کا مخالف ہے اور اسلام نہیں چاہتا کہ تمام لوگ (سادھو) بن جائیں اور زینت کے وسائل استعمال نہ کریں یہ سب کچھ اسلام کے منافی ہے.

سورہ اعراف کی جو آیہ مبارکہ میں نے گفتگو کے آغاز میں تلاوت کی ہے. یہ آیہ لباس سے شروع ہوتی ہے اور خداوند کریم لباس کی نعمت پر فخر کرتے ہوئے اس کے ساتھ ساتھ لباس تقویٰ کا ذکر فرماتا ہے. مال و متاع اور گھریلو سامان کا ذکر ہوا ہے اور ایک دو آیات کے بعد خداوند ارشاد فرماتا ہے

خذوا زینتکم عند کل مسجد(۱)

خداوند مسلمانوں کو حکم دیتا ہے کہ مساجد اور دوسرے اجتماعات میں بن سنور کر جاؤ. لیکن اس کے ساتھ ساتھ تاکید کی ہے کہ بناؤ، سنگھار کے وسائل اور دوسری قدرتی نعمات سے فائدہ اٹھاتے وقت اسراف سے پرہیز کرو

کلوا واشربوا ولا تسرفوا(۲)

حزب اللٰہی اور انقلابی لوگوں کی خامی

بعض حزب اللٰہی اور انقلابی افراد کی فکر میں ایک چھوٹا سا نقص دیکھنے میں آیا ہے. جس کی

---

(۱)اعراف :۳۱

(۲)اعراف :۳۱

یادآوری ضروری سمجھتا ہوں. بعض اشخاص انقلاب واسلام کی یہ تفسیر کرتے ہیں کہ ہر قسم کی زینتوں اور لذتوں سے چشم پوشی کی جائے اور خدا نے انسان کے لئے جو ظریف اور نفیس اشیاء پیدا کی ہیں اور انسانی نفس کو ان کیلئے تحریک کیا ہے سب امور کو ترک کرنا چاہیئے. حالانکہ قرآن مجید میں متعدد مرتبہ (زینت) کا تذکرہ ہوا ہے. آسمان چاند سورج ستارے (زینت) ہیں اور قرآن مجید تاکید کرتا ہے کہ ان زینتوں سے فائدہ اٹھانا چاہیئے.

قل من حرّم زینۃ اللہ التی اخرج لعبادہ(۱)

کہہ دو(اے بنی اسرائیل) کس نے ان زینتوں کو حرام کیا ہے جو خدا نے اپنے بندوں کے لئے خلق کی ہیں.

بعض دوست اور جوان خیال کرتے ہیں کہ گندے، میلے کچیلے اور بغیر استری کئے کپڑے پہننا اچھا کام ہے. ممکن ہے (استری) زیادہ ضروری نہ ہو لیکن لباس کا صاف ستھرا ہونا پسندیدہ چیز ہے. ایسا نہیں ہے کہ اگر انسان کسی چیز کو خراب کر کے پہنے. اور درویشوں کا روپ دھار لے تو وہ انقلابی بن جاتا ہے. نہیں ایسا نہیں ہے!

قرآن مجید نے حکم دیا ہے کہ نماز عید اور نماز جمعہ میں بہترین لباس پہن کر جاؤ تاکہ دوسرے لوگ متاثر ہوں. ایسا نہ ہو کہ آپ ہمیشہ نقاط ضعف کی نمائش کریں بلکہ نقاط قوت کا اظہار بھی کرنا چاہیئے اور خدا کی نعمتوں سے مستفید ہونا چاہیئے.

احادیث کی روشنی میں زینت کی تعریف

حضرت پیغمبر اکرمؐ یا حضرت علیؑ بن ابیطالبؑ کی طرف سے عبد اللہ بن عباس کو اموال

---

(۱)اعراف : ۳۲

کی جمع آوری پر تعینات کیا گیا اور اس نے صاف ستھرا سفید لباس پہنا ہوا تھا. بعض لوگوں نے اعتراض کیا کہ آپ اس قسم کا لباس پہن کر صدقہ لینے آئے ہیں ؟ عبداللہ بن عباس نے جواب دیا کہ سب سے پہلی چیز جس کا قرآن مجید نے ہم سے تقاضا کیا ہے یہی ہے

قل من حرّم زینۃ اللہ التی (۱).

بعض صوفی حضرات حضرت امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آنحضرت نے زرق برق اور صاف ستھرا لباس پہنا ہوا تھا جو انڈے کی زردی کے اوپر والی جھلی کی طرح تھا جو جھلی اتنی صاف شفاف ہوتی ہے کہ اس کے پیچھے سے انڈہ نظر آتا ہے (روایت میں یہی تعبیر استعمال ہوئی ہے).

حاضرین مجلس نے امام صادقؑ کے لباس پر اعتراض کیا تو امام صادقؑ نے یہی قرآنی استدلال پیش کیا (۲). مسئلے کا دوسرا رخ یہ ہے کہ تفریط بھی قابل قبول نہیں ہے یعنی ہم یہ نہیں کہتے کہ قدرتی نعمتوں سے بالکل استفادہ نہ کیا جائے.

امام صادقؑ سے سوال کیا گیا اگر ہمارے پاس چند عدد لباس موجود ہو تو آیا یہ اسراف ہے

---

(۱)۔ اس مطلب کا مفہوم ایک حدیث نبویؐ میں پایا جاتا ہے جو نہج الفصاحہ کے صفحہ نمبر ۱۲۸۱ پر نقل کی گئی ہے.

(۲)۔ الکافی، جلد نمبر ۶ صفحہ نمبر ۴۵۰. روایت کا اصل متن یہ ہے کہ ایک دن سفیان ثوری (ایک صوفی) امام صادقؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور دیکھا کہ امامؑ نے سفید اور خوبصورت لباس زیب تن کیا ہوا تھا. یہ دیکھ کہ اس شخص نے امام پر اعتراض کیا. امامؑ نے وہ لباس دکھایا جو آپ نے اس فاخرہ لباس کے نیچے پہنا ہوا تھا اور بہت سخت اور کھردرا لباس تھا. اس کے بعد امامؑ نے اس مضمون سے ملتے جلتے کلمات ارشاد فرمائے کہ ہر دور میں اور ہر زمانے میں لوگوں کا لباس، اور لباس کا طریقہ کار مختلف ہوا کرتا ہے. اس میں ضمناً پیغمبر اکرمؐ کی سیرت کی طرف بھی اشارہ فرمایا.

امامؑ نے فرمایا: نہیں، یہ اسراف نہیں ہے. اس کے بعد امامؑ نے فرمایا چار پانچ یا اس سے زیادہ موجود ہوں تو اسے اسراف نہیں کہا جا سکتا۔ اس کے بعد امام سے سوال ہو تا ہے (پس اسراف کیا ہے ؟) امامؑ نے فرمایا: اسراف یہ ہے کہ اچھے لباس کو رات سوتے وقت استعمال کیا جائے جو لباس خاص مواقع پر استعمال ہونا چاہیئے۔ رات کے وقت ایسا لباس پہننا اور اسے فرسودہ کرنا اسراف ہے(۱).

مسئلے کے دوسرے رخ کو بھی مد نظر رکھنا چاہیئے. یہ مسئلہ ایک مستقل بحث کا متقاضی ہے لیکن چون کہ اس کا ذکر ہوا ہے لہذا مختصر سا اشارہ کرنا چاہتا ہوں. یہ ایک ایسا خطرہ ہے جو لوگوں کو سستی و کاہلی اور نعمتوں سے استفادہ نہ کرنے کی طرف دھکیلتا ہے. مرحوم (صاحب منار) (۲) اسلام مخالف یورپی اشخاص کا جواب دیتے ہوئے آیہ مبارکہ قل من حرم...... کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

اسلام کا لوگوں کو اچھے لباس پہننے اور بن سنور کر رہنے کی ترغیب دلانا سبب بنا کہ جب

---

(۱) جامع السعادات، مولف حاج ملا مہدی نراقی۔ معراج السعادۃ، مولف حاج احمد نراقی اور عوائد الایام فی قواعد الاحکام کہ جس کا ذکر گذر چکا ہے.

(۲) محمد رشید رضا (۱۳۵۴ق) موسس مجلہ (المنار الاسلامیہ) جو ۱۸۹۹ (۱۳۱۵ق) میں شائع ہوا. آپ محدث، مفسر اور مشہور رائٹر تھے. آپ اصل میں طرابلس کے رہنے والے تھے اور بعد میں مصر کو اپنا وطن بنایا. رشید رضا (محمد عبدہ) کے خاص مریدوں میں سے تھے اور محمد عبدہ کی وفات کے بعد اس کی شرح زندگی اور اس کے نظریات پر مشتمل تین جلدی کتاب بنام (تاریخ الاستاذ الامام الشیخ محمد عبدہ) منتشر کی. رشید رضا کے قلمی آثار میں سے تفسیر قرآن کریم مشہور ہے جس کا نام ہے (المنار). گویا یہ شخص کسی حد تک وہابیت کی طرف متمایل تھا. علامہ محمد قزوینی کے بقول] حوالہ مجلہ (یادگار) سال سوم شمارہ نمبر ۱۰، مقالہ علامہ قزوینی (وفیات المعاصرین) کے سلسلے میں.

اسلام آفریقا میں پہنچا تو اپنی ثقافت کو بھی ساتھ لے کر گیا اور اسلام نے آفریقیوں کو اچھا لباس پہننے اور بن سنور کر رہنے کی ترغیب دلائی جب کہ اس سے پہلے آفریقی لوگ لباس نہیں پہنتے تھے.

ایک یورپی کا اظہار خیال

ایک یورپی کہتا ہے کہ اسلام نے جو ہماری خدمت کی اس میں سے ایک مورد یہ ہے کہ اسلام کی وجہ سے ہماری ٹیکسٹائل کی صنعت رائج ہوئی اور افریقیوں نے اسلام کی وجہ سے لباس پہننا شروع کیا. زینت کی طرف توجہ کرنا اسلام کے بنیادی اصولوں میں سے ایک ہے. ضمناً یہ بات انبیاء الٰہی تک محدود نہیں ہے بلکہ ایک فطری مسئلہ ہے کہ انسان خدائی نعمتوں اور عطاؤں سے استفادہ کرے.

لیکن میری اصل بحث (اسراف) سے متعلق ہے. اسراف کا مطلب ہے، حد اعتدال سے خارج ہونا اور زیادہ روی کی طرف حرکت کرنا. اسراف کے لئے دو حالتیں قابل تصور ہیں. کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اسراف کے ساتھ ساتھ مال کا ضیاع بھی ہوتا ہے جسے بعض لوگوں نے (تبذیر) کا نام دیا ہے.

جب کہ کچھ دوسرے لوگوں کا خیال ہے کہ اسراف و تبذیر دو علیحدہ چیزیں ہیں جو اس ب ۲ات کے قائل ہیں کہ اسراف و تبذیر میں کوئی فرق نہیں ہے ان کا خیال ہے کہ اگر اسراف کے ساتھ مال کا ضیاع ہو تو اسے تبذیر کہا جاتا ہے تبذیر کیا ہے ؟ ؛ کلمہ (تبذیر) (بذر) سے مشتق ہے. یعنی غلط طریقے سے اپنا مال خرچ کرنا جیسے زراعت میں بذر پاشی کی جاتی ہے یعنی بیج بویا جاتا ہے.

بہر حال اگر غلط طریقے سے مال خرچ کیا جائے اور حد سے تجاوز کیا جائے تو یہ اسراف

ہے اور ان آیات کا مصداق ہے جن کی تلاوت پہلے کر چکا ہوں. اب یہ دیکھنا ہے کہ ہمارے اسلامی معاشرے میں کون کونسی چیزیں پائی جاتی ہیں ؟ اسلام یہ نہیں چاہتا کہ ہمارے پاس اچھا گھر نہ ہو. اچھا گھر خدائی نعمتوں میں سے ایک ہے. بعض مقامات پر یہ لفظ (طوبی) کے ساتھ ذکر ہوا ہے جیسے (خوش قسمت ہیں وہ لوگ کہ جن کے پاس اچھا گھر ہو) روایات و اسلامی معارف کی روشنی میں اچھی سواری ، اچھی زوجہ ، اچھا دوست ، اچھا لباس ، اچھی اولاد انسان کی سعادت و خوشبختی کی علامت ہیں. لیکن اس سعادت و خوشبختی کے کچھ معیار ہیں. جس معاشرے میں اکثر لوگوں کے پاس اپنا گھر نہ ہو ، وہاں پر اسراف صدق کرتا ہے.

اگر کوئی شخص اپنے حلال مال کے ذریعے بڑا گھر بنائے کہ جسے قیمتی سنگ مرمر کے ذریعے مزیّن کیا گیا ہو تو اسے اسراف کہا جاتا ہے جس ملک میں بہت سے لوگ فلٹر شدہ پانی کی سہولت سے محروم ہوں لیکن ایک شخص فلٹر شدہ پانی کے ساتھ اپنی گاڑی کی سروس کرے تو اس کا یہ کام اسراف کا مصداق ہے. جس ملک کے بہت سے علاقوں میں بجلی کی سہولت فراہم نہ ہو اگر اس ملک میں کوئی شخص گھر کے تمام بلب جلائے رکھے تو اس کا یہ کام اسراف کا مصداق ہے.

بعض لوگ خیال کرتے ہیں کہ (لا اسراف فی السراج یا ضیاء)(۱) یہی ہے ! حالانکہ ایسا نہیں ہے. میں یہ نہیں کہتا کہ اسلام پکے مکان اور سنگ مرمر والے گھروں کا مخالف ہے. اصولی طور پر یہ کام حرام نہیں ہے لیکن مختلف حالات میں مسئلہ فرق کرتا ہے.

---

(۱)۔ جامع السعادات ، مولف حاج ملا مہدی نراقی۔ معراج السعادۃ ، مولف حاج احمد نراقی اور عوائد الایام فی عواعد الاحکام کہ جس کا ذکر گذر چکا ہے.

خرچ کرتے وقت دوسروں کا خیال رکھنا

حضرت امام صادقؑ کا ایک دوست ایک دن آپ کی خدمت میں حاضر ہوا. امامؑ نے بے توجہی کا مظاہرہ کیا. امامؑ کا یہ عمل اس شخص پر ناگوار گذرا اور کہنے لگا (مولیٰ! آپ میرے ساتھ بہت زیادہ محبت کرتے تھے اب کیا ہو گیا ہے ؟) امام صادقؑ نے فرمایا: (میں نے سنا ہے کہ اس سال سفر مکہ میں تم ہر مقام پر ایک بھیڑ ذبح کرتے تھے اور قافلے میں کبابوں کی خوشبو پھیلاتے تھے). اس شخص نے جواب دیا: (لیکن میں تو کباب لوگوں کو دیا کرتا تھا اور خود تھوڑی سی مقدار کھاتا تھا) امامؑ نے فرمایا: (کیا سب لوگ کباب کھاتے تھے ؟) کہنے لگا:

نہیں! چونکہ سب لوگوں تک نہیں پہنچ پاتے تھے لہذا بعض لوگ کھاتے تھے. امام صادقؑ نے فرمایا: یہ برا کام ہے. جہاں ہزار آدمی موجود ہوں اور پانچ یا دس آدمی کباب کھائیں تو تم اپنے اس کام کے ذریعے باقی لوگوں کو رنج پہنچاتے تھے. یہ برا کام ہے اور اسکا تکرار نہیں ہونا چاہیئے (۱).

بعض کام اس صورت میں اسراف کا مصداق ہیں. ممکن ہے صحیح معنوں میں اسراف کا مصداق نہ ہوں لیکن اس میں روح اسراف مضمر ہے. پیغمبر اکرمؐ اپنے دوستوں سے فرمایا کرتے تھے: اگر کبھی پھل فروٹ مل جائیں (کبھی کبھار مدینے میں پھل مل جاتے تھے) تو بچوں کے ہاتھ میں نہ دو تاکہ گلی میں جاکر غریب و نادار بچوں کے سامنے کھائیں بلکہ گھر کے اندر بیٹھ کر کھاؤ:

---

(۱)۔ داستانہایی از زندگی پیامبرما (دوسری فصل) مولف سید غلام رضا سعیدی. ناشر کعبہ ساتواں ایڈیشن، تہران۔ ۱۳۶۲.

(اگر چہ حلال ہی کیوں نہ ہو) کیونکہ جب غریب و نادار بچے آپ کے بچوں کے ہاتھوں میں پھل دیکھیں گے تو گھر جا کر روئیں گے لہذا اس کام کے ذریعے آپ ایک خاندان کے رنج و پریشانی کا سبب بنتے ہیں (۱). یہ خاص صورتحال ہے جو اسلام میں پائی جاتی ہے. اور پیغمبر اکرم کی زندگی کا مسلم اور ناقابل انکار حصہ ہے. تمام علماء اسلام اس مورد کی رعایت کرتے تھے. اسلامی معاشرہ ایسی شکل اختیار نہ کرے کہ میرے پاس موجود وسائل آپ کے سامنے مورد نمائش قرار پائیں اور آپ میرے سامنے اپنے وسائل کی نمائش کریں.

ایسی صورتحال، اسلامی اور انسانی معاشرے کو حیوانات و درندوں کے معاشرے میں تبدیل کر دیتی ہے اور ہمیں غلط راستے پر ڈال دیتی ہے. حضرت امام رضاؑ گھر تشریف لے آئے دیکھا کہ خربوزے یا کھیرے کا موٹا چھلکا پھینکا ہوا ہے. آپ غصے میں آگئے اور فرمایا: (یہ کیا کھایا ہے) اگر نہیں کھانا تھا تو کیوں خریدا. اور جب خریدا ہے تو کیوں نہیں کھایا؟ یہ صورتحال میرے لئے قابل قبول نہیں ہے (۲).

اعتدال ہر چیز سے بہتر

حضرت علیؑ بن ابیطالبؑ بصرہ تشریف لائے اور اپنے ایک صحابی (علاء بن زیاد حارثی) سے ملاقات کرنے کے لئے اس کے گھر تشریف لے گئے. اس شخص نے ایک وسیع و عریض گھر تعمیر کیا ہوا تھا کہ جس کے ہر کونے میں پرکشش چیزیں نظر آتی تھیں.

---

(۱)۔ جامع السعادات، مولف حاج ملا مہدی نراقی۔ معراج السعادۃ، مولف حاج احمد نراقی اور عوائد الایام فی قواعد الاحکام کہ جس کا ذکر گذر چکا ہے۔

(۲)۔ جامع السعادات و معراج السعادۃ (بحث ریاء)

حضرت علیؑ نے فرمایا: تم نے کیوں اس قسم کا گھر تعمیر کرولیا ہے؟ یہ کیا ہے؟ تم اپنے اس گھر کے پیسے سے جنت خرید سکتے تھے. تم بھوکوں کا پیٹ بھر سکتے تھے. جب تمھیں اس قسم کے گھر کی ضرورت نہیں ہے پھر کیوں ایسا گھر بنایا ہے؟ یہ شخص شرمندہ ہو کر کہنے لگا: (میں آپ کے ارشادات کو قبول کرتا ہوں اور مہلت مانگتا ہوں تاکہ اپنی اصلاح کر سکوں. میرا ایک بھائی ہے جس کی حالت مجھ سے بالکل مختلف ہے.

میرا یہ بھائی صحراء میں کھلے آسمان کے نیچے زندگی گزارتا ہے. حضرت علیؑ نے فرمایا: (چلیں اور اس کی اصلاح کریں) صحراء کا رخ کیا حضرت نے اس شخص سے مخاطب ہو کر کہا: (تمہیں کس نے اس طرح کی زندگی گزارنے کا حکم دیا ہے؟). تمھارے بیوی بچے ہیں، رشتے دار ہیں، تم ایک عزت دار شخص ہو، تمھارا کاروبار ہے، گھر واپس چلو اور عام لوگوں کی طرح زندگی گذارو. یہ کیا حالت بنا رکھی ہے؟

ریاکاری کا گھر کیا ہے

نہ پہلی حالت درست ہے اور نہ ہی دوسری حالت. دوسری حالت میری نظر میں ہے اور اس کے ذریعے استدلال کرنا چاہتا ہوں، پیغمبر اکرمؐ نے اپنے اصحاب سے فرمایا: ریاء (نمائش) کے گھر سے پرہیز کرو خداوند روز قیامت اس قسم کے گھر کو جہنم کی آگ کے ذریعے بھر دے گا اور گھر کے مالک کو اسی گھر میں سزا دے گا؟ آنحضرتؐ سے پوچھا گیا کہ (ریاء والے گھر) سے مراد کیا ہے؟ آپ نے فرمایا:

(لوگوں کو دکھانے کے لئے گھر بنایا جائے)(۱).

---

(۱)۔ استفتائات امام خمینی جلد نمبر ۲ ناشر جامعہ مدرسین حوزہ علمیہ قم.

بالکل اسی طرح کے گھر ہمارے معاشرے میں پائے جاتے ہیں : کبھی انسان چند کمروں پر مشتمل گھر تعمیر کرتا ہے تاکہ آسودہ خاطر زندگی گذار سکے. لیکن کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جاکر بینک سے قرضہ لیتا ہے اور تعمیراتی سازو سامان قسطوں پر خرید تا ہے تاکہ ہر حالت میں اس گھر پر سنگ مرمر لگائے، گھر کی سیڑھی اس قسم کی ہونی چاہیئے تاکہ ہمسایوں کے سامنے اترا سکے ،زندگی میں اس قسم کی مقابلہ بازی مناسب نہیں ہے اور یہ وہی چیز ہے کہ جس کے بارے میں پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا تھا کہ یہی گھر قیامت کے دن اپنے مالک کے لئے تکلیف کا سبب بنے گا.

طاغوتی حکومت کے وارث

آیہ مبارکہ (و لا تطیعوا امر المسرفین) کی تلاوت کرنے کے بعد دوستوں کو مخاطب کر کے عرض کرتا ہوں کہ بہت سی چیزیں ہمیں طاغوتی حکومت سے وراثت میں ملی ہیں. ہمارے ملک میں اس وقت مختلف قسم کی آزادیاں پائی جاتی ہیں. اگر ہم اسلامی قوانین پر سختی سے عمل کرتے تو حالات موجودہ صورتحال سے بہت مختلف ہوتے. موجودہ عمارتوں میں سے بہت سی عمارتیں ضرورت سے زیادہ ہیں.

ممکن تھا کہ کم تعداد میں عمارتیں تعمیر کی جاتیں. بہت سی گاڑیاں موجودہ طریقہ کار کے مطابق نہ خریدی جاتیں. کاغذ، میز اور دوسرے دفتری سامان کی کیفیت مختلف ہوتی سامان ٹیکس سے حاصل ہونے والی رقم سے خریدا جاتا ہے. حکومت کو ابتداء کرنی چاہیئے۔

یعنی اگر ایک دن اسلامی حکومت قائم ہو جائے تو صحیح پالیسیاں مرتب کر کے اس افراتفری کی روک تھام کی جاسکتی ہے. میں یہ نہیں کہتا کہ مندرجہ بالا اشیاء مفید نہیں ہیں. اچھی گاڑی، اچھی عمارت اور اس قسم کی دوسری چیزیں اچھی اور مفید ہیں اور ان سے فائدہ اٹھانا چاہیئے لیکن اعتدال کی حد سے تجاوز نہیں کرنا چاہیئے. یہ لوگوں کا مال ہے لہذا اس میں نظم وضبط ہونا

چاہیئے. اگر سب لوگوں کے پاس گاڑی موجود ہو حکومت بھی مرسڈیز گاڑی رکھ سکتی ہے اور اس میں کوئی حرج بھی نہیں ہے. رہبروں کے لئے حضرت علیؑ نے خصوصی احکام صادر فرمائے۔ لیکن ہم حضرت علیؑ کی سیرت سے کوسوں دور ہیں.

ہاں اگر خاص معاشرے میں کسی قسم کی مقابلہ بازی موجود ہو تو اسے حد سے تجاوز نہیں کرنا چاہیئے. یعنی گھاٹی سے پہاڑ کی چوٹی تک کا فاصلہ نہیں ہونا چاہیئے. یہ اسلام کی مطلوبہ صورتحال ہے. حضرت فاطمہ زہرا(س) کی زندگی سے بہت سے درس لئے جاسکتے ہیں جنھیں میں آیندہ خطبے میں حضرت فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا السلام کی وفات کی مناسبت سے خواتین کی خدمت میں عرض کروں گا. موجودہ حالات میں مالٹے کے چار کریٹ خرید کر کے گھر لے آنا اسراف شمار نہیں ہوتا.

جب پھل وافر مقدار میں موجود ہو تو بہتر یہ ہے کہ خرید کیا جائے اور کاشتکار کی مدد کی جائے. لیکن اگر صورتحال یہ ہو کہ زیادہ خریداری قیمتوں میں اضافے کا سبب بنے تو ایسی صورتحال میں زیادہ خریداری اسراف کے زمرے میں آجاتی ہے. عین ممکن ہے کہ آپ ایک دن میں سارا فروٹ نہ کھائیں بلکہ فریج میں رکھ دیں اور تدریجاً استعمال کریں اور کھانے میں اسراف سے کام نہ لیں. لیکن ایسے حالات میں زیادہ خریداری اسراف ہے. بعینہ وہی صورتحال جو موجودہ معاشرے پر کار فرما ہے.

آج کل معاشرے میں لوگ اخراجات میں حرص و طمع کا شکار ہو چکے ہیں کہ ایسی صورتحال میں خرید کا طریقہ کار اور خرچ کا طریقہ کار اسراف ہے. لہذا ضروری ہے کہ مصادیق متعین کیے جائیں. یہ ایک فراگیر اور وسیع بحث ہے کہ جس کے بارے میں سوالات نہیں ہوئے اور جوابات بھی نہیں دیئے گئے.

امام خمینیؒ سے سوال

حال حاضر میں امام خمینیؒ سے چند سوالات کئے گئے اور آپ نے واضح جوابات دیئے۔
گرمیوں میں جب پانی کی کمی ہوتی ہے تو اگر کوئی شخص ایک قطرہ زیادہ گرائے تو اسراف اور حرام ہے، امام خمینیؒ نے واضح طور پر کہا ہے۔ آپ گھر میں تشریف فرماہیں اور دوسرے کمرے کی لائٹ جل رہی ہو تو یہ اسراف ہے اور گناہ ہے۔ خصوصاً جب ملک میں بجلی کا بحران ہو۔ اگر بجلی کا بحران نہ ہو اور پیسہ دے کر خرچ کرنا چاہیں تو پھر بھی گناہ ہے۔ دن کے وقت گھر کی لائٹ جلتی رہے تو یہ بھی گناہ ہے۔ اگر گھر کا ایک کمرہ استعمال ہوتا ہو تو پورے گھر کو گرم کرنا گناہ ہے اگرچہ حلال کمائی کے ذریعے ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن اگر لوگوں کا مال خرچ کر کے یہ کام انجام دیا جائے تو گناہ اور زیادہ سنگین ہو جائے گا۔

ٹشو پیپر کا استعمال اور زندگی میں صفائی کا خیال رکھنا پسندیدہ عمل ہے لیکن ہر وقت اور چھوٹی چھوٹی بات پر ٹشو پیپر کا استعمال کرنا اور اسے دور پھینک دینا اسراف ہے۔ مغربی طرز زندگی سر سے لے کر پاؤں تک اسراف سے آلودہ ہے۔ لیکن قرآن کا تاکید کرنا: ﴿ولا تطیعوا امر المسرفین﴾ یا قرآن کا یہ فرمانا کہ مسرفین ہلاکت کے مستحق ہیں، گمراہ ہیں اور ہدایت کے قابل نہیں ہیں یہ سب کچھ ہمارے معاشرے سے متعلق ہے۔

اس قسم کے لوگوں کی ہدایت کس طرح ممکن ہے۔ جنھیں جتنی بھی نصیحت کی جائے کہ کمتر خریداری کرو تاکہ دوسرے لوگوں کو بھی مل سکے لیکن اس کے باوجود قبول نہیں کرتے۔ یہ لوگ ﴿اھلکنا المسرفین﴾ کا مصداق ہیں۔ ہماری زندگی میں شدید اخلاقی وروحانی محاسبے کی ضرورت ہے تاکہ ہم لوگ دوسرے مسلمانوں کے لئے نمونہ عمل بن سکیں۔ اگر ہم لوگ اپنی زندگی میں اس قسم کے معاشرہ کی تشکیل اور محاسبہ میں کامیاب ہو گئے تو امید کی جاسکتی ہے کہ

ایک سالم اسلامی معاشرے کی بنیاد رکھ سکیں. لیکن اس وقت ہمارا معاشرہ مکمل یورپی معاشرہ ہے.

یورپی اور مغربی معاشرہ.

جو لوگ اپنے پاس موجود وسائل سے فائدہ اٹھاتے ہوئے خرچ کرتے ہیں، اسراف و تبذیر کرتے ہیں، اموال کو دور پھینک دیتے ہیں. پیداواری وسائل کو ضائع کر دیتے ہیں اور وسائل و سہولیات سے صحیح استفادہ نہیں کرتے ان کا یہ طریقہ کار تقویٰ کے بالکل متضاد ہے اور ان آیات کا مصداق ہے جن کی تلاوت پہلے ہو چکی ہے.

یا بنی آدم قد انزلنا علیکم لباساً یواری سواتکم و ریشا و لباس التقویٰ ذلك خیر(۱)

اے فرزندان آدم! ہم نے تمہارے لئے لباس نازل کیا تاکہ اس لباس کے ذریعے اپنی شرمگاہ کو چھپا سکو اور ہم نے تمہارے لئے دیدہ زیب اور نرم و آرام دہ لباس نازل کیا. اور تم کو لباس تقویٰ کی تلقین کرتے ہیں، لباس تقویٰ بہترین لباس ہے.

لباس تقویٰ

قرآن نعمات الٰہی کو شمار کرتے ہوئے تاکید کرتا ہے کہ خدائی نعمتوں کے ساتھ ساتھ لباس تقویٰ بھی ہونا چاہیے. یعنی خدائی نعمتوں سے حاصل ہونے والے لباس کے ساتھ ساتھ تقویٰ کی روح بھی ہونی چاہیئے تاکہ یہ نعمتیں آپ کی گمراہی کا سبب نہ بنیں. اگر ہمارا معاشرہ با تقویٰ ہوتا لوگ بھی صاحب تقویٰ ہوتے اور ہمارا معاشرہ تقویٰ کی راہ پر حرکت کرتا، تو

---

(۱) ۷: ۲۶

ہمارے معاشرے میں کوئی شخص غریب وناداری نہ ہوتا، کوئی شخص نیاز مند نہ ہوتا، اسراف و تبذیر اور ناانصافی کا وجود نہ ہوتا.

گزشتہ خطبے میں کہہ چکا ہوں کہ تہران میں جھونپڑی نشین کو کاخ نشین کے پہلو میں نہیں ہونا چاہیئے، طے شدہ بات ہے کہ اگر سارے ایران کو کاخ نشین بنادیا جائے تو بہت بہتر ہے، اور اچھا موقع ہے کہ پورے ایران میں، درخت، پختہ سڑکیں، اور اچھے مکانات موجود ہوں اور سب لوگ ان سہولیات سے فائدہ اٹھا سکیں.

اس صورتحال تک پہنچنے سے پہلے ہمارا موجودہ طرز زندگی اسراف شمار ہوتا ہے. جس وقت فقط سو آدمیوں کے پاس تعمیراتی سازو سامان خرید کرنے کے وسائل موجود ہوں جب کہ باقی لوگ یہ سامان خریدنے پر قادر نہ ہوں تو تعمیراتی سازو سامان کی قیمت بڑھ جاتی ہے. وہ شخص زمین خریدنے پر قادر نہیں ہے تو زمین کی قیمت بڑھ جاتی ہے. ایک اور شخص تعمیراتی سازو سامان خریدنے پر قادر نہیں ہے لہذا تعمیراتی سازو سامان کی قیمتیں بڑھ جاتی ہیں. اگر آپ مسئلے کے ایک رخ کو مد نظر رکھیں، غیر لچکدار رویۂ اختیار کریں اور یہ کہیں کہ اس کا اپنا مال ہے لہذا اسے مکمل اختیار حاصل ہے. کہ جس طرح چاہے استعمال کرے. ہم یہ نہیں کہتے کہ اس سے مال چھین لیا جائے، بلکہ یہ مال اس کا اپنا ہے فقط اسے خمس وزکات ادا کرنا چاہیئے. اس میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے. لیکن اسلامی اخلاق کہاں ہے ؟ یہ فساد ہے. اور دائرہ (اسراف) سے خارج ہو کر (فساد) کے دائرہ میں داخل ہو جاتا ہے. یہ ایک قسم کا فساد ہے جس سے معاشرے کا توازن بگڑ جاتا ہے.

حضرت امام جعفر صادقؑ بلاوجہ اپنے قریبی دوست سے ناراض نہیں ہوتے. معاذاللہ حضرت امام جعفر صادقؑ بد اخلاق تو نہیں تھے. امام صادقؑ کے اس دوست کا گناہ فقط یہ تھا کہ اس نے بھیڑ ذبح کی اور کباب بنا کر کھائے. اس میں ناراضگی والی کونسی بات ہے! ہاں تم جاؤ اور کباب

بناؤ! لیکن حضرت امام جعفر صادقؑ کی محفل میں بیٹھنے کی اہلیت نہیں رکھتے. یہاں پر امام برہمی کا اظہار فرماتے ہیں، اور امامؑ کا ناراض ہونا بجا ہے اگر امامؑ چاہتے تو کسی اور طریقے سے بھی تنبیہ کر سکتے تھے.

اعتدال کی حد سے تجاوز

اس وقت تک میں نے نو ابحاث پیش کی ہیں اور امید ہے کہ معاشرے کے لئے مفید ثابت ہونگی. آیات وروایات کی روشنی میں اس نتیجے تک پہنچے ہیں کہ اسراف ایک بری عادت ہے اور اسراف کا مفہوم مکمل طور پر واضح نہیں ہے. حد اعتدال سے تجاوز کرنا اور افراط سے کام لینا اسراف ہے اور حرام ہے.

اس میں کسی قسم کا شک وشبہ نہیں ہے کہ اگر اسراف پر فساد، بغض وکینہ ایجاد کرنے، معاشرے میں موجود توازن کو بگاڑنے، دوسروں کو محروم کرنے، بلیک مارکیٹنگ اور اسی قسم کے دوسرے عناوین صادق آئیں، تو اسراف کے ساتھ، مفسد، مسرف وطاغوت جیسے عناوین کا اضافہ کرنا پڑے گا. اور اس کے ساتھ ساتھ بعض موارد میں گناہ معمولی اور ہلکا ہوتا ہے. جیسا کہ پہلے ذکر کر چکا ہوں کہ ٹشو پیپر کے بے جا مصرف سے اسراف کی ابتداء ہوتی ہے اور اس کا اختتام مسرف وطاغوت (فرعون) پر ہوتا ہے. اسراف کا دائرہ کار وسیع ہے جس سے سارے عناوین اخذ کئے جا سکتے ہیں.

اکتیسواں خطبہ

اسلام میں عدالت اجتماعی کی گفتگو کا سلسلہ

فضول خرچی اور معاشرہ میں اس کے مصداق

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم: ان اللّٰہ یأمر بالعدل والاحسان(۱)

اسلامی عدالت اجتماعی کے اقتصادی شعبے میں، ہم وسط راہ میں نتیجہ گیری کرتے ہوئے اس نتیجے تک پہنچے تھے کہ اگر اسلامی معارف حق قدرت اور حق ولایت کو اجراء کئے بغیر فقط احکام اوّلیہ کی حد تک اجراء کئے جائیں تو ہمارے معاشرے میں قدرتی نعمات سے بہرہ مند ہونے کے اعتبار سے ایک مساوی سطح وجود میں لائی جاسکتی ہے۔ ہم نے دوسری طرف سے آمدنی کے منابع و ذرائع بیان کرتے ہوئے کہا تھا کہ یہ منابع اور وسائل معاشرے کے محروم و پسماندہ طبقے کے لئے ایک متوسط زندگی فراہم کرنے کے لئے کافی ہیں۔

ضمناً یہ بھی بیان کیا تھا کہ اسلام میں نجی شعبے کی فعالیت اور مالکیت کی مقدار میں موجود تفاوت کی وجہ سے یقینی طور پر بعض لوگوں کے لئے مالک بننے کے امکانات زیادہ ہیں۔ گزشتہ خطبات میں کہا تھا کہ اسلام نے قدرتی وسائل سے بہرہ مند ہونے کے اعتبار سے اسراف اور زیادہ روی کی روک تھام کر کے ایک توازن برقرار کیا ہے۔ اور مالدار لوگوں کو بے حساب و کتاب خرچ اور ذخیرہ اندوزی سے منع کیا ہے۔

ضروری ہے کہ مالدار لوگوں کا سرمایہ گردش میں رہے اور معقول حد تک اس سرمائے سے فائدہ اٹھایا جائے۔ جو لوگ نادار ہیں اور کام کرتے ہیں اور جو لوگ کام کرنے پر قادر نہیں

---

(۱) نحل: ۹۰

ہیں انھیں اتنی مقدار عطا کی جائے جس کے ذریعے یہ لوگ معاشرے کے عام لوگوں کی طرح ایک متوسط زندگی گزار سکیں۔ بنابر ایں قدرتی ذخائر اور خدائی نعمتوں سے فائدہ اٹھانے کے عتبار سے لوگوں میں زیادہ فاصلہ نہیں پایا جائے گا۔ ہماری مراد مساوات نہیں، بلکہ مقصود یہ ہے کہ ہمارے معاشرے میں ایسے محروم نہیں ہونے چاہئیں، جو معاشرے کے لئے مفید نہ ہوں۔

یہ تھا گذشتہ دو ہفتوں کی گفتگو کا خلاصہ۔

اسراف کا مفہوم اور مصداق؛

مجھے موصول ہونے والے خطوط میں متعدد سوالات اٹھائے گئے ہیں جن کا جواب دینا ضروری سمجھتا ہوں ان سوالات میں سے پہلا سوال (اسراف) کے مصداق میں پائے جانے والے ابہام سے متعلق ہے۔ یعنی لوگ نہیں جانتے کہ اسراف کیا ہے؟ اور کس مقدار میں خرچ کرنے کو اسراف کہا جاسکتا ہے۔

اس مسئلے کے جواب میں کلی طور پر عرض کرتا چلوں کہ آپ کو توقع نہیں رکھنی چاہئے کہ آپ اس سوال کا جواب فقہاء مجتہدین، دانشمندوں اور اسلامی معارف سے آگاہی رکھنے والے لوگوں سے حاصل کرسکیں گے۔ یہ ایک عرضی مسئلہ ہے۔

فقیہ کہتا ہے (خرچ کرنے میں اعتدال سے کام لو)۔ اسلامی ماہر اخلاقیات کہتا ہے (اسلامی اخلاق حکم دیتا ہے کہ حد اعتدال سے تجاوز نہ کرو) لیکن یہ کہ کتنی مقدار کو (تجاوز) کہا جاتا ہے یا کتنی مقدار پر تجاوز کا اطلاق نہیں ہوتا، یہ ان موارد میں سے ہے جس کی تشخیص خود لوگوں (عرف) کی ذمہ داری ہے۔ بہ الفاظ دیگر لوگوں کو متوجہ رہنا چاہئے کہ اس قسم کا خرچ موجودہ شرائط میں (اسراف) کہلاتا ہے یا اسراف نہیں کہلاتا۔

یہ بات مسلم ہے کہ اسلام شناس لوگوں کی راہنمائی اور ہدایات اس سلسلے میں کسی حد

تک مفید ثابت ہو سکتی ہیں. دوسرا سوال یہ ہے کہ بعض لوگ اشتباہات کا شکار ہیں اور ہر قسم کے زیادہ خرچ کو (اسراف) کا نام دیتے ہیں. حالانکہ حقیقت کچھ اور ہے. ممکن ہے کہ بعض کاموں کے لئے زیادہ خرچ درکار ہو لیکن اس کام کی افادیت اور اہمیت کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ خرچ ضروری ہو تو اسے اسراف نہیں کہا جاسکتا. چند مثالوں کے ذریعے اس مطلب کو واضح کرنا چاہتا ہوں تاکہ بحث سے کماحقہ استفادہ کیا جاسکے.

زیر زمین ریلوے لائن اور اسراف

بعض لوگ تصور کرتے ہیں کہ تہران میں زیر زمین ریلوے لائن کی تعمیر موجودہ شرائط میں اسراف کا واضح مصداق ہے. حالانکہ عین ممکن ہے کہ زیر زمین ریلوے لائن کی تعمیر شہر کے لئے ضروری ہو اگرچہ اس پر آنے والی لاگت بہت زیادہ ہو. یہ کام نہ فقط اسراف نہیں بلکہ اسراف کے برعکس ہے. مثلاً اگر آج تہران میں زیر زمین ریلوے لائن موجود ہوتی اور لوگ تیز رفتاری سے شہر میں رفت وآمد کر سکتے تو اس سے وقت اور گاڑیوں میں استعمال ہونے والے ایندھن کی کتنی مقدار بچائی جاسکتی ہے؟ اور نتیجۃً یہ چیز ملک کے لئے کس قدر مفید ثابت ہو سکتی ہے؟

ممکن ہے اس منصوبے پر بہت زیادہ لاگت آئے لیکن پچاس ساٹھ لاکھ آبادی پر مشتمل شہر جسے چار کروڑ آبادی کا بوجھ بھی اٹھانا پڑتا ہے اور جس شہر میں ہر روز مختلف شہروں سے لوگوں کی بہت بڑی تعداد داخل ہوتی ہے، اس شہر کے لئے ایک ایسے راستے کی ضرورت ہے جس کے ذریعے مشرق سے، مغرب اور جنوب سے شمال تک کا فاصلہ زیر زمین ریلوے لائن کے ذریعے کم کرائے کے ساتھ ڈیڑھ گھنٹے کی بجائے بیس منٹوں میں طے کیا جاسکے تو ایسے کام کو اسراف نہیں کہا جاسکتا.

دوسری طرف سے موجودہ شرائط میں علاقے کے تمام ممالک کو ایٹمی بمباری کا خطرہ لاحق ہے اگر شہر میں پناہگاہ موجود نہ ہو تو ایسے حالات میں لوگ کہاں جائیں ؟ جب کہ زیر زمین ریلوے لائن پناہگاہ کا فائدہ دے سکتی ہے اگر یہ فوائد و آثار قابل قبول ہیں تو بھاری اخراجات کے باوجود اس منصوبے کو قبول کرنا چاہیئے. جو مسئلہ ابھی پیش کرنا چاہتا ہوں یہ مسئلہ ابھی تک ابتدائی مراحل میں ہے اور اس کے بارے میں بحث بھی نہیں ہوئی بلکہ ایک اعتبار سے اس مسئلے کو پیش کرنا ضروری سمجھتا ہوں اور دانشمندوں اور ماہرین کو اسکی فکر میں ہونا چاہیئے.

اسراف نہ کرنا ضروری ہے

ابھی تک جو چیز ہمارے اذہان میں پائی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ اگر ایک دن مازندران کے سمندر اور خلیج فارس کے درمیان ایک دریائی پل اور دریائی راستہ برقرار ہو جائے جو ملکی نقل وحمل کا ضامن ہو تو اس کے کتنے زیادہ اثرات مرتب ہونگے ؟ لیکن یہ ضروری منصوبہ اسراف کا مصداق نہیں ہے ؛ اگر یہ منصوبہ پایہ تکمیل کو پہنچ جائے تو کتنا بڑا انقلاب رونما ہو سکتا ہے ؟ اگر یہ دریائی راستہ صحرائی علاقوں سے گذرے تو کتنا بڑا رقبہ آباد کیا جا سکتا ہے ؟ مٹی اٹھانے اور مصنوعی ٹیلے بنانے کے ذریعے ثروت کا عظیم منبع وجود میں آئے گا.

ماہی گیری کے شغل میں رونق، بندرگاہوں کی تعمیر اور اس قسم کے دوسرے کام اس عظیم منصوبے کے نتائج میں شمار کئے جا سکتے ہیں. ممکن ہے کہ اس منصوبے کو دنیا کا سب سے مہنگا منصوبہ کہا جائے لیکن اگر پایہ تکمیل کو پہنچ جائے تو نقل و حمل کے لحاظ سے، اقتصادی لحاظ سے اور سیاسی اعتبار سے علاقے میں عظیم انقلاب رونما ہو سکتا ہے.

اگر ممکن ہو تو اس منصوبے پر عملدرآمد کر کے اسے مکمل کیا جانا چاہیئے. اور اس کام کو اسراف بھی نہیں کہا جا سکتا. یہ ان دو سوالوں کا جواب تھا جو آپ کے ذہن میں پائے جاتے تھے.

ابھی گذشتہ ابحاث میں پائے جانے والے ابہامات کی وضاحت کرنا چاہتا ہوں.

گزشتہ خطبات اور لوگوں کی بے چینی

گزشتہ خطبات میں ایک جملہ کہا تھا اور بعد میں احساس ہوا کہ لوگ نماز جمعہ میں استعمال ہونے والے کلمات کے بارے میں کس قدر حساس ہیں. اور یہ بھی احساس ہوا کہ ہماری ذمہ داری کتنی سنگین ہے. میں نے تعبیر استعمال کی تھی۔ ممکن ہے کہ ہم معاشرے میں حقیقی اسلام کو نافذ نہ کر سکیں لیکن شائستہ یہ ہے کہ اس پلیٹ فارم کے ذریعے لوگوں کے سامنے حقیقی اسلام کا تعارف کروادیا جائے تاکہ جب لوگ مشاہدہ کریں کہ حقیقی اسلام نافذ نہیں ہو سکا تو لوگ اسلام کو دوش دینے کی بجائے، ہمیں گناہکار ٹھہرائیں. اور لوگ اسلام سے منحرف نہ ہوں.

جب میں نے یہ جملہ ادا کیا تو اندرون ملک اور بیرون ملک سے بہت سے لوگوں نے میری طرف رجوع کیا اور کہا کہ لوگ اس جملے سے افسردہ ہوئے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ (خدانخواستہ) حکومتی ڈھانچے میں مشکلات پائی جاتی ہیں جس کی وجہ سے آپ یہ احساس کرتے ہیں کہ حقیقی اسلام کو معاشرے میں نافذ نہیں کیا جا سکتا یا آپ یہ خیال کرتے ہیں کہ دشمنوں کی سازشیں اس قدر قوی ہیں کہ جن کی وجہ سے آپ کام کرنے پر قادر نہیں ہیں اور ان سازشوں کی وجہ سے ترقی رک گئی ہے. لہٰذا جو بحث میں نے تین چار خطبات کے بعد پیش کرنا تھی اسی خطبے میں پیش کرنا ضروری سمجھتا ہوں تاکہ لوگوں کے اذہان میں پائے جانے والے شکوک و شبہات کو برطرف کیا جا سکے. اب میں اس بحث کی وضاحت کرتا ہوں.

مستقبل میں درپیش طولانی راہ

میرے خیال کے مطابق (کیونکہ میں اسلام کے بارے میں مطالعہ رکھتا ہوں لیکن میرا

عوئی یہ نہیں ہے کہ میں ایک قوی اور قدر تمند اسلام شناس ہوں) قرآن واسلام کا مطلوبہ معاشرہ اور اسلام اور اسلام کا ہدف و مقصد اس قدر اعلیٰ وارفع ہے کہ معاشرے میں پائی جانے الی ثقافت وتربیت کی موجودگی میں تمام تر کوشش کے باوجود بھی اس راستے کو اتنا جلدی طے کرنا ممکن نہیں ہے.

میں یہ نہیں کہنا چاہتا کہ انتظامی اعتبار سے نقائص پائے جاتے ہیں یا یہ کہ ہماری راہ میں بہت بڑی رکاوٹیں پائی جاتی ہیں یا کچھ ایسی وجوہات پائی جاتی ہیں جو اسلامی حرکت کی راہ میں رکاوٹ ہیں بلکہ ہدف اس قدر بلند اور عظیم ہے کہ جس تک پہنچنے کے لئے بہت زیادہ وقت اور بہت زیادہ توانائیاں درکار ہیں. آج میں یہ وضاحت کرنا چاہتا ہوں کہ اسلام کیا چاہتا ہے اور ہم کس مقام پر کھڑے ہیں؟ یہ بات بھی کہتا چلوں کہ ممکن ہے بعض اسلام شناس دوست میری رائے سے متفق نہ ہوں اور اس میں کوئی حرج بھی نہیں ہے. یہیں پر گذشتہ ہفتے بیان ہونے والے مسائل کے سلسلے میں ایک یادآوری کرانا چاہتا ہوں.

قومی اسمبلی سب کے لئے نمونہ عمل

میرے بہن بھائیو! ہمارے معاشرے میں صدر اسلام سے لے کر آج تک اجتہاد اور اسلامی مسائل کو درک کرنا ایک ایسا مسئلہ نہیں تھا جس کے بارے میں تمام اسلامی دانشور اور فقہاء متفق النظر ہوں. اس سلسلے میں آیت، روایت، انبیاء کی سیرت، ہمارے ائمہ کی سیرت، اور فقہاء کی سیرت بھی موجود ہے جس کے ذریعے ان مطالب کو بخوبی سمجھا جاسکتا ہے. سب کا فہم ودرک بھی ایک جیسا نہیں ہے.

ہمارے معاشرے کی سطح فکری اس قدر بلند ہونی چاہیئے کہ اگر ایک شخص کسی مطلب کا اظہار کرے اور دوسرے اشخاص بھی اس کے مقابلے میں اظہار خیال کریں تو اسے اختلاف کی

دلیل نہیں سمجھنا چاہیے.

آپ قومی اسمبلی کا مشاہدہ کرتے ہیں! میرے خیال کے مطابق ہمارے معاشرے کو بھی قومی اسمبلی کی طرح ہونا چاہیئے. قومی اسمبلی کا پلیٹ فارم کھلا ہے، ایک مسئلہ پیش ہوتا ہے، قومی اسمبلی کا ایک ممبر گفتگو کرتا ہے، دوسرا ممبر اس کے نظریات کی مخالفت کرتا ہے اور اسے اشتباہ سمجھتا ہے. اگر ادب کے دائرے میں رہتے ہوئے بحث کریں تو کوئی بھی برا نہیں مناتا. مثال کے طور پر میں قومی اسمبلی کا سپیکر ہوں، آپ نے دیکھا ہوگا کہ میں قومی اسمبلی میں اظہار خیال کرتا ہوں جب کہ ایک اور ممبر میری مخالفت کرتے ہوئے میری بات کو اشتباہ قرار دیتا ہے اور کہتا ہے کہ ہاشمی رفسنجانی نے اشتباہ کیا ہے اور میرا موقف یہ ہے. مجھے اس مخالفت کا ذرہ برابر بھی رنج نہیں ہوتا.

ممکن ہے قومی اسمبلی میری رائے قبول نہ کرے اور مجھے ووٹ نہ دے ایک اسلامی معاشرہ کو اسی طرح ہونا بھی چاہیے کوئی یہ نہ کہے کہ لوگ ان اختلافات کی موجودگی میں کیا کریں؟ لوگوں کے لئے راستہ واضح ہے. دینی مسائل میں مرجع تقلید موجود ہے اور لوگ اس کی طرف رجوع کریں.

سیاسی و اجتماعی مسائل میں امام موجود ہیں اور ولی فقیہ جہاں ضروری سمجھے آخری اور حتمی رائے کا اظہار کرتا ہے اور ہم سب ولی فقیہ کی اطاعت کرتے ہیں. قانونی اعتبار سے بھی معیار معین کیا جا چکا ہے. قومی اسمبلی قانون سازی کرتی ہے اور شوریٰ نگہبان کونسل فیصلہ کرتی ہے کہ یہ قانون شریعت اور آئین کے مطابق ہے یا نہیں. ممکن ہے قومی اسمبلی یا شورای نگہبان اشتباہ کرے لیکن ایک معیار معین ہے. یعنی لوگوں کی زندگی میں کسی قسم کا ابہام نہیں پایا جاتا. لوگ قانون قومی اسمبلی سے لیتے ہیں، ولائی احکام میں حضرت امام خمینی موجود ہیں. لوگ دینی احکام اپنے مرجع تقلید سے لیتے ہیں مرجع تقلید کوئی بھی ہو۔

کچھ مسائل ایسے ہیں جو معاشرے اور اجتماعات سے تعلق نہیں رکھتے ہیں تو یہ مسائل خصوصی مسائل شمار ہوتے ہیں. پس جب تمام معیار اس قدر واضح و روشن ہیں اور امام خمینیؒ و قومی اسمبلی اور شوریٰ نگہبان موجود ہیں اور کسی قسم کا ابہام بھی نہیں پایا جاتا تو ایسی صورتحال میں اہل قلم کو آزادی دینی چاہیئے تا کہ اسلامی معارف کے بارے میں اپنے نظریات کو پیش کر سکیں اور خطباء بھی اپنے موقف کا اظہار کریں.

اگر میں نے یہاں کوئی بات کی ہے تو جو شخص بھی میرے خیالات کے ساتھ متفق نہیں ہے مجھ پر تنقید کر سکتا ہے اور اگر اس نے کوئی بات کی تو مجھے بھی یہ حق حاصل ہے کہ میں اس کی بات کو پسند نہ کروں اور مجھے اپنے نظریات بیان کرنے کا حق حاصل ہونا چاہیئے. مطبوعات کی صورتحال بھی اسی طرح ہونی چاہیئے اور مطبوعات افکار کے آئینے کے طور پر مختلف افکار و خیالات کو منعکس کریں(۱).

اس صورتحال میں لوگوں کے لئے کسی قسم کا ابہام وجود میں نہیں آتا. راہیں متعین ہیں اور معیار بھی معین ہیں جن کی بنیاد پر اسلام کو پہچانا جا سکتا ہے اور مختلف نظریات بھی واضح و آشکار ہو سکتے ہے.

فکری آزادی کی حمایت

میرا یہ عقیدہ ہے کہ اگر آیندہ نسلیں اسلامی معارف کو سمجھ لیں، معاشرے میں

---

(۱)۔ امام خمینیؒ کے لائق و فرمانبردار شاگرد آیت اللہ ہاشمی رفسنجانی مطبوعات کے بارے میں اس اعتبار سے گفتگو کرتے ہیں کہ مطبوعات افکار کا آئینہ ہیں. امام خمینیؒ نے بھی فرمایا ہے: کوشش کریں کہ آپ کا روزنامہ ایسا آئینہ ہو جو انقلاب کو منعکس کرے) کوثر جلد ۳ صفحہ ۱۰۰، روزنامہ اطلاعات کے خبر نگار کے ساتھ امام خمینیؒ کی گفتگو جو ۱۴ بہمن ۱۳۵۷ کو انجام پائی.

موجود اعتقادی تعصبات(۱) اور تنگ نظریوں کا خاتمہ کیا جاسکتا ہے تاکہ دینی طلاب بہ طور آزاد سوچ سکیں۔آزادانہ طور پر آیات و روایات کا مطالعہ کر کے مسائل کو سمجھ سکیں اور لوگوں کے لئے بیان کر سکیں، آزادانہ طور پر دروس میں اپنی بات کہہ سکیں اور معارف کے عظیم منابع و ذخائر کو لوگوں کے لئے واضح و آشکار کر سکیں. تو یہ حرکت لوگوں کی زندگی میں رکاوٹ نہیں بنتی بلکہ اسلام اور علم و مباحثے کی زیادہ سے زیادہ شناخت کا سبب بن سکتی ہے. ہمیں آزادی فکر اور آزادی رائے کی حمایت کرنا چاہیئے

اسلام کا آئیڈیل معاشرہ

میں نے آیات و روایات اور توضیح المسائل میں موجود فتاوئی خصوصاً امام خمینی اور آیت اللہ منتظری کے فتاوی سے جو کچھ سمجھا ہے وہ یہ ہے کہ اسلام و قرآن ایسے معاشرے کے حامی ہیں جس معاشرے میں تمام لوگ وسائل سے فائدہ اٹھانے کے اعتبار سے ایک متوسط طبقے (یعنی آج کل کا متوسط طبقہ) کی طرح زندگی گذار سکیں.

جس معاشرے میں اسراف نہ ہو اور کوئی شخص تنگدستی کے باعث انسانی ضروریات زندگی سے محروم نہ ہو. اس مسئلے کی حقانیت پر بہت سے دلائل موجود ہیں جن میں سے بعض دلائل گذشتہ خطبات میں عرض کر چکا ہوں. اور کچھ دوسرے دلائل آج بیان کرنا چاہتا ہوں۔

البتہ جہاں تک وقت کے دامن میں گنجائش ہوئی.آپ جائیں اور صدر اسلام کا مطالعہ

---

(۱)۔(دگماتیسم) یعنی اعتقادات میں بے جا و بے بنیاد تعصب. استبداد رای :(دگم) یا (دگماتیک) ایسے شخص کو کہا جاتا ہے جو کسی دلیل و برہان کے بغیر ایک عقیدے پر اصرار کرے اور مقاومت کرے.(نوٹ :اس حاشیے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ اس لفظ کا (اردو ترجمہ) ہو چکا ہے.

فرمائیں(۱)!ہم صدر اسلام سے حضرت امام جعفر صادقؑ کے دور کی طرف اور پھر ایک دم امام زمان(عج) کے دور کی طرف منتقل ہوتے ہیں جو ہمارا آئیڈیل دور ہے(۲). میں تینوں ادوار کے متعلق گفتگو کروں گا.

ہم تک پہنچے والے اجتماعی واخلاقی معارف سے یہ بات بخوبی روشن وآشکار ہوتی ہے کہ اگر معاشرے میں کوئی ایک شخص بھی اضافی وسائل سے مالامال ہو اور اس کے ساتھ ایک ایسا محروم شخص ہو جسے ان وسائل کی ضرورت ہو لیکن اسے یہ وسائل میسر نہ ہوں بلکہ اسے یہ وسائل عطا کرنے سے دریغ کیا جاتا ہو. تو اسلام ایسے معاشرے سے متنفر ہے. ممکن ہے آپ یہ کہیں کہ یہ تو ایک اخلاقی حکم ہے. تو جواب یہ ہے کہ اسلام کے اخلاقی احکام اور قانونی احکام میں کوئی فرق نہیں ہے. اب میں اسلام کے مطلوبہ معاشرے کی وضاحت کرتا ہوں جسے اسلام تربیت کر کے پیش کرنا چاہتا ہے. جب حضرت پیغمبر اکرمؐ کے حکم پر ایک سو اشخاص نے مکے سے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو مدینے کے لوگوں (جنہیں انصار کہا جاتا ہے) نے اپنے گھر مہاجرین کے حوالے کر دیئے اور ان کے ساتھ برابر کی زندگی گذارتے تھے. قرآن مجید نے انصار کی تعریف وتوصیف ان لفظوں میں بیان کی ہے:

و الذین تبوّء الدّار و یوثرون علی انفسهم و لو کان بهم خصاصة(۳)

---

(۱)صدر اسلام کے بارے میں لکھی گئی تواریخ کا مطالعہ کریں. جیسے تاریخ تحلیلی اسلام، مولف ڈاکٹر شہیدی. سیرۃ نبویؐ، مولف مرحوم ڈاکٹر آیتی وسیرۃ نبویؐ، مولف شہید مرتضی مطہری.

(۲) کتب سیرت ائمہ اطہارؑ جیسے پیشوایان ما، مولف عادل ادیب، مترجم ڈاکٹر اسداللہ مبشری، ناشر دفتر نشر فرہنگ اسلامی.

(۳)حشر:۹

انصار کی وہ جماعت کہ جنہوں نے مہاجرین سے پہلے مدینے کو بیت المال بنایا ہوا تھا اور اپنی طرف آنے والے مہاجرین کے ساتھ محبت کرتے تھے اور اپنے دلوں میں مہاجرین کی نسبت کسی قسم کی نیاز محسوس نہیں کرتے تھے. اگر انہیں کسی چیز کی ضرورت ہوتی تھی تو پھر بھی مہاجرین کی ضرورت کو اپنی ضرورت پر ترجیح دیتے تھے......

صدر اسلام میں تقسیم غنائم

پہلے دو تین سالوں میں ہونے والی جنگوں میں سے ایک جنگ میں پیغمبر اکرمؐ کو بہت سارا مال غنیمت ملا. حضرت پیغمبر اکرمؐ نے مہاجرین و انصار کو جمع کر کے فرمایا:

انصار نے بہت زیادہ محبت کا مظاہرہ کیا ہے. میں توازن پیدا کرنے کی خاطر یہ تجویز پیش کرتا ہوں کہ یہ مال غنیمت تمام مہاجرین و انصار میں تقسیم کر دیا جائے اور اپنے آپ کو اپنی موجودہ زندگی بر قرار رکھیں یا یہ کہ سارے کا سارا مال غنیمت مہاجرین کو دے دیا جائے تا کہ مہاجرین اپنے لئے گھر تعمیر کر سکیں انصار کے گھروں سے باہر آسکیں اور انصار کو یہ مال نہ دیا جائے (اگر چہ ان کا حق ہے کیونکہ انہوں نے جنگ میں شرکت کی ہے). پیغمبر اکرمؐ کی تجویز کا مقصد مہاجرین و انصار کی مشکل حل کرنا تھا.

اس دوران انصار اٹھ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے نہیں مولیٰ ہم یہ نہیں چاہتے بلکہ ہماری تجویز یہ ہے کہ مہاجرین ہمارے گھروں میں رہیں اور مال غنیمت بھی مہاجرین کو دیا جائے. کیونکہ ہم خوشحال زندگی گذار رہے ہیں. اس دوران پیغمبر اکرمؐ نے شاندار انداز میں انصار کی مدح و ستائش کی.

بعض تاریخوں میں ملتا ہے کہ حضرت پیغمبر اکرمؐ کے حکم پر ایک کوزہ یا کھلے منہ والا ایسا برتن بنایا گیا تھا جس کے اندر ہاتھ داخل ہو سکتا تھا. اس برتن کو نمازیوں کی صفوں میں پھرایا جاتا

تھا. کچھ لوگ اس برتن میں ہاتھ ڈال کر پیسے ڈالتے تھے جب کہ کچھ دوسرے لوگ ہاتھ ڈال کر پیسے اٹھا لیتے تھے.

ہر شخص اپنی استطاعت یا ضرورت کے مطابق اس برتن مین کچھ ڈالتا اور کچھ نکالتا تھا بغیر اس کے کہ کوئی شخص اٹھائی جانے والی مقدار سے آگاہ ہو. اگر آپ پیغمبر اکرمؐ کے زمانے میں لوگوں کے طرز زندگی کا مشاہدہ کریں تو متوجہ ہوں گے کہ آنحضرتؐ کس طرح لوگوں کے نظام زندگی کو چلاتے تھے. (اس زمانے میں لوگوں کو صبر کا حکم دیا گیا تھا کہ باغات کی دیواروں کو گرا دیا جائے تاکہ راہ گیر (حق المارہ) کے عنوان سے پھلوں سے فائدہ اٹھا سکیں)(۱)

اقتصادی شعبے میں حضرت امام جعفر صادقؑ کی سیرت

تھوڑا سے آگے چل کر حضرت امام جعفر صادقؑ کے دور تک پہنچتے ہیں. ایک دن حضرت امام جعفر صادقؑ کا ایک پیروکار خراسان سے حضرت امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں آیا اور خراسان کے حالات وواقعات بیان کئے اور اس علاقے میں شیعوں کی تعداد میں اضافے کے بارے میں کہا: (شیعہ مذہب خراسان میں مضبوط ہو رہا ہے اور لوگ بھی اچھے بن گئے ہیں)

حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا:

کیا آپ لوگوں کی حالت اس قدر بہتر ہو چکی ہے کہ اگر تم میں سے کوئی شخص نیاز مند ہو اور اسے کسی چیز کی ضرورت ہو اور یہی چیز ایک اور شیعہ کے پاس موجود ہو تو کیا اس ضرورتمند کو یہ حق حاصل ہے کہ مالک کی اجازت کے بغیر اس کے مال میں سے اتنی مقدار اٹھالے جس کے

---

(۱) صدر اسلام کے بارے میں لکھی گئیں تواریخ کا مطالعہ کریں. جیسے تاریخ تحلیلی اسلام، مولف ڈاکٹر شہیدی. سیرہ نبویؐ، مولف مرحوم ڈاکٹر آیتی و سیرہ نبویؐ، مؤلف شہید مرتضی مطہری.

ذریعے اپنی ضرورت پوری کر سکے ؟ یہ شخص کچھ دیر سوچنے کے بعد کہنے لگا نہیں مولیٰ، ہماری کیفیت اس طرح نہیں ہے. بلکہ ہر شخص اپنے مال و دولت پر مسلط ہے.

حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا : بنابر ایں ابھی تک ہمارے پسندیدہ شیعہ نہیں بنے اس کے بعد امام نے فرمایا میری طرف سے خراسان میں رہنے والے شیعوں کو یہ پیغام دے دینا کہ آپ کے درمیان اس قسم کے روابط برقرار ہونے چاہئیں)(۱).

امام زمانہؑ کے دور میں اقتصادی روابط

امام زمانہؑ کے دور میں پائے جانے والے اقتصادی روابط کے بارے میں متعدد روایات موجود ہیں جن میں سے فقط ایک روایت بیان کرنا چاہتا ہوں. چون کہ موجودہ خطبے میں اتنی گنجائش نہیں ہے لہذا اس مسئلے کے بارے میں تفصیلی بحث انشاء اللہ آیندہ پیش کی جائے گی.

روایت :

اذا قام قائم جائت المزامله و جاء رجل الی کیس اخیه یاخذ منه و لا یمنعه (۲)

جب قائم آل محمدؐ کا دور آئے گا تو لوگ اس قدر ایک دوسرے کے نزدیک ہو جائیں گے کہ جب ایک شخص کو کسی چیز کی ضرورت ہو گی تو دوسرے دوست کے گھر دوکان پر جا کر اپنی ضرورت پوری کر لے گا اور وہ دوست بھی اسے منع نہیں کرے گا یعنی امام زمانہؑ جس

---

(۱) ایرانیان مسلمان در صدر اسلام مولف محمد محمدی اشتہاردی ، ناشر سازمان تبلیغات اسلامی ، صفحہ ۲۱۸_۲۴۴.

(۲) مہدی موعود (جو کہ بحار الانوار کی جلد نمبر ۱۳ کا ترجمہ ہے) مولف علی دوانی.

معاشرے کا قیام چاہتے ہیں اس کی کیفیت یہ ہو گی.

حضرت امام جعفر صادقؑ سے تین روایات

میں حضرت امام جعفر صادقؑ کی دو تین روایات نوٹ کر کے لایا ہوں جنہیں آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں .وسائل الشیعہ میں حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت نقل ہوئی ہے

من كان له دارٌ فاحتاج مومن الى سكناها فمنعه اياها .قال الله عزّو جلّ ياملائكتي! بخل عبدى على عبدى بسكنته دنيا و عزتي لا يسكن جناني ابدا (١).

راوی کہتا ہے حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا :اگر کسی کے پاس خالی مکان ہو جس کی اسے ضرورت بھی نہ ہو اور دوسرے مومن کو رہائش کے لئے اس گھر کی ضرورت ہو لیکن یہ شخص اس مومن کو اس گھر میں رہنے کی اجازت نہ دے تو خداوند کریم اپنے ملائکہ کو مخاطب کر کے فرماتا ہے۔

خدا یہاں ملائکہ کے ساتھ گفتگو کر رہا ہے اور اپنے اس بندے کو اس کا اہل بھی نہیں سمجھتا کہ اس کے ساتھ گفتگو کرے میرے اس بندے نے دوسرے بندے کے ساتھ بخل کا مظاہرہ کیا ہے اور اس دنیا میں اسے مکان میں اپنے رہنے کی اجازت نہیں دی. میں خدا اپنی عزت کی قسم اٹھا کر کہتا ہوں کہ یہ شخص میری جنت میں سکونت اختیار نہیں کر سکے گا اور کسی بھی صورت میں میری جنت میں داخل نہیں ہو سکے گا.

---

(۱)وسائل الشیعہ جلد نمبر ۱۱ صفحہ ۵۶۳، ۵۹۹،اصول کافی جلد نمبر ۲ صفحہ ۳۶۷.

اسلام کے عروج کے زمانے میں امامؑ کا فرمان

ممکن ہے بعض یہ اشکال کریں کہ صدر اسلام میں اس قسم کی مشکلات پائی جاتی تھیں لیکن امام صادقؑ کا دور مسلمانوں کے عروج کا دور تھا اور مسلمانوں کے پاس وسائل کی فراوانی تھی تجارت اور باقی شغل بھی فراوان تھے. آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ حضرت امام جعفر صادقؑ رہائش کے بارے میں کیا فرماتے ہیں. میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اگر ہم اس معاشرے تک پہنچنا چاہیں جسے امام صادقؑ پسند فرماتے ہیں تو ہمیں لوگوں کی ثقافت میں کتنی بڑی تبدیلی لانا پڑے گی ؟

آج جس معاشرے میں دیندار، حاجی، نماز گزار اور نیک لوگ کہ جن کے پاس اپنی ضرورت سے زیادہ مکانات موجود ہیں لیکن پیسوں میں تھوڑے سے اختلاف کی وجہ سے بے گھر کرایے دار کو اپنے گھر سے باہر نکال دیتے ہیں اور اسے سڑکوں پر حیران و سرگردان پھرنے پر مجبور کرتے ہیں. ہم معاشرے کی سطح کو اس قدر بلند کرنا چاہتے ہیں کہ یہ لوگ اپنے مکانات دینے سے دریغ نہ کریں. یہاں قیمت مد نظر نہیں ہے. اگر ہم کرائے کی رہائش کو ضروری جانیں تو معاشرے کو اس حد تک پہنچانے کے لئے طولانی سفر در پیش ہے اور ہمیں معاشرے کی ثقافت میں تبدیلی لانے کی ضرورت ہے. ہم رقم پیسے اور آمدنی کی بجائے انسانیت و اخلاقیات کی طرف توجہ کریں اور ہماری زندگی پر رحم و کرم اور شفقت کی حکمرانی ہونی چاہیئے. ہمارا معاشرہ اس صورتحال سے کوسوں دور ہے.

خداوند کائنات اپنی عزت و جلال کی قسم اٹھا کر کہتا ہے کہ اگر کسی کے پاس گھر موجود ہو اور ضرورت نہ ہونے کے باوجود دوسروں کو اس گھر میں رہنے کی اجازت نہ دے تو ایسا شخص بہشت سے محروم رہے گا. دوسری روایت نسبتاً وسیع تر ہے.

حضرت امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں: ایّما مومن منع مومنا شیئاً مما یحتاج الیه و ہو یقدر علیه من عنده او من عند غیره اقامه الله یوم القیامة مسوّداً وجهه مزرقه عیناه مغلوله یداه الی عنقه فیقال ہذا الخائن الذی خان الله و رسوله ثم یومر له الی النار (۱).

انسان ان روایات کو قانونی ابحاث کی متعلقہ کتابوں میں نہیں لا سکتا. اسلام کے قانونی معیار کچھ اور ہیں. اسلام کے اقتصادی نظام کے مختلف شعبوں کی وضاحت کر چکا ہوں لیکن اسلام کے آئیڈیل معاشرے میں بھی اخلاقیات رحم و کرم اور عطوفت و انسانیت کا رنگ نظر آنا چاہیئے.

روز محشر شرمندگی بے مروّت مالدار کے انتظار میں

حضرت امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص مسلمان کے ساتھ ملاقات کرے جسے اس کی ضرورت ہے اور یہ اس کی ضرورت پوری کر سکتا ہے یا کسی اور شخص کے ذریعے اس کی ضرورت پوری کر سکتا ہے لیکن اس کے باوجود اس کی ضرورت پوری نہیں کرتا اور وہ مؤمن معاشرے میں ضرورت مند رہتا ہے.

خداوند ایسے شخص کو میدان قیامت میں کھڑا کرے گا اور اس کے چہرے پر ندامت و شرمندگی کے آثار نمایاں ہوں گے. مادی انسان روز قیامت شرمندہ و ناکام ہے. اس شخص کی آنکھیں عام حالات سے مختلف ہونگی اور سفید ہو جائیں گی اور اس کے ہاتھ پس پشت بند ھے ہوئے ہونگے، وہ ہاتھ جو لوگوں کی خدمت کر سکتے تھے لیکن لوگوں کی خدمت نہ کر پائے. اس

---

(۱) وسائل الشیعہ ج ۱۱ ص ۵۹۹ اصول کافی جلد ۲ صفحہ ۳۶۷، عقاب الاعمال صفحہ ۲۳، محاسن برقی صفحہ ۱۰۰

کے بعد محشر کے میدان میں اعلان ہوگا! یہ شخص خیانت کار ہے جس نے خدا اور رسولؐ کے ساتھ خیانت و ظلم کیا ہے. البتہ یہاں ظلم سے وہ معنی مقصود نہیں ہے جو عام طور پر لفظ ظلم سے سمجھا جاتا ہے. لیکن جب اس مسئلے کی شکل اختیار کرلیتا ہے. اگر ثروتمند اور وسائل سے مالامال لوگ دوسروں کی ضروریات پر توجہ نہ دیں تو خداوند انہیں روز قیامت اس طرح ذلیل و خوار کرتا ہے اور انہیں آگ میں پھینک دینے کا حکم فرماتا ہے. ایک اور روایت پیش کرتا ہوں۔

ایمامومن مومناً عن ماله و ہو محتاج الیه لم یذقه اللّٰهمن طعام الجنة و لا یشرب من رحیق المختوم (۱)

جو مؤمن قدرت کے باوجود دوسرے مومن کی ضرورت پوری نہ کرے تو خداوند روز قیامت اسے ؛رحیق مختوم ؛(۲) سے محروم کردے گا جو کہ بہشت کے بہترین و لذت بخش مشروبات میں سے ایک ہے۔ خداوند اس مشروب کو ایسے شخص پر حرام قرار دیتا ہے. اور اسے بہشت کی غذاؤں سے محروم کردیتا ہے. اس قسم کی متعدد روایات موجود ہیں کہ اگر انہیں جمع کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب بن سکتی ہے. چند ہزار صفحات پر مشتمل کتاب سے میں نے دو تین روایات نمونے کے طور پر آپ کی خدمت میں پیش کی ہیں ایسا معاشرہ اسلام کا پسندیدہ معاشرہ ہے.

حضرت علیؑ نے اپنے اصحاب اور لوگوں کو فرمایا: لو سلکتم الحق من منهجه لا تبهجت لکم السبل و ما عال فیکم عائل (۳)

---

(۱) وسائل الشیعہ جلد نمبر ۱۱ صفحہ ۵۹۹، عقاب الاعمال صفحہ ۲۸، المجالس والاخبار صفحہ ۶۱.

(۲) یستقون من رحیق مختوم اختامه مسکٌ ۸۳:۲۵،۲۶

(۳) بحارالانوار جلد نمبر ۲۸ صفحہ ۲۴۴.

سعادت کی راہیں

حضرت علیؑ فرماتے ہیں :اگر آپ ان راہوں پر چلیں جو خداوند نے آپ کے سامنے پیش کی ہیں (ان راہوں کے بارے میں کچھ وضاحت کروں گا) تو خداوند سعادت کے تمام راستے آپ کے لئے کھول دے گا. اور آپ کے درمیان کوئی محتاج شخص باقی نہیں رہے گا. یعنی اگر ہم اقتصادی، اخلاقی، ملٹری، قانونی، پیدواری تقسیم اور ...... میدانوں میں معین شدہ راستوں پر چلیں تو پوری دنیا اور دنیا کی تمام نعمتیں ہمارے قدموں پر نچھاور کردی جائیں گی اور ہمارے درمیان کوئی محتاج شخص نظر نہیں آئے گا.

ہمارے رہبروں کا آئیڈیل معاشرہ

یہ معاشرہ حضرت علیؑ بن ابیطالبؑ، حضرت پیغمبر اکرمؐ و حضرت امام جعفر صادقؑ کا پسندیدہ معاشرہ ہے، امام زمانہ (عج) جس معاشرے کے درپے ہیں. اور یہ ایسی زندگی ہے جو حضرت زہرا (س) (آج کا دن جس شخصیت کے متعلق ہے) کے ہاں نظر آتی ہے. حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کا حضرت فضہ کے ساتھ ایسا اچھا رویہ تھا کہ جس نے فضہ کو اس طرح گرویدہ بنادیا تھا کہ یہ خاتون کربلا تک بلکہ اپنی زندگی کے آخری لحات تک اس خاندان سے جدا ہونے پر تیار نہیں تھی.

اس کی وجہ یہ ہے کہ جب فضہ کو حضرت زہرا (س) کے گھر لایا گیا تو حضرت زہراء نے فضہ کو مخاطب کر کے فرمایا: فضہ جان! تو بھی انسان ہے اور میں بھی انسان ہوں. تمہیں بھی عبادت کی ضرورت ہے اور مجھے بھی. تم بھی تھک جاتی ہو، میں بھی تھک جاتی ہوں .لہذا ایک دن گھر کا کام میں کروں گی اور ایک دن تم. جو کچھ گھر میں موجود تھا (جیسے لباس) تقسیم کر کے پہنتی تھیں، ایسا نہیں تھا کہ حضرت زہرا (س) ملکہ بن کر بیٹھی رہیں اور آرام کریں

جب کہ فضہ نوکرانی کے طور پر ہر وقت کام کرے اور تھک جائے. بلکہ حضرت زہرا(س) فرمایا کرتی تھیں کہ گھر کے کام تقسیم کئے جائیں اور سب مل کر کام کریں.

انسانی زندگی میں تقویٰ کے دائرہ کار کی وسعت

یہ تھی ہمارے دینی رہبروں کی داخلی زندگی اور وہ تھی ان کی عمومی زندگی. یہ بھی انہیں فرامین اور راستوں میں سے ہے جس کی طرف حضرت علیؑ نے اشارہ فرمایا ہے اور تاکید فرمائی ہے کہ ان راستوں پر گامزن ہونا تقویٰ کے مترادف ہے. ہم خیال کرتے ہیں کہ تقویٰ ایک مطلق ، مجرد اور زندگی سے الگ تھلگ چیز ہے اور فقط نماز، روزہ، حج و عبادات و داخلی مسائل انسان کو متقی بنا دیتے ہیں. انسانی زندگی میں تقویٰ کا دائرہ کار بہت وسیع ہے. ہم یقین نہیں کر سکتے کہ جس شخص کے پاس تمام وسائل زندگی موجود ہوں اس کا پیٹ بھرا ہوا ہو اور اس کے اموال میں حق اللہ بھی موجود ہو، لیکن یہ شخص نیاز مند انسانوں کی ضروریات پوری نہ کرے. اب ممکن ہے آپ یہ کہیں کہ اس شخص نے اپنے حقوق ادا کر دیئے ہیں یہاں میری بحث ان لوگوں کے بارے میں نہیں ہے کہ جن کی گردن پر واجب الادا حقوق ہوں. یہ میری آئندہ ابحاث کا مقدمہ ہے لیکن خود معاشرہ اور معاشرے میں ناانصافی ایک مسئلہ ہے. یہ ممکن نہیں ہے کہ معاشرے کا ایک حصہ ایک قسم کی جب کہ معاشرے کا دوسرا حصہ دوسری طرح کی زندگی گذارے. اگر لوگ متقی، اخلاق اسلامی کے پابند اور اسلامی فکر کے حامل ہوں تو انہیں اپنی حالت میں تبدیلی لانا چاہیئے. تقویٰ انسانی وجود میں ایک ملکہ و طاقت ہے جو انسان کو منحرف ہونے سے بچاتا ہے اور انسان کو حق کی راہ پر گامزن کرتا ہے.

منفی و ناکارہ تقویٰ

کبھی آپ یہ باور کرتے ہیں کہ یہ خصوصی مسائل ہیں جو آپ ہی سے مربوط ہیں لیکن

جب وسعت نظری سے مسئلے کا ملاحظہ کریں تو آپ کو معلوم ہو گا کہ کس طرح متقی بنا جا سکتا ہے اور کس طرح معاشرہ فساد و کفر کی راہ پر گامزن ہوتا ہے اور ناانصافی معاشرے کو کس طرح تباہ و برباد کر دیتی ہے! ممکن نہیں ہے کہ انقلاب میں ناانصافی کی حالت برقرار رہے۔ انسان انہیں اپنی آنکھوں سے واضح طور پر دیکھتا ہے بشرطیکہ متقی ہو۔ کیونکہ متقی شخص نے خمس و زکات ادا کر دیا ہے اور اس کا مال و دولت مشروع و جائز ہے اور خود اسی سے متعلق ہے لہذا معاشرہ جس طرف جانا چاہے جائے۔

تقویٰ کا دائرہ بہت وسیع ہے جہاں بھی انسان کسی کا حق پامال ہوتے ہوئے دیکھے تو انسان کو اس کی روک تھام کرنا چاہیئے اگر اسلام خطرے میں ہو یا معاشرے میں فساد و برائیاں بڑھ رہی ہوں تو قیام ضروری ہے۔ ہمیں اپنے اندر وسعت نظری پیدا کرنی چاہیئے اور شخصی حدود سے باہر آنا چاہیئے اور معاشرے کی سطح پر سوچنا چاہیئے۔ اگر وسعت نظری سے تقویٰ کے تقاضوں کا ملاحظہ کریں تو تازہ افق ہمارے سامنے آئیں گے۔ یہ میرے بعد والے خطبات کی ابحاث کا مقدمہ ہے۔ ثروت کو کنٹرول کرنے کے مراحل بیان کر چکا ہوں۔ اور میں نے قبول کیا ہے کہ ثروت کے اعتبار سے تفاوت ممکن ہے۔ واجب حقوق کو بیان کر چکا ہوں اور کہہ چکا ہوں کہ واجب حقوق کے ذریعے اجتماعی عدالت قائم کی جا سکتی ہے۔ لیکن اب یہ کہتا ہوں کہ ممکن ہے ہم واجب حقوق کے ذریعے اجتماعی عدالت قائم نہ کر سکیں۔

بنا بر این دوسرے وسائل کی ضرورت ہے کہ جنہیں بعد والے خطبات میں بیان کروں گا۔ آئندہ خطبات میں انفاقات، بلا عوض خدمات اور فساد کے جانبی مسائل کی روک تھام اور وسائل سے مستفید ہونے کے اعتبار سے سامنے آنے والے ممکنہ تفاوت کی روک تھام جیسے مسائل کے بارے میں گفتگو کروں گا۔

بتیسواں خطبہ

اسلام میں عدالت اجتماعی کی بحث کا تسلسل

معاشرے میں اقتصادی ناہمواری سے اسلام کا سلوک

اسلام میں انفاق (خدا کی راہ میں خرچ کرنے) کا مقام

تعاون اور انفاق کے مراحل۔

اسلام میں صدقہ جاریہ' وقف اور اوقاف کی بحث

قال العظیم فی کتابه اعوذ بالله من الشیطان الرجیم بسم الله الرحمن الرحیم فاما من اعطی و اتقی و صدق بالحسنی فسنیسره للیسری و اما من بخل و استغنی و کذب بالحسنی فسنیسره للعسری و وما یغنی عنه ماله اذا تردی۔

عید نوروز مبارک باد

اہل وطن کو عید نوروز کی مبارک پیش کرتے ہیں اور ہر معاملے صرف خداوند کریم پر ہی امید رکھی جاتی ہے لہذا بارگاہ خداوندی میں دعا گو ہیں کہ باقی ماندہ زندگی میں ہم زیادہ سے زیادہ خداوند کریم کی خوشنودی حاصل کر سکیں اور سعادت کی راہ پر چلنے کے لیئے قدم بڑھائیں۔

محبت بھرے احساسات کا شکریہ

آپکے گرم احساسات اور محبتیں میرے اور میرے دوسرے ساتھیوں اور دوستوں کے ساتھ ہیں، ہم شکر گزار ہیں (۲)

---

(۱) لیل: ۵ تا ۱۱۔

(۲) یہ خطیب محترم کے لئے کئے گئے اس علان حمایت کی طرف اشارہ ہے جس میں مختلف سیاسی اور سماجی تنظیموں اور پارٹیوں نے اس بات پر شکریہ ادا کیا کہ ہم لوگ آپ کے عدالت اجتماعی کے عنوان کے تحت پیش

اگر چہ ہم اپنے آپکو ان محبتوں کے لائق نہیں سمجھتے ہیں، لیکن میں تاکید اًکہتا ہوں کہ ہم اس قابل نہیں ہیں بہر حال خداوند عالم سے دعا گو ہیں کہ خداوند عالم ہمیں فہم اور شعور عطا فرمائے تا کہ ہم ان محبتوں کی وجہ سے مغرور نہ ہو جائیں، اور اپنے آپکو نہ بھول بیٹھیں۔

اقتصاد کے متعلق، عدالت اجتماعی کی بحث ہر جمعہ کے خطبہ اول میں ہو رہی ہے، جبکہ دوسرے خطبہ میں روزمرہ کے مختلف مسائل بیان ہوتے رہتے رہے ہیں۔ بہر حال اس ہفتہ کا خطبہ بھی امام خمینی کے بیانات کے مطابق ایک مفصل اقتصاد کی بحث سے متعلق ہے (۱) اگر چہ اس مطلب پر پہلے دو خطبے بیان کیے جا چکے ہیں، اور دونوں خطبے اقتصاد اور ارشاد کی بحث پر مشتمل تھے۔ یہ ہم نے بتادیا تھا کہ اسلامی اقتصاد میں معاشرہ مساوات اور تعادل کا خواہاں ہے۔ اسلامی معاشرے میں نہ کوئی اسراف کرنے والا ہو اور نہ ہی مستضعف و محروم ہو، یہی چیز اسلامی آئیڈیل ہے۔

بحث عدالت اجتماعی :

معاشرے کے تمام افراد کو سطحی زندگی گزارنے کے لیئے صرف ضروری اور لازمی حقوق مثلاً: روٹی، کپڑا، مکان، ادویات اور سیر و تفریح کے وسائل فراہم کردینا کافی ہے لیکن

کیے جانے والے خطبوں اور مؤثر تجاویز کی وجہ سے ایک بہترین اسلامی معاشرے کی طرف گامزن ہیں اور اس پر آپ کے شکر گزار ہیں۔

(۱) یہاں امام خمینیؒ کے وہ بیانات ہیں جنھیں امام خمینی نے ۱۳۶۲ ہجری شمسی کو ملک کے تمام اہم افسروں سے مخاطب ہو کر، شاہنشاہی محلوں میں رہائش رکھنے والوں کی مذمت اور سادہ زندگی بسر کرنے والوں کے حق میں ارشاد فرمائے اور امام خمینی نے اس میں فرمایا تھا کہ وہ لوگ دنیا میں خوش قسمت ہیں جو معمولی اور سادہ زندگی بسر کرتے ہیں نہ وہ افراد جو اونچے اونچے شاہی محلوں میں رہتے ہیں۔

دیکھنے میں آیا ہے کہ ایسے موقعوں پر بعض لوگ زیادہ وسائل کو حاصل کر لیتے ہیں اسلام، معاشرے میں اسے پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھتا۔

اسلام کا اقتصادی طبقہ بندی کے ساتھ رویہ :

ہم اپنے مطلوب تک پہنچنے کے لئے زور و ظلم اور قانون کو بروی کار نہیں لاتے ہیں کیونکہ جہاں تک واجب کا تعلق تھا ہم بیان نے کر دیا ہے، اسکے بعد ارشادات و اخلاقیات کے پہلو پر بحث کرنا چاہتے ہیں۔ اخلاقیات کی بنیاد اس طریقے سے رکھی ہے کہ ممکن حد کت اجتماعی زندگی میں آئیڈیل کو مد نظر رکھ سکیں۔

فرض یہ ہے کہ اسلام مالکیت کو اس حد تک اہمیت دیتا ہے اگر چہ ایک دانہ گندم کے برابر ہی کیوں نہ ہو اور اُس حد تک حق کی رعایت کرنے کو واجب سمجھتا ہے کہ ایک انسان جس کام کا حقدار ہے۔ اسلام اس کی اجازت دیتا ہے البتہ واجب حقوق مثلاً زکات و خمس وغیرہ کی ادائیگی کے بعد اسکا مال قابل احترام ہے، اسلام فقط اسراف اور ذخیرہ اندوزی کے خلاف ہے اگر چہ مال اس کا اپنا ہے۔ بعض لوگ جنکو اگر واجب حقوق دیدیئے جائیں تو بھی اپنی زندگی کو صحیح طریقے سے نہیں چلا سکتے ہیں۔

طبقہ بندی اور تبعیض کی مشکل کو حل کرنے کا راستہ :

خدا تعالیٰ اور قرآن کی پسندیدہ چیز یہ ہے کہ جہاں محبت و بھائی چارہ حاکم ہو وہاں طبقہ بندی کو اسلام جائز نہیں سمجھتا۔ غور و فکر کے بعد ہم نے ایک راستہ اپنایا ہے کہ اسلام ہی اس اجتماعی مشکل کو حل کر سکتا ہے اور یہ ایک بہت ہی اچھا راستہ ہے، اسلامی جہان بینی نے انسان، دنیا اور آخرت کو ایک ایسے طریقے سے پہنچوایا ہے کہ یہ راستہ ہمارے لیئے واضح ہو جاتا ہے۔

میں اقتصاد کی بحث کی ابتداء میں کہہ چکا ہوں کہ اسلام کفاف اور عفاف کو ضروری و لازم سمجھتا ہے۔ گھریلو اخراجات کے لیئے بھی حد معین کی گئی ہے، یعنی اسلام اخراجات میں نہ تو افراط کو صحیح سمجھتا ہے اور نہ ہی تفریط کو بلکہ انسان کے لیئے لازم ہے کہ ہر وقت دوڑ دوپ کرے اور کوشش کرے تاکہ توانگر و مالدار ہو جائے اور اپنے مال کو خدا کی راہ میں خرچ کر سکے اور غریبوں کی ضروریات کو پورا کر سکے۔ اگر معاشرے میں تمام افراد اسطرح اپنی اصلاح کرینگے تو پھر یہ مثالی معاشرہ ہوگا، کیونکہ جدا جدا موجود افراد کو جمع کر دینے کا نام معاشرہ ہے لہذا اگر اسکا لحاظ کیا جائے تو لوگ ایک دوسرے کو نہ اذیت دینگے اور نہ ایک دوسرے پر حسد کریں گے اور نہ ہی بازار میں مہنگائی ہو گی اور نہ ہی ظلم و ستم معاشرے پر مسلط ہو گا بلکہ تمام لوگ اپنے لیئے ایک ایسا راستہ اپنائیں جو برابری اور برادری کا راستہ ہو۔

دو قسم کے لوگ ایک دوسرے کے مقابل :

جن آیات قرآنی کو میں نے عنوان کلام قرار دیا ہے ان میں دو قسم کے لوگ ایک دوسرے کے مقابل ہیں، یعنی ایک قسم کے لوگ متقی و پرہیزگار، باایمان اور جود و سخاوت کرنے والے ہیں اور دوسرے وہ لوگ ہیں جو اپنے آپکو غنی سمجھتے ہیں اور تکبر کرتے ہیں اور دوسروں کے ساتھ بخل سے پیش آتے ہیں۔ خداوند عالم نے پہلے گروہ کی زندگی کو سعادت اور نیک بختی سے تعبیر فرمایا ہے اور دوسرے گروہ (جو کہ بخیل ہے) کی زندگی کے خاتمے کو بدبختی سے تعبیر فرمایا ہے اور بخیل جو مال اپنی ذاتی ضروریات پر خرچ کرتا ہے اسلام اسکو بے ثمر سمجھتا ہے۔

معاشرے میں تقویٰ کا وجود :

قرآن اور معارف اسلامی کی روح سے تقویٰ انسانی زندگی کے ساتھ فرض کیا جاتا ہے

اور ہم دیکھتے ہیں کہ انسان کی ترقی کے لیئے تقویٰ بنیادی سرمایہ شمار کیا جاتا ہے اور اسے سفر خرچ سے تعبیر کیا گیا ہے یعنی انسان کے وجود میں ایک تڑپ پیدا ہو جاتی ہے یہ انسان کو ایک موقع فراہم کرتی ہے جو انسان اور معاشرے کی سعادت کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔ اسلام کی رو سے تکبر اور حق سے روگردانی اور تقویٰ اور پرہیز گاری کا فرق ذکر ہو چکا ہے اور وہ خطرات جو انسانی معاشرے کو نقصان پہنچاتے ہیں ان کے مقابلے میں حکم خدا کے مطابق سر تسلیم خم کرنا واضح ہو چکا ہے۔ اسی بنا پر اس گفتگو میں اقتصاد کے جدید مرحلے میں عدالت، تقویٰ اور پرہیز گاری کا ہونا ضروری ہے۔

قرآن میں انفاق کی بحث :

وہ خواتین و حضرات جو قرآن کے ساتھ مانوس ہیں انکے لیئے ممکن ہے کہ میری گفتگو کو سمجھ سکیں۔ قرآن میں تقریباً ۷۵ یا ۸۰ آیتیں (انفاق کے مادہ سے) انفاق کی طرف رغبت دلانے کے بارے میں آئی ہیں اور تقریباً اسی تعداد میں لفظ زکات 'صدقات' اعطاء یا ارزاق جیسی دوسری چیزوں کے بارے میں آئی ہیں اور کافی آیات ان الفاظ کے علاوہ بھی آئی ہیں۔ تقریباً ۲۰۰ کے قریب آیتیں (شاید اس سے بھی زیادہ) انسان کو انفاق کا حکم دیتی ہیں جو زکات اور خمس کے علاوہ ہیں بلکہ ایسی چیزیں نئی اور جدید ہیں، وہ آیات انتہائی وضاحت کے ساتھ یہ مطلب بیان کرتی ہیں کہ اگر لوگوں کے درمیان عطاء اور بخشش' ہمدردی اور تعاون کا جذبہ ہو تو یہ جہاد کی سی وقعت رکھتا ہے آپ لوگ شہادت کی عظمت کو جانتے ہیں کہ ان لوگوں کے لیئے کتنی عظمت ہے جو افراد خدا کی راہ میں جہاد کرتے ہوئے دشمنوں کے ساتھ لڑتے ہیں۔

قرآن میں مال کے ساتھ جہاد کرنے کی عظمت :

تعجب کی بات یہ ہے کہ قرآن کریم مالی جہاد کو جانی جہاد کے مقابلے میں بیان فرماتا ہے

جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے :**یجاھدون باموالھم و انفسھم** ۔اس قسم کی بے شمار آیتیں قرآن میں موجود ہیں۔ قرآن کو ایک بار اس نگاہ سے پڑھا جائے کہ قرآن مالی جہاد کو جانی جہاد کے ساتھ ذکر کرتا ہے، یعنی وہ شخص جو کچھ بناتا ہے اور پیسے جمع کرتا ہے اور اپنے پیسوں کو حق کے راستے میں خرچ کرتا ہے اس شخص کی طرح ہے جو اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر اسلحہ ہاتھ میں لے کر محاذ جنگ پر دشمن سے جہاد میں مشغول ہے اور یہ ایک حقیقت ہے جو قابل انکار نہیں ہے۔ نفسیات کے لحاظ سے جو شخص ایسی کنیت اپنے نفس میں رکھتا ہے اور مال کو بھی معاشرتی اہداف اور انسانی اہداف پر قربان کرتا ہے، تو جو کیفیت جنگ کے محاذ پر ایک فداکار فوجی کے لیئے حاصل ہوتی ہے وہی کیفیت خدا کے اس مخلص بندہ کے لیئے بھی حاصل ہو جاتی ہے اور کمیت کے لحاظ سے ممکن ہے کہ فرق ہو۔ کیونکہ جتنا انسان کا عمل مشکل تر ہوتا ہے، اتنا ہی اجر و ثواب زیادہ ہوتا ہے **افضل الاعمال احمزھا**. اگر انسان میں یہ کیفیت پیدا ہو جائے تو اسوقت اسکی پوری زندگی عبادت شمار ہوتی ہے یعنی اس شخص کا کام کرنا اور پیسوں کا حاصل کرنا اور دکان پر بیٹھنا اور اپنے کارخانوں کی دیکھ بھال کرنا سب عبادت ہے۔ بہر حال اسی طرح ہو تو وہ اسلامی تقاضے کے مطابق زندگی گزارنے والا ہے۔

خدا کی راہ میں مال کو خرچ کرنے کی شرائط :

خداوند عالم نے اسی مطلب کے بارے میں ایک اہم نکتہ بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ (۱)

ایسی چیزوں کو خدا کی راہ میں خرچ کرو، جن کو تم زیادہ پسند کرتے ہو

---

(۱) آل عمران ۹۲۔

یعنی جو انسان کے لیئے انتہائی پسندیدہ شے ہے اسے خرچ کرے اسکا معنی یہ نہیں ہے کہ انسان اپنے مال کے ساتھ بے تعلق ہے، نہیں! بلکہ انسان اپنے اموال کو دوست رکھتا ہے اور اپنے دلی ارادہ کے ساتھ یہ کام انجام دیتا ہے اور خدا کی راہ میں لوگوں پر خرچ کرتا ہے اسی لیئے قرآن اسکے بارے میں ارشاد فرمارہا ہے۔

اگر تم چاہتے ہو خدا کی راہ میں خرچ کرنے کے ہدف تک پہنچ جاؤ تو تمہیں چاہیے کہ اپنی محبوب ترین چیزوں کو خدا کی راہ میں خرچ کرو

دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے

یا ایھا الّذین آمنوا اَنفِقُوا من طیبات ما کسبتم(۱)

اے ایمان والو اللہ کی راہ میں پاک اور حلال چیزیں جنکو تم نے کسب کیا ہے خرچ کرو۔

ایک اور جگہ پر ارشاد ہوتا ہے

ولا تیمموا الخبیث منه تُنفِقُونَ .

یعنی نکمی چیزوں کو خدا کی راہ میں خرچ کرنے سے یہ صفت کریمہ انسان میں پیدا نہیں ہوتی ہے۔ پس انفاق کے معنی یہ نہیں ہیں کہ انسان اپنے دستر خوان سے ایسی چیزوں کو جو کوڑا کرکٹ میں پھینکی جاتی ہیں کسی کو دیدے اسکو انفاق نہیں کہتے ہیں، لیکن پھر بھی بہتر یہی ہے کہ اس شے کو اسطرح ضائع کرنے کی بجائے کسی کو دے چونکہ اسطرح ضائع کرنا بھی گناہ ہے البتہ اسطرح کے خرچ کرنے سے انسان کے لئے صفت کریمانہ حاصل نہیں ہوتی ہے۔

وہ چیزیں جو آپ کے گھر میں فالتو ہیں اور ان اشیاء کو آپ گھر میں رکھنا بھی نہیں چاہتے ہیں اور ان کی آپ کو ضرورت بھی نہیں ہے اور آپکے کام کی بھی نہیں ہے اور وہ پرانی اشیاء جو آپ

---

(۱) بقرہ : ۲۶۷

کی زحمت کا سبب ہیں اور وہ اشیاء زندگی جو بہت ہی پرانی ہو گئی ہیں جن سے استفادہ کرنا انسان کے لئے ممکن نہیں رہا تب بھی ان اشیاء کو پھینکنے کی بجائے کسی کو خدا کی راہ میں دے دینا بہتر ہے اگر کھانے کی کوئی چیز ہے تو اسکو اسطرح ضائع کر دینے سے کسی کو دے دینا بہتر ہے، بہر حال قرآن نے جو انفاق کے بارے میں کہا ہے وہ کچھ اور ہے۔ بہر حال میں اسلام کا دوسرے مکاتب فکر کے ساتھ مقابلہ کرنے سے اسلام کی اہمیت معلوم ہوتی ہے۔

اسلام نے اقتصاد کو آزاد رکھا ہے۔

اسلام نے مارکس ازم کی طرح انسان کو صرف سپرنگ جیسا نہیں بنایا ہے بلکہ اسلام مقدس ایجاد' تجارت اور کام کاج وغیرہ جیسی تمام چیزوں کو درست سمجھتا ہے اور اسلام نے مالی وسائل کو انسان کے اختیار میں رکھا ہے اسکے ساتھ ساتھ مسئلہ انفاق کو بھی بیان فرمایا ہے۔

انسان سازی :

اسلام چاہتا ہے کہ یہی ایجادات اور اخراجات اگر انسان سازی کی درسگاہ میں تبدیل ہو جائیں جو انسان کی اصلاح کا باعث بنیں اور بجائے اسکے کہ انسان مال کا غلام بن جائے، مال انسان کی اصلاح کا باعث بنے قرآن ہمارے اندر اس حالت کو دیکھنا چاہتا ہے اگر اس روش کو لوگوں میں رائج کر دیں تو واقعاً ہم نے بہت عظیم کام کیا ہے۔

تعاون اور انفاق کے مرحلے :

اس گفتگو میں انفاق، ہمدردی اور تعاون کے کئی مراحل کو روشن کرنا چاہتا ہوں۔ سب سے پہلا مرحلہ : یعنی ابتدائی مرحلہ مرحلہ مواسات ہے۔ دوسرا مرحلہ : مساوات یعنی برابری کا ہے۔ تیسرا مرحلہ : ایثار کا ہے۔ اگر لوگوں کے درمیان یہ تینوں مرحلے موجود ہوں تو اسوقت

ان کے درمیان برادری پیدا ہو جاتی ہے، جیسا کہ قرآن مجید ارشاد فرمارہا ہے:

انّما المومنون اخوة (۱) حقیقت میں مومنین ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔

مواسات یہ ایک ایسی صفت ہے جو انسان کی ہمدردی کے جذبہ سے پیدا ہوتی ہے اگر آپ لوگ دوسروں کی غربت اور پریشانیوں کا احساس کرینگے اور انکے غموں اور پریشانیوں میں شریک ہو جائیں گے اور اپنے کچھ وسائل انکے غم اور دُکھ کو دور کرنے کے لیئے صرف کرینگے تو یہ مواسات ہو گی۔

مساوات (مواسات سے بھی اوپر والے درجے کا نام ہے) یعنی انسان اپنے آپکو زحمت میں ڈال کر دوسروں کو غموں سے نجات دلاتا ہے۔ آپ ضرور تمند کا اپنے ساتھ تقابل کریں اور اپنے اموال سے برابر کا استفادہ کریں۔ بہر حال یہ درجہ پہلے مرحلہ سے بہت ہی بلند ہے پھر ایثار کا مقام ان سب سے بلند ہے یعنی انسان ایک ایسے مرتبے اور مقام پر پہنچتا ہے کہ اپنے مال سے خود کم استفادہ کرتا ہے اور زیادہ سے زیادہ لوگوں کی ضروریات کو پورا کرنا چاہتا ہے، ان صفات میں سے ہر ایک بعض لوگوں کے ساتھ مختص ہے۔ ان تمام صفات کا ماحصل یہ ہے کہ معاشرے میں برادری، برابری اور تعادل کو ایجاد ہونا چاہیئے۔ اس لیئے اسطرح کرتے ہیں تاکہ احساس پریشانی نہ کرے، میں روایت کے ایک حصہ کو آپکے لئے پڑھتا ہوں اس طرح طبقاتی نظام کو آپ خود پہچان لینگے، بعض تفسیر کی کتابوں میں اسے اس آیت کا شان نزول سے قرار دیا گیا ہے کہ جسے میں نے آغاز میں تلاوت کیا ہے۔ فاما من اعطی و اتقی و صدق بالحسنی فسنیسره للیسری و اما من بخل و استغنی و کذب بالحسنی فسنیسره للعسری و ما یغنی عنه ماله اذا تردی۔(۲)

---

(۱) حجرات: ۱۰ (۲) لیل: ۵ تا ۱۱

ہمسائے کے درخت کا واقعہ :

حضرت پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے، ایک بوڑھا شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ہمسائے کے درخت کے بارے میں شکایت کی، اور کہا : اے آقا! میں ایک مشکل میں ہوں، ہمارا ایک ہمسایہ ہے اور اسکا ایک باغ ہے اس میں پھلدار درخت ہیں اور یہ انکے پھلدار ہونے کا موسم ہے۔ کبھی کبھار اس درخت سے یہ مرد کچھ پھل کو ہمارے گھر میں پھینکتا ہے اور ہم غریب لوگ ہیں جب ہمارے بچے ان پھلوں کو دیکھتے ہیں تو بہت ہی پریشان ہو جاتے ہیں جس وقت وہ پھلوں کو ہمارے گھر پھینکتا ہے تو میں بچوں روک نہیں سکتا ہوں۔

آج ایک ایسا واقعہ پیش آیا ہے کہ ایک پھل میرا بچہ اٹھا لایا تو وہ ہمسایہ اپنے باغ سے ہمارے گھر آیا اور میرے بچے کو بُرا بھلا کہہ کر پھل کو اسکے ہاتھ سے چھین کر لے گیا اسکی وجہ سے بچہ ابھی تک گھر میں رو رہا ہے، لہذا آپؐ میری اس مشکل کو حل فرمائیں، چونکہ یہ میرے لیئے بہت ہی پریشانی کا موجب ہے۔ حضرت پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت ہی رنجیدہ خاطر ہوئے اور کہا کہ ابھی تک اسلامی معاشرے میں ایسی ناشائستہ چیزیں موجود ہیں۔ پھر آپ نے ہمسائے کو بلانے کے لئے بھیجا، جب وہ آپ کے پاس آیا تو آپ نے اس سے پوچھا۔ تم اسے تکلیف کیوں دیتے ہو کیا تم نے آج تک ہمسائے کے بارے میں ہم سے وعظ و نصیحت نہیں سنا اس ہمسایہ نے پیغمبر کے جواب میں فرمایا اے آقا! میں اگر اس کے بچوں کے ساتھ ایسا سلوک نہ کروں تو اس کے بچے میرے درخت کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دینگے۔ میرے پاس یہی !کچھ درخت ہیں جنکے ذریعے سے میں اپنا گزارہ کرتا ہوں۔

اگر بچوں کو معلوم ہو جائے کہ میں انکے کھانے پر راضی ہوں تو پھر یہ بچے میرے لیئے

کچھ بھی باقی نہیں اپنے دیں، اسلیئے میں انکے کے ساتھ سختی سے پیش آتا ہوں پھر حضرت پیغبر صلے اللہ علیہ والہ وسلم سے عرض کیا کہ میں اس مشکل کو حل کرنے کے لیئے کیا کروں؟ حضرت نے فرمایا: آؤاس درخت کو میرے ہاتھ بیچ دو تاکہ میں یہ درخت اس غریب ہمسایہ کو دیدوں۔ جب اس شخص نے یہ سمجھا کہ حضرت اس مسئلہ میں انتہائی دلچسپی لے رہے ہیں تو اس نے آپ کے جواب میں کہا کہ میں اس درخت کو کبھی بھی فروخت نہیں کرونگا، چونکہ اس درخت کی مجھے انتہائی ضرورت ہے۔

حضرت پیغبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں تمہارے ساتھ وعدہ کرتا ہوں یہ درخت ہمیں دیدو تو تمہیں جنت میں ایک درخت دیدینگے اس بد طینت شخص نے کہا کہ بہت اچھا ہم نماز پڑھتے ہیں اور روزہ رکھتے ہیں اور جہاد میں بھی شریک ہوتے ہیں لہذا خداوند بہشتی درخت ہمیں ضرور دیدے گا اور دنیا میں بھی ہمارا ایک درخت ہو جائے گا۔ اب پیغبرؐ ایک حقوقی مسئلہ بیان فرمارہے ہیں اور یہ نہیں چاہتے کہ حقوق اور قانون کا احترام ختم ہو جائے۔

البتہ یہ مسئلہ اتنا مشکل نہیں تھا جتنا ثمرہ ابن جندب والا مسئلہ مشکل ہے۔ وہ مسئلہ یوں تھا کہ ثمرہ کا ایک درخت کسی دوسرے صحابی کے گھر میں تھا اور وہ اپنے درخت کی کھجوریں چننے آتا تو بغیر اجازت اندر آتا اس بارے میں پیغبر کے پاس شکایت کی گئی تو پیغبر اسلام نے ثمرہ کو بلوا بھیجا۔ اسے سمجھایا کہ تم اس طرح کیوں کرتے ہو تمہارا یہ کام درست نہیں ہے جب بھی تمہیں آنا ہو ان کے دروازے پہ دستک دے کر آ۔ تاکہ انہیں تمہارے آنے کی خبر ہو سکے تو اس خبیث نے جواب دیا یہ درخت میرا مال ہے لہذا مجھے دستک وغیرہ دینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے حضرت نے فرمایا اگر تم دستک نہیں دے سکتے تو یہ درخت ہمیں بیچ دو اس نے جواب دیا نہیں! حضرت نے فرمایا چلو اس طرح کرو کہ اس کے بدلے میں فلاں جگہ ایک اور درخت لے

لواس نے کہا مجھے منظور نہیں ہے۔

حضرت نے ارشاد فرمایا کہ اس ایک درخت کے بدلے میں جنت میں ایک درخت لے لواس نے کہا مجھے منظور نہیں ہے حضرت نے ارشاد فرمایا کہ اس ایک درخت کے بدلے میں جنت میں دس درخت لے لواس نے کہا مجھے منظور نہیں ہے جب اس شقی نے انکار کیا تو حضرت سمجھ گئے کہ یہ کسی صورت میں دینے کیلئے تیار نہیں ہے اس وقت حضرت نے فرمایا

لا ضرر ولا ضرار فی الاسلام

اور فرمایا اس درخت کو کاٹ کر پھینک دیا جائے تاکہ صاحب خانہ کو کوئی ضرر نہ ہو۔

دوسری طرف ایک اخلاقی مسئلہ ہے کہ کسی کے پاس باغ بھی موجود ہو اور غریب ہمسایوں کے بچے محروم رہیں بہر حال یہ مسئلہ شروع سے ہی موجود تھا اور پیغمبر اسلامؐ بہت رنجیدہ ہوئے اور دوسری طرف باغ کا مالک یہ سوچتے ہوئے چلا گیا کہ یہ اچھا موقع ہاتھ آیا ہے اب میں اس باغ کو زیادہ قیمت میں فروخت کروں گا اس وقت پیغمبر اسلامؐ کے ایک صحابی نے سوال کیا کہ اے حبیب خدا آپ نے اس شخص سے ایک درخت کے بدلے جنت میں دس درخت دینے کا وعدہ فرمایا تھا اگر میں اس باغ کو خرید کر بچوں کے سپرد کر دوں تو کیا میں بھی اس انعام کا حق دار ٹھہرونگا یا یہ انعام اس شخص کے لیے خاص ہے حضرتؐ نے فرمایا جو بھی اس مسئلہ کو حل کریگا یہ انعام اس کے لئے ہوگا۔

پیغمبرؐ کا یہ جلیل القدر صحابی اٹھا اور باغ کے مالک کے ساتھ ملاقات کی اور اس سے کہا کہ میں اس باغ کو خریدنا چاہتا ہوں تو وہ شخص اپنے باغ کو زیادہ قیمت پر بیچنے پر بھی آمادہ نہ ہوا اس مخلص صحابی نے کہا آپ کو معلوم ہے کہ مدینہ کی فلاں جگہ پر میرا باغ ہے اور وہ مدینہ کے بہترین باغوں میں سے ہے اس میں اچھے اچھے درخت ہیں سب لوگ چاہتے ہیں کہ یہ جگہ مجھ سے خرید کریں۔ میں چاہتا ہوں اس باغ کو تمہارے اس چھوٹے سے باغیچہ کے بدلے میں دے

دوں حالانکہ تمہارے باغ میں فقط دو تین درخت ہیں۔

اس شخص کو تعجب ہوا اور اس پر یقین نہیں آرہا تھا (یعنی اس چھوٹے باغیچے کے مقابلے میں اتنا بڑا باغ) اور جب اس جلیل القدر صحابی نے بار بار اصرار کیا تو آہستہ آہستہ اس کو بھی یقین آگیا کہ یہ سچ بول رہا ہے تو اس شخص نے سوال کیا کہ واقعاً آپ اس طرح تبادلہ کرنے پر راضی ہیں تو اس صحابی نے جواب میں کہا کہ میں خدا اور ملائکہ کو گواہ قرار دیتے ہوئے کہہ رہا ہوں کہ میں اس پر راضی ہوں۔ اس نے اپنے باغ کو اس چھوٹے باغیچے کے عوض دیدیا اور پیغمبرؐ کی خدمت میں آیا اور کہا یا رسول اللہؐ آپ باغ کی سند اس بوڑھے کو دیدیجئے تاکہ اس کی پریشانی ختم ہو اور وہ خوشحال ہو جائے۔

اس مقام پر یہ صحابی بھی خوش ہے کہ اس نے اس مشکل مسئلہ کو حل کیا اور پیغمبرؐ کی رضا حاصل کرلی اور دوسرا شخص بھی خوش ہے کہ اسے بہت فائدہ ہوا اور ایک بڑے باغ کا مالک ہوگیا یہ اس کی خام خیالی ہے کہ اس نے بہت اچھا معاملہ کرلیا اور اسے پیغمبرؐ کے ہاتھ نہیں بیچا جس کے نتیجے میں ایک بہت بڑا باغ اسے مل گیا بہرحال آپ نے ان دونوں صحابیوں کی حالت کو ملاحظہ فرمایا ہوگا۔ میں جن آیات کو تلاوت کرنے کا شرف حاصل کرچکا ہوں بعض تفاسیر بھی اس کی تائید کرتی ہیں کہ یہ اسی موقع اور مناسبت پر نازل ہوئیں اور وہ آیات یہ ہیں

فاما من اعطی و اتقی و صدق بالحسنی فسنیسره للیسری و اما من بخل و استغنی و کذب بالحسنی فسنیسره للعسری و ما یغنی عنه ماله اذا تردی۔(۱)

---

(۱) لیل: ۵ تا ۱۱

بخیل اور سخی کا انجام

قرآن مجید کے فرمان کے مطابق جو شخص بخیل ہے حضرت رسول اللہؐ کے وعدوں کی تکذیب کرتا ہے اور حضرت پر ایمان نہیں رکھتا ایسا شخص سیاہ دنوں سے ہمکنار ہوگا یعنی اس کا وقت اچھا نہیں گزرے گا اس کے مقابلے میں اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والا شخص اچھے دن دیکھے گا اسے آسانی اور آسائش نصیب ہوگی یہ انفاق کرنے والوں کیلئے الٰہی وعدہ ہے۔

معاشرے کے بھیڑیئے

افراد اور معاشرے کی حد تک یہ بالکل درست مسئلہ ہے اور اس کی مثالیں آج بھی دیکھنے کو ملتی ہیں ان دونوں میں ایک شخص فرشتہ ہے اور دوسرا بھیڑیا اور اسی کو آپ اس معاشرے میں بھی ملاحظہ فرما سکتے ہیں بعض لوگ ایسے ہیں جو غریب اور نادار لوگوں کے ساتھ بھیڑیوں جیسا سلوک کرتے ہیں اور بعض لوگ فرشتہ صفت انسان کی طرح اپنا سب کچھ اللہ کی راہ میں خرچ کر دیتے ہیں۔

کیا ایسے افراد معاشرے میں موجود نہیں ہیں؟ یقیناً موجود ہیں ابھی کچھ دیر پہلے ہی کی تو بات ہے میں نماز جمعہ کا خطبہ بیان کرنے سے پہلے نیچے بیٹھا ہوا تھا مجھے کسی بچے کا خط لا کر دیا گیا جس میں تحریر تھا کہ میرے والد محترم نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ اگر تم اچھا پڑھو گے، محنت کرو گے اور پہلی پوزیشن حاصل کرو گے تو میں تمہیں انعام دوں گا میں نے کئی مرتبہ پہلی پوزیشن لی ابو انعام دیتے رہے اور میں اسے جمع کرتا رہا آخر کار سات سو پچاس تومان رقم بن گئی میں اسے آپ کے سپرد کرتا ہوں آپ اسے محاذ جنگ پر بھجوا دیجئے۔ بہر حال آپ دیکھیں یہ کیسا بچہ ہے یہ پیسے اس کی کل کائنات تھی، اس کی محنت کا ثمر تھا یقیناً اسے یہ رقم محبوب بھی ہوگی اور حتماً اسے یہ رقم اس امیر آدمی کے مال دار ارباب کی نسبت زیادہ عزیز تھی۔

محاذ جنگ کے لئے امداد

آج ہی ہمیں اطلاع ملی ہے سقز نامی شہر کے غریب باشندوں نے ۷۵ ہزار تومان محاذ جنگ کے لئے جمع کر کے بھیجے ہیں حالانکہ اس علاقہ میں انتہائی بد کردار علیحدگی پسند اور شیطان صفت لوگوں کا کافی اثر رسوخ ہے(۱) بہر حال افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اس قسم کے لوگ آج بھی موجود ہیں ایسے لگتا ہے کہ یہ لوگ اسی انتظار میں تھے کہ جنگ شروع ہو ضروریات زندگی کی کمی واقع ہو انہیں ذخیرہ اندوزی کا موقع مل جائے بلیک مارکیٹنگ کو رواج دیں ناجائز منافع خوری کریں ضروریات کی اجناس روک لیں اور بعد میں مہنگے داموں فروخت کریں اور غریبوں کے حق پر ڈاکہ ڈالنے کے بعد ہی گھر جائیں۔

یہ سب لوگ انسان نہیں بھیڑیے ہیں اور فرشتہ صفت لوگوں کے مقابل ہیں بہر حال ایک گروہ متقی، پرہیزگار، انفاق فی سبیل اللہ کرنے والا، بخشش کرنے والا، مومن اور وعدہ الٰہی کا مصداق ہیں جبکہ دوسری طرف بخیل متکبر، ذلیل اور الٰہی وعدوں کا انکار کرنے والے ہیں اگر یہ لوگ الٰہی وعدوں کے معتقد ہوتے تو کبھی بھی غلط کام نہ کرتے بہر حال یہ انفاق کے حوالہ سے گفتگو تھی۔ ہمارے معارف میں ایسے اعمال اور نیک کام انسانی عظمت کا موجب ہیں اور نیک خصلتیں انسانی وجود کا حصہ شمار ہوتی ہیں اور اس کے برعکس اگر انسان اپنے مال سے بخشش نہ

---

(۱) سقز ایران کے جنوب میں صوبہ کردستان کا ایک شہر ہے اس کے اکثر باشندے کرد ہیں خطیب محترم جمعہ کا اشارہ حکومت اسلامی کے مخالف گروہوں کی طرف ہے جیسے پارٹی ڈیموکریٹ اور پارٹی حزب کوملہ ان لوگوں نے صوبہ کردستان میں اپنی تخریبی کوشش جاری رکھی ہوتی یہ چاہتے تھے کہ یہ صوبہ ایران سے علیحدہ ہو جائے اسے خود مختاری مل جائے

کرے اور اسے دبائے رکھے تب بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ اس کے پاس ان چیزوں کی کمی ہو جاتی ہے اور جو لوگ بخشش کرتے ہیں اس کے باوجود ان کے پاس کسی چیز کی کمی نہیں ہوتی۔

موت کے بعد نیکیاں

اس وقت تو فقط یہی معلوم ہو گا کہ آپ نے چیک پر سائن کیے اور بنک سے رقم جا کر وصول کر لی اس وقت کافی بنک بیلنس ہے لیکن چند دن کی بات ہے جب اصلی حساب کتاب والا دن آئے گا اور اس کی موت کا وقت قریب ہو گا تو اسوقت محسوس کرے گا کہ جن چیزوں کو بہت زیادہ محبوب رکھتا تھا وہ سب چیزیں اس سے چھین لی گئی ہیں اب اس کے پاس کچھ نہیں بچا ہے سب کچھ ختم ہو گیا ہے ایک معروف روایت میں ہے (ایک نہیں بلکہ کئی روایات کا مضمون بتاتا ہے) اور ہر انسان کی زندگی کی ایک فائل ہے

اذا مات ابن آدم انقطع عمله الا عن ثلاث

جب انسان مرتا ہے تو اس کا اس دنیا سے رابطہ منقطع ہو جاتا ہے اور اس کا اعمال نامہ (فائل) بند ہو جاتا ہے مگر تین کام ایسے ہیں جن کی بدولت ہمیشہ فائل کھلی رہتی ہے

کل انسان الزمناه' طائره فی عنقه(۱)

فائل سے مراد ایسی چیز ہے جو ہمارے وجود کا لازمی حصہ ہے، بہر حال یہ ضروری نہیں ہے کہ یہ اعمال نامہ اور فائل کسی کتاب کی شکل میں ہو بلکہ یہ ہمارے وجود میں ظاہر ہو گی اور یہ قیامت والے دن ہماری موجودیت اس کی عمدہ دلیل ہے اور یہ اعمال نامہ ہو گا تین کاموں کے علاوہ یہ اعمال نامہ بند ہو جائے وہ تین چیز یہ ہیں۔

---

(۱) اسراء:۱۳

(۱) صدقہ جاریہ (اس موضوع پر تفصیلی گفتگو پیش کرنے کی سعادت حاصل کرونگا)

(۲) ولد صالح یعنی نیک فرزند (۳) علم۔ یعنی ایسا علم جو لوگوں کے لئے مفید ہو بلکہ روایات میں یہاں تک موجود ہے کہ اگر ایک انسان سنت حسنہ باقی چھوڑ جائے یعنی اگر انسان کا کوئی شاگرد ہو اور اس نے کسی کو تعلیم دی ہو تو اس علم کی جزا اس مرنے والے کو مل جائے گی اور قیامت تک یہ نیکی انسان کے نامہ اعمال میں درج ہوتی رہے گی اور انسان کے وجود کا حصہ بن جائے گی بہر حال اگر کوئی سنت حسنہ چھوڑ جائے اور اپنی زندگی میں ایک صحیح اور تاریخی روش کو جاری کر گیا ہو تو یہ انسان کے نامہ اعمال کا حصہ بن جائے گی۔ مثال کے طور پر اس نے ایک اسلامی انجمن تشکیل دی تھی یا امر بہ معروف کا ایک سلسلہ شروع کیا تھا۔ یا ایک تاریخی سلسلہ اس نے شروع کیا یا معاشرے کے لئے ایک اقتصادی سلسلے کا آغاز کیا یا معاشرے کے لئے ایک پیداواری یونٹ بنایا جس سے آج لوگ استفادہ کر رہے ہیں اور وہ معاشرے کے مستقبل کو بہتر بنائے گا اور اس قسم کے دوسرے کام جو انسان کے نامہ اعمال کا حصہ بن سکیں۔

موت کے بعد گناہ

اگر اس کے برعکس ہو یعنی اگر کوئی انسان اپنے بعد کوئی غلط چیز چھوڑ کر جائے مسلسل اس کے وجود میں ایک برے سلسلے کا اضافہ ہو جائے گا اگر کوئی انسان بری روش اور سنت قائم کر جائے فرضاً بے پردگی (بد حجابی) کو ایک رسم بنا جائے اور ان کاموں کی مثل جو کہ ظلم و زیاتی ہے یہ چیزیں بھی اس کی قبر کی طرف آئیں گی اگر ایک نقصان پہنچانے والی علمی حرکت چھوڑ جائے اور لوگوں کو گمراہ کر گیا ہو پھر وہ گمراہی اس کے پیچھے آئے گی اور یہ سنت سئیہ اس کا پیچھا کرے گی

وقف صدقہ جاریہ کی علامت

اب اس روایت کو پڑھنے سے میرا مقصد یہ ہے کہ روایات کے پہلے حصے کو جو صدقہ

جاریہ سے مربوط ہے یہ ہمارے لئے تاریخ اسلام کے اہم مسائل میں سے ہے یہ وقف اور موقوفات کے ذریعے سامنے آتا ہے میں نے پہلے کہا ہے کہ عدالت اجتماعی کے اقتصادی حصہ میں ایک اہم ذریعہ وقف ہے لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ یہ بعض غلط طریقوں اور خلاف ورزیوں کی وجہ سے حد اعتبار سے خارج ہو گیا ہے۔

تمام ادیان آسمانی کی ایک بہترین سنت یہ تھی کہ وقف کو صدقہ جاریہ کے عنوان سے انہوں نے بھی ذکر کیا ہے کہ انسان صدقہ جاریہ کے عنوان سے کوئی چیز چھوڑ جائے تو اس کے مرنے کے بعد مسلسل اس کے نامہ اعمال میں اضافہ ہوتا رہتا ہے اور انسان کے مثبت اعمال کے ستون ہمیشہ قائم رہتے ہیں بہر حال وقف تمام ادیان میں ہے۔ آپ دیکھیں کلیسا اور گرجا گھر موجود ہیں زرتشتی بھی موجود ہیں اور یہودائی بھی موجود ہیں اور جہاں ادیان آسمانی کی کرن موجود ہو وہاں پر وقف اور موقوفات ہیں وہ لوگ جو آخرت کے لئے کوچیز چھوڑتے ہیں

اسلام میں وقف

اسلام نے مسئلہ وقف کو باقی تمام ادیان اسلامی سے زیادہ اہمیت دی ہے پیغمبر اسلام کی اپنی زندگی اور آپ کے کے زمانے میں جب کسی شخص کو اچھی چیز ملتی تھی پیغمبر اسلام کے پاس لے آتا تھا اور اس کو کار خیر کے لئے وقف کر دیتا تھا پیغمبر اسلام یا اس چیز کو فوراً خرچ کر دیتے تھے یا رکھ دیتے تھے تاکہ ہر ایک کام کے لئے باقی رہ جائے پیغمبر اسلام خود بڑی وقف تھے حضرت زہرا سلام اللہ علیہا بڑے بڑے وقف تھیں۔ مولائے کائنات حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام بڑے بڑے وقف تھے امام حسن اور اور امام حسین اور باقی آئمہ علیہم السلام اپنے ذاتی مال مال سے بڑے بڑے وقف تھے موقوفات ان کے ذاتی مال میں سے ہوتے تھے یعنی پیغمبر اسلام بیت المال کو وقف نہیں کرتے تھے کیونکہ وہ مال بیت المال کا مال ہے جب تک پیغمبر ہیں پیغمبر

کے ہاتھ میں ہے اگر پیغمبر خود نہ ہوں ان کے جانشین کے ہاتھ میں ہو گا پیغمبر اپنا ذاتی مال وقف کرتے تھے

سات باغوں کا وقف

وقف حدائق سبعہ کے متعلق روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ مال وقف ہے اب سوال یہ ہے اس کا واقف کون ہے آیا پیغمبر اسلام نے وقف کیا ہے یا حضرت زہرا سلام اللہ علیہا نے وقف کیا ہے کچھ مبہم ہے کہ حضرت زہرا کے زمانے میں وقف ہوا ہے یا ان کی وفات کے بعد یہ بھی مبہم ہے ایک روایت میں ہے کہ جس کو وسائل نے مرحوم شیخ صدوقؒ سے نقل کیا ہے(۱)

یہ حدائق سبعہ پیغمبر اسلام کے زمانے میں وقف ہوا تھا پیغمبر اسلام ان حدائق سبعہ کی درآمد حضرت زہرا سلام اللہ علیہا سے لیتے تھے اور خرچ کرتے تھے مسافر مہمانوں کے لئے یہ ایسے کاموں کے لئے وقف تھا جو پیغمبر اسلام سے مربوط ہوتے تھے ایک اور روایت کے مطابق ایسا نہیں ہے بلکہ حضرت سیدہ زہرا سلام اللہ علیہا نے اپنے نام پر لیا ہے اور بعد میں وقف کیا ہے کیونکہ پیغمبر جانتے تھے کہ حضرت زہرا سلام اللہ علیہا وقف کریں گی اس وجہ سے حدائق سبعہ کو پیغمبر نے بی بی کے حوالے کیا یا یہ ہے کہ شروع سے اسی طرح دیا گیا ہو بہر حال مسئلہ زیادہ واضح نہیں ہے البتہ تاریخی حوالہ سے بھی یہ مسئلہ اتنا فہم نہیں ہے بہر حال یہ حضرت زہرا سلام اللہ

---

(۱) ابو جعفر محمد بن علی بن بابویہ قمی آپ شیخ صدوقؒ کے نام سے مشہور تھے آپ بزرگ علماء میں سے تھے اور چوتھی صدی میں اہل تشیع کے محدثین میں تھے آپ ۳۱۱ ہجری کو امام زمانہ (عج) کی دعا سے قم میں پیدا ہوئے آپ کی تالیفات تین سو جلدوں پر مشتمل ہیں شیخ صدوقؒ کی معروف ترین کتاب من لا یحضرہ الفقیہ ہے (علماء بزرگ شیعہ ناشر انتشارات معارف اسلامی قم)

علیہا کا تھا اگر یہ وقف تھا تو اس کی متولی حضرت زہرا سلام اللہ علیہا تھیں حتیٰ پیغمبر اسلام کی وفات کے بعد ابن عباس آکر کہتے ہیں اور چاہتے ہیں اس سے حصہ لیں حضرت علی علیہ السلام گواہی دیتے ہیں کہ یہ وقف ہے اور آپ نہیں لے سکتے تو یہ روایات میں ہے اب یہ مسئلہ تاریخی ہے میں بحث نہیں کرنا چاہتا حضرت علی علیہ السلام کے وصیت نامے کو دیکھیے (کتاب الوقف اور صدقات میں شیخ حر عاملی اس کو ذکر کیا ہے (۱)

اس سے معلوم ہوتا ہے حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کے پاس بہت سی چیزیں تھیں مختلف علاقوں میں زمینیں، چشمے، پانی کے کنویں جن کو مختلف علاقوں میں وقف کیا تھا بہر حال یہ وقف تھے البتہ ان موقوفات کے متولی مشخص اور واضح ہیں اور وہ آئمہ علیہم السلام تھے وقف ان بہترین کاموں میں سے ہے جو انسان کر سکتا ہے اسلام میں ہمیں اجازت دی گئی ہے۔

موت کا وقت جب قریب آتا ہے انسان اپنے مال کا تیسرا حصہ راہ خدا میں دے سکتا ہے اور اپنی بعد والی زندگی کے لئے وصیت کر سکتا ہے اپنی زندگی میں انسان اپنا سارا مال بھی بخش سکتا ہے البتہ یہ کام زیادہ بہتر نہیں ہے کیوں کہ انسان کو چاہیے اپنے خاندان رشتہ دار اور بچوں کی زندگی اور وارثوں کو مد نظر رکھے اور انفاق کرنے میں بھی اسراف نہ کرے۔

لیکن اپنے مال کے تیسرے حصہ کی وصیت کر سکتا ہے اور یہ وقف کے علاوہ ہے وقف اور موقوفات کی تاریخ کو دیکھیے اگر یہ سلسلہ ہماری تاریخ میں باعزت طور سے باقی رہتا تو آج ہمارے جتنے منابع اور ثروت ہے جیسے زمینیں اور دوسرے قابل انتقال منابع تھے وہ اب وقف کی صورت میں موجود ہوتے کیوں کہ یہ آئندہ نسلوں میں کسی کو مل جاتے کہ وہ ان کو وقف کرتا

---

(۱) محمد ابن حسن ابن علی معروف بہ شیخ حر عاملی آپ علماء امامیہ کے بزرگان میں سے تھے اور گیارہویں صدی کے مشہور ترین اسلامی محدث تھے آپ کی اہم ترین کتاب وسائل الشیعہ ہے اور یہ ستر کتابوں پر مشتمل ہے

وقف ہمیشہ کے لئے ہوتا ہے

وقف ہمیشہ کے لئے ہوتا ہے یعنی جب انسان نے وقف کیا پھر وہ چیز وقف سے نہیں نکل سکتی جب تک موجود ہے ضروری ہے وقف ہی رہے اور یہ ہمیشگی کی شرط لازم ہے بعض حالات میں وقف نہیں ہوتا مثال کے طور پر یہ میرا گھر ہے جب تک میں زندہ ہوں اسی طرح رہے مثال کے طور پر فقراء کے لئے ہو جب انسان مر گیا پھر فقراء کے لئے نہیں ہے یا یہ کہ پانچ سال تک فقراء کے لئے ہے یعنی آپ کا اپنا ملک ہے اور اس کی منفعت دوسرے لوگوں کے لئے ہے وقف اس طرح نہیں ہے۔ وقف یہ ہے کہ ملک کو بھی انسان منتقل کر دے اور اصل رقبہ بھی منتقل ہو (۱) اور ہم جانتے تھے کہ اگر یہ سلسلہ متعدد نسلوں تک چلتا رہے تو بہت مفید ہوگا بہر حال وقف معاشرے میں ایک اچھا اور پسندیدہ عمل تھا اور موقوفات اچھے طریقے سے مصرف ہوتے تھے یعنی ان سے سوء استفادہ نہیں کیا جاتا تھا بلکہ اچھی طرح سے استفادہ کیا جاتا تھا اس قدر زیادہ وقف تھا کہ لوگ جب چاہتے تھے کہ وقف کریں تو وہ نہیں جانتے تھے کہ کن کو دیں جتنا سوچتے تھے وقف کر دیتے تھے۔ بعض نے زائرین کے لئے وقف کیا بعض نے فقراء بعض نے علماء، طلباء، واعظین اور خطباء لئے وقف کیا ہے بہر حال معاشرے کی انواع اور اقسام کی ضروریات کے لئے مختلف قسم کے موقوفات اور منابع ثروت موجود تھے۔

عجیب و غریب موقوفات

بعد میں انسان دیکھتا ہے موقوفات میں کچھ عجیب و غریب چیزیں سامنے آتی ہیں مثال

---

(۱) رقبہ۔ ایک ایسا ملک اور زمین جو کہ کسی کو دی جائے جب تک اس کی زندگی ہے اس سے استفادہ کرتا ہے اور ایسی ہستیاں جو کہ تشکیل املاک وقف یا خالصہ کو تسلیل دیتی۔

کے طور پر سوچتا ہے کسی نے کہا ہے یہ غلام اور کنیزیں جو اپنے مالک کی چیزیں خریدنے جاتی ہیں اگر راستے میں ان سے پیسے گم ہو جائیں اور مالک کے گھر پلٹ کر آئیں ممکن ہے مالک ان کو اذیت کرے اس وجہ سے کے لئے ایک وقف بنایا ہوا تھا۔

اگر اس قسم کا کوئی واقع پیش آئے اس کی رقم وقف سے لی جائے تاکہ ان کو اذیت نہ کی جائے کئی لوگوں نے اسی طرح وقف کیا ہے کہ غلام اور کنیزیں کنویں سے پانی لینے کے لئے گئی تھیں اور ان سے پانی کی مشک پھٹ گئی ہے یا اس کی رسی ٹوٹ گئی ہے ممکن ہے مالک اسے اذیت دے ایک ایسا وقف ہونا چاہیے جو ان کے مالکوں کو مشک کے خراب ہونے یا رسی کے ٹوٹنے کے اخراجات دے وقف اس حد تک رواج پا چکے تھے کہ تمام احتیاجات اور ممکنہ ضروریات جو ذہن میں پہنچ سکتی تھیں ان سب کے لئے وقف موجود تھے جو کبوتر اور دوسرے پرندے وغیرہ سردیوں میں غذا حاصل نہیں کر سکتے ان کے لئے بھی وقف موجود ہے۔ مثال کے طور پر ان کے لئے گندم خریدی جائے اور ان کبوتروں کے لئے گھروں کی چھت پر ڈالا جائے تاکہ پرندے اسے کھائیں اگر ہم اسلام کے اس دستور پر عمل کرتے خدا جانتا ہے کیا ہوتا بہت افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اس پر اچھے طریقے سے عمل نہ ہوا ہم جب وقف کی تاریخ کو دیکھتے ہیں مثال کے طور پر سلجوقیوں کے زمانے میں ایران میں وقف پر عمل ہوتا تھا وزراء وکلاء اور رؤساء وقف کرتے تھے۔

الناس علی دین ملوکھم(۱)

لوگ بھی اس وقت بہت زیادہ وقف کرتے تھے اس کام میں وسعت پائی جاتی تھی صفوی دور میں وقف کا عروج تھا ہر چیز کا ایک وقف تھا پھر دیکھتے ہیں نادر شاہ کے زمانے میں اور

---

(۱) یعنی لوگ اپنے حاکموں کی پیروی کرتے ہیں۔

زندیہ کے زمانے میں سب اوقاف کو لے لیا گیا لوگوں کا اعتماد اٹھ گیا اس کے بعد اوقاف کو اچھے طریقے سے نہیں اپنایا گیا بلکہ یہ اوقاف مختلف افراد کے ہاتھ میں آئے بعد میں آنے والی نسلیں کھا گئیں یا وقف نام کروالیا۔ بہر حال بہت برے طریقے سے عمل ہوا وقف میں کوتاہی کی گئی۔

وقف سے سلب اعتماد

لوگ جب دیکھتے ہیں کہ یہ ملک وقف ہے اور وہ ملک شخصی ہے اور ملک شخصی کی کتنے اچھے طریقے سے حفاظت کی جارہی ہے لیکن وہ وقف شدہ درخت اور زمین خراب ہو گئی ہے لوگ وقف کے بارے میں پر سوچنے کے لئے تیار نہیں ہیں اگر ہم متدین ہوتے وقف شدہ مال کی اپنے مال سے زیادہ حفاظت کرتے اور لوگ بھی سمجھتے اور وقف کرتے' تاکہ لوگ اچھی طرح اس کی حفاظت کریں اور مستقبل میں بھی ان کی اچھی طرح حفاظت ہو یہ سلسلہ جو اسلام میں موجود تھا اور ہمیشہ سے مشکل میں رہا ہے۔ اگر اس کو اچھی طرح سے چلاتے تو خدا جانتا ہے کیا ہوتا اگر آج ہم معاشرے کے حقیقی اوقاف کو پہچان لیں مثلاً امام علی رضا علیہ السلام کے اوقاف حضرت فاطمہ معصومہ سلام اللہ علیہا کے اوقاف امام زادہ شاہ چراغ علیہ السلام کے مساجدہ کاروانسرلپانی کے کنویں راستے بنانا پلیں بنانا مدارس علوم دینیہ بنانا سب آپ کے سامنے ہے اگر ان کو جمع کریں تو آپ دیکھ سکیں گے کہ ملک کے ایک عظیم حصہ کی ثروت وقف ہے۔ اس بنیاد پر کہ اسلام نے اسے صدقہ جاریہ قرار دیا ہے وقف کر کے مرنے والا شخص آج بھی باقی ہے یعنی اس کا نامہ اعمال آج بھی کھلا ہوا ہے۔

شرائط وقف

اس وقت جمہوری اسلامی ایران اور خصوصاً وزارت اوقاف کی ذمہ داری ہے کہ کوشش کرے کہ لوگوں کا اوقاف پر اعتماد بحال ہو شاید اکثر مالدار لوگوں کی یہ خواہش ہو گی کہ کم

از کم مرنے کے بعد کوئی چیز ان تک پہنچتی رہے۔ لہذا ہو سکتا ہے کہ یہ لوگ اپنے کچھ اموال معاشرے کی خدمت میں خرچ کریں اگر یہ سلسلہ چل نکلے تو ہم معاشرے کے بہت سے مسائل حل کر سکتے ہیں البتہ اس کی مندرجہ ذیل شرائط ہیں۔

۱۔ اسے امانت سمجھا جائے۔ ۲۔ اچھے طریقے اس کی حفاظت ہو۔ ۳۔ اچھے طریقے سے استفادہ کیا جائے۔ ۴۔ اس کے مصارف معین ہوں۔ ۵۔ اس کے مصارف سے لوگ بھی آگاہ ہوں افسوس سے کہنا پڑتا ہے ان پر عمل نہیں کیا گیا اگر یہ سلسلہ اچھے طریقے سے آگے بڑھتا تو ہم دیکھتے کہ کیسا معاشرہ ہمارے پاس ہے۔ آج میری گفتگو اس حصہ میں نامکمل ہے کیوں کہ اس بحث کا نتیجہ نہائی مسئلہ اخوت اسلامی ہے (۱) اور ضروری ہے کہ اس بحث سے نتیجہ نکالیں (ایک مستقل خطبہ میں بحث کروں گا) وہ نتیجہ یہ ہے کہ اس کے بعد جب لوگوں کو واجب حقوق دیے جائیں اگر اس پر عمل ہوتا تو پھر اب تک یہ معاشرہ اس طرح نہ ہوتا کہ (کچھ لوگوں کے پاس بہت مال و دولت ہے اور کچھ لوگوں کے نادار ہیں یہ طبقہ بندی ہے اور نامناسب ہے)

بہر حال انفاق کا مسئلہ ہو یا بخشش کا' مواسات کا مسئلہ ہو یا مساوات اور ایثار کا مسئلہ ہو ان سب پر عمل ہونا چاہیے تاکہ انسانیت کو اور اسلامی معاشرے کو اس سطح پر پہنچایا جا سکے کہ اس معاشرے میں کوئی محتاج نہ رہے قاتل طبقہ بندنہ ہو اور کسی چیز سے استفادہ کرنے میں تفاوت اور فرق نہ پایا جائے اور انسان مسلسل کوشش کرے اپنی سعی و کوشش سے اپنی دنیا اور آخرت ٹھیک کرلے حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام فرماتے ہیں۔

فقدموا بعضاً یکن لکم ولا تخلفوا کلاً فیکون علیکم(۲)

---

(۱) موضوع اخوت اسلامی عدالت اجتماعی کے سلسلہ مباحث میں اس کے بعد والے خطبہ کی طرف رجوع کریں۔

(۲) نہج البلاغہ خطبہ ۱۹۳

یعنی کچھ مقدار آگے بھیجو کہ یہ آپ کے نفع میں ہے کچھ مقدار کو اپنے لئے رکھے اور ایسا نہ ہو کہ جو کچھ ہو اپنے بعد والوں کے لئے جمع کرے کہ مرنے کے بعد اسے وارث کھائیں اور تیری قبر پر ایک بڑا پتھر رکھ کر چلے جائیں اور تمہیں کروڑوں کے حساب میں چھوڑ جائیں یہ کیا ہے تم نے لوگوں کے حقوق نہیں دیئے بہر حال پھر جاتے ہیں اور سنگ مرمر کا ایک قیمتی پتھر اس کی قبر پر رکھتے ہیں اور وہاں لکھتے ہیں آرام گاہ خلد آشیاں مرحوم و مغفور فلاں

واضح ہے کہ یہ تمام القابات جھوٹ ہیں ایسا نہیں ہے ایک انسان نے جو اس طرح زندگی گزاری چاہیے تھا اس کی قبر پر لکھتے دیدی کہ گہ کرد اشرف بہ خرا و مظلمہ برد و دیگری زر

تو نے دیکھا کیا کیا گدھے سے اشرف نے وہ تاریکی لے گیا اور دوسرا زر یہ شخص اب کیا لے گیا ہے کون سی نیکی کون سی مغفرت کون سی خلد آشیانی کون سا فردوس اور علیین کا مکان ایسا نہیں ہے بلکہ اس نے ظلم کیا ہے تجاوز کیا ہے لوگوں کے مال کو کھا گیا ہے طبقہ بندی کی ہے فساد پھیلایا اور اپنے سارے مال کو اپنے بعد کے لئے ایک ایسے وارث کے سپرد کیا کہ اسے معلوم بھی نہیں کہ وہ کیسے اس مال کو خرچ کرے گا اس حالت کو ہم محسوس کریں سوچیں اور معارف اسلامی کو صحیح طریقے سے سمجھیں اور اسی اخلاقی راستے اور رویے سے ہم اپنے معاشرے کی اصلاح کریں۔

تینتیسواں خطبہ

اقتصادی نقطہ نظر سے عدالت اجتماعی کی بحث کا تسلسل۔

اسلامی اخوت وبھائی چارہ۔

مسئلہ اخوت اسلامی پیش کرنے سے پیغمبر اکرمؐ کا مقصد۔

گرانفروشوں کو وارننگ۔

بسم الله الرحمن الرحیم الحمد لله رب العالمین والصلاة والسلام علی رسول الله و آله الائمة المعصومین قال العظیم فی کتابه اعوذ بالله من الشیطان الرجیم واذکروا نعمة الله علیکم اذ کنتم اعداءً فالّف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمته اخوانا .(۱)

عدالت اجتماعی کی بحث کا تسلسل

اقتصاد میں عدالت اجتماعی کی بحث کرتے ہوئے یہاں تک پہنچ گئے تھے کہ اسلام کا مختلف اقتصادی شعبوں میں ہدف یہ ہے کہ اسلامی معاشرے کو ایک ایسی ملت میں تبدیل کر دیا جائے جہاں سب آپس میں بھائی بھائی بن کر رہیں اور اس برادری کی فضا میں اپنی اقتصادی مشکلات کو حل کریں جو مشکلات آزاد معاشرے میں مختلف نظریات کی بنا پر وجود میں آتی ہیں جو وضاحتیں اب تک کر چکا ہوں ان کا ایک نتیجہ یہ ہے کہ اسلام نہیں چاہتا کہ لوگ اپنے ارادہ کے بغیر کام کریں اور کھانا کھائیں بلکہ اسلام یہ چاہتا ہے کہ لوگ آزاد رہیں اور اس آزادی میں اقتصادی تحریک بھی مورد نظر رہے

مثلاً کام کے انتخاب میں آزادی ہو، آزادی تجارت، آزادی پیداوار ہر اس کام کے

---

(۱) آل عمران: ۱۰۳۔

بارے میں آزادی جو شرعاً ممنوع نہیں ہے یہ سب چیزیں حکومت کی ہدایت اور کنٹرول کے ساتھ ہوں اور حصول ثروت کیلئے حتی الامکان غریب اور محروم عوام کا کچھ نہ کچھ حصہ ضرور مقرر کیا جائے لیکن حقیقت یہ ہے کہ آزاد ماحول میں جتنا کنٹرول شدید ہو اور ہدایت زیادہ ہو تب بھی کچھ لوگ مالدار اور کچھ لوگ بے نوا ہو جاتے ہیں اور بعض لوگوں کو حوادث کمزور اور غریب بنا دیتے ہیں ان پسماندہ لوگوں کا خیال رکھنے کیلئے بھی مختلف راستے اور طریقے ہیں۔

مسئلہ اخوت اسلامی

میں نے عرض کیا تھا کہ اسلام نے اسی پر قناعت نہیں کی اور صرف اتنی مقدار کو اسلامی اور توحیدی معاشرہ کیلئے کافی نہیں سمجھا بلکہ اسلام چاہتا ہے کہ لوگوں میں خلوص اور محبت پیدا کرے بغض، جدائی اور نفرت کا باعث بننے والے وسائل پیسہ و ثروت ہیں اب یہ طبقہ بندی، نفرت اور بے صفاء و منافقت کا باعث نہ بنے اسلام کی اسلامی معاشرے کی تشکیل سے مراد یہی ہدف ہے بہر حال یہاں اسلام نے اخوت اور اسلامی برادری کو بیان کیا ہے پہلے دو خطبوں میں، میں نے کہا تھا کہ مساوات (۱) مواسات اور ایثار ان میں سے ہر ایک اہمیت رکھتا ہے

---

(۱) معاشرے میں اتفاق، ہمدردی اور تعاون کیلئے کچھ قابل تشخیص مراحل ہیں ان میں ابتدائی مرحلہ مواسات ہے اور اس کے بعد والا مرحلہ مساوات ہے اور سب سے اعلیٰ مرحلہ ایثار ہے مواسات انسانی ہمدردی کی روح سے پیدا ہوتی ہے اس مرحلہ میں انسان دوسروں کے درد و رنج کا احساس کرتا ہے اور اپنے کچھ وسائل دوسرے لوگوں کی ضروریات اور تکالیف کو دور کرنے کیلئے مختص کرتا ہے۔ مساوات ایک قدم آگے ہے اس مرحلے میں انسان محتاج لوگوں کا اپنے ساتھ تقابل کرتا ہے اور جتنی اس کے پاس ضروریات زندگی موجود ہیں اس حد تک دوسروں کیلئے بھی ضروریات زندگی فراہم کرتا ہے۔ ایثار یہ سب سے اعلیٰ مرحلہ ہے اس مرحلے میں انسان دوسروں کو اپنے سے مقدم رکھتا ہے اور اپنے وسائل سے بہت کم استفادہ کرتا ہے۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلامی معاشرہ ایک برادری پر مشتمل ہے جیسے ایک گھر کا ماحول ہوتا ہے اسی طرح یہ معاشرہ ہے۔

قرآن مجید کی نظر میں اخوت اسلامی

قرآن مجید میں کچھ آیات ہیں جن میں برادری کے مسئلے کو بیان کیا گیا ہے جس آیہ مجیدہ کو میں نے عنوان کلام قرار دیا ہے اس میں الفت اور اتحاد کو بیان کرنے کے ساتھ ساتھ دشمنی کے عوامل کی نفی کی گئی ہے ارشاد رب العزت ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم واذکروا نعمۃ اللہ علیکم اذ کنتم اعداءً فالّف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ اخوانا(۱)

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے انما المؤمنون اخوۃ(۲) یہ آیت مطلق ہے اور برادری بھائی چارے کی ہر قسم کو شامل ہے ان کے علاوہ اور آیات بھی ہیں جن میں ولایت قرار دی گئی ہے یہ سب قابل توجہ آیات ہیں جو مسمانوں کے درمیان ولایت کو جعل کرتی ہیں۔(۳)

آپ کے ذہن نشین رہے یہ وہی ولایت ہے جس کی وجہ سے اخوت کے دائرے میں منسلک لوگ ایک دوسرے سے وراثت بھی لیتے تھے یعنی اس دور میں اس سے مراد صرف دوستی نہ تھی۔ سورہ انفال کی دو تین آخری آیات ایک مرتبہ نازل نہیں ہوئی تھیں ان میں دو حکم ہیں

(۱) آل عمران: ۱۰۳۔

(۲) ۴۹: ۱۰

(۳) جعل لغت میں بنانے، کرنے، قرار دینے اور وضع کرنے کیلئے استعمال کیا جاتا ہے یعنی خلق کرنا وجود میں لانا وغیرہ اس اصطلاح میں جعل ولایت یہ ہے کہ ایک شخص اپنے بعض امور کو انجام دینے کیلئے اپنے اختیارات سے استفادہ کرے۔

جو دو مقام پر نازل ہوئے ہیں۔

قرآن مجید میں جعل ولایت

حکم اولی یہ ہے کہ مہاجر اور انصار مسلمانوں کے درمیان تو یہ ولایت بر قرار ہے البتہ یہ ولایت اس حد تک وسیع نہیں ہے کہ اس میں وہ مسلمان بھی شامل ہو جائیں جنہوں نے فقط مکہ سے ہجرت کی ہو ارشاد رب العزت ہے

ان الذین امنواو ھاجرواو جاھدوا باموالھم وانفسھم فی سبیل اللہ والذین اووانصروا اولئک بعضھم اولیاء بعض (۱)

ان آیات میں بیان کی جانے والی ولایت ہی وضع شدہ ولایت ہے اسلامی مؤرخین اور مفسرین کا بیان ہے کہ یہ ولایت یوں جعل ہوئی ہے کہ اس کی وجہ سے ایک دوسرے سے ارث بھی لے سکتے ہیں

صدر اسلام میں جب کچھ لوگ مسلمان ہو گئے اور کچھ دائرہ اسلام میں داخل نہیں ہوئے تھے ان دونوں گروہوں کے درمیان جنگ اور لڑائی تھی کچھ مسلمانوں نے تو ہجرت کی تھی اور کچھ مسلمان مکہ میں ہی رہ گئے تھے (بہر حال اس آیت یا اس سے پہلے نازل ہونے والی آیت کی رو سے پیغمبر اسلام نے اپنی ولایت کو استعمال کیا تھا) اس صورت میں حکم ہوا کہ مہاجرین اور انصار کے درمیان ولایت ارثی بر قرار ہو اور یہ ایک دوسرے سے ارث لے سکیں۔

صدر اسلام میں جعل ولایت کے دلائل

میں اس بحث کو ایک حد تک پھیلانا چاہتا ہوں اس زمانے میں اس حکم کی بنیاد چاہے جو

---

(۱) ۸:۷۲

بھی ہو یعنی چاہے وہ حکم جعلی آسمانی ہو کہ اس حکم کی وجہ سے قرآن مجید کی ایک آیت نازل ہوئی ہو یا حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ولایت کو استعمال کیا ہو یا صدر اسلام میں مسلمانوں کی اقتصادی مشکلات کو حل کرنے کے لئے یہ حکم دیا گیا ہو تا کہ اخوت اسلامی کے ذریعے ایک دوسرے کے وارث بن سکیں اور ایک دوسرے کا ارث لے سکیں۔(۱)

---

(۱) استاد جعفر سبحانی اپنی کتاب ؛فرازہائی از تاریخ پیامبر اسلام ؛ میں لکھتے ہیں کہ مدینہ میں مسلمانوں کی ہجرت کے ساتھ ہی حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں ایک نئے باب کا آغاز ہوا۔ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ میں داخل ہونے سے پہلے لوگوں کے دلوں کو اپنی جانب متوجہ کرنا چاہتے تھے تاکہ اس کے ذریعے الہی آئین کی تبلیغ وترویج کریں آج مدینہ میں پیغمبر اسلامؐ ایک پختہ اور مضبوط سیاست دان کی طرح اپنے جان نثاروں کی حفاظت کر رہے ہیں تاکہ ان میں داخلی اور خارجی دشمن نہ آسکیں بہر حال اس وقت پیغمبر اسلام کو تین اہم مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔

۱۔ عرب کے تمام بت پرستوں اور قریش کا خطرہ۔

۲۔ یثرب میں رہنے والے یہودیوں کا خطرہ جو کہ مدینہ اور مدینہ سے باہر رہتے تھے ان کے پاس کافی مال و دولت اور وسائل تھے۔

۳۔ پیغمبر اسلامؐ کے چاہنے والوں یعنی اوس اور خزرج کے درمیان اختلافات کو دور کرنا۔

دوسری طرف مہاجرین اور انصار دو مختلف ماحول کے پروردہ تھے طرز تفکر اور معاشرت کے لحاظ سے ان کے دریان کافی فاصلہ تھا ایک طرف سے اوس اور خزرج دونوں انصار میں سے تھے ان دونوں قبائل کے درمیان بیس سال سے جنگ اور دشمنی تھی ان اختلافات اور خطرات کے باعث اسلام کی اپنی سیاسی حیات کسی صورت میں بھی ممکن نظر نہیں آرہی تھی لیکن پیغمبر اسلامؐ نے ان تمام مشکلات کو نہایت دانش مندی اور خرد مندی کے ساتھ حل کیا آپؐ نے پہلی دو مشکلوں کے حل کیلئے کافی عمدہ اقدامات کیئے پیغمبر اسلامؐ نے اپنے اصحاب کے درمیان بھی خاصی مہارت کے ساتھ موجود اختلافات کو ختم کیا آپ کو خدا کی طرف سے حکم دیا گیا تھا کہ آپ مہاجرین کو بھائی بھائی بنائیں اس سلسلے میں حضرتؐ نے ایک بہت بڑی محفل میں اپنے

ایک نیا دور شروع ہوا اور مسلمانوں کی حالت پہلے سے بہتر ہو گئی توارث کا حکم ختم ہو گیا لیکن اخوت اسلامی کے باقی احکام اسی طرح ہے سورہ انفال کی آخری آیت بھی اسی مطلب کو بیان کر رہی ہے۔

والذین آمنوا من بعد وھاجرواو جاھدوا معکم فاولٰئک منکم و اولوالا رحام بعضھم اولی ببعض فی کتاب اللہ ان اللہ بکل شئی علیم (۱)

سورہ احزاب میں بھی ایک صریح آیت وراثت کے ختم ہونے کو بیان کر رہی ہے خداوند عالم کا فرمان ہے

النبی اولیٰ بالمؤمنین من انفسھم و ازواجہ امھاتھم و اولوا الارحام بعضھم اولی ببعض فی کتاب اللہ من المؤمنین و المھاجرین الا ان تفعلوا الیٰ اولیائکم معروفا کان ذلک فی الکتاب مسطورا (۲)

اس آیت میں بھی اللہ تعالٰی حضرت کو ایک ولایت عنایت کرتا ہے النبی اولی بالمؤمنین اور مؤمنین کو تو فقط اجازت دی گئی ہے کہ ان تفعلوا الی اولیائکم معروفا اس کا مضمون یہ ہے کہ وصیت کا حق مؤمن بھائیوں کا حق ان کیلئے محفوظ ہے لیکن وراثت ختم کر دی گئی ہے بہر حال اب میں اس مسئلے کی مزید وضاحت کرنا چاہ رہا ہوں۔

اصحاب کو ارشاد فرماتے ہوئے کہا تاخوا فی اللہ اخوین اخوین دو دو مل کر آپس میں دینی بھائی بن جاؤ حضورؐ نے اس انداز میں مسلمانوں کے درمیان سیاسی اور معنوی وحدت قائم کی جس کی بنا پر پہلی دو مشکلات قابل حل ہو گئیں جعفر سبحانی فرازہائے از تاریخ پیامبر اسلامؐ انتشارات دفتر نشر فرہنگ اسلامی چاپ اول ۱۷ ۱۳ صفحہ ۲۱۴۔

(۱)۸:۷۵ (۲)۶/۳۳

اخوت اسلامی، اقتصادی مسائل کا حل

حضرتؑ کی زندگی میں ایک چیز ایسی ہے جو اخوت کی بنیاد ہے اس سے اقتصادی فیصلے کرنے میں بھی ہمارے لئے راہ ہموار ہو گئی ہے اور ہمارے معاشرے کیلئے مشکلات کے حل، اخوت اسلامی کو برقرار رکھنے کیلئے راہنما بھی ہے۔ بہر حال تاریخ اسلام میں یہ دور یقینی طور پر آیا ہے اور تمام مؤرخین نے اسے نقل بھی کیا ہے کہ پیغمبر اسلامؐ کے اصحاب کے درمیان صیغہ اخوت پڑھا گیا تھا اختلاف صرف اس میں ہے۔ بعض کہتے ہیں صیغہ اخوت مکہ میں پڑھا گیا تھا اور بعض کہتے ہیں کہ مدینہ میں پڑھا گیا تھا اور بعض لوگوں کا نظریہ ہے کہ مدینہ میں صرف تکرار ہوا تھا بعض کے نزدیک یہ مدینہ کے ساتھ مختص ہے پہلے سال مدینہ میں یہ واقعہ پیش آیا اور اس کے بعد بھی اس کا تکرار ہوا۔

اخوت اسلامی کا طریقہ

یہ اخوت کس کے درمیان، کس محور پر اور کس معیار پر برقرار ہوتی ہے؟ یہ سب چیزیں قابل بحث ہیں بعض کے خیال کے مطابق اخوت کا محور مہاجر اور انصار تھے انصار کے وسائل زیادہ تھے اور مہاجرین کے پاس وسائل کی کمی تھی اس لئے رسول اکرمؐ نے حکم دیا کہ مہاجرین اور انصار کے درمیان برادری اور اخوت برقرار ہو۔(۱)۔ لیکن جو حقیقت دیکھنے میں آئی وہ یہ تھی کہ دو مہاجر بھی آپس میں اخوت اور برادری کا عہد کرتے ہوئے نظر آئے اسی طرح دو

(۱) کتاب ینابیع المودۃ کی پہلی جلد میں یہ واقعہ مذکور ہے کہ پیغمبر اسلامؐ نے تین سو مہاجرین اور انصار کو آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ اخوت اور برادری میں جوڑ دیا آپؐ مسلمانوں کی طرف رخ کر کے فرماتے تھے کہ اے فلاں تو فلاں شخص کا بھائی ہے۔

انصار بھی اس بندھن میں بندھے اور ایک مہاجر اور انصاری کو بھی ایک دوسرے کا بھائی بنتے ہوئے دیکھا گیا اگر اس طرح ہے تو پھر محور اخوت اور برادری کی بنیاد کسی اور چیز پر ہو گی۔

اخوت اور برادری کے متعلق حضرت کا ہدف

اس وقت مقصد محور اقتصادی تھا حضرتؐ نے اس معاشرے کی مشکلات کو حل کرنے کیلئے بھائی بھائی بنایا تا کہ امیر آدمی غریبوں کے ساتھ اس قرارداد میں منسلک ہو جائیں۔ ایک مقصد سیاسی ہو سکتا ہے حضرتؐ وحدت کو وجود میں لانے کیلئے حکم دیتے تھے کہ فلاں قبیلے کا فلاں شخص دوسرے قبیلے کے فلاں شخص کے ساتھ اخوت اور برادری کا بندھن باندھے۔ ایک اجتماعی مقصد تھا اور اسے ایک قسم کی سیاسی حیثیت بھی سمجھا جاتا ہے مثال کے طور پر عرب کے عظیم قبائل سے تعلق رکھنے والی فلاں اہم شخص کو حکم دیا جاتا کہ ایک آزاد شدہ غلام کے ساتھ اخوت اور برادری کی بنیاد بر قرار کرے ایسی بہت سی اور مثالیں ہمارے پاس موجود ہیں حضرت کا اس اخوت دینی اور قرآن مجید کی اس آیت کی تفسیر کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ کمزور اور طاقتور لوگوں کی مشکلات کو اس طرح حل کریں کہ ایک بڑی شخصیت عام آدمی کے ساتھ اس طرح کا رابطہ بر قرار رکھ سکے اور ان کے درمیان احساس یگانگت پیدا ہو جائے۔

اسلامی اخوت کے نمونے

حضرتؓ حمزہ(۱) آپؓ ہر لحاظ سے عظیم شخصیت تھے خاندانی، جنگی اور اسلامی نقطہ نظر

(۱) حمزہ بن عبد المطلبؓ آپؐ کے چچا اور رضاعی بھائی تھے آپ پیغمبر اسلامؐ کے محافظ تھے آپ نے مسلمانوں کی تقویت کیلئے بہت مؤثر کردار ادا کیا ابن اثیر لکھتا ہے کہ قریش حمزہ بن عبد المطلبؓ کے مسلمان ہونے کو مسلمانوں کی ترقی اور تقویت کی سب سے بڑی علت سمجھتے تھے کامل جلد ۳ صفحہ ۵۹۔

سے اپنی مثال آپ تھے آپؐ نے ایک آزاد شدہ غلام زید بن حارثہ (۱) کے ساتھ اخوت اور برادری کی قرارداد باندھی۔

زید وہ شخص ہے جب اس کو اسیر کر کے مکہ لایا گیا تو زید حضرت خدیجہؓ کیلئے خرید اگیا تھا اور آپؑ نے حضور اکرمؐ کو بخش دیا زید کے والد اسے لینے کیلئے آئے تو حضرتؐ نے ارشاد فرمایا میں اسے آزاد کرتا ہوں اگر اس کا جی چاہے چلا جائے نہیں تو میرے پاس رہ جائے زید نے آپؐ کے پاس رہنے کی خواہش ظاہر کی اور عرض کیا کہ میں اپنے عزیز و اقارب کے پاس جانے پر آمادہ نہیں ہوں بلکہ اس زندگی کو ترجیح دیتا ہوں حضرتؐ نے اسے آزاد کر دیا اور اس کا نام زید بن محمد رکھا گیا لہذا یہ پیغمبر اسلام کا بیٹا کہلوایا۔

جس زمانے میں یہ بحث تھی کہ آیا غلام کو انسانی حقوق دیئے جائیں یا نہ اس دور میں حضرت حمزہؓ اس آزاد شدہ غلام کے ساتھ اخوت اور برادری کے بندھن میں بندھتے ہیں بہر حال حضرت سلمان فارسیؓ حضرت ابو دردا ؓ کے بھائی بنتے ہیں ابو درداؓ اس زمانے کی عظیم شخصیات میں سے تھے البتہ سلمانؓ بھی معنوی لحاظ سے بہت بڑے مقام کے مالک تھے۔ (۲)

---

(۱) زید بن حارثہ ایسا جوان تھا جسے بچپن میں ڈاکوؤں نے قافلہ سے گرفتار کر کے بازار عکاظ میں غلام بنا کر فروخت کر دیا حکیم بن حزام نے اسے اپنی پھپھی حضرت خدیجہؓ کیلئے خرید لیا اور حضرت خدیجہؓ نے شادی کے بعد پیغمبر اسلام کو بخش دیا زید نے جنگ موتہ میں شرکت کی اور آپؑ کو شہادت کی موت نصیب ہوئی ان کی شہادت سے پیغمبر اسلامؐ اتنے غمگین ہوئے گویا ان کے حقیقی بیٹے کی شہادت ہوئی ہے مزید وضاحت کیلئے اسد الغابہ، الاستیعاب، الاصابہ میں مادہ زید کے ذیل میں رجوع کریں۔

(۲) جب مہاجر اور انصار کی تقسیم کا موقع آیا تو سلمان فارسی کے متعلق ہر شخص یہ کہتا تھا کہ سلمان ہم میں سے ہے لہذا اس کو ہمارا بھائی بنایا جائے حضرت رسول اکرم نے اس نزاع کو ختم کرتے ہوئے ارشاد فرمایا السلمان منا اھل البیت سیرۃ ابن ہشام ج ۲: ص ۲۲۰۔ مغازی ج: ۲ ص ۴۵۳

بہر حال حضرت ابوبکر کسی شخصیت کے، حضرت عثمان کسی کے اور حضرت بلال کسی کے بھائی بنے۔ میں نے ایک فہرست مرتب کی ہے کسی وقت موقع ملا تو میں آپ کے گوش گزار کروں گا، وہ ہماری اس بحث میں بھی ممد و معاون ثابت ہوگی (۱)

یہ اسلام کا ابتدائی دور تھا، اقتصادی مسائل دچار تھا ہر وقت جنگ کا سامنا تھا ہجرت سے بے روزگاری عروج پر تھی لوگوں کا معیار زندگی بہتر ہونا چاہئے تھا اسی لئے حضرتؐ کی طرف سے اخوت اور برادری کا مسئلہ پیش کیا گیا حضرت رسول اکرمؐ حضرت علی ابن ابی طالبؑ کے ساتھ رشتہ اخوت اور برادری قائم فرمایا اور یہ اس مسئلہ کا سیاسی پہلو بھی تھا آپ چاہتے تھے کہ حضرت علیؑ کے مقام کو واضح کیا جائے البتہ باقی لوگ بھی کسی خاص مقصد کیلئے بھائی بھائی بنائے گئے تھے (۲)۔

---

(۱) خطیب محترم نے جس فہرست کی طرف اشارہ کیا ہے وہ سیرۃ ابن ہشام کی جلد ۲ صفحہ ۱۲۳ تا ۱۲۶ میں موجود ہے وہاں جن مسلمانوں نے اخوت اور برادری کا عہد کیا تھا ان سب لوگوں کا تذکرہ موجود ہے

(۲) جب اخوت اور برادری کا سلسلہ آخر پر آپہنچا تو حضرت علی علیہ السلام اشک بار آنکھوں کے ساتھ عرض کرتے ہیں یا رسول اللہؐ آپ نے اصحاب کو ایک دوسرے ساتھ رشتہ اخوت میں منسلک کر دیا ہے لیکن میرا بھائی کون ہے؟ اس موقع پر حضرتؐ نے علیؑ کی طرف رخ کر کے فرمایا یا علیؑ تو دنیا اور آخرت میں میرا بھائی ہے قندوزی حنفی نے اس واقعہ کو مکمل طور پر ذکر کیا ہے کہ حضرت پیغمبر اسلامؐ نے حضرت علی علیہ السلام کے جواب میں فرمایا مجھے اس خدا کی قسم جس نے مجھے لوگوں کی ہدایت کیلئے مبعوث فرمایا میں نے تمہاری اخوت اور برادری کے مسئلہ کو اس لئے آخر میں رکھا ہے کہ میں تیرا بھائی ہوں تیری میرے نزدیک وہی منزلت ہے جو ہارون کی موسیٰ کے نزدیک تھی البتہ میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا تو میرا بھائی اور وارث ہے ینابیع المودۃ ج ۱ ص ۲۲۶۔

اخوت کے متعلق حکم اولی

پیغمبر اسلامؐ کی طرف سے حکم دیا گیا کہ اس اخوت اور برادری سے منسلک ہونے والے افراد ایک دوسرے سے وراثت بھی لے سکتے ہیں یعنی ان میں سے جو شخص بھی وفات پا جائے وہ اخوت اور برادری میں منسلک ہونے والے بھائی کا وارث بنے گا یعنی مرنے والے شخص کے وارثوں میں سے شمار ہو گا اس مسئلہ کی ہم کس طرح وضاحت کریں گے ؟

میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ اسلام کا حکم اولی یہی تھا جو آیات میں نے پڑھی ہیں (یعنی سورہ احزاب اور سورہ انفال کی وہ آیات جن میں ؛ فی کتاب اللہ ؛ کے الفاظ ہیں) ان میں اسلام کا حکم اولی یہ ہے کہ ارث صرف اولوالارحام کے لئے ہے۔ لیکن اس وقت اقتصادی، سیاسی اور اجتماعی مشکلات کے حل کے لئے اور ایک متوازی اور مساوی معاشرے کو وجود میں لانے کیلئے یہ حکم دیا گیا تھا تاکہ صحیح سالم معاشرہ وجود میں آئے اور کمزور، طاقتور، چھوٹی اور دھتکاری ہوئی شخصیات سے خالی ہو پیغمبرؐ اسلام نے ایک سیاسی اور اقتصادی تحریک چلائی تاکہ ان مسائل کو سرے سے ہی ختم کر دیا جائے۔

آپؐ نے حکم دیا کہ اس اخوت و برادری کے نتیجے میں یہ افراد ایک قوم، قبیلہ اور رشتہ داروں کی طرح ایک دوسرے کے گھر آمد و رفت رکھیں اب ایک انسان جو عرب کے سردارانہ نظام میں اپنے قبیلے کا سردار تھا اور ایک آزاد شدہ غلام اس نیلگوں آسمان تلے برابر تھے اور وہ لوگ جو کسی چیز کے مالک نہ تھے انہیں بڑے بڑے سرداروں کا بھائی بنا دیا گیا اب ان دونوں کیلئے ضروری ہے کہ ایک دوسرے کے گھر جائیں ان کی آمد و رفت ملکیت کو لغو کرنے کے مترادف بھی نہ تھی ایک کے پاس اپنا مال تھا اور دوسرے کے پاس کچھ بھی نہ تھا لیکن ان کا آپس میں آنا جانا ضروری تھا۔

قبیلے کے سردار اگر اپنے غریب بھائیوں کے گھر نہ جاتا تو یہ قطع رحم کے مترادف شمار ہوتا تھا اور یہ گناہگار محسوب ہوتا تھا اور اسے انتہائی غیر منظم شخص کہا جاتا تھا اور اس پر انگشت نمائی ہوتی تھی بہر حال اس طرح کی آمد و رفت سے ایک دوسرے کی ضروریات کا خیال رکھا جاتا تھا اگر ایک شخص سفر میں جاتا تھا تو اپنے گھر کی چابیاں اپنے اس بھائی کے سپرد کر جاتا کہ اگر اسے کسی چیز کی ضرورت پڑے تو وہ میرے گھر سے پوری کر لے ۔ قرآن مجید میں بیان کیا گیا ہے کہ وہ کون سے مقامات ہیں جہاں آپ اجازت کے بغیر چیز کو استعمال کر سکتے ہیں ان میں ماں، باپ، بھائی اور دوست ہیں اگر ایک دوست کے گھر کی چابی آپ کے پاس ہے تو بالکل اس آیت کا مصداق ہے یعنی اس اخوت و برادری کے بعد دونوں بھائی اپنے گھروں کی چابیاں ایک دوسرے کو دے دیتے تھے تاکہ کسی کو کسی چیز کی ضرورت ہو تو وہ جا کر لے لے ۔

غزالی(۱) اپنی کتاب احیاء العلوم میں نقل کرتے ہیں کہ اس اخوت و برادری قائم ہونے کے وقت ایک ایسا شخص بھی تھا جس کے پاس کسی دعوت میں جانے کیلئے مناسب لباس نہ تھا وہ لباس لینے کیلئے اپنے بھائی کے گھر گیا وہ گھر پہ موجود نہ تھا کنیز نے سوال کیا کہ آپ کو کیا کام ہے تو اس نے کہا مجھے لباس کی ضرورت ہے اس لئے میں یہاں آیا ہوں کنیز نے کہا آپ کا بھائی تو گھر پہ موجود نہیں ہے اس نے کہا مجھے اجازت دیں میں خود ہی لباس اٹھا لوں گا۔

بہر حال اس وقت اس طرح کے روابط تھے کہ انسان اپنے منہ بولے بھائی کے مخصوص لباس کو اس کی اجازت کے بغیر استعمال کر سکتا تھا اور گھر کے ملازم کو بھی روکنے کی

---

(۱) حجۃ الاسلام زین العابدین ابو حامد محمد غزالی ۴۵۶ ہجری میں شہر طوس میں پیدا ہوئے اور ۵۰۵ میں اسی شہر میں رحلت پائی آپ سلجوقی زمانے کے معروف دانش مند تھے آپ شافعی مذہب سے تعلق رکھتے تھے آپ کی کئی مشہور تالیفات ہیں مثلاً فقہ میں احیاء العلوم اور منطق میں معیار العلوم ہیں۔

جرأت نہ تھی آپ اس ظرافت کو ملاحظہ فرمائیں اس شخص نے اپنے پرانے کپڑے اتار کر رکھ دیئے اور بہترین لباس پہن کر چلا گیا اس کا بھائی جب آیا تو اس نے پرانے کپڑے دیکھے تو ملازمہ سے پوچھا یہ کس کے کپڑے ہیں ملازمہ نے جواب دیا آپ کا منہ بولا بھائی آیا تھا آپ کے نئے کپڑے پہن کر چلا گیا اور یہ پرانے کپڑے یہیں چھوڑ گیا. تاریخ میں ملتا ہے کہ جب اسے یہ اطلاع ملی کہ اس کا غریب بھائی اعتماد اور جرأت کیساتھ اس کا لباس لے گیا ہے تو وہ شخص سجدے میں گر گیا اور کہا بار الہا میں کیسے تیرا شکر ادا کروں کہ میرا مؤمن بھائی مجھ پر مطمئن ہے اور اس پر مجھے بہت خوشی محسوس ہوئی کہ میری عدم موجودگی میں وہ شخص میرے اموال کو استعمال کر سکتا ہے.

اخوت اسلامی کے فضائل :

اخوت اسلامی ایسے کردار کی روح ہے جس کی وجہ سے طبقہ بندی ختم ہوئی، شخصیت کا احیاء ہوا اور اس وقت کوئی مسلمان بھی یہ نہیں سوچتا تھا کہ اگر میں صیغہ اخوت وبرادری پڑھ لوں گا تو میرا اتنا پیسہ چلا جائے گا یا میں پیسے کا مالک بن جاؤں گا لیکن اسوقت اصل مقصد یہی تھا کہ ان جھوٹے فاصلوں کو ختم کیا جائے فقر وغناء سے پیدا ہونے والے فاصلے مٹ جائیں اور معاشرہ اعتدال کی حالت پر آجائے اور حضورؐ کے اس عمل سے ایک سنت قائم ہو جائے لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ آج کے دور میں یہ عظیم سنت نبویؐ ترک کر دی گئی ہے.

آپ مفاتیح الجنان اٹھا کر دیکھیں تو عید غدیر کے اعمال میں ایک عمل یہ ہے کہ مسلمان آپس میں اخوت وبرادری کی قرارداد باندھیں اور اس کیلئے ایک مخصوص صیغہ اخوت بھی موجود ہے اس کی عبارت میں ایک جملہ یہ ہے کہ اگر میں اہل جنت سے ہوا اور مجھے جنت میں لے جانے لگے تو میں کہوں گا میں آپ کے بغیر جنت میں نہیں جاؤں گا بلکہ ہم دونوں بھائی اکٹھے جنت میں

جائیں گے۔

بہر حال یہ ضروری ہے کہ مرنے تک ایک دوسرے کا ساتھ دیں ہم ان اہم مسائل کے متعلق بالکل فکر نہیں کرتے میں عرض کر چکا ہوں کہ اسلام کا حکم اولی یہ نہیں ہے کہ لوگ ایک دوسرے کے وارث بنیں لیکن حضور اکرمؐ نے یہ حکم دیا ہے کہ یہ آپس میں وراثت لے سکتے ہیں یہ ولایت قرآن مجید کی آیات کی وجہ سے ہے اور یہ ولایت آخر میں حضرتؐ نے محدود کر دی یا قرآن مجید کی جس آیت نے اس ولایت کو فسخ کیا تھا اس کیساتھ آپؐ نے بھی اس حکم کو ختم کر دیا اس آیت نے اولوالارحام کی ولایت کا حکم دیا اور قرآن مجید میں ہے النبی اولی بالمؤمنین من انفسهم یہ آیت پیغمبرؐ اسلام کیلئے ولایت عامہ کی تاکید کر رہی ہے اس لئے تاکہ حکومت میں اس کی ولایت محفوظ رہ جائے اور ہر دور کیلئے کار آمد ہو اور یہ حکم اخوت وبرادری اور وراثت بھی قطعی ہے۔

ولایت فقیہ اور مسئلہ اخوت :

آج بھی ولایت ایک ایسا حق ہے کہ اگر اسے لاگو کیا جائے تو یہ لوگوں کی زندگی، طبعی قوانین، اخلاق، دساتیر، ہدایت، معاشرے کی مشکلات اور دیگر ناقابل حل مسائل کو حل کر سکتی ہے ولی فقیہ ایسا فیصلہ کر سکتا ہے اور اس فیصلے کو ولائی حق اور جانشین پیغمبرؐ کے عنوان سے جاری کر سکتا ہے لہذا تاریخ اسلام میں اس حق کی بہت اہمیت ہے (یہ اہمیت یا تو حق ولائی کے عنوان سے یا حکم الہی کے عنوان سے ہے جسے قرآن مجید کی آیت نے واضح طور پر بیان کیا ہے)

جب اخوت وبرادری سے وراثت کا حکم ختم کر دیا گیا تو اس کے باقی احکام کو اسی طریقے سے محفوظ رکھا گیا ایسا نہیں ہے کہ جب انسان کسی سے وراثت نہ لے سکے ہو تو اس سے رابطہ بھی نہ رکھے عموماً انسان کا دوسرے طبقے سے کوئی نہ کوئی دوست اور بھائی ہوتا ہے جو ایک

دوسرے کی ضروریات کو پورا کرتے ہیں. ہمسائے کے اور حقوق ہیں ان کی حدود معین ہیں اور ہر شخص ان حدود کا خیال رکھتا تھا اگر کوئی ضرورت مند ہوتا تو اس کی ضرورت کو پورا کیا جاتا۔ حضرت رسول اکرمؐ نے مسجد میں کسی صحابی کو ملاقات کا وقت دیا تھا وہ شخص تاخیر سے پہنچا حضرتؐ نے کہا تم اپنے وعدے کے مطابق مقررہ وقت پر کیوں نہیں آئے اس نے جواب میں کہا کہ میرے پاس کپڑے نہیں تھے حضرت نے فرمایا کیا تمہارا کوئی ایسا ہمسایہ نہیں ہے جس سے تم لباس لے کر پہن لیتے۔یہ مسلمان سوچ میں پڑ گیا، کچھ دیر بعد بولا، میرے ہمسائے تو موجود ہیں لیکن ان میں کوئی ایسا شخص نہیں ہے جو مجھے لباس دیتا۔ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا

فاذا لستم اخوانا کما تزعمون

پھر تم میں وہ حقیقی بھائی چارہ نہیں ہے جس کا تم گمان کرتے ہو۔

یہاں بھائی نہ ہونے کی دو جہتیں ہیں۔

اولاً :آپ کو ایک چیز کی ضرورت ہے لیکن آپ شرماتے ہیں اور اس مؤمن بھائی سے نہیں مانگتے، تو پھر آپ اس کے بھائی کہلوانے کے حقدار نہیں ہیں۔

ثانیاً: آپ اس سے اپنی ضرورت کا اظہار کرتے ہیں لیکن وہ آپ کی ضرورت پوری نہیں کرتا ہے تب وہ بھائی نہیں ہے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس دور میں اخوت اور برادری سے یہی مراد تھی۔

اہل تشیع کے درمیان مسئلہ اخوت

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد بھی اسی طرح سلسلہ باقی رہا جب ہم حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے زمانے کو دیکھتے ہیں تو ہم اس اخوت کا ملاحظہ کر سکتے

ہیں مثلاً حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا ایک صحابی آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے اور آپ کے سامنے اپنے علاقے کی بہت تعریف کرتا ہے کہ میرے علاقے میں شیعہ بہت زیادہ ہیں۔

حضرت نے پوچھا کیا ایسے شیعہ بھی موجود ہیں جو امیر ہوں اور اپنے غریب بھائیوں کے گھر جاتے ہوں؟ اور ان کی امداد کرتے ہوں۔ اس نے کہا نہیں! عموماً ایسا دیکھنے میں نہیں آیا حضرت نے فرمایا آیا ایسے ہے کہ کوئی شخص مقروض ہے اور یہ لوگ جا کر اس کا قرض ادا کر دیں؟ اس نے جواب دیا نہیں۔ حضرت نے فرمایا چلو یہ بتاؤ کہ اگر کسی کے پاس پہننے کے لئے لباس نہ ہو، رہنے کے لئے گھر نہ ہو، کھانے کے لئے غذا نہ ہو تو دوسرے لوگ ان کی ضروریات پوری کرنے کے لئے کوئی پیش قدمی کرتے ہیں۔ اس نے عرض کی مولا ان کے آپس میں اس قدر تعلقات تو نہیں ہیں لیکن کبھی کبھار ان کی مدد کرتے رہتے ہیں۔

اس کے بعد روایت کے الفاظ کچھ اس طرح ہیں۔ حضرت نے اپنے زانو پر ہاتھ مارتے ہوئے ارشاد فرمایا تم لوگ پھر بھی خود کو شیعہ تصور کرتے ہو؟ تم شیعہ نہیں ہو!۔

موجودہ حالات میں مسئلہ اخوت کی ضرورت

اگر ہم اخوت اسلام کے محور پر مسلمان ہوتے یعنی حقیقی مسلمان ہوتے تو ہمارے معاشرے میں ایسی مشکلات نہ ہوتیں یہ سب چیزیں اسلام کے احکام اولیہ کے عنوان سے ہیں اب اگر ہم ان اسلامی احکام اور دساتیر کے مطابق عمل کریں یعنی خمس، زکواۃ، کفارات، دیات، مالیات، حدود، انسان کو دی جانے والی چیزوں اور انسان سے لی جانے والی چیزوں میں ان احکام پر عمل کریں تو ہمارا معاشرہ اسلامی معاشرہ کہلائے گا اور اگر ہمارا رویہ یہ نہ ہوا تو ہمارا معاشرہ اسلامی نہیں کہلا سکتا اس وقت ہمارا معاشرہ اسلام اور معصومین علیہم السلام کی ہدایات کے مطابق

نہ ہو گا لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ آج ہمارا معیار زندگی اس طرح نہیں ہے ہمارے دیہی علاقے، محروم طبقے اور سیستان وبلوچستان کے عوام کتنی مشکل سے زندگی گزار رہے ہیں اور اس کے مقابلے میں تہران جیسا شہر ہے ہم ان کے درمیان عجیب وغریب حد تک تفاوت دیکھ سکتے ہیں کیا آپ اس کو اسلامی معاشرہ کہہ سکتے ہیں ؟اگر ہماری یہ خواہش ہو کہ ہماری اسلامی حکومت ہو اور وہ قرآن وسنت کی بنیاد پر قائم ہو تو ہمیں غور وفکر کی ضرورت ہے۔

کیا پارلیمنٹ، شوریٰ نگہبان اور امام خمینیؒ کی یہ خواہش ہو سکتی ہے کہ حالات اسی طرح رہیں ؟اگر ہم مسلمان کہلاتے ہیں تو اس طرح کے حالات نہیں رہنے چاہییں اسی طرح سرمایہ دار معاشرہ بھی یہ نہیں چاہتا ہے کہ ایک تاجر دس گنا منافع لے اور ٹیکس بھی ادا نہ کرے یا ٹیکس میں چھوٹ حاصل کرنے کی کوشش کرے اور قوانین کا خیال نہ رکھے آپ ذرا سوچیں یہ کیمونسٹ اور آزاد لوگ ہیں ان کی راہیں ہم سے جدا ہیں اس کے باوجود وہ لوگ ایسا نہیں کرتے. سرمایہ دار لوگ بھی اس طرح نہیں ہیں انکا بھی ایک نظام ہے، بازار کی ایک قیمت ہے، ٹیکس ہیں اور ایک نظم وضبط ہے ان کے ہاں یہ صورت حال نہیں ہے جو آج ہمارے معاشرے میں دکھائی دیتی ہے.

بہر حال ان مسائل کو حل ہونا ہے اس سال حل نہ ہو سکے تو بالآخر حل ہو کر رہیں گے ہمارے منصوبے میں بھی یہ پروگرام شامل ہے کہ ان مسائل کو حل کیا جائے نامناسب طبقہ بندی اور غلط اقتصادی نظام مادر پدر آزادی، ملکیت کا احترام، کام میں منشاء ومرضی اور قیمت گزاری کے عنوان سے موجود ہیں. کیا آپ خیال کرتے ہیں کہ یہ مسائل اسی طریقے سے رہ جائیں گے ؟خدا کی قسم! ناممکن ہے کہ یہ مسائل اسی طریقے سے باقی رہیں آپ مطمئن رہیں آہستہ آہستہ یہ مسائل ختم ہو کر رہیں گے۔

مہنگائی اور امام خمینیؒ کی پریشانی:

میں چند دن پہلے امام خمینیؒ کی زیارت کیلئے گیا ہماری خصوصی ملاقات تھی میں نے محسوس کیا کہ آپؒ مہنگائی کے مسئلے پر نہایت پریشان ہیں انہوں نے اس مقام پر ایک نصیحت فرمائی کہ تاجروں کو کچھ سوچنا چاہیے یہ نصیحت اتنی سادہ اور عام نہ تھی کہ امام خمینیؒ جیسی شخصیت اس سے منہ موڑ لیتی .(۱) آپ کو یاد ہو گا کہ امام خمینیؒ کی عادت یہ رہی ہے کہ پہلے نصیحت فرماتے اگر لوگ اسے نظر انداز کرتے تو پھر حتمی فیصلہ صادر فرمایا کرتے تھے

گراں فروشوں کو دھمکی:

میں یہاں تاجر، مبلغین اور پرائیویٹ اداروں میں کام کرنے والے حضرات کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ اسلام کا ابتدائی حکم یہ ہے کہ آپ کو محدود نہ کیا جائے تجارت اور طلب ورسد نہ صرف آزاد ہے بلکہ اسلام نے اس کی تشویق کی ہے لیکن بعض لوگوں کا رویہ درست نہیں ہے وہ آزادی کا غلط مفہوم لیتے ہیں ہم نے پہلے انہیں نصیحت کی کہ سوچیں اور بے انصافی سے کام نہ لیں اور لوگوں سے زیادتی نہ کریں اگر ایک شخص کسی دوکان سے کوئی چیز لینے جاتا ہے تو اس پر یہ شرط نہ لگائی جائے کہ فلاں چیز خریدو' تب میں تمہیں یہ چیز دوں گا مثلاً ایک شخص جراب خریدنے گیا ہے اسے دوکاندار نے کہا کہ تم پہلے میری فلاں ناقص چیز خریدو تب جراب دوں گا یہ گناہ ہے اگر ایسا کیا جائے تو یہ معاشرے کیساتھ ظلم ہے اسی طریقے سے گاہک ایک چیز مانگتا

---

(۱)۔ خطیب محترم کا اشارہ امام خمینیؒ کے اس پیغام کی طرف ہے جو آپؒ نے بارہ فروردین، انقلاب اسلامی کی سالگرہ کے موقع پر عوام کو دیا تھا اس پیغام میں مہنگائی، گراں فروشی اور ذخیرہ اندوزی کرنے والوں کو دھمکی دی گئی تھی۔

ہے تو یہ جھوٹ بول دیتے ہیں کہ ہمارے پاس نہیں ہے تا کہ مہنگائی میں اضافہ ہو جائے اور لوگ مارے مارے پھریں ۔

ہم بار بار نصیحت کر چکے ہیں لیکن آپ توجہ نہیں کر رہے البتہ بعض تاجر ہماری باتوں کی طرف توجہ کرتے ہیں اور منصفانہ طرز عمل اختیار کرتے ہیں لیکن ان کے مقابل بعض تاجر سوچتے ہیں کہ یہ جنگ کا زمانہ ہے اس سے استفادہ کیا جائے اپنا مستقبل بنایا جائے لوگوں کو ناراض کیا جائے تا کہ لوگ پریشان ہوں اور شاہ کے دور کا مطالبہ کریں۔ یہ لوگ غلط فہمی کا شکار ہیں اگر چہ یہ لوگ جلسے کرے جلوس نکالتے ہیں اور توڑ پھوڑ کرتے ہیں لیکن ان سے نپٹنا مشکل نہیں ہے بہر حال امام خمینی" یہ حکم دے دیں تو پھر کسی کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ مہنگائی پیدا کرے.

مہنگائی کا مقابلہ :

بعض اوقات مہنگائی کا مقابلہ کرنے کیلئے پاسداروں اور پولیس کو میدان عمل میں لایا جاتا ہے اور عدالتیں سختی کاروائی کرتی ہیں تا کہ ان کا سدباب کیا جائے یہ اسوقت ہوتا ہے جب خاطر خواہ نتیجہ نہ ملے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو مد نظر رکھتے ہوئے آپ اس کا مقابلہ کریں آپ دیکھیں کوئی شخص مہنگا بیچ رہا ہے تو اسے روکیں تا کہ یہ معاشرے کو آگ نہ لگائے آپ حکم اولیہ اور حکم ثانویہ کے متعلق بہت کچھ سن چکے ہیں ان کا مقام یہاں ہے۔

حکم اولیہ سے مراد یہ ہے کہ اسلام کا ہدف یہ ہے کہ اللہ اس ہدف کے مطابق حکم صادر فرماتا ہے اور اگر اس پر عمل نہ ہو سکا تو پھر دوسری چیز کو مد نظر رکھنا ہوگا اور وہ حکم ثانوی ہے مثلاً میری جان کو محفوظ رہنا چاہیے حلال مال کھاؤں تو میری جان محفوظ ہے لیکن اگر کہیں حلال غذا نہ مل سکے اور آپ مضطر ہو جائیں تو اس وقت آپ کو اجازت ہے آپ مردار کھا سکتے

ہیں(۱۳)اور اس کا کھانا ضروری ہے تا کہ آپ کی جان محفوظ رہے۔یہ چیزیں مکلّف کے اختیار میں ہیں یعنی ہر فرد کا وظیفہ ہے کہ اپنے ہدف تک پہنچے اگر وہ اپنے ہدف تک نہ پہنچا تو اس کے لئے اضطراری راستہ معین کیا گیا ہے۔

یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جو پورے معاشرے کے ساتھ مربوط ہے اسلامی معاشرے کی حفاظت ایک اہم وظیفہ ہے تمام لوگوں کو اس پر عمل کرنا چاہیے اس صورت میں حاکم، ولی فقیہ اور معاشرے کا ولی اس کام کو انجام دے یہ لوگ بعض قوانین بناتے ہیں، ٹیکس معین کرتے ہیں اور دوسرے امور کو مد نظر رکھتے ہیں بہر حال اس مشکل کے حل کے لئے حکومت کا وظیفہ ہے کہ وہ قوانین بنائے ایسا فیصلہ یا قانون خود ولی فقیہ جاری کر سکتا ہے یا پارلیمنٹ یا کسی اور کمیٹی کے ذمے بھی لگایا جا سکتا ہے تا کہ مشکلات کو حل کیا جائے۔

آپ بخوبی آگاہ ہیں کہ ہمارے اس معاشرے میں ہمارا ایک عظیم مقصد ہم اخوت اسلامی کی طرف پیش قدمی ہے لہذا مہنگائی کی اجازت نہ اسلامی قوانین دیتے ہیں اور نہ انسانیت کا یہ تقاضا ہے کہ بعض لوگ ٹیلی فون پر دلالی کرتے پھریں بلیک مارکیٹنگ کو رواج دیں اور ایک دن میں ہزاروں تومان کمائیں ان کے مقابلے ایک مزدور شخص صبح سے شام تک مزدوری کرے اور اسے بازار میں چیزیں دس گنا مہنگی خریدنا پڑیں۔

مہنگائی تقویٰ کے خلاف ہے

ولی فقیہ کے ہاتھ کھلے ہیں وقت آنے پر وہ میدان عمل میں آسکتا ہے یہ کام آج جو موت

---

(۱)۔اسلام نے اس بات کی اجازت دی ہے جب اضطراری حالت ہو اور انسان زندہ نہ رہ سکتا ہو تو اس وقت زندہ رہنے کے لئے حرام غذا کھا سکتا ہے۔

کے سوداگر گراں فروشوں نے شروع کر رکھا ہے ان کا مقصد لوگوں کو خراب کرنا اور ان کی عمدہ زندگی میں رکاوٹیں پیدا کرنا ہے یہ کام تقویٰ کے خلاف ہے اور کسی صورت میں بھی تقویٰ کے ساتھ سازگار نہیں ہے۔

وہ یہ کہتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ یہ تو میری ذاتی چیز ہے میں اسے جس قیمت پر چاہوں فروخت کروں۔ یہ درست نہیں ہے۔ البتہ بعض صورتوں میں اجازت ہے لیکن پورے معاشرے کو تباہی کی طرف لے جانے والوں کے لئے کوئی چھوٹ نہیں ہے یہ تو معاشرے کو خراب کر رہے ہیں ان کی سزا تو دوگنا ہونی چاہیے۔

یہ بہت بڑا گناہ ہے بلکہ یہ انفرادی 'اجتماعی اور اخلاقی گناہ ہے اقتصادی خلاف ورزی ہے اس کو بہت بڑا جرمانہ کرنا چاہیے تقویٰ اس کی مخالفت کرتا ہے جب کہ ولی فقیہ اور اسلامی حکومت تقویٰ کے نگہبان ہیں اگر لوگ خود تقویٰ کے ماحول میں زندگی گزارنا پسند نہ کریں تو ہم انہیں اس ماحول میں زندگی گزارنے پر مجبور کریں گے۔بہر حال ہمارا بار بار نصیحتیں کرنا ہدایات جاری کرنا اور ڈرانا دھمکانا مفید ثابت نہ ہوا تو ہم مجبور ہو کر کوئی اور اقدام کریں گے

حکومت کے فیصلے اور مہنگائی

ایک دن ایسا ہوگا آپ سے حق کسب واپس لے لیا جائے گا یہ اس وقت ہوگا جب حکومت مجبور ہو جائے گی لہذا اپنے آپ کو سنبھال لیں کہ ایسا وقت نہ آئے کہ آپ کے ہاتھ کو تاہ ہو جائیں اور اچھے دوکاندار بھی اس کی بھینٹ چڑھ جائیں بہر حال ایسے فیصلے ہو سکتے ہیں اور اس وقت آپ کو کسی قسم کی خلاف ورزی کرنے کی اجازت نہ ہوگی اور ان غلط کاموں کو آپ جاری نہ رکھ سکیں گے۔

چونتیسواں خطبہ

عدالت اجتماعی کی بحث کا تسلسل

تاریخی حوالہ سے مترفین کے بارے میں انبیاء علیہم السلام کا

طرز عمل انبیاء علیہم السلام اور ملأ کا

(یعنی بڑے لوگ) تذکرہ اسلام میں اقدار کا معیار

دین کی کارکردگی، فضیلتوں کے رشد اور برتری میں تقویٰ

اور اسلامی اقدار میں اس کی اہمیت

بسم الله الرحمن الرحیم ۔ قال العظیم فی کتابہ اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم۔ ان اللہ یا مر بالعدل والاحسان ۔(۱)

عدالت اجتماعی کی بحث کا تسلسل

اقتصاد میں عدالت اجتماعی کی بحث میں اچھے طریقے سے استفادہ اور مصرف کے مسائل کو بیان کرتے ہوئے یہاں تک پہنچ گئے تھے کہ ان دقیق اجرائی پروگراموں کے بارے میں اسلام کا ہدف ایک ایسا معاشرہ ہے جو بہت زیادہ تبعیض کا شکار نہ ہو اور لوگ وسائل سے استفادہ کرنے میں حتیٰ الامکان ایک دوسرے کے قریب ہوں تاکہ معاشرے میں نہ محروم ہوں اور نہ مسرف جو مطالب اس نتیجے سے مربوط تھے اب تک خلاصہ کے طور پر بیان کر چکا ہوں۔

آج سے عدالت اجتماعی کے حوالے سے اقتصاد، جنگ، فقیر اور سرمایہ دار کی ایک اور بحث شروع کرنا چاہتا ہوں اگر یہ بحث نہ ہو اور اگر آج جو مقصد شروع کر رہا ہوں وہ مکمل نہ ہو گا تو وہ سابقہ بحث اور اس کا نتیجہ بے معنی ہو گا اور اس اسلامی طرز فکر سے خاطر خواہ اور مطلوب نتیجہ حاصل نہیں کر سکیں گے اس بحث میں ہماری گفتگو سرمایہ کی طاقت کو توڑنا اور انسانی مقام و

---

(۱)١٦: ٩٠

منزلت اور انسانیت کے بنیادی معیاروں کی طرف توجہ کرتا ہے۔

سرمایہ دار معاشرے (۱) اور ان معاشروں میں جو اقتصادی طبقہ بندی کا شکار ہیں جہاں کچھ لوگ ثروتمند اور لوگوں کی اکثریت محرومی کا شکار ہے عملی طور پر ایسا ہوتا ہے کہ ایسے معاشرے میں لوگوں کا محروم طبقہ اپنی تقدیر میں مداخلت سے بھی محروم رہ جاتا ہے اور وہ طبقہ جو ثروتمند ہے وہی ان کی سرنوشت میں اساسی اور بنیادی کردار ادا کرتا ہے وہی فیصلے کرتے ہیں اور وہی حکومت تشکیل دیتے ہیں ملکی آئین بھی وہ اپنی مرضی کے مطابق بناتے ہیں اور ملک چلانے والے بھی وہی ہوتے ہیں جو معاشرہ اس معیار کے مطابق عہدے اور مناصب تقسیم کر لے تو فطری طور پر آسودہ حال اور ثروتمند طبقہ اپنے مفاد کے لئے بنائے گئے قوانین محروم طبقہ پر تحمیل کریگا۔ اور کسی صورت میں بھی اس بات کی ضمانت نہیں دی جاسکے گی کہ ' اقتصادی ابحاث میں ذکر کئے گئے اسلامی قوانین پر عمل درآمد ہوگا۔

اسلام کا تجویز کردہ راہ حل

ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام نے اس بنیادی مشکل کا حل کیا پیش کیا ہے؟ آج کل دنیا کی موجودہ صورتحال کے لئے اسلام نے کیا سوچا ہے؟ اور ایسی صورت حال کے لئے جو سرمایہ دار معاشروں اور سوشلسٹ معاشروں میں ہے اس کے بارے میں اسلام کا کیا نظریہ ہے؟ (۲)

---

(۱) سرمایہ دار معاشرہ وہ معاشرہ ہے جس میں سرمایہ دار حاکم ہوں اور ہر قسم کی تجارت اور خرید و فروخت آزاد ہو اس قسم کے معاشرے میں حکومت فقط نظارت کی ذمہ داری ہوتی ہے۔

(۲) سوشلزم ایک ایسا مذہب اور مسلک ہے جس کا مقصد ثروت میں اعتدال کرنا مالکیت عمومی کے ذریعے پیداوار کے لئے وسائل کی تلاش بڑے شعبوں پر اقتصادی، صنعتی اور منابع طبعی پر حکومت کا تسلط ہے تاکہ سرمایہ محدود افراد کے ہاتھوں میں جمع نہ ہونے پائے۔

لیکن سوشلزم کی بحث میں ملاء و مترفین سیاسی پارٹیوں کی بڑی شخصیتیں یہ رول ادا کرتی ہیں مگر سرمایہ دار معاشروں میں شرکتیں، کارپورشنیں کمپنیاں اور بڑے بڑے سرمایہ دار تمام اشیاء کو بالواسطہ یا بلاواسطہ طور پر اپنے تیول(۱) (کنٹرول اور قبضہ) میں رکھتے ہیں۔ میری باتوں کا یہ حصہ تمام دنیا کے افراد کے لئے قابل توجہ ہے جو اس بات کے لئے تیار ہیں کہ مکتب اسلام کو سنیں اور اس مکتب کا مطالعہ کریں۔

ادیان آسمانی کا معیار اور ضابطہ

یہ بحث جو آج شروع کرنا چاہتا ہوں یہ تمام آسمانی ادیان حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے سے لے کر اب تک کے حقائق میں سے ہیں لیکن ہم مسلمان ہونے کے عنوان سے بات کرتے ہیں اور آہستہ آہستہ اسلام اور معارف اسلام کی تحلیل تک اس شعبہ میں پہنچ جائیں گے۔

یہاں بنیادی بات یہ ہے کہ اسلام اور آسمانی ادیان انسانیت کے بارے میں کچھ معیار اور اقدار کو مد نظر رکھتے ہیں انسان کی مسئولیت، صلاحیت اور مقبولیت کا محاسبہ کرتے ہیں حقیقی قدر جو انسان کی شرافت کو مکمل کرتی ہے (اور فرضی اور بناوٹی اقدار پر بھروسہ نہیں کرتی اور ان کی نفی کرتی ہے) ممکن ہے یہ کچھ محروم افراد میں پیدا ہو جائے ممکن ہے عوام کے بازار، مزدور ل، دہقانوں اور شہری افراد میں پیدا ہو جائے

اسلام اور مارکسازم کے تفکر میں فرق

ہم یہاں مارکسیتوں کے ساتھ ایک بنیادی فرق رکھتے ہیں (میں یہاں ایک نکتہ کی

---

(۱) تیول ایسے ملک، پانی یا زمین کو کہتے ہیں جو سابقہ زمانے میں بادشاہوں کی طرف سے کسی کو تحفہ کے طور پر دی جاتی تھی تاکہ وہ اس کی آمدن سے زندگی گذاریں

طرف متوجہ کرتا چلوں مارکیسٹ وہ لوگ ہیں جن کے مکتب کی بنیاد کفر اور الحاد پر ہے ہماری باتوں سے سوء استفادہ نہ کریں اور اپنے ریڈیو، ٹیلی وژن اور اپنی مطبوعات سے مسلمانوں کے ایک گروہ کو خراب کرنے کے لئے غلط استفادہ نہ کریں وہ لوگ ہمارے ساتھ بہت زیادہ فرق رکھتے ہیں جب ان کے بارے میں بات کی جاتی ہے تو ان کا طبقہ بھی معین ہو جاتا ہے مارکیسٹ مزدور طبقہ کو کار فرما طبقہ کے مقابل رکھتے ہیں اور تمام فضائل اور برتری مزدور طبقہ کی ہے اور تمام زیادتیاں اور برائی کار فرما طبقہ کی ہے لیکن ہم لوگ طبقہ بندی کا مقابلہ نہیں کرتے۔

ہم اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ ممکن ہے مزدور طبقہ میں کچھ کم ارزش انسان موجود ہوں اور کار فرما طبقہ میں باشرف اور حقیقی خصلتیں رکھنے والے انسان موجود ہوں لیکن جیسا کہ میں نے سابقہ مباحث میں کہا تھا ثروت اور دولت کو انسانی طریقے سے خرچ کریں تو کوئی ممانعت نہیں ہے۔

انبیاء الٰہی کی تاریخ سے چند اہم نکات

ایک چیز انبیاء کی تاریخ میں دیکھی گئی ہے جو کہ میری اس بحث کے لئے بھی اہم ہے اور اس کی طرف بھی آپ کی توجہ دلانا چاہتا ہوں جو تمام ادیان آسمانی اور خصوصا قرآن کے پیروکار وں کے لئے بہت مفید ہے انبیاء کی تاریخ میں ایک چیز ہمارے پاس ہے جہاں کہیں بھی قرآن مجید نے انبیاء کی تاریخ کے مبارزاتی پہلو اور انبیاء کے مقابلہ کو بیان کیا ہے وہاں محروم طبقہ (جو کہ اکثریت میں ہے) متکبر یا ملاء اور مشرف طبقہ کے بالمقابل بیاں کیا ہے۔

اس کو ہم ہر جگہ پر دیکھتے ہیں قرآن مجید کی بعض آیات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ تمام انبیاء (بغیر استثناء کے) جب اپنا پروگرام پیش کرتے تھے تو متکبر طبقہ مخالفت کرتا نظر آتا تھا آپ سوچتے ہوں گے کیوں؟ آج ہم اس بحث میں اس بات کو سمجھیں گے اور یہ بحث چند خطبوں میں

سلسلہ وار ہو گی آپ لوگ سوچیں گے کہ ایسا کیوں ہے ؟

مترفین قرآن کے آئینہ میں

میں نے عرض کیا ہے کہ ہم یعنی اسلام انسان کے ساتھ ایک طرف میں ہے۔ چاہے انسان اچھے ہوں یا برے۔ ہمیں انسانی معیار اور ضابطہ پر پرکھا جاتا ہے لیکن انبیاء کی تاریخ سے یہ حقیقت ملتی ہے ایک معین اور مورد مسلم قواعد و ضوابط موجود ہیں۔ ہم پہلے ان کلیات پر ایک نگاہ ڈالیں گے۔

قرآن مجید کی چند آیات ہیں جس میں ارشاد ہے

وکذلك ما ارسلنا من قبلك فی قریة من نذیر الا قال مترفوها انا وجدنا اباءنا علیٰ امة وانا علیٰ اثارهم مقتدون (۱)

اسمیں کوئی استثناء نہیں یہ قرآن مجید کا صریح اعلان ہے جسمیں ارشاد رب العزت ہے کہ کوئی ایسا مورد نہیں کہ ہم ایک پیغمبر کو کسی جگہ بھیجیں تو یہ حالت پیش نہ آئے جب بھی کسی پیغمبر کو ہم نے بھیجا تو اس علاقہ کے مترفین اٹھ کھڑے ہوئے اور انبیاء سے مخاطب ہو کر کہا

وما ارسلنا فی قریة من نذیر الا قال مترفوها انا بما ارسلتم به کافرون (۲)

اے انبیاء ہم تمہاری کسی بات کو قبول نہیں کرتے اور جو کچھ تم بیان کرتے ہیں ہم اس کا انکار کریں گے۔

---

(۱) ۴۳ : ۲۳

(۲) ۳۴ : ۳۴

مترفین انبیاء کے اولین دشمن

آپ سوچتے ہونگے کہ ایسا کیوں ہے مترفین پہلا گروہ ہے جو انبیاء کے مقابلے پر میں صف آراء ہوا ہے اور ان کا استدلال بھی یہی تھا (اور حقیقتاً بہت اچھے انداز میں قرآن مجید بہترین اجتماعی معارف کو اس اجتماعی اقتصادی شعبے میں ہمارے لئے بیان کیا گیا ہے)

و قالو نحن اکثر اموالا و او لادا(۱)

ان کا استدلال یہ تھا اور کہتے تھے کہ ہمارے پاس زیادہ پیسہ ہے اور ہمارے رشتہ دار طاقتور ہیں پیسہ اور انسانی طاقت اس بنا پر ہم تمہارے تابع نہیں ہونا چاہتے وہ لوگ معیار کو پیسے پر قرار دیتے ہیں لیکن انبیاء کا جواب یہ تھا۔

قل ان ربی یبسط الرزق لمن یشاء (۲)

رزق خدا کے ہاتھ میں ہے یہ تمہاری فضیلت کا باعث نہیں بن سکتا۔

اسلام کی نگاہ میں اقدار کا معیار

وما اموالکم ولا اولادکم بالتی تقربکم عندنا زلفی(۳)

مال اور رشتہ دار کبھی انسان کیلئے قدر و منزلت اور ارزش نہیں لاتے اور یہ چیزیں کبھی انسان کیلئے وسیلہ تقرب خداوندی نہیں بن سکتیں تم کیا کہہ رہے ہو۔

الأمن آمن و عمل صالحا.

---

(۱)۳۴:۳۵

(۲)۳۴:۳۶

(۳)۳۴:۳۷

ایمان اور عمل صالح بہترین معیار ہیں (ان آیات کو آپ سورہ سباء میں دیکھ سکتے ہیں میں نے آیات کا کچھ حصہ ذکر کیا ہے آپ جا کر مطالعہ کریں اور تفاسیر کو بھی پڑھیں) تاریخ میں مترفین کی زندگی اور انکا طریقہ کار اور قطعی رویہ یہ رہا کہ یہ لوگ انبیاء کے ساتھ مقابلہ کرتے تھے کوئی بھی پیغمبر ایسا نہیں ہے کہ جسکا واسطہ مترفین سے نہ پڑا ہو کیونکہ کلی طور پر قرآن مجید میں آیا ہے ایک دوسرے مورد میں اس مضمون کے ساتھ آیا ہے

وکذلك ما ارسلنا من قبلك فی قریة من نذیر الا قال مترفوها انا وجدنا اباءنا علیٰ امة وانا علیٰ اثارهم مقتدون

جب پیغمبران الٰہی آتے تھے (سب جگہوں پر) مترفین کہتے تھے کہ ہمارے پاس اپنی قومی سنتیں اور طریقہ کار ہیں ہم اپنے باپ دادا کے پیروکار ہیں اور اس پر تیار نہیں ہیں کہ تمہارے نئے طریقہ کار کو اپنائیں یہ کلی امر ہے کہ تمام انبیاء کے ساتھ مترفین نے مقابلہ کیا ہے اب جزئیات میں جاتے ہیں البتہ کلی طور پر اگر بحث کریں تو بہت زیادہ موارد ہیں آپ اگر اس مضمون کی آیات جمع کریں تو شائد پچاس ساٹھ آیات ہونگی مثال کے طور پر یہ آیت ہے

و انطلق الملاء منهم ان امشو او اصبرو اعلی آلهتکم (۱)

ملاء اور مترفین انبیاء کا مقابلہ کرتے ہوئے لوگوں سے کہتے تھے جاؤ اور اپنے بتوں کی پوجا کرو ان لوگوں کے پیچھے نہ چلو۔

حضرت نوح کا مترفین سے مقابلہ

جب میں نے قرآن مجید کی طرف رجوع کیا اور دیکھا تو سب سے پہلا نبی جس نے

---

(۱) ۳۸:۶

مترفین کا مقابلہ کیا (ہمارے لئے تاریخ قابل قبول ہے) وہ حضرت نوح علیہ السلام ہیں تاریخی لحاظ سے حضرت نوح کا دور تاریخ کا ما قبل شمار ہوتا ہے تاریخ کی اسناد اس بارے میں کم ہیں لیکن قرآن مجید کی صورت میں ہمارے لئے ایک مضبوط سند موجود ہے۔

حضرت نوحؑ کے واقعہ کے بعد قرآن مجید میں ذکر ہوا ہے اور اکثر جگہوں پر جہاں قرآن مجید میں حضرت نوحؑ کے واقعہ کا تذکرہ ہوا ہے وہاں مسئلہ، ملاء پر زیادہ زور دیا گیا ہے میں نے ملاء کا ایک بار معنیٰ کیا تھا ملاء یعنی وہ بڑے جن کی آنکھیں بھری ہوتی ہیں جو لٹیرے لوگ ہیں (ان موارد میں ملاء کا معنیٰ استعمال ہوا ہے ان لوگوں کے بارے میں جو جھوٹی اور غیر حقیقی وقار رکھتے ہیں اور غلط معیار کے مطابق چل رہے ہیں) اس مرحلے میں میری مراد وہی ثروتمند پیشہ رکھنے والے لوگ ہیں حضرت نوحؑ جب تشریف لائے

قال الملاء من قومه انا لنريك فى ضلال المبين (۱)

ملاء کہنے لگے ہم تمہیں گمراہ دیکھتے ہیں جنہوں نے حضرت نوحؑ کے ساتھ مقابلہ کیا ہے وہ ملاء تھے پھر اس بارے میں ملتا ہے

فقال الملاء الذين كفروا من قومه ما نريك الا بشرا مثلنا وما نريك اتبعك الا الذين هم ارذ لنا بادى الراى (۲)

ملاء حضرت نوح علیہ السلام سے کہنے لگے ہم تمہارے ساتھ کوئی فرق نہیں رکھتے تم بھی ہمارے جیسے ہو تم پیغمبر ہو ہم دیکھتے ہیں وہ لوگ جو تمہارے ساتھ ہیں پست قسم کے لوگ ہیں اور وہ مستضعفین کا طبقہ ہے

---

(۱) ۷: ۶۰

(۲) ۱۱: ۲۷

حضرت نوحؑ کے مقابلے میں ملاء کا استدلال

ملاء کا استدلال حضرت نوح علیہ السلام کے مقابلہ میں جو اولین پیغمبر الٰہی ہیں جن کا مترفین سے سامنا اس طرح تاریخ میں ہے اور پھر ملاء بات کرتے ہیں حضرت نوح سے کہتے ہیں کہ ہم نہیں چاہتے کہ تمہارے ساتھ آملیں اس حالت میں کہ تمہارے اطراف میں کچھ بے چارے لوگ جمع ہیں

انؤمن لك واتبعك الا رذلون (۱)

وہ لوگ تعبیر ازل استعمال کرتے تھے یعنی محروم لوگوں کو اراذل کے عنوان سے یاد کرتے تھے ان کے مقابلہ میں حضرت نوح علیہ السلام کا جواب یہ تھا کہ میں کیا کروں کہ محروم لوگ مجھ پر ایمان لائے ہیں کیا میں انہیں رد کردوں یعنی اپنے سے دور کردوں ؟ حضرت نوح علیہ السلام کہتے ہیں یا قوم

یاقوم من ینصرنی من الله ان طردتهم (۲)

اگر میں ان کو اپنے سے دور کروں جو میرے ساتھ خدا کی راہ میں مدد کرنے والے ہیں تم لوگ خدا کی راہ میں مدد کرنے والے نہیں ہو تم لوگ تو صرف برتری چاہتے ہو اللہ کا راستہ وہ راستہ ہے جس کے پیچھے اور جس کی تلاش میں حق کے طالب لوگ جاتے ہیں۔

وما انا بطارد المومنین (۳)

---

(۱) ۲۶: ۱۱۱

(۲) ۱۱: ۳۰

(۳) ۲۶: ۱۱۴

میں تیار نہیں ہوں مستضعفین کو فقر کی وجہ سے اپنے سے دور کروں

ویصنع الفلک وکلما مر علیه ملأمن قومه سخروا منه (۱)

حضرت نوح علیہ السلام جب کشتی تیار کر رہے تھے ملاء اور مترفین آتے تھے اور مذاق اڑاتے تھے حضرت نوحؑ کے سامنے آتے تھے

قال الملا ء الذین کفرو ا من قومه انا لنریک فی سفا حة و انالا نظنك من الکا ذبین(۲)

ہم تم کو سفیہ جانتے ہیں ملاء حضرت نوحؑ سے کہتے تھے تم سفیہ ہو اور چاہتے ہو کہ کچھ بے سہارا افراد کو ساتھ لے کر حکومت کرو یہ نہیں ہو سکتا اور ہم تمہیں نادان اور سفیہ سمجھتے ہیں یہ ان لوگوں کا طریقہ کار تھا اس قسم کی آیات بہت زیادہ ہیں اور آپ سورہ اعراف سورہ شعراء اور سورہ ہود اور باقی سورتوں میں ان کو ملاحظہ کر سکتے ہیں

حضرت ہود علیہ السلام کا مترفین سے رویہ

حضرت نوحؑ کے بعد حضرت ہودؑ ہیں اور حضرت ہودؑ کے اطراف میں بھی یہ ملاء والوں کا ایک گروہ تھا

قال الملا ء الذین کفرو ا من قومه ما نریك الا بشرا مثلنا (۳)

حضرت نوحؑ سے جیسی باتیں یہ لوگ کرتے تھے صدیوں بعد حضرت ہودؑ کے ساتھ

---

(۱)۱۱:۳۸

(۲)۷:۶۶

(۳)۱۱:۲۷

بھی وہی طرز ہے قوم عاد وہ قوم ہے جس کے لئے حضرت ہودؑ پیغمبر مبعوث ہوئے تھے

واتبعوا امر کل جبار عنید(۱)

دیکھتے ہیں کہ وہاں بھی حضرت ہودؑ کے مخالفین جبار لوگ ہیں

واذا بطشتم بطشتم جبارین (۲)

حضرت ہودؑ کے مخاطب جبار قسم کے لوگ ہیں کسی حد تک تاریخ کو آگے بڑھاتے ہیں حضرت صالح علیہ السلام جو قوم ثمود کو ہدایت کرنے آئے تھے پھر وہاں بھی یہی باتیں کہی گئیں تھیں

قال الملاء الذین استکبروا من قومه للذین استضعفوا لمن امن منهم أتعلمون ان صالحا مرسل من ربه قالوا انا بما ارسل به مومنون(۳)

واضح طور پر آج بھی آپ کے معاشرے میں مستکبرین اور مستضعفین موجود ہیں یہ تاریخ کتنی شباہت رکھتی ہے کتنے انبیاء کے مکاتب ایک جیسے ہیں کس حد تک یہ راستہ واضح ہے مستکبرین اور مستضعفین جو کہ حضرت صالح علیہ السلام کے ساتھ تھے ان سے مخاطب ہو کر کہتے تھے کیا تم اس شخص کی باتوں پر ایمان لائے ہو؟ وہ کہتے تھے ہاں ہم ایمان لائے ہیں

أُتعلمون ان صالحا مرسل من ربه

کہتے تھے ہاں ہم مومن ہیں

---

(۱)۱۱: ۵۹

(۲)۲۶: ۱۳۰

(۳)۷: ۷۵

(۴)۷: ۷۵

قا ل الذین استکبروا انا بالذی امنتم به کافرون(۱)

ہم تمہاری باتوں کو نہیں مانتے مستکبرین کہتے تھے نہیں یہ بات درست نہیں ہے ہم دیکھتے ہیں یہاں پر مستکبر اور مستضعف دونوں ہیں حضرت لوط علیہ السلام اپنے لوگوں سے مخاطب ہو کر کہتے تھے۔بل انتم قوم مسرفون(۲)

حضرت صالح علیہ السلام کا مقابلہ بھی مسرفین سے ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تاریخ آپ جانتے ہیں زیادہ ان کے پیچھے نہیں جاتے نمرود اور نمرودیوں سے نبرد آزما تھے اور واضح مسائل جو ان کو پیش آئے آپ جانتے ہیں

گران فروشوں سے حضرت شعیب علیہ السلام کا مقابلہ

آگے بڑھتے ہوئے حضرت شعیبؑ کا تذکرہ کرتے ہیں جو کہ تقریباً حضرت موسیٰؑ کی بعثت کے قریب تھے (حضرت موسیٰؑ کی بعثت سے پہلے یا بعثت کے نزدیک اور حضرت شعیبؑ ان لوگوں میں سے ہیں جن کی پناہ میں حضرت موسیٰؑ رہے تھے پھر دیکھتے ہیں کہ حضرت شعیبؑ کا بھی گران فروش لوگوں کے ساتھ تھا ایک اہم ترین بات پر حضرت شعیبؑ زور دیتے تھے اور قرآن مجید نے بار بار تذکرہ کیا ہے حضرت شعیبؑ ان سے مخاطب ہو کر کہتے تھے

فا وفو ا الکیل والمیزان ولا تبخسو ا النّاس اشیاءَ هم و لا تفسدو ا فی الارض (۳)

---

(۱) ے: ۷۶

(۲) ے: ۸۱

(۳) ے: ۸۵

جو لوگ کم تولنے والے یا گرانفروش تھے جواب میں کہتے تھے

قال الملاء الذین استکبرو ا من قومه لنخر جنك یا شعیب و الذین امنو ا معك من قر یتنا او لتعودن فی ملتنا (١)

سردار اور مستکبرین حضرت شعیبؑ سے کہتے تھے یا اس وعظ و نصیحت کرنے سے رک جاؤ ورنہ ہم لوگ تمہیں اور تمہارے ماننے والوں کو اس ملک سے نکال دیں گے ایک اور مقام پر مستضعفین سے کہتے تھے اگر تم اس شعیب کے پیچھے چلے گئے تو ہم تمہیں نقصان پہنچائیں گے اور ان کو دھمکی دیتے تھے حضرت شعیب ان سے کہتے تھے کیوں لوگوں کے راستے پر بیٹھ کر راستہ روکے ہوئے ہو اور انکو دھمکیاں دیتے ہو۔

حضرت موسیٰ اور ملاء

جب حضرت موسیٰؑ کے واقعات کا مطالعہ کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ فرعون کے سامنے ہیں اور فرعون ملاء ہے

قال الملا ء من قوم فرعون انا هذا لساحر علیم (٢)

ملاء نے کہا یہ ساحر ہیں انکی بات کو نہ سنیں ایک اور جگہ سردار حضرت موسیٰ سے کہتے ہیں کہ تم ساحر ہو اور فرعون سے کہتے کہ ان کو اپنے راستے سے ہٹا دیں ورنہ یہ لوگ ملک میں فساد کریں گے

قال الملا ء من قوم فرعون أتذر مو سیٰ و قومه لیفسدوا فی

---

(۱) ۷: ۸۸

(۲) ۷: ۱۰۹

الارض (۱)

کیا حضرت موسیٰ کو مہلت دیتے ہو کہ یہ لوگ زمین پر فساد برپا کریں ان کو جمع کر کے معاشرے سے نکال دو تاکہ ان کے شر سے ہم محفوظ ہو جائیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا شکوہ اللہ تعالیٰ کی بارگارہ میں یہ تھا کہ خدایا تیرے پاس جتنا مال تھا اور دنیا کی جتنی بھی اچھائیاں تھیں تو نے ان فرعونیوں کو دی ہیں کیوں اتنا کچھ ان کو دیا ہے تاکہ لوگوں کو گمراہ کریں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مخالفین ثروتمند اور مال دار تھے

وقال موسیٰ ربنا انك اتيت فرعون وملأه زينةً و اموالا فی الحياة الدنيا ربنا ليضلوا عن سبيلك (۲)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تابعین کے بارے میں ایک بہترین نکتہ ہے

فما امن لموسیٰ الا ذرية من قومه على خوف من فرعون و ملاء هم (۳)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پیروکار بنی اسرائیل میں سے ایک گروہ تھا اس حالت میں کہ وہ فرعون اور سرداران فرعون سے لڑتے تھے خود فرعون سردار (یعنی ملاء) نہیں تھا ملاء تھم ضمیر جمع کے ساتھ آیا بعض مفسرین کہتے ہیں یہ ضمیر جمع حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ذریت کی طرف پلٹ رہی ہے یعنی خود بنی اسرائیل کے اندر بھی سرمایہ دار 'مالدار اور سردار تھے یہ لوگ ایک بہت بڑا خطرہ تھے ان بنی اسرائیلیوں کے لئے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر

---

(۱) ۷ : ۱۲۷

(۲) ۱۰ : ۸۸

(۳) ۱۰ : ۸۳

ایمان لائے تھے یہ ایک تفسیر تھی اس کے بارے میں ہو سکتا ہے کہ ملاء سے مراد فرعون ہو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں بھی آپ جانتے ہیں کہ ان خود ساختہ اشراف اور بنی اسرائیل کے سرداروں کے ساتھ کس طرح مقابلہ کیا اور نتیجتاً انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف اسی طرح سازش تیار کی

پیغمبر اسلام اور ملاء و مترفین

میں نے اپنی تقریر کی ابتداء میں جس آیت کی تلاوت کی تھی اور کہا تھا کہ یہ ملاء مترفین لوگ نبی کے مقابلہ پر تھے اور تاریخ کی بھی یہی بتارہی ہے یہ آیات پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی دینے کے لئے ہیں کہ اے پیغمبرؐ آپ کیوں اتنا دلگیر اور غمزدہ ہیں پوری تاریخ اسی طرح تھی۔

قرآن مجید میں پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں تہدیدات بیان ہوئی ہیں پیغمبر اسلامؐ کی زندگی میں بہترین چیزیں دیکھنے کو نظر آتی ہیں جو آج کی دنیا میں محروم لوگوں کے لئے بطور عام اور ان محرومین کے لئے بطور خاص جو بھارت کی ریاست آسام(۱) میں صفحہ ہستی سے مٹتے جا رہے ہیں حضرت کا اسوہ دنیا کے تمام محروم لوگوں کیلئے ایک روحانی تسلی ہے

---

(۱) خطیب جمعہ کا اشارہ بھارت کی ریاست آسام میں مسلمانوں کے قتل عام کی طرف ہے اس ریاست میں قومی اختلاف کے باعث کئی مسلمانوں کا قتل عام ہوا ہے ایک نامہ نگار نے اس موقع پر (موسم بہار ۱۳۶۲ میں) مسلمانوں کے قتل عام کا آنکھوں دیکھا حال اس طرح بیان کیا ہے کہ ریاست آسام میں حالات تصور سے زیادہ وحشتناک ہیں حقیقت یہ ہے کہ بھارت کے قومی وسائل اور اخبارات اس قتل عام پر سکوت اختیار کیے ہوئے ہیں اور اس کوشش میں ہیں کہ اس واقعہ کے حقائق کو بالعکس دکھائیں اس قتل عام کے نتیجہ میں ریاست

قرآن مجید کی جو آیات سے ایک قسم کی ملامت سمجھی جاتی ہے اور قرآن مجید میں کچھ آیات ایسی بھی ہیں جن سے واضح معلوم ہوتا ہے کہ ایک قسم کا خدا سے مقابلہ ہے میں اس مسئلہ کے بارے میں بیان کر رہا ہوں تاریخ قطعی طور پر کہتی ہے کہ مکہ کے اشراف ثروتمند اور مالدار لوگ پیغمبر اکرمؐ کے پاس آتے تھے اور کہتے تھے اگر آپ چاہتے ہیں کہ ہم آپ کے ساتھ تعاون کریں تو ہمارے اور عام لوگوں میں یعنی فقیر اور غلام طبقہ میں ایک حد معین ہونی چاہیے۔

مختلف تجاویز دی گئیں ایک یہ کہ ہمارا اور ان کا وقت تبدیل ہونا چاہیے ہمیں ان سے علیحدہ وقت دیا جائے اگر آپ چاہتے ہیں کہ ہم بھی آئیں تو محروم طبقہ کے لئے ایک علیحدہ وقت ہو اور ہمارے لئے ایک علیحدہ وقت ہو ایک اور تجویز یہ تھی کہ ان کو اپنے اطراف سے دور کر دیں تو ہم تمام لوگ آپ کے ساتھ ہوں گے اور مسائل کو حل کریں گے۔

شائد پیغمبر اسلامؐ کے بعض احباب کے ذہن میں یہ بات آئے کہ پیغمبر ان کی یہ بات قبول کر لیتے اتنی بری تجویز نہیں تھی یہ فقراء طبقہ ہیں اس وقت ان لوگوں سے کچھ بھی نہیں ہو سکتا ہماری مختصر سی تعداد ہے اور ہمیشہ سے مار کھا رہے ہیں۔ لہذا برا نہیں کہ اس وقت طاقت مند افراد کو لے آئیں اور اللہ کے دین کو جاری کریں بعد میں وہ (غریب لوگ بھی) ہمارے ساتھ

آسام میں مسلمانوں کے گھروں کو جلا دیا گیا۔

ایک اطلاع کے مطابق ہزاروں بچے یتیم ہوئے (بغیر کسی مذمت کے ریاست آسام میں) عورتوں پر تجاوز کیا گیا بچوں کے ان کے والدین کے سامنے سر تن سے جدا کر دیے گئے جو جوان تھے اور مقابلہ پر آئے انہیں سرکوب کیا گیا تمام رپورٹیں، اخبارات اور مجلات میں آئیں اور بین الاقوامی اخباروں میں شائع ہوئی ہیں ان حوادث کو قومی اور نژادی لڑائیوں سے یاد کیا لیکن یہ بات واضح ہے کہ لڑائیوں کی اصل وجہ جو بھی ہو آج کل کے حالات ایسے ہیں زیادہ لڑائیاں ہندو اور مسلمان کے درمیان ہوتی ہیں۔

جمع ہو جائیں گے۔

قرآن مجید کی بعض آیات مختلف انداز میں اس فکر کی سرزنش کرتی ہیں

ولا نطرد الذین یدعون ربھم بالغدوٰۃ و العشے یریدون وجھه(۱)

خبردار اس محروم طبقہ کے لوگ جو اس طرح مخلصانہ طور سے اللہ کی راہ میں کام کر رہے ہیں ان کو (ان طاقتور افراد کی خاطر) اپنے سے جدا نہ کردیں آپ جائیں اور آیات الٰہی کا ملاحظہ کریں تمام مفسرین نے آیات کے شان نزول اور تفسیر کے بارے میں انہی مطالب کو بیان کیا ہے پھر یہی بات ایک شکل میں پیش کی گئی ہے

واصبر نفسک مع الذین یدعون ربھم بالغدوۃ والعشی یریدون وجھه (۲)

خداوند متعال پیغمبر اکرمؐ سے مخاطب ہو کر کہتا ہے صبر کرو تحمل کرو انہی محروموں کے ساتھ رہ جاؤ انہی افراد کے ساتھ رہ جاؤ یہ مت سوچو کہ وہ بڑے لوگ آئیں اور طاقتور ہو جائیں گے ایسا نہیں ہے تم انہی محروم طبقہ کے ساتھ رہ جاؤ سورہ عبس میں (جو قرآن مجید کے آخری جز میں ہے) ایک بہترین نقطہ ہے

عبس و تولی ان جاءہ الاعمی وما یدریك لعله یزکی او یذکر فتنفعه الذکری و اما من استغنیٰ فانت له تصدی وما علیك الا یزکی و اما من جاءك یسعیٰ وھو یخشیٰ فانت عنه تلھی(۳)

---

(۱)۶/۵۲

(۲)۱۸/۲۸

(۳)۸۰/۱۰۔۱

قریشی سرداروں کی میٹنگ اور بوڑھے نابینا کا واقعہ

ایک بہترین واقعہ تھا جو پیغمبرؐ کی زندگی میں اس سورہ عبس کے نازل ہونے کے بعد ہمیشہ لوگوں کی زبان پر تھا اور اس واقعہ کو تاریخ اسلام میں دیکھتے ہیں واقعہ اس طرح ہے کہ پیغمبر اسلامؐ قریش کے سربراہوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے اور بحث کر رہے تھے کہ ان کو کیسے قائل کیا جائے اس دوران ایک نابینا، غریب اور مومن مسلمان اس میٹنگ میں آیا (یہ میٹنگ کہاں تھی معلوم نہیں) یہ نابینا شخص اپنے عصا کے سہارے سے آیا جیسے عام حالات میں پیغمبر سے ملتا تھا دور سے پیغمبر کو مخاطب کرتا ہے

یا محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اقرئنی علمنی ما علمک اللّٰہ

جو کچھ خدا نے تجھے علم دیا ہے مجھے کہو اور سناؤ اس حالت میں پیغمبر خدا قریش کے سربراہوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے ہیں جو اس بات پر بھی تیار نہیں ہیں کہ ان فقراء کی طرف نظر کرم کریں قریش کے سربراہوں نے جب اسے دیکھا تو ان کی حالت درہم برہم ہو گئی یہ منظر دیکھ کر انہوں نے کہا کہ ایسا نہیں ہو سکتا کہ ہم ایسے لوگوں کے ساتھ زندگی بسر کریں ایک چیز جو یہاں پر پیش آتی ہے اور قرآن مجید نے سختی سے اس کا نوٹس لیا ہے وہ یہ ہے کہ کسی شخص کا برا منانا (اس وقت جب یہ غریب جلسے کے اندر پہنچا) اب معلوم نہیں کہ کس نے برا منانا ہو گا اہل سنت کے اکثر مفسرین کہتے ہیں کہ پیغمبر اسلامؐ نے برا منانا ہے اور آپؐ کے ماتھے پر شکن پڑ گئی اور اکثر شیعہ مفسرین خصوصاً علامہ طباطبائی تفسیر المیزان میں فرماتے ہیں کہ یہ پیغمبر نہیں تھے بلکہ حاضرین مجلس میں سے کوئی تھا یہ ایک طویل بحث ہے ہم نہیں چاہتے کہ اس بحث میں داخل ہوں کہ کس کے ابرو پر بل پڑے تھے۔

علامہ طباطبائی کی نظر ہے کہ پیغمبر اسلامؐ نہیں تھے پیغمبر کے ہمراہوں میں سے کوئی

فرد تھااور وہ یہ دیکھ رہا تھا کہ یہ قریش کے سربراہ پیغمبرؐ سے منہ موڑ کر چلے جائیں گے اس وجہ سے اس نے اس غریب مسلمان کے آنے کا برا مانا اور اور اس کے چہرے پر بل آئے اور اس نے نابینے مومن سے منہ موڑا۔ بہر حال اس نے بہت برا کام کیا۔ انہوں نے ایسا کیوں کیا ہمیں معلوم نہیں ہے جو اشتیاق کے ساتھ فضیلت سننے آرہا تھا یہ اس سے روگرداں ہو کر بے اعتنائی کیوں کر رہے تھے اپنے آپ کو کیوں بے نیاز سمجھتا تھے۔

حضرت فکر میں ہیں کہ اسے اپنی طرف متوجہ کریں یہ کون سا کام ہے تم خدا کی مخلوق کے ذمہ دار ہو

اما من استغنیٰ فانت له تصد ی وما علیك الایزکی (۱)

مجھے کوئی شرمندگی نہیں ہوگی کہ یہ لوگ راہ راست پر نہ آئیں

اما من جاء ك یسعی وهو یخشی فانت عنه تلهیٰ(۲)

اس شخص کی بے حرمتی کرتے ہو وہ چہرہ خم کرنے والا کون تھا مسئلہ یہ نہیں ہے میری حث یہ ہے کہ خدا اور قرآن اس بات کا سختی سے نوٹس لے رہا ہے کہ تقویٰ کا معیار محفوظ رہے انسان مال و دولت اور قبیلہ و خاندان کی وجہ سے باعزت نہیں ہوتا۔ خداوند متعال اگر چاہتا کہ ایسا ہو تو تمام لوگوں کے لئے زمین سے آسمان تک سونا خلق کر دیتا خدا تعالیٰ کی ذات کے لئے تو سونا، مٹی، ورخت اور پتھر خلق کرنا کوئی فرق نہیں رکھتا اگر وہ ارادہ کرے تو عام چیزیں زمردبن جاتی اگر ارادہ کرے تو پانی شور ہو جائے اور ارادہ کرے تو پانی شیرین ہو جائے ارادہ کرے تو یہاں جنگل ہو جائے اگر ارادہ کرے تو وہاں بیاباں اور صحراء ہو جائے۔

---

(۱)۸۰/ ۵۔ ۷

(۲)۸۰/ ۸۔ ۱۰

انا جعلنا ماعلی الا رض زینة.(۱)

ایک دوسری آیت میں ہے

ونبلو اکم بالشر و الخیر فتنة (۲)

زمین کی تمام اچھائیوں اور زینتوں کو تمہارے امتحان کے لئے قرار دیا ہے ایسا نہیں ہے کہ آپ انسانیت کے معیار کو مال و دولت کے ہونے اور نہ ہونے میں دیکھیں یہ انبیاء کا مکتب ہے یہاں معیار اور چیزیں ہیں کہ بعد والی مباحث میں معیار بیان کروں گا

فضیلتوں کی بلندی اور معیار میں دین کا کردار

میرے خطبے کی جان اور روح یہ ہے کہ اسلام 'عیسائیت، موسوئیت، شریعت ابراہیمی' شریعت نوح 'حضرت شعیبؑ کے احکامات حضرت ہودؑ اور داؤدؑ کے پروگرام حضرت صالحؑ کے فرامین عرض کیے ہیں۔آپ جس نبی کو بھی دیکھیں ان کے پروگراموں میں یہ تھا کہ انسانوں سے اس انداز میں برتاؤ کریں جو فضیلت 'بلندی اور رشد انسانی میں موثر ہوں تاکہ امکانات مادی کی وجہ سے کوئی ناجائز طور پر اہم عہدوں اور دوسری چیزوں پر قبضہ کر کے لوگوں کو زندہ درگور نہ کر دے اور طاقتور محروم لوگوں کو زیادہ محروم نہ کر دیں بہر حال ان کی خواہش کہ ان غریب لوگوں اہم فیصلوں سے دور رکھا جائے

روحِ اسلام

اسلام کی جان اور روح یہ ہے کہ مال کی غیر صحیح طاقت کو توڑنا۔ جعلی اور مادی قدرت

---

(۱)۷/۱۸

(۲)۲۱/۳۵

کی جگہ انسانیت اور فضیلت کو معیار سمجھنا انسانیت اور فضیلتیں وہ ہیں جو انسان کو تکامل اور کمال تک پہنچاتی ہے تاکہ یہ راستہ بھی کھل جائے تاکہ استعدایں رشدو نمو کریں تاکہ لوگوں کی عظیم استعدادیں ضائع نہ ہوں اور وہ لوگ جو کسی چیز کی بالکل استعداد نہیں رکھتے کسی جگہ پر نہ پہنچ سکیں اور لوگوں کے وسائل کو غصب نہ کر سکیں اور اسراف بھی نہ ہو سکے۔

ہدف یہ ہے (پھر اس بات کو جو میں نے خطبے کے اوائل میں بیان کی تھی تکرار کرتا ہوں) انسان کے ساتھ اسلام کا رویہ مارکیسزم کے رویے سے جدا ہے۔ اس بات کو پھر تکرار کرتا ہوں تاکہ کوئی یہ خیال نہ کرے۔ ہم جو یہ بحث کرتے ہیں ہماری بات اجتماعی طبقہ بندی پر ہے لوگ ہمارے اظہارات سے سوء استفادہ نہ کریں یہ اجتماعی طبقہ بندی تھی حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا (جزیرۃالعرب کی ثروتمند خاتون) جب پیغمبر اکرمؐ کی خدمت میں آتی ہیں تو سیدۃالنساء کا لقب لیتی ہیں اسی طرح فرعون کی قوم میں مومن آل فرعون(۱) جیسی ہستی بھی موجود ہے۔ جو فرعون کے محل میں حضرت موسیٰؑ کے ساتھ تعاون اور مدد کرتی تھی اور اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نجات دلائی تھی اسلام نے ان نمونوں کو پیش کیا ہے حضرت سلیمان علیہ السلام اور ان کی دستگاہ (جس کا نام ملاء کے ساتھ بھی آیا ہے)

یہ ان افراد میں سے ہیں جس کی قرآن مجید نے تعریف کی ہے حالانکہ اس کے پاس وسائل بھی تھے۔ یہاں طبقہ بندی نہیں ہے کہ یہ طبقہ مزدور ہیں۔ بہر حال یہاں طبقہ بندی موجود نہیں ہے یہاں فقط انسان کی بحث ہے لیکن میں نے عرض کیا ہے اس محروم طبقہ میں استعداد و صلاحیت بھی زیادہ نظر آتی ہے کیوں کہ ان کی تعداد زیادہ ہے اور یہ لوگ گمراہ بھی

---

(۱) مومن آل فرعون آسیہ فرعون کی نیک بیوی ہے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دریا میں ڈالا گیا تھا تو فرعون کی بیوی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دریا سے نکالا اور پرورش کی۔

نہیں ہیں۔

مرفہ طبقہ انسان کو کسی حد تک برے کاموں کی طرف لے جاتا ہے

ان الانسان لیطغیٰ ان راہ استغنیٰ (۱)

استغناء انسان کے لئے ایسی حالت وجود میں لاتی ہے اور وہی مسئلہ کاخ نشینی اور کوخ نشینی یا بالفاظ دیگر عمارہ اور فقر جس کو امام خمینیؒ نے بیان فرمایا یہ ایک حقیقت ہے جو یہاں سے نکل آتی ہے۔

اسلام کا معیار تقویٰ

اسلام اس رویہ کو پسند نہیں کر سکتا بلکہ اس کا نوٹس لیتا ہے اور معیار بھی ان چیزوں پر رکھتا ہے جن میں تقویٰ ہو علم ہو فضیلت ہو۔ اگر آپ یہ کہیں کہ مالدار متقی اور صاحب قدر ہمارے سامنے باعزت ہیں (اس لئے کہ وہ مالدار ہیں) ہم ان سے نہیں ٹکرا سکتے۔

اگر آپ ایسا بے تقویٰ غریب دیکھیں جو بہترین کھانے کی خاطر مالدار کے حق میں نعرہ لگانے پر تیار ہے یہ انتہائی بدتر شخص ہے اسلامی تعبیرات بھی یہی ہیں انسانی معیار فضیلت ہے ان میں سے ایک تقویٰ ہے البتہ میں تقویٰ کے موضوع پر ایک خاص بحث بیان کروں گا قدر اور معیار کی بحث کو بعد والے خطبوں میں بیان کروں گا تاکہ اس فصل کو اختتام تک پہنچادوں ان ابحاث میں ایک تقویٰ کی بحث ہے۔

آپ جانتے ہیں اسلام میں مرکزی اور حساس عہدہ کے لئے تقویٰ شرط ہے مقام افتاء سے لے کر مقام ولایت فقیہ تک اور باقی معمولی عہدے بھی شامل ہیں حتیٰ کہ عدالتوں میں طلاق

---

(۱) ۹۶: ۶و ۷

کے بارے میں گواہی دینے میں بھی تقویٰ شرط ہے تقویٰ کا ایک بہت بڑا معیار ہے اور اس معیار کو بھی میں ذکر کروں گا۔

اس خطبہ میں میری بحث کا نتیجہ یہ ہے ہم اسلام میں اقتصادی بحث اور عدالت اجتماعی کو برقرار رکھنے کے لئے کوشش کرتے رہیں میں نے شروع میں کہا تھا کہ یہ ایک جزوی کام ہے اسلام اس کو انجام دیتا ہے اور غاصبانہ ثروت کی طاقت کے پر وبال کو توڑ دیتا ہے اور انسان کو تقویٰ کے معیار کو طاقتور بناتا ہے تاکہ ہم لوگ اپنی ملکی مفادات اپنے منافع اور سود کے مطابق استعمال نہ کر سکیں۔

پینتیسواں خطبہ

عدالت اجتماعی کی بحث کا تسلسل

مارکسزم، صیہونیزم اور شہنشاہی ممالک میں اقتصادی تبعیض

الجزائیر کے انقلاب پر فرانس کا رد عمل

تواضع پر چند باتیں۔ تنگ دست اور ناچار لوگوں کی تحقیر

بزرگان دین کے واقعات، پبلک کلچر کی اصلاح۔

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم قال العظیم فی کتابہ (اعوذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم):ان فرعون علا فی الارض و جعل اھلھا شیعا یستضعف طائفۃ منھم.(۱)

عدالت اجتماعی کی بحث کا تسلسل

گذشتہ ہفتہ عدالت اجتماعی کی اقتصادی بحث کے بابت میں نے کہا تھا کہ لوگوں کیلئے صرف روٹی کپڑا، نوکری اور رہائش کا بندوبست کرنا کافی نہیں (تا کہ ہم عدل و مساوات کے حقوق سے غافل نہ رہیں) اس قسم کی اصطلاحات ہمیشہ خطرات سے پر ہیں کیونکہ جو طبقہ خاصہ مالدار ہے وہ اپنی دولت کے زور پر ملک کے اہم مرتبوں اور عہدوں پر قابض اور قانون پر اثر انداز ہو جاتا ہے آپ جس سے بچنا چاہتے تھے جبکہ آپ اسی میں جا لگے ہیں۔

اسلام نے اس خطرہ اور آفت کا جڑ سے اکھاڑنے کیلئے یہ طریقہ کار تجویز کیا ہے کہ کاذب شخصیت کے مالک افراد کی حیثیت کو ریزہ ریزہ کیا جائے اور ان کو معاشرہ میں اہمیت نہ دی جائے ان سے مراکز اختیار چھین لیئے جائیں اور ضعیف طبقے کی حیثیت بحال کی جائے اور اس اقتصادی تبعیض کے آثار بھی محو کیئے جائیں۔ انہوں نے اس امر کو عملی جامہ پہنانے کے لئے

---

(۱) نساء ۲۸۔

اسلام کا سہارا لیا ہے اور اس کا محور صرف مال و دولت کے زور پر حاصل ہونے والی حاکمیت اور شخصیت کو جاتا ہے۔ وہ لوگ جو انسانی معیار رکھتے ہیں انہیں سیادت اور حکومت دی جاتی ہے اور جو اس سے کم معیار رکھتے ہیں انہیں ان کی حیثیت کے مطابق حق دیا جاتا ہے۔ یہ قاعدہ معاشرتی انصاف کے تحقق میں اہم رکن کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء کے ارد گرد اکثر ضعیف طبقہ کے لوگ ہی تھے وہ مادی وسائل اور سہولیات سے محروم تھے اور ان کے مخالف صاحبان دولت اور بیوروکریٹس تھے۔ ان کے درمیان لڑائیاں در حقیقت ضعیف اور امیر طبقے کے درمیان لڑائیاں تھیں۔

الٰہی مکاتب فکر ان خصوصیت کی وجہ سے دوسرے مکاتب فکر سے جدا ہیں۔ اسی وجہ سے امپیریلزم اور صہونیزم حقیقی مکاتب کے سخت مخالف ہیں مارکسیزم دعوی تو کرتا ہے مگر عملی طور پر وہ بھی مخالفت کرتا ہے۔

شہنشاہی امپریالیزم ممالک میں مالیاتی تبعیض

امپریالیزم (۱) کا بنیادی نعرہ، یورپی ذات اور نسل کی برتری رہا ہے وہ چاہتے ہیں کہ دوسری

---

(۱) یہ لفظ بیسویں صدی میں ان ممالک پر بولا جاتا تھا جنہوں نے ۱۹۰۰-۱۸۸۰ کے درمیان ایشین اور افریقی ممالک پر قبضہ کیا تھا اور ایک وسیع و عریض حکومت تشکیل دی تھی۔ بعد میں لنین نے اپنی کتاب امپریالیزم میں اس لفظ کے لئے اعلیٰ سرمایہ داری کا معنی بیان کیا ہے پھر اس کو مارکسیزم کے نظریات سے پر کیا ہے اس کی نظر میں امپریالیزم پیسہ یا دولت کا چند افراد میں محدود ہو جانے کا نام ہے جس کے لئے پانچ خصوصیتیں ذکر کی ہیں۔

۱۔ ملک کی پیداوار یا سرمایہ کی گردش چند افراد کے ہاتھ اس طرح محدود ہو جاتی ہے کہ جیسے چاہیں، جدھر چاہیں ملک کی معیشت کا رخ بدل دیتے ہیں۔

۲۔اس نے بینک کاری معیشت اور صنعتی معیشت میں معیت ظاہر کی ہے۔
۳۔زر معیشت کا ایکسپورٹ دوسری اشیاء کے ایکسپورٹ کی نسبت زیادہ اہمیت اختیار کر جاتا ہے۔
۴۔سرمایہ دار افراد بین الاقوامی سطح پر اہم مراکز (تجارت) کو اپنے قبضہ میں لے لیتے ہیں۔
۵۔سرمایہ دار ممالک دوسرے ممالک کی سرحد اور حکومت کی تقسیم میں مشغول ہو جاتے ہیں۔

اقوام کو نیست و نابود کریں اسی لئے یہ دوسروں کو پست سمجھتے ہیں اپنے ملک کے اندر ہوں تو مساوات و برابری کے بیز لگاتے ہیں لیکن مساوات کا جو دعوی کرتے ہیں وہ زیادہ تر مارکسیزم کے پریشر اور خوف کی وجہ سے ہے کیونکہ اگر ظاہری طور پر یہ نہ کرتے تو (جس طرح مارکسیزم نے مزدور طبقے کی حمایت حاصل کی ہے) حاصل نہ کرپاتے۔انہوں نے لوگوں کی نوکری، بیمہ پالیسی، رہائش، ورکنگ ٹائم، اور علاج و معالجہ وغیرہ تک کا اہتمام کیا جن کا تعلق حیوانی پہلو سے ہے اس کا تو پورا پورا خیال کیا مگر اقدار انسانی کے حقوق کو (مزدوروں کی زندگی میں) ملحوظ نہیں رکھا گیا بلکہ جان بوجھ کر اسے پردۂ غفلت میں رکھا۔

صیہونیزم اور مارکیسزم کے تفکرات میں تبعیض

صیہونیزم (۱) کا بنیادی نظریہ قومی طبقاتی تبعیض ہے بلکہ یہودیوں میں صیہونیزم کی

---

(۱) صیہونیزم "zionism" یہودیوں کی قومی تحریک کا نام ہے جو سرزمین فلسطین میں آزاد حکومت قائم کرنے کے لیے بنائی گئی ہے۔ صہیون در اصل اور شلیم کی بلندیوں میں واقع یبوسیان پہاڑ کی چوٹی کا نام صیہونیزم بھی اسی سے لیا گیا ہے اس کی مختصر تاریخ یہ ہے کہ دنیا کے تمام یہودیوں نے آپس میں مل کر ایک حکومت بنانے کی فکر پر ایک تنظیم قائم کی اس کا اصل نظریہ نیشنل ازم یا قومی طبقات پر استوار ہے جس کا موجد (بوزژوازی) ایک یہودی ہے یہ نظریہ یورپ میں انیسویں صدی کے آخر میں ظاہر ہوا اب وہ اسرائیلی حکومت کا قومی آئیڈیل ہے۔

مقبولیت کی اصل وجہ بھی ان کا طبقاتی نظام کا منشور تھا یہ بنی اسرائیل کو اعلیٰ قوم سمجھتے ہیں یہاں تک کہ ایک اسرائیلی کا خون دوسری اقوام میں نہیں ملنے دیتے۔

مارکسیزم کا نعرہ بظاہر مزدور طبقہ کی حمائی تھا مگر اس نے بھی وہی مغربی انداز اور ماہیت اپنائی ہے صرف اس کا ظاہری ماڈل اور اسم ورسم کچھ اور رکھا ہے در حقیقت اس نے مغربی نظام بیوروکریٹ کی جگہ پر ایک جدید طیف کو برسرکار کیا ہے جسے کمیونیزم کا سہارا حاصل تھا اس طریقہ سے بیوروکریٹ سسٹم کے علاوہ حکومت وفوج کے تمام اختیارات بھی اسے دیئے گئے یعنی تمام سہولیات اور مراکز قدرت اس جدید طیف کے ہاتھ دیئے گئے ہیں مزید معلومات کے لیے میلوان جیلاس کی کتابوں کی طرف رجوع کریں(۱)

اسی اثناء میں اسلام نے ان کے سامنے علم بلند کیا ہے جو انسانی حقوق اور مساوات کا

بیسویں صدی کے پہلے نصف میں اس تنظیم کو کچھ مقبولیت حاصل ہوئی تھی اس میں سامراج کا دخل سب سے زیادہ تھا خانہ بدوش اور سرگردان مہاجر یہودی، برٹش سامراج کی حمایت کے سایہ میں زندگی بسر کر رہے تھے ۱۹۴۸ میں انہوں نے نقاب دار ٹولے بنا کے فلسطینی اور عرب عوام کا قتل عام کیا اور انہیں دربدر کر کے سرزمین فلسطین میں غاصب اسرائیلی حکومت کا اعلان کیا مخفی نہ رہے کہ اگر چہ کہ صیہونیزم کا اصلی منشور یہاں تک ہی تھا کہ ایک اسرائیلی حکومت قائم ہو مگر اب یہ تنظیم اسرائیل کا اثر ورسوخ بڑھانے کے ساتھ دنیا میں اس کے منافع کی حفاظت کرنے میں جدوجہد کر رہی ہے۔

(۱) (میلوان جیلاس) "milvan,djalas" یوگوسلاویہ کا قلمکار اور سیاستدان تھا دوسری جنگ عظیم میں چھاپہ مار جنگوں کا فعال رکن تھا اور "تیتو" کا قریبی ساتھی تھا۔ جیلاس نے تیتو کی حمایت میں بہت کچھ کیا اس نے یوگسلاویہ کو روسی تسلط سے نکالنے کے لیے بہت جدوجہد کی مگر بعد میں انہی کوششوں کی وجہ سے اسے منزول کر دیا گیا کیونکہ وہ چاہتا تھا کہ تیتو اس کام میں مزید قدم بڑھائے۔ اس نے ۱۹۵۶ میں مجاریوں کے قیام کی حمایت کی اور کچھ مدت کے لیے جیل میں رہا۔ اس نے ۱۹۷۵ میں اپنی معروف کتاب "جدید طیف" کو

خالی دم بھرتے ہیں اسلام نے ان مشکلات کا جڑ سے خاتمہ کیا ہے خواہ انسانی حقوق کی مشکلات ہوں یا اخلاقی اور سوشل مسائل ہوں۔

اقتصادی طبقات کے خاتمہ کے لیے اسلام کا راہ حل

اسلام نے اس مسئلہ پر کڑی تنقید اور سخت مخالفت کی ہے کہ صرف مال و دولت کو حیثیت اور مقام دیا جائے اور با استعداد و باصلاحیت لوگ اس سے محروم رہ جائیں۔ انشاء اللہ اس موضوع پر دونوں خطبوں میں کچھ عرائض بیان کروں گا۔ اب میں اس دور میں موجود چند شواہد پیش کرتا ہوں تاکہ آپ دیکھیں کہ بیوروکریٹ اور سرمایہ دار طبقہ ضعیف طبقات کے ساتھ کیسا گھٹیا سلوک کرتا ہے فرانس کا الجیریا کے انقلاب کے ساتھ رویہ اسکی زندہ مثال ہے آپ اس سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ سرمایہ دار طبقہ کے ہاتھ (اور کلی طور پر ان کی تاریخ) مظلوم اور ناچار انسانوں کی زندگی کے ساتھ کھیلنے میں کس حد تک آلودہ اور ملوث ہیں۔

الجزائر کے ساتھ سرمایہ دار طبقہ کا رویہ

الجزائر کے عوام ایک صدی کے طویل عرصہ تک فرانس کے سامراجی نظام کے نیچے

شائع کیا اس کتاب میں کیمونیزم کی شدت سے مذمت کی گئی تھی۔ جیلاس نے حکومتی اسرار اور رموز کو اپنی کتاب "استالین سے بات چیت" میں فاش کرنے پر دوبارہ جیل چلا گیا۔ یہ کتاب ۱۹۶۲ میں یوگوسلاویہ سے باہر کسی دوسرے مکتبہ سے شائع کی گئی تھی۔ نماز جمعہ کے خطیب محترم کا اشارہ میلوان جیلاس کی کتاب "جدید طبقہ" کی طرف تھا جس میں مارکسیزم ممالک کے اسرار فاش ہوئے تھے آپ لوگ "میلوان جیلاس" کے خاطرات (ڈائیری) اور کتابوں کی طرف رجوع کر سکتے ہیں اس نے تمام حقائق اور اسرار کو (سابق کیمونسٹ یوگوسلاویہ کے دور میں ٹیٹو کے اہم عہدوں کا مالک تھا) بیان کیا ہے۔

استحصال کا شکار ہوتی رہی۔ انہوں نے ایک سو سال کے قریب آزادی کے لیے ایک طولانی جدوجہد کی۔ ان کی تحریک خاص طور پر آخری آٹھ سال میں بہت زور پر تھی (الجزائر کی آزادی کی جنگ آخری سات سال یعنی ۵۴ یا ۵۲ سے لیکن ۶۰ یا ۶۱ تک جاری رہی۔(۱) مغربی سامراج نے حقوق انسانی، تحقیقات اور عدم ٹیکنالوجی کے نام پر ایسے ایسے کام کیے جنہیں دیکھ کر گذشتہ زمانے کے فرعون کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔

قرآن کی یہ آیت واضح طور پر نشاندہی کر رہی ہے

ان فرعون علا فی الارض وجعل اهلها شيعاً يستضعف طائفة منهم (۲)

ڈیکٹیٹر شپ کی ذات اور ماہیت اور اشراف گیری کا مزاج بھی یہی رہا ہے (جو اوپر ذکر کیا ہے) صرف نام اور شہرت بدلتی رہی ہے فرعون نے ناحق زمین پر تکبر کیا اور لوگوں میں جھوٹی

---

(۱) الجزایر شمالی افریقہ کا ایک مستقل ملک ہے جو ٹیونس، لیبیا، موریطانیہ اور صحارا و مراکش کے درمیان دریای میڈیٹرانہ کے ساحل پر واقع ہے ۱۸۶۵ء میں ناپلیئون سوم نے اسے فرانس کا حصہ قرار دیا تھا اور ۱۹۶۲ء میں آزاد اور مستقل ملک بن گیا۔

فرانسیسی الجیریا کے ذخائر سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کرنے کے لیے چاروں ہاتھ پیر سے ٹوٹ پڑے تھے لیکن الجیریا کے عوام نے ان کا سخت مقابلہ کیا۔ ۱۹۴۷ء میں الجیریا کی قانون ساز مجلس قائم ہوئی جس کا کام داخلی مسائل کا جائزہ لینا اور مشکلات کا حل کرنا تھا اسی کے ضمن میں اہم عہدوں اور منصبوں کا مسلمانوں کے پاس آنے کا امکان بھی زیادہ ہو گیا۔ ۱۹۵۴ء میں قومی حصول آزادی موومنٹ (جو الجیریا کی سب سے بڑی قومی موومنٹ تھی) نے فرانس کے خلاف اعلان جنگ کیا جب ۱۹۵۶ء میں جنرل دوگل فرانس کا وزیر اعظم منتخب ہوا اس نے الجیریا کے لیے کئی راہ حل تجویز کیئے مگر عوام نے کسی ایک کو قبول نہ کیا۔

(۲) نساء ۲۸

اور کاذب حیثیت بنائی عوام کو ٹولوں اور گروہوں میں بانٹ دیا اور بعض کو زبردستی ذلیل وخوار کیا۔؛ يستضعف طائفة منهم "بتایا جاتا ہے کہ یہ ٹولہ بندی بعض کو معزز اور بعض کو ذلیل وخوار کرنے کی خاطر تھی اسی کے ذیل میں ارشاد ہوتا ہے"انہ کان من المفسدين "اصولاً یہ فرعونوں کی خصلت تھی۔ کل بھی بیوروکریٹ یہی کررہا تھا آج بھی یہی کررہا ہے امپریلیزم کی ساری تاریخ اسی طرح ہے بدقسمتی سے مارکسیزم کا حشرونشر بھی اسی طرح رہا (البتہ میں افسوس اس لیے کررہا ہوں کہ ان کا دعوی کچھ اور تھا ورنہ ان کی الحادی خصلت کا نتیجہ یہی تھا) فرانسویوں نے آزادی کے دوران علاقائی اشخاص کی حیثیت اور امپر یلیسی (بلکہ کلی طور پر انسانی اقدار اور شخصیت) کے خاتمہ کے لیے بہت ماہرانہ اور ریاکارانہ کھیل کھیلا یہ سب کچھ اس لیے کرتے تھے کہ آزادی کا جذبہ ختم کریں اور آزادی کی تحریکوں کو روک سکیں۔

جس وقت الجزائر میں فقر وقحط عروج پر تھا، فساد ہر طرف پھیل رہا تھا لوگ ایک دوسرے کے جان مال وناموس پر حملہ کرتے تھے (البتہ ایک مظلوم اور فقیر سوسائیٹی کا ناچار حصہ عوام ہے) تو یہ ان کی توضیحات کرنے لگے اسی کے ضمن میں اپنی غارتگری کو چھپانے کی کوشش کرتے رہے تاکہ عوام سے آزادی کا شور وشوق چھین سکیں یہ تمام ٹیکنالوجی اور سائیکولوجی ریسرچ کے نام پر کرتے تھے۔

الجزائر میں جرم وفساد کی وجوہات

فرانسیوں کی طرف سے پروفیسر "پورو(۱)" اس نے ایک شخص کی نگرانی میں ایک

---

(۱) پروفیسر آ۔پورو"(A.porat) الجیریا کی بیالوجی اکیڈمی کے شعبہ نفسیات کا استاد تھا اس نے سفید فاموں اور سیاہ فاموں کے مغز کے درمیان فرق کا نظریہ پیش کیا تھا مگر اب یہ نظریہ بالکل رد ہو چکا ہے۔

ریسرچ کمیٹی قائم کی تا کہ شمالی آفریقہ میں جرائم کے علل واسباب کا جائزہ لیں۔

مختلف گروپ اس تحقیقات میں کام کرتے تھے اس کام کی مدت تقریباً تیس سال معین کی گئی تھی اس عرصہ کے دوران کچھ مقالہ جات لکھے جاتے اور تدریس کیئے جاتے تھے الجیریا کی بیالوجی اکیڈمی میں سات سال وقت صرف کر کے جو چیزیں درسی نصاب میں شامل کی گئی تھیں ان پر تھوڑی سی نظر ڈالتے ہیں۔

فرانسیسوں نے اپنی تحقیقات کا نتیجہ یہ نکالا کہ افریقی باشندہ (سیاہ فام) آدھا انسان ہے تکوینی اصول کے مطابق وہ مکمل انسان خلق نہیں ہوتا اور زیادہ تر ان باتوں کو شمالی افریقہ پر لاگو کیا اور مزید کہا کہ شمالی افریقہ کے لوگ فطرتی طور پر وحشی اور منحرف ہوتے ہیں (شمالی افریقہ پر اس لیے زور لگا رہے ہیں کہ آزادی کے نعرے سب سے پہلے یہیں سے بلند ہوئے) یہ لوگ ہسٹریا (hysteria) مالیخولیا یا اعصابی تشنج کے مریض ہیں جس کے نتیجہ میں اس طرح کے حرکات ان سے سرزد ہوتے ہیں۔

معلوم نہیں اس تحقیقاتی گروہ نے کون سے شواہد اور دلائل کی بنا پر یہ باتیں کہی ہیں اور پھر انہوں نے درجنوں کے حساب سے مقالہ جات چھپوائے ! نجانے ان مجلات، اخبارات وجرائد اور تحقیقاتی میگزینوں میں کیا کچھ تحقیق کے عنوان سے لکھا گیا۔

۱۹۱۸ میں ان کی تحقیقات کے ابتدائی نتائج نشر ہوئے اور فرانس کی علمی میگزینوں میں شائع ہوئے۔ اس کے انیس سال بعد ۱۹۳۹ خود پورو نے اپنی تحقیقات کا نتیجہ یوں لکھا بیان کیا : ہمیں اپنی تحقیقات کے نتیجہ میں معلوم ہوا کہ شمالی افریقہ کے لوگ حرکات وسکنات میں زیادہ تر دفاع کے دیاسفال (diamphall) حصہ سے متاثر ہوتے ہیں اور کر تکس کا حصہ (CECCDA) جو ذہانت اور ہوش کا حصہ ہے ان میں ناکارہ ہوتا ہے۔

علم و ٹیکنالوجی اور سامراج

علم، یونیورسٹی، ٹیکنالوجی اور ریسرچ کو سامراج نے اپنا آلہ کار بنایا ہے پورو کہتا ہے الجیریائی یا شمالی آفریقہ کے عوام کی اگر تشبیہ دی جائے تو یہ مفصل حیوانات سے شباہت رکھتے ہیں

انہوں نے جوڑدار جانوروں کو انسان اور غیر انسان میں تقسیم کیا ہے پھر آگے کہتے ہیں انسان کی نشو ونما زیادہ تر دفاع کے کریکٹس حصے سے متاثر ہے لیکن حیوانات میں یہ کام دفاع کے دیاسفال حصے سے ہوتا ہے پورو کے فقرات یہ ہیں: شمالی آفریقہ کے باشندے دیاسفال سے متاثر ہیں کیونکہ صرف دیاسفال کے سلولز ان میں موجود ہوتے ہیں اور جو کریکٹس بنانے والے سلولز ہیں وہ ان میں بہت کم پیدا ہوتے ہیں۔

ایک اور اسکالر "کاروٹر" پورو سے بھی آگے بڑھتا ہے وہ کہتا ہے آفریقی جماعت اگر تکامل کے اعلیٰ مراحل طے کرے اور کامل ہونے پر بہت زور لگائے تب وہ اس یورپی کی طرح ہوگا جس کا آدھا دماغ نہ ہو(۱) ملاحظہ فرمائیں ان کی افریقی انسان کے بارے میں یہ ذہنیت ہے۔

افریقہ قدیم الایام سے جانی پہچانی سرزمین تھی یہ سرزمین ہر قسم کی نعمت سے بھرپور تھی معدنیات سے لیکر نموصیات تک ہر چیز اس سرزمین میں موجود تھی ہے اس لئے یورپ کیلئے

---

(۱) ڈاکٹر کاروٹر ایک ماہر نفسیات ہے جس کی کتاب نیچرل سائیکالوجی اور افریقی مرض ہے اس نے اپنے مشاہدات اور تحقیقات کے نتائج اسی عنوان کے تحت ۱۹۵۲ء میں شمالی افریقہ میں چھپوائے۔

کاروٹر اس کتاب میں لکھتا ہے افریقی فرد اپنی پیشانی کے تحتانی حصے سے بہت کم کام لیتا ہے اس کی تمام سائیکالوجیکل حرکات وسکنات کو دن اور آلس زدہ پیشانی کی وجہ سے ہے کاروٹر اس بات کی زندہ مثال کے ساتھ وضاحت کرنے کیلئے کہتا ہے کہ ایک سالم و کامل افریقی باشندہ ایسے ہے جیسے ایک آدھے دماغ والا یورپین ہے۔

یہ بہت اہم تھی ایک تو جزیرہ وریتر لنہ سے یورپ کے بالکل قریب ہے اور مغربی افریقا سے بھی براستہ اٹلانٹک بحر عظیم یورپ کے بالکل قریب ہے اور یہ ذخیرہ بے خطر بھی ہے لہذا اسے چھیننے کیلئے سب سے پہلے ضروری تھا کہ ان لوگوں کو اچھی طرح غلامی میں جکڑے دیں سکولوں کالجوں میں وہی سبق پڑھیں جو ہماری مرضی ہو ایسے احساس کمتری کے شکار ہو جائیں کہ اپنے آپ کو ایک حیوان سے بالاتر نہ سوچ سکیں۔ اگر کبھی سوچنے کی خواہش کرے تو ایک آدھ مغز یورپین سے زیادہ نہ سوچے گا اور یہ سب کچھ اس نصاب میں شامل تھا جس کو الجیریا کی یونیورسٹیوں میں پڑھایا جاتا تھا۔

۱۹۵۶ء ایک فرانسیسی عدالت کا چیف جسٹس یوں اپنے خیالات کا اظہار کرتا ہے وہ کہتا ہے: الجیریا کا انقلاب در حقیقت افریقیوں کی مالیخولیائی ری ایکشن کا نتیجہ ہے (۱)۔

مزید کہتا ہے کہ فرانس کی وزارت صحت کی سب سے بڑی غلطی یہ تھی کہ انہوں نے الجیریائی نوجوانوں کیلئے ورزشی سہولیات کا کوئی بندوبست نہیں کیا تھا اگر انہیں باکسنگ، کبڈی و کشتی وغیرہ جیسی ورزشوں میں مشغول کر دیتے پھر کبھی بھی اسلحہ اٹھانے، چلانے اور پہاڑوں پر گوریلا ایکشن کرنے کی نوبت نہ آتی۔

یہ ہیں فرانسیسی عدالت کے خیالات جو اپنے آپکو منصف مزاج کہتے ہیں! یہ کہتے ہیں کہ الجیریا میں بھوک اور افلاس، لوٹ مار اور جھگڑے ان کی ذاتی طبعیت اور خصلت ہے۔

فرانسی (۱) قانون الجزائر کے انقلاب کی جانی پہچانی شخصیت ہے ان تمام باتوں کی اصل غرض کو انقلاب کے دوران بیان کرتا ہے اور عوام کو متنبہ کرتا ہے مثلاً کہتا ہے :- انقلاب کے

---

(۱) فرانسیسی محکمہ وعدالت کے نزدیک الجیریا کا چڑاچڑاپن در حقیقت گھڑسواری کی تاخت وتاز اور کمان چلانے اور نصب اندازی کی وجہ سے ہے۔

فراز و نشیب میں جب ایک کسان دیکھتا ہے کہ اس کے گاؤں سے ایک چھاپامار مجاہد گزر رہا ہے تو وہ اپنی سواری دن رات کا کھانا اور سب کمائی اسے پیش کر دیتا ہے رات کو خود چوں سمیت بھوکا سوتا ہے دن کو سواری کے بجائے اپنے کندھے پر اپنا سامان اٹھاتا ہے یہ سب کچھ اس لئے کرتا ہے کہ چھاپامار مجاہد کو اپنے مشن میں احساس تنہائی نہ ہو۔

آخر میں کہتا ہے یہ ایثار و فداکاری کہاں سے آئی ہے کیا الجزائر کے عوام اس احساس کے بغیر اپنے انقلاب میں کامیاب ہوئے ہیں۔ یہاں آپ کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ سرمایہ دار اور جاگیر دار حکومتوں کا ایک غریب و مظلوم انسان کے ساتھ کیسا رویہ تھا یہ وہی ہیں جو حقوق انسانی کا نقاب پہنے ہوئے ہیں اور اپنے ملک کے انقلاب (فرانس کا انقلاب) کے لیڈر کہلواتے ہیں۔ یہ وہی ہیں جو اپنے کو عوام کی حامی بھرنے والے اور عوام کا درد رکھنے والے کہلواتے ہیں کیا یہ جھوٹ نہیں حالانکہ انسان کی شخصیت کو محروم عوام میں چکنا چور کر دیتے ہیں لاچار اور مستضعف انسانوں سے ان کی حیثیت و ہویت چھین لیتے ہیں صرف یہی نہیں بلکہ اس کے آگے بن لگا دیتے ہیں کہ تمہارا حق یہی ہے اس سے زیادہ نہیں۔

یورپین درندگی کا جواز

سب جانتے ہیں امریکی اور یورپی جب ہمارے ممالک میں آتے تھے (شاید اب بھی ایسے ہو) تو ہم ان کو کچھ اعلیٰ حقوق کے حق دار سمجھتے تھے یہ حق اسی طرح ہے جیسے ہماری پولیس پس ماندہ اور صحرائی علاقے میں اضافی کمیشن لیتی ہے۔ البتہ وہ یہ کام اپنے باشندوں کیلئے جو مسلمان ممالک میں رہتے ہیں سرکاری اور قانونی طور پر کرتے ہیں۔ اس طریقہ سے عوام کی حیثیت شکنی کرتے ہیں افسوس یہ کہ یورپ میں گئے ہوئے افراد بھی انہی باتوں کی تلقین کرتے ہیں۔ اس وقت انہوں نے ہمارے لوگوں کے ذہن کو ایسے واش کیا تھا کہ ہم ملکی سطح کے تمام

اہم کام خود کرنے کی ہمت اور صلاحیت کا سوچ بھی نہ سکیں وہ سمجھتے تھے کہ سب کام صرف یورپی اور ان کے نمک خوار کر سکتے ہیں۔ یہ خود ایک بہت بڑا ظلم تھا جو سامراج نے ہمارے عوام پر ڈھایا اور اس سے بھی بڑا ظلم یہ کہ بھوک افلاس اور تنگی کے عالم میں ان سے انسانیت چھین لیں اور راہ کو دھندلا کر دیں۔

طبقاتی نظام کے ساتھ اسلام کا رد عمل

اب حکومتی فکر اور خصوصاً دین مبین اسلام ان کے مقاصد کے عین مقابل میں ہے اسلام کے نزدیک مسخ شدہ انسان وہی ہے جو مال و دولت اور ثروت میں عیش و نوش میں گزار رہا ہوتا ہے اور گمراہ و سرگردان اسی کو جانتا ہے جسکی عقل مقہورِ شہوت ہو اور محرومیت و فقر کو کمال کے راستے میں کوئی رکاوٹ نہیں سمجھتا۔ یہاں تک ہم نے پچھلے خطبے میں کہا تھا کہ اسلام کی حکمت عملی یہ ہے کہ محروم اور لاچار انسانوں کو شخصیت اور حیثیت دے اور سامراج و بیوروکریٹ کے حرص و طمع کا خاتمہ کرے اس کا مطلب یہ نہیں کہ ان سے شخصیت چھین لے بلکہ وہ ایک متعادل اور اوسط طبقہ کی طرح ہیں اسلام ان کی حمایت کرتا ہے پھر ان کے اور فقراء کے درمیان کوئی فرق نہیں رکھتا وہ بھی صاحب فضل اور انسانیت کی خدمت میں رہ کر کمال کے درجات حاصل کر سکتے ہیں اسلام صرف ان کی زیادہ طلبی اور غیر قانونی مطالبات کو دبانا چاہتا ہے اور اس طرح کی پالیسی اسلامی مباحث میں تواتر کے ساتھ دیکھ سکتے ہیں۔

مثال کے طور پر اخلاق کے باب تواضع کو پڑھیں سب روایات کہتی ہیں کہ کس کے سامنے تواضع اور احترام کریں اور کس کے سامنے استوار اور بے توجہ رہیں معاشرتی آداب کے ابواب کو دیکھیں اور مطالعہ کریں ہماری کتب اس قسم کے مطالب سے بھری ہوئی ہیں خصوصاً طلاب اور فضلاء کو تاکید سے کہتا ہوں تاکہ اپنے افکار اس قسم کے مسائل کے حل میں مشغول

چیزوں میں برابر ہیں، لیکن اسلام کی ارزش گذاری میں مسئلہ امتیاز بھی ہے یعنی اسلام میں بھی ممتاز طبقات ہیں، لیکن نہ اسطرح کہ ظالمانہ طبقات ہوں، علماء ہیں، مجاہدین ہیں، اور بہت سی امور کہ ان کو عرض کرتا ہوں۔ اسلام نے معاشرے کی طبقہ بندی کی بنیاد کو اقدار و معیار پر استوار کیا ہے ان اقدار کو بھی عام کیا ہے اور تمام لوگوں کے اختیار میں رکھا ہے تاکہ سب لوگ ان اقدار کے حصول کی کوشش کریں۔

علم کی قدر، اسلام کا انتخاب

ہم نے کہا تھا اقدار میں سے ایک قدر و معیار علم ہے اور میں نے اشارہ کیا تھا کہ یہ اسلام کا حُسن انتخاب کہ سب سے پہلا انسانی امتیاز علم پر کو قرار دیا ہے اور میں نے کہا تھا کہ اصلاً انسان کی موجودیت کو علم کے ذریعے سمجھا جا سکتا ہے۔

اگر انسان سے علم اور عقل کو چھین لیا جائے تو پھر یہ تمام حیوانات سے پست تر ہے، کیڑوں سے بھی پست تر ہے، لیکن اگر انسان کو عقل و خرد کے ذریعے عمل کے ساتھ تکامل دیں اس وقت انسان اپنے مقام اور منزلت کو کسب کر سکتا ہے، آپ جانتے ہیں کہ ہم لوگ بہت سے غرائز میں حیوانات سے پست تر ہیں، لیکن اپنی عقل کے ذریعے ان سے آگے ہیں، ہم لوگ ان کی طرح نہیں بھاگ سکتے، لیکن ایسی گاڑی اختراع کر سکتے ہیں تا آہو کا باپ بھی ہمارا پیچھا نہ کر سکے، یا ہم کبوتر کی طرح پرواز نہیں کر سکتے

لیکن ایسا طیارہ اختراع کر سکتے ہیں، جو اس سرعت کے ساتھ عبور کرتا ہے ہم وہیل مچھلی کی طرح سمندر میں حرکت نہیں کر سکتے، لیکن ایسی آبدوز بنا سکتے ہیں، جو سمندروں کی گہرائی کو تسخیر کر سکے۔ البتہ دنیا اسی طرح ہے کوئی نہیں جو علم کا مخالف ہو۔

لیکن اسلام نے بھی علم پر زیادہ زور دیا ہے، کیونکہ انسان کی حقیقت تک پہنچنے کا واحد

ہو اگر خیال کرے کہ یہ کام اسلامی دستورات اور نیک کاموں میں سے ہے تو اس کا سارا ایمان ضائع ہو جاتا ہے۔ پہلی صورت میں شخص اپنے کیئے ہوئے پر ایمان نہیں رکھتا اس کو برا سمجھتا ہے مگر دوسری صورت میں شریعت اور اسلام کی روح کو سرافکندہ اور پست کرتا ہے۔

تنگدستی کی خاطر فقراء کی تحقیر

یہاں تک جو ہم نے سرمایہ دار کی عزت و احترام کے بارے میں کہا ہے یہ اسلام کی تعلیمات کی روشنی میں تھا لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ جو شخص سرمایہ دار اور مالدار ہو اس کے ساتھ بے احترامی کی جائے اور جو فقیر ہیں ان کو تاج سر بنایا جائے۔ (یہاں وقت کے ساتھ توجہ کی اپیل ہے کیونکہ گھریلو مسائل اور سماجی ابحاث میں اس کے نتائج خاصے اثر انداز ہیں)۔

یہاں تفصیل سے عرض کرتا ہوں کہ اگر کوئی فقیر اور تنگ دست چوری کرے تو اسے سزا دی جائے گی اسی طرح اگر کسی کی توہین کرے تو بھی اسے سزا دی جائے گی اور معاشرہ میں بے قدری سے دیکھا جائے گا یہ صحیح ہے لیکن اگر صرف ناچاری کی بنا پر ہتک حرمت کی جائے اور اسکی حیثیت کو داغدار کیا جائے یہ ظلم اور ناانصافی ہے اور ایسا ظلم ہے جسے خدا کبھی بھی معاف نہیں کریگا۔

یہاں پر میں چند ایک روایتیں پڑھ رہا ہوں آپ سماعت فرمائیں بہت عجیب روایتیں ہیں باقی کے لوگ ممالک بھی غور کر سکتے ہیں بالخصوص مارکیست غور سے توجہ کریں اس طرح یورپین، فرانسیسی اور آمریکی لیڈر جو بڑے بڑے دعوے کرتے ہیں وہ بھی غور کریں

رسول پاکؐ نے فرمایا:۔

من استخف لفقير مسلم فقد بحق الله .والله يستخف به يو م القيامة الاان يتوب

جو شخص کسی غریب مسلمان کو گھٹیا نگاہ سے دیکھے اس کے ساتھ اچھا سلوک نہ کرے اس نے خدا کی بے حرمتی کی ہے حدیث کا خاص زور اسی پر ہے کہ اس نے خدا کی توہین کی ہے اس نے مقام الوہیت کی ہتک کی ہے در حقیقت خداوند عالم نے اپنا ایک حق لوگوں کو دیا ہے جسے حقوق الناس کہتے ہیں اگر اس کی رعایت نہ کریں تو انبیاء اور اولیاء کا اصل مشن ضائع ہو جائے گا اسلام معاشرہ کی حقیقی عزت و حیثیت چاہتا ہے جھوٹے اور بناوٹی رعب و دبدبہ اور مقام و حیثیت جو مال و دولت اور اسلام نے پیسے کے زور سے حاصل کیا گیا ہو اس کی سخت مخالفت اور شدید نکتہ چینی کی ہے کیونکہ اس طرح کی حیثیتوں کا سرچشمہ حب دولت، سرمایہ اور جاگیر داری ہے لہذا اگر کوئی فقیر کے فقر کی بنا پر اس کی توہین کرے تو اللہ تعالیٰ بھی قیامت کے دن اسکی توہین کریگا اور تمام لوگوں کے سامنے اس کو رسوا کرے گا جب تک توبہ نہ کرے۔

ایک اور روایت میں رسول پاکؐ نے فرمایا :-

من استذل مومنا او حقره لفقره و قلة ذات يده شهره الله يوم القيامة على رؤ س الخلائق

کوئی شخص اگر مسلمان فقیر کی ذلت اور توہین کا سبب بنے صرف اس وجہ سے کہ وہ فقیر ہے تو وہ (قلة ذات يده) تنگدست ہے اللہ تعالیٰ بھی قیامت کے دن اس کو ایک دھتکارے بندے کی طرح لوگوں کے سامنے لائے گا اور کہے گا :- یہ وہی ہے جو ہمارے بندے کو فقر اور لاچاری کی وجہ سے گھٹیا سمجھتا تھا اور اب ہم اس طرح اس سے بدلہ لیتے ہیں۔

مومنین کی تحقیر

امام صادق علیہ السلام نے فرمایا :-

لاتحقروا مومنا فقيرا فان من حقر او استخف به حقر الله و لم

یزل ماقتا له حتیٰ یرجع ان یحضره او یتوب

خیال رکھنا کسی فقیر مومن کی تحقیر نہ کرنا کوئی بھی ایسا کرے تو خدا اس کی تحقیر کرے گا اور اس کے ساتھ ہمیشہ غضب کرے گا جب تک توبہ نہ کرے۔

ایک دفعہ نبی پاکؐ خطبہ دے رہے تھے تو کسی کے متعلق فرمایا:-

من اهان فقیرا مسلما اجل فقره واستخف به فقط استخف با لله

یعنی کوئی بھی کسی مومن فقیر کی تحقیر اور توہین کرے اور اسے نفرت سے دیکھے تو اس نے خدا کی توہین کی ہے (یہاں خدا کے حق کو پس پشت نہیں ڈالا بلکہ خود خدا کی تحقیر کی ہے یہ بہت بڑی بات ہے) خدا کی حیثیت اور عظمت کی توہین اور تنقیص ہمارے بس میں نہیں انتہائی خیال کریں کسی مومن کا دل سرد مزاجی یا بے توجہی کی وجہ سے نہ ٹوٹ جائے۔ خدا کے نزدیک پسندیدہ معاشرہ، حکومت اور حیثیت و مقام وہ ہے جو عدل و مساوات کے اصول کے مطابق ہو اگر لوگوں کے فقر کی وجہ سے توہین کرے تو وہ اس کا آہستہ آہستہ خود باختہ ہو جائیں گے معاشرے کا شیرازہ بکھر جائے گا یہ ہیں خدا کی تحقیر کے آثار و نتائج۔

ولم یزل فی غضب الله ایک فقرہ ہے جو لم یزل ماقتا له دائماً کے مترادف ہے یعنی خدا کے غضب و سختی میں گرفتار رہے گا جب تک وہ راضی نہ ہو جائے حتیٰ یرضیه

خدا کی خوشنودی

اس کے برعکس جو شخص کسی فقیر مومن یا مسلمان کی عزت و احترام کرے لقی الله یوم القیامة و هو یضحک الیه خدا کو اس حال میں نظارہ کرے گا جیسے خدا اس کے لیے مسکرا رہا ہے (البتہ اس مسکراہٹ کی کیفیت اور حقیقت کیسے ہے یہ اس وقت معلوم ہو گا جب

محشر کا دن برپا ہوگا اور ہم بھی نیک انسانوں میں سے ہونگے اس وقت روشن ہوگا کہ خدا کی خوشنودی اور مسکراہٹ کا ظہور کیسے ہوگا) انسان محسوس کرے گا اس کے اردگرد مکان اور دیوار لطافتیں اور ظرافتیں سب مسکرا رہے ہیں مگر اس کا ادراک اور ظہور کی کیفیت معلوم نہیں البتہ یہ خود انسان کیلئے بہت شغف آور کہ خداوند عالم اس کے لیے مسکرائے من بغى على فقير او تطاول عليه

اگر کسی فقیر مومن پر ظلم کرے اس کے ساتھ جارحانہ سلوک کرے اس کی شخصیت کی تنقیص کرے تو اللہ تعالیٰ بھی قیامت کے دن اس کو ایک چیونٹی کی طرح خلق کرے گا۔ یہ روایات کا کچھ حصہ ہے اور یہ مضمون جس کے مطابق میں نے چند ایک روایات بیان کی ہیں یہ مضمون تواتر (۱) کے ساتھ ہماری روایات میں ملتا ہے حد اقل تواتر معنوی یعنی انسان کسی قسم کا شک نہیں کرتا کہ یہ روایات معصوم سے نقل کی گئی ہیں یہ ہمارا اسلام ہے البتہ تمام انبیاء کے مکاتب اور راستے یہی ہیں اگر کسی شخص کے پاس مال ہے اگر حقیقتاوہ کسی شخصیت کا مالک ہے (۲) اس کی شخصیت محفوظ رہنی چاہیے اگر کسی کی شخصیت نہیں ہے تو وہ کچھ بھی نہیں ہے

---

(۱) حاشیہ متواتر احادیث وروایات ہیں جو چند واسطے کے ساتھ کسی ایک معصوم سے نقل کی جائیں۔

(۲) شخصیت افراد کے کردار اور گفتار کے پائیدار عنصر سے کسی شخص کے وجود کی عام حالت کو کہتے ہیں وہ چیز جو اس کو دوسروں سے جدا کرتی ہے ہر شخص اگر چہ ثقافتی لحاظ سے اپنے گروہ کے تمام افراد کی شبیہ ہے لیکن اس کے باوجود تیزی کے ساتھ اور خصلت کے ساتھ افراد میں منحصر ہے اور اپنے زندہ تجربوں سے دوسروں سے جدا ہو جاتا ہے محققین کی نظر میں انسانی شخصیت یا تو جسمانی ڈھانچے کے توسط سے وراثتی ہوتی ہے یا معاشرتی ہوتی ہے اور عوامل اس میں موثر ہوتے ہیں سب سے پہلے آگاہانہ جلوہ شخصیت کیلئے تین سال کی عمر میں ظاہر ہوتا ہے ان حالات میں جب بچہ 'میں' اور میرا مال کے کلمات کو ادا کرتا ہے اس حالت میں وہ اپنے آپ کو دوسروں سے جدا کرتا ہے اور بڑوں کے مقابلہ میں مخالفت کے ساتھ اپنے آپ کو دکھاتا ہے۔

ایک مرتبہ میں نے عرض کیا تھا کہ مشکل ہے انسان مالدار ہو اور اپنی حفاظت کر سکے کیونکہ پیسہ انسان کیلئے شہوت کا باعث بنتا ہے اور زیادہ شہوت انسان کو منحرف کرتی ہے۔ البتہ اگر لوگوں کے حقوق کو ادا کرے اور ہمیشہ حقوق الہی کے ادا کرنے کیلئے تیار ہو اور اہل ایثار سے ہو اس لحاظ سے مالدار ہونا کوئی حرج نہیں اانسان کے پاس عمدہ ہو اور مالدار ہو اور خدا کی راہ میں خرچ کرے۔ اسکو دوسرے خطبے میں (کام کی بحث میں) بیان کروں گا۔ بہر حال اسلام کے پیشوا اپنی زندگی میں ہمیشہ اس کا خاص خیال رکھتے تھے کہ مستضعف اور محروم طبقہ کو فوقیت دی جائے اور جھوٹی شخصیتوں کو ختم کر دیا جائے۔

امیر المومنینؑ کی زندگی کا ایک واقعہ

میں آج حضرت علی علیہ السلام کی ولادت باسعادت کی وجہ سے (جو گزشتہ ہفتہ تھی) کوشش کرتا ہوں کہ حضرت علی علیہ السلام کی زندگی کے کچھ واقعات بیان کروں۔

ایک صحابی امیر المومنینؑ کی خدمت میں آیا اور کہا مولا ہم نے ایک گھر خریدا ہے اور آپ کو گھر دعوت کرتے ہیں۔

حضرت نے فرمایا بہت اچھا ہے مستحب ہے گھر خریدنے پر ولیمہ دیا جائے لیکن اس دعوتِ ولیمہ کے مدعوین کون ہیں؟

اس صحابی نے کچھ افراد کے نام لیے۔ حضرت نے دیکھا کہ تمام مدعوین مالدار طبقے سے تعلق رکھتے ہیں یا ممتاز شخصیتوں میں سے ہیں۔

حضرت نے فرمایا یہ کونسا ولیمہ ہے؟ کیونکہ صرف ان لوگوں کو دعوت دی جو مالدار طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں بہتر تھا کہ اس دعوت ولیمہ میں کچھ فقراء اور نادار افراد کو بھی مدعو کیا جاتا۔

اس صحابی نے کہا مولا ان کو بھی میں نے دعوت دی ہے ان کی دعوت آئندہ رات ہے۔آج رات آپ ہیں کل رات ان کو دعوت ہے اور ان کی مہمان نوازی علیحدہ ہے۔

حضرت نے فرمایا ان کو علیحدہ کیوں دعوت دے گئی ہے؟ ان دونوں طبقات کو تو نے ایک جگہ جمع کیوں نہیں کیا؟ مجھے آج رات نہ بلاؤ میں کل ان فقراء کے ساتھ ہی شرکت کروں گا۔

اس صحابی نے کہا مولا ان (مالدار لوگوں) سے میں نے وعدہ کیا ہے ان کو میں نے دعوت دی ہے وہ ممتاز شخصیتیں ہیں جو آپ کے احترام کی وجہ سے آرہے ہیں اگر آپ تشریف نہ لائے تو وہ میرے گھر نہیں آئیں گے۔ میں نے ان سے کہا تھا کہ آپ بھی تشریف لا رہے ہیں اس وجہ سے وہ سب آمادہ ہوئے ہیں۔

حضرت نے فرمایا میں نہیں آسکتا کیونکہ اگر آج رات ہمیں خالی روٹی بھی کھلائے اور کل رات فقراء کو بہترین غذائیں دے پھر بھی وہ یہ سوچیں گے کہ نجانے کل رات کیسی دعوت تھی؟ اس سے فقراء کی شخصیت اور مقام گر جائے گا لہذا تم کیوں ایسا کرتے ہو؟ کیوں فرق رکھتے ہو؟ کیوں لوگوں کے درمیان جدائی پیدا کرتے ہو؟ میں کل رات آجاؤں گا۔

انا فقير اجالس الفقراء

میں فقیر ہوں اور ان فقراء کے ساتھ ہی آجاؤں گا۔ یہ اسلامی ملک کی اول شخصیت ہے۔ یہ ایک مثال تھی جو میں نے بیان کی ہے۔ حضرت کی زندگی بالکل اسی طرح تھی۔

اب میں امیر المومنین کے اس معروف خطبے سے اقتباس پیش کرتا ہوں جو آپؑ نے عثمان بن حنیف سے بیان فرمایا تھا۔ حضرت کو اطلاع دی جاتی ہے کہ ان کی طرف سے مقرر شدہ گورنر کو ایک پروگرام میں مدعو کیا گیا ہے جس میں تمام مالدار شخصیتیں تھی۔ اور اس دعوت میں فقراء کو شریک نہیں کیا گیا حضرت اپنے اس گورنر کی ملامت کی کہ تم نے ایسا کیوں کیا ہے؟

پیغمبر اسلام کے حضور مالدار اور فقیر کا واقعہ

اس معروف واقعہ کو تمام مسلمان جانتے ہیں کہ (البتہ یہ خطبہ ریڈیو اور ٹیلی ویژن سے نشر ہو رہا ہے ممکن ہے غیر مسلم بھی سنیں تو بیان کرتا ہوں) اصحاب حضرت پیغمبر اسلامؐ کے حضور بیٹھے تھے کہ ایک مالدار شخص داخل ہوا زیادہ جگہ نہیں تھی لہذا کسی فقیر کے ساتھ ہی بیٹھ گیا۔ اس فقیر کی حالت اچھی نہ تھی جب اس نے دیکھا کہ یہ فقیر اس کے ساتھ بیٹھا ہے تو اسے اچھا نہ لگا اور اپنے لباس کو اکٹھا کرنے لگا کہ بری جگہ پر آکر بیٹھا ہوں۔

حضرت پیغمبر اسلامؐ نے اس کے چہرے سے پڑھ لیا کہ اس فقیر کی وجہ سے یہ ناراض ہے اس حالت کو دیکھ کر پیغمبر اسلامؐ نے اسے مہلت نہ دی (اس کے باوجود کہ پیغمبر بہت خوش اخلاق تھے اور نہیں چاہتے تھے کہ کسی کی سرزنش ہو یا کسی کی تحقیر کرے لیکن یہاں ایسا مقام نہیں تھا اور ضروری سمجھا کہ اس مقام پر یہ درس دیں) اور فرمایا کیوں تو نے ایسا کام کیا ہے؟ کیا تو ڈر گیا کہ اس کا فقر تیری طرف آجائے یا تیرا اغناء اس کی طرف چلا جائے گا وہ مالدار شخص بہت شرمندہ ہوا اور کہا حضور میں معذرت چاہتا ہوں۔

جاہلیت کا جو اثر مجھ میں تھا اس کی وجہ ایسا ہوا ہے مجھے معاف کر دیں حضور نے فرمایا میں اس شرط کے ساتھ معاف کرتا ہوں کہ آئندہ تکرار نہ ہو وہ شخص اٹھا اور کہا حضور میں بڑے گناہ کا مرتکب ہوا ہوں آپ اجازت دیں میں اپنا آدھا مال اس فقیر کو بخش دوں تا کہ اپنے اس گناہ کا جبران کر سکوں۔ حضور نے فرمایا بہت اچھا ہے دے دو۔ فقیر نے کھڑے ہو کر کہا حضور مجھے نہیں چاہیئے۔ پوچھا گیا کیوں نہیں چاہیئے۔ اس نے کہا میں ڈرتا ہوں مالدار ہو جاؤں اور ایک دن اس مالدار کی طرح کسی محفل میں آپ کی طرف سے اس مالدار کی طرح مورد عتاب اور سرزنش واقع ہو جاؤں۔ یہ مالداری میرے لیے کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔

سابق انبیاء پیغمبر اسلام اور ائمہ علیہ السلام کی روز مرہ زندگی کو دیکھیں زندگی میں ان کا رویہ اور طریقہ کیسا تھا اس زندگی میں شخص اور فرد کا مسئلہ نہیں تھا بلکہ ایک مکتب ہے۔ ایک راستہ ہے اس لیے کہ لوگوں کا کچھ حصہ فقر کی وجہ سے ناداری کی وجہ سے ان پر ایسے دن گذر رہے ہیں کہ وہ اپنے آپ کو بہت سے معاشرتی حقوق سے ہمیشہ کیلئے محروم دیکھتے ہیں ان کی استعدادیں اور خلاقیتیں مٹی میں تبدیل ہو جاتی ہیں اس حالت کو توڑنا چاہیئے۔

عدالت اجتماعی کی مضبوط بنیاد

جب یہ حالت توڑ دی گئی اور لوگ اپنی شخصیت کو آشکار کریں اس وقت عدالت اجتماعی کی بنیاد مضبوط ہو جائے گی ممکن ہے بعض لوگ گمان کریں کہ جمہوری اسلامی ایران مسلسل اپنی قوم اور خصوصاً محروم طبقے پر زور دیتا ہے سیاست سے کام لیتا ہے اور ایک فرصت کی تلاش میں ہے تاکہ محروم طبقہ اس طرح نہ ہو۔

قسم بخدا اس طرح نہیں ہے دنیا کے سیاست دانوں کو معلوم ہونا چاہیئے یہ ہماری ایک بنیادی کوشش ہے ہم اس کو اسلام کے ایک بنیادی دستورالعمل اور معارف اسلام کے عنوان سے اجراء کرتے ہیں اگر چہ اس میں شکست ہی کیوں نہ ہو یعنی اگر ہمیں معلوم بھی ہو جائے عوامی طبقے اور محروم طبقے کے ارتقاء میں شکست سے دوچار ہو جائیں گے اس صورتحال میں ہمارا یہ فریضہ تھا کہ ان لوگوں کو اپنی حمایت سے ہمکنار رکھیں اس لیے تاکہ یہ اصل محفوظ رہ جائے جو حضرت نوحؑ نے فرمایا ہے:

و ما انا بطارد المومنین (۱)

---

(۱) ۲۶، ۱۱۴

جو خدا نے پیغمبر اسلام سے کہا:

و لا تطرد الذین یدعون ربهم بالغداوة والعشی (۱)

یہ خدا کا راستہ ہے البتہ بنیادی راستہ بھی یہی ہے حقیقی فتح بھی یہی ہے اگر ہم ایک دو نسلوں تک کامیاب ہو جائیں یہ کوئی آسان کام نہیں ہے لوگوں کی ثقافت سے اس کو نکالنا اور جدید ثقافت تک پہنچنا ایک طویل وقت چاہتا ہے یعنی دو تین نسلیں در کار ہوں گی۔

آئیڈیل معاشرے تک پہنچنا

اگر اس دنیا میں ہم اس حد تک پہنچ گئے کہ دنیا میں رہنے والے لوگ فقر کی وجہ سے طبقاتی شگاف کی وجہ سے ان کی استعدادیں اور توانائیں محفوظ رہ گئیں ان کی شخصیت ضائع نہ ہوئی اور لوگ طبقاتی شگاف کی وجہ سے مختلف عہدے پر نہ آسکیں اور ہمارے اندر یہ قوت پیدا ہو گئی ہے کہ لوگوں کو دنیا میں حقیقی طور پر تحرک دے سکیں اس دن دنیا میں ایسا معاشرہ وجود میں آئے گا جس کی بنیاد مضبوط ہو گی اور کوئی اسے نہیں توڑ سکے گا یہ مولائے کائنات علی ابن ابی طالب کے عمل اور کردار کا مصداق ہے۔ جب حضرت کے چاہنے والوں (یعنی محروم طبقہ) نے سمجھا کہ حضرت کی حکومت کے خلاف کار شکنی ہو رہی ہے سرمایہ دار طبقہ، مالدار افراد اور اشراف ان کی حکومت کو متزلزل کرنے کے در پے ہیں اور معاویہ کے ارد گرد جمع ہو رہے ہیں اور سازش کر رہے ہیں یہ حضرت کی خدمت میں آئے اور کہا مولا ہم اپنے حق سے در گزر کرتے ہیں آپ کچھ حد تک ان لوگوں کو مال و متال دیں کچھ حد تک ان کی دل جوئی کریں اور انکے ساتھ سمجھوتہ کریں اور اپنی حکومت کو مضبوط کریں جب حکومت مضبوط ہو جائے اس وقت ہماری

---

(۱) ۶، ۵۲

باری آجائے گی حضرت نے فرمایا: ویحکم اتامرونی ان اطلب النصر بالجور

تم لوگوں پر افسوس ہے یہ کتنا بری بات ہے جس کا مجھ سے مطالبہ کرتے ہو میں ظلم اور جور کی مدد سے حق تک پہنچوں اور ظلم وجور کو فتح وکامیابی کا راستہ قرار دوں ایسا نہیں ہو سکتا۔ یہ غلط راستہ ہے۔

حقیقتاً اگر دین یہ ہو تو پھر انقلاب کی کیا ضرورت ہے؟ ضروری نہیں کہ انقلاب آئے انقلاب کی بنیاد اور اساس یہاں پر ہے اور یہی ہے۔ ہمیں متوجہ رہنا چاہئے عدالت اجتماعی کے شعبے میں اور لوگوں کے مساوی حقوق تک پہنچنا اور لوگوں میں اقتصادی عدل وانصاف کو فراہم کرنا (اگر صرف زور آزمائی، قانون اور عدلیہ ہو یہ کام بے بنیاد ہے) اس کے لیے ثقافتی بنیاد کی ضرورت ہے اس کی بنیاد معاشرے میں اخلاق کا ہونا ہے اور یہ معارف اسلامی میں سے ہے اور انسان شناسی میں سے ہے اور تبلیغات میں سے ہے معاشرے میں ثقافتی آلہ کے طور پر ہے اور اس کی اصلاح ضروری ہے اگر ایک معاشرے کی مثال یہ معروف مثل ہو "آستین نو، بخور پلو" (۱) تو یہ معاشرہ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔

---

(۱) فارسی کی معروف مثل آستین نو بخور پلو کی وضاحت میں کہتے ہیں ایک دن ملا نصیر الدین پھٹے پرانے کپڑوں کے ساتھ کسی شادی کے ولیمے پر گیا اس کو مار پیٹ کر وہاں سے نکال دیا گیا ملا نصیر الدین اپنے گھر واپس آیا نیا اور قیمتی لباس کسی سے ادھار لیا اسے پہن کر پھر اس دعوت ولیمہ پر پہنچا اس مرتبہ اس کی خوب پذیرائی ہوئی اسے صدر محفل میں جگہ دی گئی جب کھانا لایا گیا وہ کھانا نہیں کھاتا تھا فقط اپنے لباس کی آستین کو کھانے پینے کی اشیاء کی طرف لے جاتا تھا اور کہتا تھا آستین نو، بخور پلو یعنی نئی آستین پلاؤ کھاؤ۔ حاضرین محفل اس کام سے حیران ہو کر اس سے پوچھتے ہیں تو اس نے جواب دیا کہ جب میں پرانی آستین کے ساتھ آیا تھا مجھے مار آگیا اور نکالا گیا پھر یہ پذیرائی نئی آستین کی وجہ سے ہے نہ میرے لیے یہ مثال کتاب (کاوشی در امثال و حکم فارسی مؤلف سید یحیٰ برقعی انتشارات نمائشگاہ و نشر کتاب سال ۱۳۶۹ صفحہ نمبر ۲۸

وہ معروف واقعہ جو آپ تمام لوگوں نے سنا ہے کسی شخص کی دعوت کی گئی وہ اپنے پھٹے پرانے کپڑوں کے ساتھ دعوت میں گیا اس کو جگہ نہ دی گئی اس نے صبر کیا اور آخر میں پلیٹوں میں موجود بچا کچھا کھانا کھایا اگلی رات بہترین قیمتی لباس پہن کر گیا جب اس محفل میں داخل ہوا اور اس کو محفل میں اچھی جگہ دی گئی اس کے لیے بہترین کھانے لائے گئے وہ اپنے لباس کی آستین کو پلیٹ کے اندر دباتا اور کہتا جاتا جلدی سے کھاؤ نزدیک بیٹھنے والوں نے کہا یہ کیا کر رہے ہو آستین تو نہیں کھا سکتی اپنے لباس کو خراب نہ کرو اس نے جواب دیا تم لوگ اس کی خاطر میرے ساتھ یہ سلوک کر رہے ہو یہ کھانے اور پلاؤ اس کے لیے ہے میرے لیے نہیں اور پھر کہنے لگا آستین نو، نخور پلو۔ (نئی آستین کھاؤ کھانا)

یا سعدی شاعر جس کی آواز زمانے کو دیکھ کر بلند ہے اور کہتا ہے مرلبہ تجربہ معلوم گشت آخر کار کہ قدر مرد بہ علم است و قدر علم بہ مال (آخر مجھے تجربے کے ساتھ معلوم ہوا ہے مرد کی قدر و قیمت علم کی وجہ سے ہے اور علم کی قدر و قیمت مال کی وجہ سے ہے) آج بھی عالم مال کی وجہ سے چاہتا ہے دنیا میں اپنے آپ کو معتزز کرے یہ ثقافت انسانوں کو کامیابی اور فتح سے روکتی ہے اور یہی ثقافت معاشرے کو اصلاح سے روکتی ہے اور یہی حالت اسے پھل دینے سے روکتی ہے لیکن جب نوک نیزہ کو اٹھا لیں سب چیزیں اپنی جگہ پر واپس آجاتی ہیں یہ حرکت قسر ہے (۱) حرکت قسری بھی لائق ہے وہ پتھر جو آپ اوپر کی طرف سے پھینکتے ہیں جتنا آپ کا زور ہو گا وہ اتنا ہی بلندی کی طرف جائے گا زور جب ختم ہو گیا وہ پتھر دوبارہ واپس آجائے گا اور زیادہ تیزی کے ساتھ زمین سے ٹکرائے گا اگر آپ پتھر کے نیچے ہوں تو آپ کے سر پر آکر لگے گا۔

ان حالات میں ضروری ہے ثقافتی، عقیدتی اور فکری بنیادیں ٹھیک ہونی چاہئیں

---

(۱) قسر یعنی کسی چیز کو یا کسی شخص کو مجبور کیا جائے

انسانوں کی بنیادیں مضبوط ہوں انسان زیادہ مال کی وجہ سے اپنے لیے زیادہ حق نہ چاہے اور جس انسان کا ہاتھ دنیا سے کوتاہ ہو چکا ہو اپنے آپ کو انسانیت سے کٹا ہوا تصور نہ کرے اس ثقافت پر ہم کام کریں اس راستے پر ہم کام کریں جس تقویٰ کی مولائے کائنات علی ابن ابی طالب علیہ السلام تعریف کرتے ہیں اسے معاشرے میں ہونا چاہیے حضرت کی نظر سے تقویٰ یہاں ہے معروف خطبہ ہمام جس کا آپ حضرات نے ملاحظہ فرمایا ہے۔ دیکھیں حضرت متقین کی صفات شروع کرتے ہوئے فرماتے ہیں

منطقهم الصواب و ملبسهم الاقتصادو مشيهم التواضع

(یہ تیسری شق میری بحث کا موضوع ہے اسی طرح پہلی دو شقیں بھی) متقی وہ شخص ہے جو دوسروں کے سامنے تواضع کرے مالدار کے سامنے تواضع تو نہیں کیا جاتا وہ جو کچھ ہم جانتے ہیں اشراف کے سامنے تو تواضع نہیں کیا جاتا بلکہ اس کو خوشامد سمجھا جاتا ہے۔

تواضع اور احیائے شخصیت

جو تواضع یہ چاہتے ہیں وہ یہ کہ ہم لوگوں کے سامنے ایسا برتاؤ کریں کہ یہ لوگ اپنی شخصیت کو زندہ کر سکیں مغربی لوگ یہ درس دیتے ہیں کہ گھر میں بچے کے ساتھ کیسا برتاؤ کیا جائے تاکہ اس کی شخصیت زندہ ہو بچے کی نفسیات کے بارے میں دیکھیں کس حد تک خیال رکھتے ہیں کہ بچے کی شخصیت نہ توڑی جائے لیکن یہی لوگ جب افریقہ کے ساتھ برتاؤ کرتے ہیں امریکہ لاتین کے ساتھ برتاؤ کرتے ہیں ہندوستان کے ساتھ برتاؤ کرتے ہیں ہاریجان (۱) کے ساتھ برتاؤ کرتے ہیں۔

---

(۱) ہاریجان ہندوستان میں ایک فرقے کا نام ہے

چین کے ساتھ برتاؤ کرتے ہیں تو ظلم و تعدی کا مرتکب ہوتے ہیں یہ وحشی لوگ ہیں یورپ والے ممتاز ہیں یہ شخصیتیں کسی جگہ پر نہیں پہنچ سکتیں ظریف صنعتوں کو یہ لوگ حاصل نہیں کر سکتے یہی فرعون لوگوں کا راستہ ہے ان کے توسط سے یہ لوگوں کی تحقیر کرنا چاہتے ہیں تا کہ کم قیمت میں وہ عظیم محل، عظیم صنعتیں اور تمام ثروت جو کہ دنیا کے بڑے جزائر میں موجود ہے دنیا کی ثروت جمع کرے لیکن اسلام ان کاموں کا مخالف ہے اسلام چاہتا ہے کہ شخصیتیں زندہ ہو جائیں ہمیں حکم دیتا ہے کہ ان کے سامنے تواضع کریں۔

انا فقیر اجالس الفقراء

میں فقیر ہوں اور فقراء کا ہم نشین ہوں

فرانس کو کہتا ہے اگر جرم کی نفسیات کی تلاش میں ہو تو اس کے پیچھے نہ جاؤ کہ افریقی جانی بالفطرۃ ہے (یعنی مادر زاد جنونی ہے) جنونی تم ہو جو انسان محروم ہو اور بھوکا ہو وہ انسان جس کے پاس گھر میں کچھ نہیں ہے اور اپنے اطراف میں اتنا ظلم و ستم دیکھ رہا ہو اس سے کیا توقع کی جا سکتی ہے ابوذر کہتا ہے

عجبة لمن لا يجد قوة في بيته كيف لا تخرج على الناس شاهراً سيف

میں تعجب کرتا ہوں ان لوگوں سے جو گھر میں طاقت نہیں رکھتے کیسے تلوار اٹھا کر لوگوں کی جان کے درپے نہیں ہوتے

سعدی کہتا ہے آپ ایک کتے سے (یہ کتا تعبیر ہے لیکن کیوں کہ یہاں مناسبت رکھتا ہے بیان کرتا ہوں لیکن فقیر کیلئے یہ تعبیر ٹھیک نہیں ہے) یا ایک درندہ سے کیا توقع رکھتے ہو کہ وہ یہ دیکھے کہ اس کے سامنے صالح نبی کا اونٹ ہو یا دجال کا گدھا

حاشیہ: دجال: ایسے جھوٹے شخص کو کہتے ہیں جو آخر الزمان میں امام زمانہ کے ظہور سے پہلے آئے گا اور بہت

سے لوگ اس کے ارد گرد جمع ہو جائیں گے۔

وہ بھوکا ہے جس طرح چاہے کھائے الجزائر کے لوگوں کی جان لے لیتے ہیں بعد میں کہتے ہیں کہ بحث کریں اور دیکھیں کہ الجزائری کیوں چوری کرتے ہیں کیوں ایک انجیر کی خاطر دوسروں کا پیٹ پھاڑ دیتے ہیں اس وجہ سے کہ وہ بھوکے ہیں اور مر رہے ہیں اور تم لوگ ان کا سب کچھ لوٹ کر لے گئے ہو افلاس ان کے ہاتھ سے تقوی ختم کر دیتا ہے اور انسان کو متقی ہونے سے روکتا ہے ایسے فقراء بہت کم ہیں جو صبر کریں تاکہ اس قسم کے مسائل پیش نہ آئیں لہذا اگر کوئی شخص اہل اصلاح ہے تو اسے اصلاح کا راستہ جیاد اور جڑ سے شروع کرنا چاہیئے اور ہمیں اس طرح اصلاح کا آغاز کرنا چاہیئے۔

چھتیسواں خطبہ

عدالت اجتماعی کی بحث کا تسلسل

اسلامی اخلاق میں عدالت اجتماعی کا کردار

اخلاق اسلامی کی نگاہ میں چاپلوسی اور عجب

ائمہ علیہم السلام کا کردار، چاپلوسوں سے مقابلہ

بسم الله الرحمن الرحیم قال العظیم فی کتابه (اعوذ بالله من الشیطان الرجیم)ان الله یأمر بالعدل والاحسان(١)

عدالت اجتماعی کی بحث کا تسلسل :

پہلا خطبہ عدالت اجتماعی کے اقتصادی حصہ کا تسلسل ہے(١) پچھلے خطبہ میں یہاں تک پہنچے تھے کہ بنیادی طور پر ہمارا کام عدالت کو ضمانت کے ساتھ بر قرار رکھنا ہے اس کا طریقہ کار یہ ہے کہ لوگوں کے دلوں میں عدالت کی بنیاد کو مضبوط کیا جائے اور اسے قائم رکھا جائے یعنی ایسی عدالت جس میں قوانین اور مقررات معاشرہ کے اندر وجود نہ رکھتے ہوں تو اس صورتحال میں عدالت کی حفاظت کرنا ہو گی اور اسے باقری رکھنا ہو گا اگر ایسا نہ ہوا تو یہاں معاشرے کی سلامتی کی ضمانت نہیں دی جا سکتی اسلام نے اس نکتہ کی طرف گہری نظر سے توجہ کی ہے کہ انسان کو عدالت کے ساتھ اعتدال پر لائیں۔

ہم نے کہا تھا اس بنا پر اسلام جوئے باز اور بے بنیاد افراد کو دور کرتا ہے (اس صورتحال

---

(١) ١٦: ٩٠

(١) آقای ہاشمی رفسنجانی کے اقتصادی نظریات سے آگاہی حاصل کرنے کے لئے ان کی کتاب سیاست اقتصادی کی طرف رجوع کریں انتشارات معاونت پژوھش سازمان تبلیغات اسلامی ۷۱ ۱۲ تہران۔

میں مظلوم افراد معاشرہ میں آبرو سے جی سکتے ہیں تاکہ معتدل انسانی شخصیت تمام انسانوں کے وجود میں آسکے۔ عموماً دنیا میں متکبرین زیادہ توقع رکھتے ہیں اور اپنے لئے استثنائی شخصیت کے قائل ہیں اور دنیا کے مستضعفین بھی عموماً اپنی انسانی شخصیت کو کھو بیٹھتے ہیں اور روحانی تنزلی کا شکار ہو جاتے ہیں یہ بشریت کے لئے سب سے بڑا خطرہ ہے کہ یہ لوگ اپنے حق کا مطالبہ نہیں کرتے اور وہ استکبار کو حق جانتے ہیں مکاتب آسمانی اور خصوصاً اسلام کا اہم ترین کام یہ ہے کہ اس فکر کو توڑ دیں اور معتدل روح وجود میں لے آئیں اس ہدف کی خاطر معارف اسلامی کے تمام افکار میں ہمارے پاس کچھ نہ کچھ ضرور ہے اور میں پچھلے دو خطبوں میں جو وعدہ دے چکا ہوں آج معارف اخلاق کے موضوع پر تکیہ کرتے ہوئے اپنے کلام کو آگے بڑھاتا ہوں

عدالت اجتماعی میں اخلاق اسلامی

اصولی طور پر علم اخلاق اسلام اور اخلاقی دستورات انسان کے اخلاق کو درست اور اس کی وجودی صورت کو صحیح بنانے کے لئے ہیں علم اخلاق کے نام سے بیان کی جانے والی تمام فصول اور ابواب انسان کے وجود کا اہم ہدف ہیں تاکہ ایسے انسان پیدا ہوں جو خدا اور اسلام کے مورد نظر ہوں۔ علم اخلاق کا کچھ حصہ اس بات پر زور دیتا ہے کہ انسانوں کے روحیات اور مستضعفین میں اعتدال بر قرار رکھیں البتہ میں اگر اس حصے کے مختلف شعبوں کو جدا جدا کر کے بحث کروں تو اخلاق کے ہر شعبہ کے لئے ایک علیحدہ خطبہ بیان کرنا ہوگا اس صورت میں (میری فکر کے مطابق) عدالت اجتماعی کے دوسرے مباحث تک پہنچنے کی مہلت باقی نہیں رہے گی۔ لہذا میں مختصر اور فہرست وار مطالب بیان کروں گا اور خصوصاً میں ائمہ جمعہ اور اسی طرح طلاب اور مبلغین سے تقاضا کرتا ہوں کہ وہ کوشش کریں اور لوگوں کے لئے اخلاق اسلامی کے مباحث کو بیان کریں اور یہ ضروری بھی ہے اور ہماری کوشش بھی یہی ہے کہ معاشرہ کے

شخصیتی تعادل کو بر قرار رکھیں کیونکہ اس ملک اور تعادل کو درہم برہم ہوئے ۲۵ ہزار سال گزر گئے ہیں۔

علم اخلاق کے مختلف ابواب جیسے تکبر' چاپلوسی، ضعف نفس، علو ہمت، عجب اور بھی بہت سی چیزیں ہیں۔ ان کے مختلف اہداف ہیں ہم ایک ہدف کو بیان کرتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ انسانوں کو شخصیت کے لحاظ سے معتدل کریں اور ان میں تعادل کی صورت بر قرار رکھیں پیغمبر اسلام کے کلمات میں یہ جملہ معروف ہے۔

بعثت لاتمم مکارم الاخلاق

پیغمبر اسلامؐ کی بعثت کے اہداف میں سے ایک اہم ہدف یہ ہے کہ حضور اکرمؐ مکارم اخلاق اور انسانی کرامت کی تکمیل کے لئے آئے تھے ان دنوں میں (جو ایام بعثت نبی اکرمؐ ہیں اور امام خمینی کے (بعثت والے دن کے) بیانات جو بہت عمیق ہیں) (۱) یہ اخلاق اسلامی کی بحث قابل توجہ اور قابل نمونہ ہے

ضروری ہے کہ اس دور میں اس اخلاقی تحول پر توجہ کی جائے جس کا انتظار ہر ایک کو

---

(۱) امام خمینی نے بعثت کے بارے میں فرمایا تھا کہ بعثت کی برکات جس قدر معنویات میں ہیں اس قدر مادیات میں ظاہر نہیں ہوتیں اور جس قدر مادیات میں ظاہر ہوتی ہیں اسلام سے پہلے نہیں تھیں۔

قرآن مجید مختلف ابعاد کا مالک ہے جب تک پیغمبر اسلام مبعوث نہیں ہوئے تھے اور قرآن مجید نازل نہیں ہوا تھا اس غیبی مقام کا (موجودات میں) کوئی بھی مالک اور ملکوت نہیں تھا۔ قرآن مجید کا ایک حصہ یہ ہے کہ ظلم کو بشریت سے ختم کردے اور عدالت اجتماعی کو بشریت کے لئے رائج کرے مسئلہ بعثت نے اس دنیا میں ایک عملی اور عرفانی تحول ایجاد کیا ہے ان یونانی خشک فلسفوں کو جو یونانیوں کے ہاتھوں محقق ہوا تھا اور بااہمیت بھی تھا) لیکن ایک عرفان عینی اور ایک شہود حقوقی میں تبدیل کیا۔

ہے اخلاقی لحاظ سے انقلابی بنیادوں کو مضبوط کیا جائے آج اخلاق کے موضوع پر چند ابواب کو جلدی سے عبور کرتے ہوئے بیان کروں گا میری کوشش ہو گی کہ پہلا خطبہ کچھ مختصر ہو کیوں کہ بہت سی باتوں کو دوسرے خطبے میں بیان کرنا ضروری ہے

اسلامی اخلاق اور مسئلہ عجب

مسئلہ عجب میں ایک بحث یہ ہے کہ انسان اپنے کاموں میں اتنا مطمئن اور خوش نہیں ہے اور چاہتا ہے کہ اس کا ذرہ بھر بھی نقصان نہ ہو۔ بہر حال کچھ لوگ ایسے ہیں جو اپنے کاموں میں اتنے خوش ہیں اور جو کام بھی کرتے ہیں اسے بہت بڑا سمجھتے ہیں اور اپنے آپ کو نقائص سے پاک سمجھتے ہیں یہ انسانیت کے لئے خطرہ ہے پیغمبر اسلامؐ فرماتے ہیں۔

ثلاث من المهكات شح مطاع وهو ی متبع واعجاب المرء بنفسه

اگر انسان اپنے زیادہ کاموں پر خوش نہیں ہے اور اپنے آپ سے راضی ہے تو یہ اس چیز کا مانع ہو گا کہ انسان اپنے اعمال کی صلاحیت میں مردہ ہو جائے گا اور اپنی اصلاح نہیں کر سکے گا یہ انسان کے لئے دکھ کا باعث بن جائے گا اور کمال انسانی میں توقف کا باعث بن جائے گا اس کا یہ کام باعث بنے گا کہ معاشرہ میں تنقید کا راستہ بند ہو جائے اگر یہی حالات خصوصا مسئولین اور حکومتی عہدہ داروں میں آجائیں تو بہت بڑا خطرہ ہو گا۔ لہذ آپ دیکھتے ہیں کہ اسلام میں عجب کو مہلک مرض کے عنوان سے یاد کرتے ہیں یعنی ایسی چیز جو انسان اور معاشرہ کے لئے فساد اور ہلاکت کا باعث ہے اور یہی عجب کی جڑ اور بنیاد ہے۔

تکبر باعث فساد ہے

ایک اور بری صفت جو اس سے بھی بد تر ہے یعنی تکبر اگر انسان اپنے وجود میں بڑائی کا احساس کرے تو تکبر میں مبتلا ہو جاتا ہے اور وہ لوگ جو کچھ حد تک اسلامی اخلاق سے آشنائی رکھتے

ہیں وہ جانتے ہیں کہ یہ اسلام کی نظر میں مذموم ہے لہذا تکبر ختم ہو اور انسان متکبر نہ ہوں علم اخلاق میں اس بری صفت کے بارے میں بحث ہوئی ہے

بنیادی طور پر قرآن مجید نے تکبر کو باعث فساد سمجھا ہے اور آج کے استکبار کے ساتھ نبرد آزما ہونا جمہوری اسلامی میں ایک شعار کی حیثیت رکھتا ہے اور یہ قرآن مجید کے اس مطلب سے اخذ ہوتا ہے قرآن مجید فرماتا ہے جو لوگ اس بری صفت یعنی تکبر کا شکار ہو جائیں وہ لوگ حق بات کو نہیں سمجھ سکتے

كذلك يطبع الله على كل قلب متكبر جبار (۱)

اور یہ قرآن مجید کی صراحت ہے کہ خداوند متعال نے متکبرین اور جبار لوگوں کے دلوں پر مہر لگادی ہے جنہوں نے سننے اور سمجھنے کا دروازہ بند کیا ہوا ہے اور یہ افراد دنیا کی حقیقتوں کو نہیں سمجھتے یہ افراد برائی اور جمود کا شکار ہو گئے ہیں اور یہ وہی عجب اور جو خود پسندی کا تسلسل ہے قرآن مجید کا ارشاد ہے

ساصرف عن آياتی الذين يتكبرو ن فی الارض بغير الحق(۱)

وہ لوگ اس ناحق طریقہ سے اپنے آپ کو بڑا دکھاتے ہیں یا بڑا تصور کرتے ہیں اور دوسروں پر تکبر کرتے ہیں تو میں ان کو اپنی آیات اور نشانیوں سے منصرف کرتا ہوں کیونکہ یہ میری آیات کو نہیں سمجھتے اور یہ آیات ان پر اثر انداز نہیں ہوتیں اور ان کی اصلاح ممکن نہیں۔ اگر قرآن مجید کی آیات جو تکبر کے بارے میں ہیں ان کا مطالعہ کریں تو آپ دیکھیں گے کہ تکبر انسان کے ساتھ کیا کرتا ہے؟ بنیادی طور پر شیطان اس تکبر کے ذریعہ ہلاکت میں مبتلا ہوا

---

(۱)۴۰: ۳۵

(۲)۷: ۱۴۶

بہت سی چیزیں آپ دیکھیں گے یہ سب تکبر کی وجہ ہیں چنانچہ یہ تمام آیات انسانی شخصیت کو معتدل کرنے اور معاشرہ میں جھوٹی شخصیت کو ختم کرنے کے لئے ہیں۔

حب ثنا

ایک اور مورد حب ثنا ہے جو جاہ طلبی کے عنوان سے مذموم ہے البتہ کوئی انسان بھی وجاہت سے خالی نہیں ہے لیکن اس کے بھی مراحل ہیں کوئی نہیں چاہتا کہ بد نام ہو لیکن کچھ افراد ایسے ہیں جو اتنا زیادہ اپنے نام اور شخصیت کے عاشق ہیں کہ حقیقتوں اور اپنے حقوق کو فراموش کر جاتے ہی اِسے (ہمارے علم اخلاق میں) انسان کی مذموم صفات میں شمار کیا گیا ہے وہ لوگ جو تبلیغات کے ذریعہ طاقت وجاہ طلبی اور دیگر امکانات کے ساتھ اپنے آپ کو بڑا دکھاتے ہیں تو یہ عمل اسکا باعث بنتا ہے کہ معاشرہ میں شخصیتی تعادل بر قرار نہ رہے اور درہم برہم ہو جائے اور یہ اضافی اور جھوٹی شخصیت انسان کے لئے باعث تکبر اور بد بختی ہے۔

لیکن معاشرہ میں یہ چیزیں موجود ہیں اور یہ تمام صفات متکبر طبقات کے لئے ہیں اس مسئلہ میں مستضعف طبقہ بھی عیوب سے خالی نہیں ہے بہر حال ان عیوب کی اصلاح ہونی چاہیے ضعف انسانی عیوب میں سے ایک عیب ہے روایات میں انسان کے حق شرافت اور مومن کی شخصیت پر زیادہ زور دیا گیا ہے البتہ میں نے اس خطبہ میں اس کا فقط ایک حصہ بیان کیا ہے اور انسان کی ذمہ داری ہے کہ اپنی کرامت اور شرافت کو محفوظ رکھے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں

ان اللہ فوّض الی المومن امورہ کلہ لم یفوض الیہ ان یذل نفسہ

(اس مضمون کے ساتھ) خداوند متعال نے مومن کو کافی اختیارات دیئے ہیں انسان

اپنی سرنوشت اور اپنے وجود پر حاکم ہے اور انسان کو اپنی دیکھ بھال پر مسلط ہونا چاہیے انسان کو اجازت نہیں کہ وہ اپنے آپ کو ذلیل کرے بہت بڑے اور برے گناہوں میں سے ایک یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو ذلیل کرے وہ مومن ایمان کا دعویٰ نہیں کر سکتا جو اپنے آپ میں (لوگوں کی نسبت) احساس ضعف کرے کہ اپنے ضعف کے نتیجہ میں معاشرہ میں اپنے حق کا دفاع نہ کر سکے اور دوسرے لوگوں کے حقوق کی حفاظت کے لئے قیام نہ کرے یہ حالت بھی بری حالت ہے اور کلمہ مستضعف کا مصداق ہے۔

مستضعف کون ہیں ؟

مستضعف اس شخص کو کہتے ہیں جو مستکبرین کی وجہ سے پیچھے رہ گیا ہو اور ذاتی طور پر اپنے آپ کو ضعیف حالت میں دیکھتا ہو قرآن مجید کے مطابق **مستضعفین** سے مراد وہی لوگ ہیں جو احساس ضعف کرتے ہیں کمزوری میں رہ گئے ہیں اور ان کا ہاتھ دوسروں کے سامنے دراز ہے اور مدد کے خواہاں ہیں انہوں نے دوسروں کی طرح ہجرت نہیں کی اور اپنے آپ کو نہ بچا سکے۔

حالت استضعاف یعنی اپنے آپ کو پیچھے رکھنا اور جو شخص ذہنی طور پر اپنے آپ کو معاشرہ میں باقی انسانوں کی نسبت کم تر سمجھتا ہو یہ بھی ذلت ہے جو مومن کے شایان شان نہیں اور ہر مومن اور مسلمان کسی صورت میں بھی اپنے آپ کو باقی انسانوں سے ذرہ برابر چھوٹا نہ سمجھے البتہ وہ عجب اور تکبر کا شکار بھی نہ ہو جائے۔ یہاں چاپلوسی اور مدح و ثناء کی بحث وجود میں آتی ہے یہ ضعف نفس سے بدتر ہے ایک مرتبہ انسان خود احساس ضعف کرتا ہے اور ایک مرتبہ یہ ہے کہ انسان مدح و ثنا اور چاپلوسی کے ذریعے متکبرین اور جھوٹی شخصیت رکھنے والوں کے سامنے اپنے ضعف کو ظاہر کرتا ہے اور یہ مرض انسان کے لئے مضر اور خطرناک ہے ایک طرف سے انسان

کو ضائع اور گمراہ کرتا ہے اور دوسری طرف سے اسے ضعیف کر دیتا ہے

چاپلوسوں کے ساتھ حضرت علی علیہ السلام کا رویہ۔

حضرت علی علیہ السلام ایک جگہ تشریف فرما تھے وہاں مدح و ثناء کرنے والا حاضر ہوا اور حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی مدح و ثناء کرنے لگا (معمولاً بڑی شخصیتوں کی سیرت یہ نہیں ہوتی کہ ایک انسان کے ذوق پر حرف لائیں لیکن کبھی ایسا ضروری ہوتا ہے) حضرت علی علیہ السلام نے مدح کرنے والے کو ٹوکتے ہوئے فرمایا

انا فوق ما فی نفسه ودون ما فی لسانك

یہ کیا باتیں ہیں جو تو کر رہا ہے میں ان سے بہت چھوٹا ہوں جن کو تو نے اپنی زبان پر جاری کیا ہے یہ سب صفات خداوند متعال ہیں لیکن جو باتیں میرے متعلق تیرے دل میں ہیں تو نے سوچا ہے اور تو نے مجھے اس قدر ضعیف تصور کیا ہے کہ میں تیری باتوں سے متاثر ہو جاؤں اور ان باتوں کی سے وجہ مجھ میں ایک نامناسب عکس العمل وجود میں آئے جس کی وجہ سے یا تجھے کچھ عطا کروں یا اپنے اندر یا اپنی شخصیت میں غرور کا احساس کروں میں ان باتوں سے برتر ہوں لیکن جو تو نے مدح و ثناء میں کہا اس سے برتر نہیں ہوں۔

ایک دن ابوذر خلیفہ عثمان کی محفل میں بیٹھے ہوئے تھے ایک شخص مدح و ثنا کے لئے آیا ابوذر نے سمجھا کہ اس مدح و ثنا سے محفل کا رنگ تبدیل ہو رہا ہے ایک مشت خاک لے کر اس مدح و ثنا کرنے والے شخص کے منہ پر ڈال دی محفل میں موجود حاضرین نے غصہ میں آکر کہا آپ نے ایسا کیوں کیا ابوذر نے جواب میں کہا کہ میں نے پیغمبر اسلامؐ کے دستور پر عمل کیا ہے:

اذا رأیتم المداحین فاحثوا فی وجوههم التراب

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس وقت کسی کی مدح و ثنا کرنے والے کو

دیکھو کہ بغیر کسی وجہ کے افراد کی مدح وثنا کر رہا ہے تو اس کے چہرے پر مٹی پھینک دو اس لئے کہ وہ یہ کام نہ کرے کیوں کہ یہ انتہائی برا کام ہے۔

حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کبھی دیکھ لیتے تھے کہ لوگ ان کے پیچھے آ رہے ہیں تو فرماتے تھے واپس چلے جاؤ ایک مرتبہ حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام سواری پر بیٹھے کہیں جا رہے تھے آپ نے دیکھا کہ کچھ لوگ (پرانی رسم کے مطابق) پیچھے بھاگتے ہوئے آ رہے ہیں تو آپ نے فرمایا واپس چلے جاؤ جو کام تم کر رہے ہو یہ تمہاری ذلت کا باعث ہے یہ کام ذاتی غرور کا باعث بن جاتا ہے کہ آپ اس شخص کو بڑا کر رہے ہیں جو نہیں چاہتا انسانوں کو چاہیے کہ وہ ایسا کام نہ کریں۔ آپ دیکھ رہے ہیں کہ ضعف نفس اس کا سبب بنتا کہ انسان دوسروں کی مدح وثنا کرے اور چاپلوسی کرے تو یہ بہت مذموم عمل ہے اس کی دو وجہیں ہیں ایک یہ کہ ہم اپنے آپ کو ضائع کر رہے ہیں دوسرا یہ کہ اس شخص کو (جس کی مدح وثناء کر رہے ہیں) ضائع کرتے ہیں۔

تواضع اور تکبر

ان چیزوں کے درمیان ایک چیز اچھی اور پسندیدہ ہے اور وہ متواضع ہونا ہے اس تواضع کی بھی ایک حد ہے جیسے تکبر کے بارے میں، میں نے عرض کیا ہے زیادہ تکبر بری چیز ہے اگر آپ نے کسی متکبر کو دیکھا اور اس کے مقابلہ پر آپ بھی تکبر کریں اس کے سامنے کھڑے ہو جائیں اور تکبر کریں یعنی اگر اس طرح کے کسی فرد کو آپ نے دیکھا جو متکبر ہے۔ اس صورت میں مستحب ہے کہ آپ تکبر کریں یعنی اس برے کام کو اس متکبر کے سامنے انجام دیں۔

التکبر علی المتکبر یا عند المتکبر عبادہ

اس صورت میں یہ تکبر کرنا عبادت میں شمار ہو گا وہی تکبر، متکبر انسان کے مقابلہ پر

عبادت شمار ہو رہا ہے یہ اس لئے ہے کہ متکبر کی شخصیت کو توڑیں کیوں کہ اس نے اپنے لئے اضافی شخصیت بنائی ہوئی ہے

متواضع انسان

پیغمبر اسلامؐ فرماتے ہیں کہ تواضع کا مقصود یہ ہے کہ جب آپ متواضع انسان کو دیکھیں تو تواضع کریں جب آپ نے سنجیدہ افراد کو دیکھا اس کی تواضع کی تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ جس تقویٰ کی حضرت امیر المومنین علیہ السلام اپنے معروف خطبہ ہمام(۱) میں تشریح کرتے ہیں اس سے ہم نتیجہ لیں گے حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام سے ایک جملہ (تقویٰ کے بارے میں) میں نے لکھا ہے یہی میری اس بحث کا نتیجہ شمار ہو گا اس جملہ کے مطابق انسان کو ایسا تصور کریں جیسا کہ ایک معتدل انسان ہو اپنے حقوق پر قانع ہو اور دوسروں کے حقوق کا معتقد ہو اضافی شخصیت کا خواہاں نہ ہے اور اس بات پر بھی نہ ہو کہ دوسروں کو اضافی شخصیت دے۔

یعنی بغیر وجہ کے کسی کی مدح و ثناء نہیں کرتا اور بغیر وجہ کے دوسروں کی مدح و ثناء اسے پسند نہیں ایسا انسان ایک متقی مسلمان ہوتا ہے اور ہم چاہتے ہیں کہ ہمارا معاشرہ ایسا ہی ہو اگر معاشرہ ایسا ہو جائے اور یہاں تک پہنچ جائے تو اس وقت ہم مطمئن ہو سکتے ہیں کہ عدالت کی بنیاد اس معاشرہ میں مضبوط ہو گئی ہے اور اس کے مستقبل کی ضمانت دے سکتے ہیں اس طرح کوئی آسانی سے ان لوگوں کی گردنوں پر سوار نہیں ہو سکتا۔ اب حضرت علی علیہ السلام کا وہ جملہ جو خطبہ ہمام میں ہے بیان کرتا ہوں آپ دیکھیں کہ تقویٰ کے بارے میں اس خطبہ میں حضرت

---

(۱) نہج البلاغہ: خطبہ نمبر ۱۸۴

علی علیہ السلام متقین کی صفات کو بیان کرتے ہیں اور فرماتے ہیں۔

تقویٰ ایک اسوہ حسنہ

میں چاہتا ہوں یہ تقویٰ کی حالت ہمارے مسلمان ملک کے ہر فرد' ہمارے ملک کی شخصیتوں اور عہدہ داروں کے وجود میں نظر آئے میں جو اپنی صلاحیتوں کی وجہ سے کسی عہدہ پر فائز ہیں یہ لوگ اپنا محاسبہ کریں تا کہ یہ لوگ بہترین افراد میں سے بن جائیں۔ البتہ ہماری بحث کا کچھ حصہ اگلے خطبہ سے شروع ہوگا اور وہ یہ ہے کہ کچھ معیار اسلام میں ہیں کہ وہ اہمیت رکھتے ہیں (یعنی قدر و قیمت رکھتے ہیں) اور ان معیاروں کے مطابق انسانوں کو مشاغل اور ... عہدے دیے جاتے ہیں اور ان عہدوں کے لئے خاص اعتبارات ہیں یہ اقدار (تمام کی تمام) ... عدالت کے راستے پر ہیں حقیقت اگرچہ انہیں کی طرف ہے اور یہ وہ چیزیں ہیں جو معاشرے ... تکامل تک پہچانے کے لئے ضروری ہیں اور ہم اس نقطہ تک پہنچنا چاہتے ہیں

اصل ہدف معاشرہ کی نجات

لیکن بنیادی نکتہ میرے خطبہ میں یہ ہے کہ علم اخلاق اسلامی اپنی بہت سی فصول میں اس کی طرف متوجہ کرتا ہے کہ معاشرہ کو اس حالت سے جس سے وہ دوچار ہے چاہے پیغمبر اسلام کی بعثت کا زمانہ ہو یا متاسفانہ آج کل کی صورتحال ہو اس صورت سے معاشرہ کو نجات دلائیں (پورا معاشرہ بشریت اس وقت اس حالت میں مبتلا ہے) اور انسانوں کو اپنے پاؤں پر کھڑا کریں قرآن مجید کی آیات میں سے ایک آیت جو بہت معروف ہے اور مختلف معانی رکھتی ہے اس کا ایک بہترین معنی یہ ہے۔

ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتیٰ یغیر وا ما بانفسھم

معاشرہ کی اصلاح کی ایک شرط یہ ہے کہ معاشرے کے افراد طالب اصلاح ہوں البتہ اس اصلاح کے لئے انسان خود قدم اٹھائیں یہ آیت کا ایک اور معنی ہے میرے خیال میں معنی یہ ہے اگر چاہتے ہو کہ ہمارے معاشرے کی اصلاح ہو اگر چاہتے ہو مستکبرین کے شر سے محفوظ رہو اگر چاہتے ہو کہ معاشرہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہو جائے تو مستقبل میں یہاں ڈکٹیٹر شپ نہ آئے اور دوبارہ معاشرہ استضعاف اور استکبار کا شکار نہ ہو جائے دوبارہ مترفین (فضول خرچ) نہ آئیں اور ان لوگوں پر سوار نہ ہوں یا جو مترفین رہ گئے ہیں ان کو اپنے راستے سے ہٹا دیں اور ایک ایسی عدالت وجود میں لے آئیں اور حضرت پیغمبر اسلام کا فرمان الناس کا سنان المشط محقق ہو جائے۔

اگر چاہتے ہو کہ اس منزل تک پہنچ جائیں تو اس کا راستہ یہ ہے کہ انسانوں سے شروع کریں انسانوں کی تربیت کریں اور معتدل انسان وجود میں لے آئیں جھوٹی شخصیتوں کو توڑ دیں جن کی شخصیت کو ختم کر دیا گیا ہے ان کی شخصیت کو زندہ کریں اور اس راستے پر چلیں جس راستے پر سب لوگ کمزوروں کے حقوق کا دفاع کرنے والے ہوں۔

سینتیسواں خطبہ

عدالت اجتماعی کی بحث کا تسلسل۔

امام العصرؑ کے زمانے میں عدالت اجتماعی۔

مختلف افکار میں ظہور امام زمانہ (عج) اور مسئلہ انتظار۔

امام زمانہ (عج) کی عدالت کے بارے میں روایات۔

اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم ۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ قال العظیم فی کتابہ ۔ و نرید انّمن علی الذین استضعفوا فی الارض و نجعلھم آئمہ و نعلھم الوارثین.(۱)

بحث عدالت اجتماعی کا تسلسل

اس وجہ سے کہ اس ہفتہ کی مناسبتیں (اسی طرح پچھلے ہفتہ اور آئندہ ہفتہ) بہت زیادہ ہیں۔ میں پہلے خطبہ میں اپنی بحث کو اسی عدالت اجتماعی کے موضوع پر ان ایام کے متعلق کی مناسبتوں میں سے ایک مناسبت بیان کرتا ہوں تاکہ وقت بھی بچ جائے اور ایک حد تک زمانے کے تناسب کی بھی مراعات کرسکوں تاکہ خطبوں میں بحث کا تسلسل برقرار رہے۔

عدالت اجتماعی سے میں میرا موضوع امام زمانہ کے وجود مقدس کے بارے میں ہے جو انقلاب کے مالک اور صاحب ہیں اور اسی طرح پوری دنیا کے مالک اور صاحب ہیں اور حضرت امام زمانہ (عج) محرومین جہان اور بشریت کی آئندہ زندگی کی امید ہیں حضرت امام زمانہ (عج) کے متعلق گفتگو کرنا ایک خطبہ میں حقیقتاً ایک مجمل اور فہرست وار چیز ہے لہذا میں اس خطبہ میں زیادہ تر ایک حصہ سے مربوط مطالب کو حضرت امام زمانہ (عج) کے متعلق بیان کروں گا جو میرے

---

(۱)۲۸: ۵

خطبوں اور عدالت اجتماعی کی بحث سے ہم آہنگ ہوں۔

عدالت اجتماعی کی بحث میں یہاں تک پہنچ گئے تھے کہ اسلام کے عادلانہ قوانین کا نفاذ اقتصادی حصہ میں ضروری ہے اس مسئلے میں انسان کے وجود کے اندر ایسا اعتدال پیدا ہوتا ہے کہ عادل انسان عادلانہ حکومت کا حصہ ہوں یہاں ایک جدید بحث کا آغاز ہوتا ہے (پچھلی فصل اور بحث تمام ہو گئی ہے) جو کہ میری بحثوں میں سے ایک اہم اور بنیادی بحث ہے۔ لیکن جو بحث آج شروع کرنا چاہتا ہوں ایک متفرقہ بحث ہے اس بحث کو عدالت اجتماعی کے مباحث کے آخر میں مرتب کریں تو بہتر ہے۔ یہاں یہ بحث نہیں ہو گی یا اسے اس حصہ کے آخر میں لایا جائے یا یہ کہ یہ بحث عدالت اجتماعی کے تمام مباحث میں تقسیم ہو جائے یعنی اس بحث کا ہر حصہ مربوط بحث میں رکھا جائے۔ اب موقع کی مناسبت کو مد نظر رکھتے ہوئے اور حضرت امام زمانہ (عج) کے احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے یہ بحث آج یہاں بیان کر رہا ہوں۔ وہ تمام مباحث جو عدالت اجتماعی سے متعلق بیان کر چکا ہوں ان مباحث کا ظہور بنیادی طور پر حضرت امام زمانہ (عج) کی حکومت کے دوران ہو گا یعنی لوگ ان مباحث کے بہتر عملی اور عینی نمونوں کو اس زمانہ میں دیکھیں گے۔

عدالت اجتماعی اور حضرت امام زمانہ (عج) کی زندگی

جو مطالب میں نے بیان کیے ہیں ان کی مضبوط دلیل یہی روایات اور آثار ہیں کہ جو حضرت امام زمانہ (عج) کی زندگی کو ان مطالب کے ساتھ منطبق کرتے ہیں یعنی روایات میں صراحتاً ہمارے اجتماعی اہداف حضرت امام زمانہ (عج) کی زندگی میں ظاہر اور آشکار ہیں۔ جب حضرت امام زمانہ (عج) سے متعلق گفتگو کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ بحث کریں۔ تو ظاہر ہے کہ امام زمانہ (عج) کے ساتھ محبت کرنے والے اور عشق رکھنے والے چاہتے ہیں کہ تمام پہلوؤں پر

بحث کی جائے لیکن یہ نہیں ہو سکتا ایک نکتہ جو حضرت امام زمانہ (عج) کی زندگی اور ہمارے انتظار کے بارے میں اہم ہے وہ یہ ہے کہ تمام ادیان آسمانی کے نزدیک اور تمام دنیا کے مکاتب فکر کے نزدیک پوری دنیا کے لوگ انتظار میں ہیں کہ جب امام زمانہ (عج) ظہور کریں اور معلوم ہوتا ہے کہ یہ عقیدہ جہان بینی الٰہی کی جڑ ہے اور بنیاد ہے۔

اس جہان خلقت میں انسان کی زندگی کے لئے ایسا دور رکھا گیا ہے جو سنت الٰہی میں اور کتاب آفرینش کی آخری فصل انسان کی زندگی اس زمین پر روشن اور درخشاں فصل ہے۔ ظہور امام زمانہ (عج) کے لئے یہ فصل حضرت موسیٰؑ کے معارف میں بھی ہے اور حضرت عیسیٰؑ کی تعلیمات میں بھی اور حضرت داؤدؑ کی زبور میں بھی ہے اور اسی طرح بدھوں بودا کے نوشتہ جات اور آثار میں بھی ہے اسی طرح زرتشتوں کی کتاب میں بھی ہے اور اسی طرح جو لوگ مشرق کے دور دراز حصوں میں رہتے ہیں اور اپنے لئے مستقل مکتب رکھتے ہیں ان کے مکتب میں بھی ایسے وعدے ہیں۔(۱)

یعنی تمام ادیان نے اپنے پیروکاروں سے کہا ہے کہ ایک زمانہ آئے گا جب حکومت الٰہی اس کائنات پر قائم ہوگی جس میں حاکم عدل و انصاف اور فضیلت اور امنیت رفاہ و آسائش اور تمام

---

(۱) یہودی اس عقیدے پر تھے اور ہیں کہ آخر الزمان میں ماشیع یعنی مہدی (عج) پیدا ہوگا اور بادشاہوں کا بادشاہ ہوگا اور اولاد اسحاقؑ میں سے ہوگا نہ کہ اولاد اسماعیلؑ میں۔ حضرت عیسیٰؑ کے پیروکار کہتے ہیں ھادی ظہور کرے گا اور کائنات پر چھا جائے گا قدیم آریہ قوم بھی اس عقیدہ پر ہے کہ گرز ا ایران کا تاریخی پہلوان زندہ ہے اور کابل میں سویا ہوا ہے اور ایک لاکھ فرشتہ اس کی حفاظت کر رہا ہے ایک دن اٹھ کر قیام کرے گا۔ برحمیاں اسی عقیدہ پر ہیں کہ آخر الزمان میں وشیو ظہور کرے گا اس حالت میں کہ سفید گھوڑے پر سوار ہوگا تیز اور برندہ تلوار اس کے ہاتھ میں ہوگی مخالفین برھما کو قتل کرے گا اور دنیا کو برھمن کرے گا۔

اخلاقی جہات کو معاشرے میں نافذ کرے گا اس مدت میں کرہ ارض پر ایک ایسا معاشرہ وجود پائے گا جس میں حقیقتاً انسانی زندگی قائم ہوگی۔

امام زمانہ (عج) کا ظہور یقینی ہے

پیغمبر اسلامؐ کی تعبیرات میں یہ بات تاکید کے ساتھ بیان کی گئی ہے، کبھی پیغمبر اسلام فرماتے تھے امام زمانہ کے ظہور کا مسئلہ اتنا یقینی امر ہے کہ اگر دنیا کے ختم ہونے میں ایک دن بھی باقی رہ جائے تو اس دن خداوند متعال اس دنیا میں حضرت امام زمانہ (عج) کے ظہور کو محقق کرے گا اور حکومت عدل برقرار ہوگی یعنی یہ واضح اور حقیقی پیشن گوئی کی گئی ہے اور یہ وعدہ تخلف ناپذیر ہے یہ ایک ایسا امر ہے جو ہمارے معارف اسلامی کے علاوہ دوسرے ادیان میں بھی دیکھا گیا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک حد تک یہ مسئلہ انسانوں کی فطرت میں ملا ہوا ہے مثال کے طور پر مکتب الحادی (بے دین) مارکس (۱) میں جو کلی طور پر معنویات اور غیب کے مسائل سے رو گرداں ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ تمام اشیاء کو مادہ کے گرد تصور کریں وہ بھی اس نکتہ پر پہنچ گئے ہیں اور اپنی تاریخ تحلیلی میں کہتے ہیں کہ ایک دن اس دنیا کا طبقاتی تضاد محو ہو جائے گا اور معاشرہ بغیر

---

(۱) مارکس کی نظر میں معاشرے کا توازن متغیر ہے اور معاشرہ متضاد قوت افرادی سے تشکیل پاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ معاشرہ میں قوت افرادی کے درمیان کشمکش ہے۔ اور کردار بھی متضاد ہے اسی وجہ سے اجتماعی دگرگونی پیدا ہوتی ہے مارکس اپنے نظریہ میں تاریخ کے مختلف دور دکھاتا ہے کہ انسان ان ادوار میں مسلسل تکامل کی طرف جاتا ہے۔ مارکس کے ادوار طبقہ اولیہ معاشرہ سے شروع ہوتے ہیں اس کے بعد یہ ادواری سلسلہ اس طرح شروع ہوتا ہے بہرہ برداری کا دور فنون دانی کا دور سرمایہ داری کا دور اس حکومت میں تمام افراد یکسانیت سے برخوردار ہیں اور کوئی ظلم واقع نہیں ہوتا مارکس کا مشروح تکاملی نظریہ اس معروف کتاب سرمایہ میں آیا ہے

طبقاتی نظام کے وجود میں آئے گا۔

مارکس ازم کے تفکر میں معاشرہ بے طبقہ اولیہ

البتہ وہ لوگ اس معاشرے کو سوشلسٹ دور کا معلول دور سمجھتے ہیں اس لئے کہ بہت زیادہ رفاہ اور بہت زیادہ نعمتیں اس معاملے میں تضاد کی کوئی گنجائش نہیں اور معاشرہ اس قدر رفاہ و آسائش میں ہے کہ جو شخص جس مقام تک چاہے پہنچ سکتا ہے نہ حکومت کی ضرورت ہے نہ کسی قسم کی لڑائی وجود میں آتی ہے اور وہ بھی اپنی مادی تحلیلوں میں اس نتیجے پر پہنچ چکے ہیں اور اپنی تحلیلوں میں کہتے ہیں کہ تاریخ کی حرکت جس راستے سے گزر رہی ہے یہ ایک بے طبقہ معاشرہ تک پہنچ جائے گی جو مشترک ہے معاشرے کے تمام افراد یکساں جو معاشرے میں زندگی گزاریں گے۔(۱)

اس بناء پر انسان خیال کرتا ہے کہ کسی بھی طور پر اس طرح کا مستقبل تمام لوگوں کے لئے وجود رکھتا ہے اور ایسا معاشرہ وجود میں آئے گا جو روشن ترین اور واضح ترین روایات کی وجہ سے ایسے معاشرے کو مکتب تشیع کے معلمین کی تعلیمات میں دیکھ سکتے ہیں جن میں اس نے معاشرے کی بہت سی خصوصیات کا بھی ذکر ہے دین اسلام میں تقریباً تمام فرقوں کے علماء اسلام اس معاشرے کے وجود کے بارے میں متفق القول ہیں یعنی ایک چیز مہدی موعود اور منجی شریعت اور مصلح کل کے نام سے معارف اسلامی میں اہم شیعہ اور سنی علماء کو قبول ہے۔

---

(۱) بے طبقہ معاشرہ کارل مارکس کے تفکر میں ہے جس کی جڑ سوشلسٹ حکومت سے وہ اعتقاد رکھتا ہے کہ جب سرمایہ داروں کے اندرونی تضاد میں وہ نظام تباہ ہو جاتا ہے تو سوشلسٹ معاشرہ وجود میں آتا ہے تدریجاً یہ معاشرہ اشتراک کی طرف گامزن ہوتا ہے اور ہر نظر سے اس بے طبقہ اولیہ معاشرے سے شباہت رکھتا ہے جو غلامی کے دور سے پہلے وجود رکھتا تھا۔

حضرت مہدیؑ کا ظہور اور اہل سنت کا عقیدہ

اہل سنت کی ایک بڑی تعداد کسی کو مہدی کے نام سے متعارف نہیں کراتے ہیں کہ وہ ایک معین شخص ہے ایک معین زمانے میں ایک ایسی شخصیت ظہور کرے گی اس کی ولادت عام لوگوں کی طرح اس زمانہ میں ہو گی وہ شخص ایک اسلامی قائد و رہبر کی صفات کا مالک ہو گا اسلام کو غالب کرے گا اور دنیا کو نجات دلائے گا علماء اہل سنت کے درمیان شائد ۲۰۰ سے زائد علماء تقریباً اہل تشیع ایسا نظریہ رکھتے ہیں۔ یعنی ایک معین شخص کا نام لیتے ہیں کہ امام حسن عسکری علیہ السلام کا فرزند ہے اور انہیں صفات اور مشخصات کے ساتھ جو ہم اہل تشیع کا نظریہ ہے ایسا نہیں کہ وہ اس طرح متفق ہوں کہ مہدی نوعی ہے (یعنی کوئی غیر معین شخص) اہل تشیع میں بھی یہ اختلاف نظر ہے یعنی اہل تشیع کے تمام فرقے ہم اثنا عشری شیعیوں کی طرح نہیں سوچتے یعنی بعض شیعہ فرقے ہیں کہ ان کا مورد نظر مہدی آیا ہے اور چلا گیا ہے کچھ شیعہ فرقے ہیں جن کا مورد نظر مہدیؑ کوئی اور ہے بہر حال ایک ایسا شخص ہے جو بنام مہدیؑ اس اسلامی معاشرہ میں اتفاق نظر ہے (۱)

---

(۱) جو فرقے اسلام میں وجود منجی عالم بشریت پر اعتقاد رکھتے ہیں وہ یہ ہیں۔

ا۔ کسانیہ کچھ لوگ تھے جو محمد حنفیہ جو حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے فرزند ہیں اس وجہ سے کہ پیغمبر کے ہم نام اور ہم کنیت تھے اور یہ حضرت امام مہدی علیہ السلام کے علامات میں سے ہے۔ اس وجہ سے اس کو مہدیؑ موعود سمجھتے تھے اور اس کی موت کے بعد کہتے تھے کہ وہ نہیں مرا بلکہ وہ ایک پہاڑ بنام رضوی میں زندگی بسر کر رہا ہے اور ظاہر ہو گا اور دنیا کو عدل سے پر کردے گا

۲۔ ناویسہ کچھ لوگ تھے جو حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کو مہدی موعود اور زندہ اور غائب سمجھتے تھے باقی یہ کچھ لوگ تھے جو حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کو زندہ اور مہدی موعود سمجھتے تھے۔

۳۔اسماعیلیہ ان کے عقیدہ میں محمد بن عبداللہ ملقب بہ مہدیؑ ہیں جو مصر اور مغرب کے ملکوں میں سلطنت پر پہنچا تھا اور روایت کی ہے کہ پیغمبر اسلام نے فرمایا سورج تین سو سال میں مغرب سے نمایاں ہوگا۔

بعض علماء (۱۲۰) سے زائد آیات قرآن حضرت امام مہدی علیہ السلام کے فلسفہ وجودی پر منطبق کرتے ہیں مثال کے طور پر جو آیت ابتداء خطبہ میں میں نے تلاوت کی ہے سورہ قصص آیت نمبر ۵ اور اس کے علاوہ باقی بہت سی آیات سے آپ کا یہ ظہور ثابت کرتی ہیں یہ مہدیؑ ان مشخصات کے ساتھ جو میں نے عرض کیا ہے دنیا کے کچھ حصے اس کے منتظر ہیں عیسویت منتظر، موسویت منتظر، کلیسی منتظر، زرتشتی منتظر اور باقی ادیان کسی نہ کسی طریقے سے منتظر ہیں مختلف عناوین کے تحت ہم بھی منتظر ہیں۔ البتہ زیادہ مشخصات اور صفات کے ساتھ کہ یہ شخصیت آئے گی کیا کرے گی اور وہ آئیڈیل معاشرہ جو کہ مہدیؑ موعود لائے گا اس آئیڈیل معاشرے کے بارے میں باتیں بہت زیادہ ہیں میں بھی اس آئیڈیل معاشرے کے تمام پہلوؤں کو بیان نہیں کرنا چاہتا آج اس کی تحقیق بیان کروں گا جو میری بحث سے مربوط ہے۔

روشن فکر افراد اور مسئلہ انتظار!

اس مسئلہ میں قابل بحث نکات موجود ہیں جن کا بیان کرنا اس خطبہ میں ممکن نہیں مثال کے طور پر بعض روشن فکر افراد جو چاہتے ہیں کہ تمام چیزوں پر مادہ کو تحمیل کریں حضرت امام زمانہ (عج) کی عمر کے بارے میں ان کے ذہن میں شکوک و شبہات ہیں وہ کہتے ہیں ایسی چیز کیسے ہو سکتی ہے شیعہ عقیدے کے مطابق اب تک حضرت کی عمر ہزار سال سے زائد ہے اور مستقبل میں بھی معلوم نہیں شائد حضرت عمر کی اس وقت تک جب تشریف لائیں ایک ملیون سال تک پہنچ جائے ہم یہاں ایک باتفصیل بحث نہیں کرنا چاہتے ہماری نظر میں معجزہ ایک معمولی مسئلہ ہے اور اہم بحث نہیں ہے ہمارے سامنے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے توسط سے مردوں کا زندہ ہونا ہے پیغمبر کے شق القمر کا واقعہ قرآن مجید میں اور اس کے علاوہ باقی معجزات آج تک کسی نے ثبت نہیں کیے انسان زیادہ عمر نہیں کر سکتا ہزاروں سال عمر کوئی منشاء علمی نہیں رکھتی صرف اور صرف عمومی اور عادی منشاء ہے۔ہم دیکھتے ہیں انسانوں کی عمر اس حد تک محدود ہے کہ اگر کوئی شخص خاص ضوابط کے تحت زندگی گزارے تو کوئی دلیل نہیں کہ انسان کی عمر اس مقطع میں محدود ہے قرآن مجید میں صراحت کے ساتھ حضرت نوحؑ کے دوران تبلیغ کشتی بنانے سے پہلے ۹۵۰ ساڑھے نو سو سال بتایا ہے اور وہ بھی ایک معمولی انسان کے بارے میں جو پیغمبر تھے اس موضوع پر ضروری تھا کہ میں زیادہ گفتگو نہ کروں کیوں کہ میری بحث بھی یہاں زیادہ نہیں ہے بلکہ وہ بحث ضروری ہے جو دیگر مقامات سے بیان کی جائے گی۔

ایک مسئلہ جو پہلے بھی در پیش تھا لیکن ان دنوں کی محافل میں عام ہے وہ یہ تھا کہ اس دنیا میں جو ایٹم کے ساتھ مسلح ہے وہ بم جس میں یہ صلاحیت ہے کہ دنیا کے ایک حصہ کو ایک منٹ میں تباہ کر سکتا ہے ایک انسان اس دنیا کو آ کر فتح کرلے گا اور ایک واحد عالمی حکومت بنا لے گا یہ بھی ایک اجتماعی بحث ہے جو کہ انقلاب اسلامی کی فتح کے بعد اور جو عظیم حرکت اس علاقہ میں ہوئی ہے اور جو نمونے ہمارے پاس تاریخ سے موجود ہیں مکمل طور پر قابل قبول ہیں ان کے علاوہ ان وسائل اور سہولیات کی بدولت جو امام زمانہ کے پاس موجود ہوں گے اور جو اعلام امام زمانہ کے پاس ہوں گے اور جو اجتماعی پروگرام منظم ہوئے ہیں اور ان کے لئے جن مقدمات کو فراہم کیا گیا ہے۔ان کے باعث یہ چیز ناممکن نہیں ہے۔

حضرت ان حالات میں تشریف لائیں گے کہ دنیا اپنے زمام داروں سے تھک چکی ہو گی اور ایک مصلح بزرگ کی تلاش میں ہو گی جو بہترین پروگرام کے ساتھ آئیگا اس بنا پر وہ مسئلہ جو مسلح افراد اور طاقت کا یا ایٹم کا جو قابل حل ہے اور بحث کی قطعی ضرورت نہیں اور ہم اس بحث

کے پیچھے نہیں جارہے اس بحث کا مقام یہ نہیں ہے کسی اور ضمن میں اس پر بحث کی جائے گی

معاشرہ امام زمانہ (عج) کے زمانے میں

ہم اس معاشرے کے بارے میں گفتگو کرنا چاہتے ہیں جس کو امام زمانہ (عج) ادارہ کریں گے اور اس حوالے سے گفتگو کریں گے کہ یہ معاشرہ جو اقتصادی حوالے سے ایک عادلانہ معاشرہ ہے کہ جو میرا موضوع بحث ہے بہت سی روایات میں آیا ہے کہ جب امام زمانہ آئیں گے علمی لحاظ سے معاشرہ کی سطح بلند ہو گی امام زمانہ (عج) کے علم کا اضافہ ہونے کے بعد زمین کے وسائل اور سہولیات بہت زیادہ حد تک بشر کے اختیار میں رکھی جائیں گیں تکامل علمی کے لحاظ سے چند روایات اس بارہ میں موجود ہیں۔

اذا قام قائمنا وضع الله يده على رئو وس الانام فكملت بها عقولهم

جب امام زمانہ (عج) ظہور کریں گے تو خداوند متعال اپنی رحمت کا ہاتھ لوگوں کے سروں پر رکھے گا اور اس قدر لوگوں کو فکری لحاظ سے بلند کرے گا کہ ان کے عقول کامل ہو جائیں گے اور ان کا علم انتہائی مراحل تک پہنچ جائے گا ایک اور روایت میں یہ ہے کہ تمام علوم جو خداوند عالم نے بشریت کو دیے ہیں وہ ستر سے اوپر حرف ہیں کہ امام زمانہ (عج) ظہور تک ان ستر اور کچھ حروف میں سے فقط ایک حرف ظاہر اور آشکار ہو گا امام زمانہ (عج) کے ظہور کے بعد باقی حروف ظاہر اور آشکار ہوں گے۔ بعض کہتے ہیں جو علم خداوند عالم چاہتا ہے بشریت کو دے امام زمانہ (عج) کے ظہور زمانہ تک ظاہر ہو گا اور باقی علوم امام زمانہ (عج) کے ظہور کے بعد ظاہر ہوں گے اور لوگ اس قدر عالم ہو جائیں گے (۱)

---

(۱) حضرت امام زین العابدین علیہ السلام فرماتے ہیں علم ۲۷ حروف ہیں جو کچھ انبیاء لائے ہیں لوگوں کے

علامات ظہور امام زمانہ (عج)

علامات ظہور کے بارے میں بہت سی چیزیں موجود ہیں من جملہ ان کے یہ ہے جو لوگ مشرق میں ہیں وہ مغرب کے ساتھ بات کر سکیں گے اور ایک دوسرے کو دیکھ سکیں گے البتہ اس حد تک زمانے میں ٹیلی ویژن بھی نہیں ہوں گے تاہم ممکن ہے یہ ان موارد میں سے ہوں جو امام زمانہ (عج) کے زمانے سے پہلے وجود میں آئے۔(۱)

کچھ ایسی روایات بھی ہیں جن میں ہے کہ جب امام زمانہ تشریف لائیں گے تو زمین اپنے اندر کے تمام ذخائر کو امام زمانہ (عج) اور حکومت کو پیش کرے گی۔

تظهر الارض کنوزها

زمین اپنی تمام ہستی اور ثروت کو اس زمانہ کے لوگوں کے اختیار میں دے دے گی

یا تخرج افلا کبد ها

لئے دو حرف ہیں اور اب تک لوگ دو حرف سے زیادہ نہیں جانتے لیکن جب ہمارا قائم قیام کرے گا تو ۲۵ حروف اور آشکار ہو جائیں گے اور وہ ان لوگوں کے درمیان منتشر کرے گا تاکہ ۲۷ حروف پورے ہو جائیں یعنی مختلف علوم کی اقسام لوگوں میں منتشر ہو جائیں (کتاب الناصب ص ۲۳۰) بہ نقل از کتاب حکومت عدل گستر در دوست مهدی (عج) مختصر حسین مهدی کاشانی ص ۱۹۴

(۱) امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں

ان المومن فی الزمان القائم وهو بالمشرق یرا اخاه فی المغرب وکالذی فی المغرب یری اخاه الذی فی المشرق منه (منتخب الاثر ص ۴۸۳)۔

امامؑ کے زمانے میں مشرق میں رہنے والا شخص مغرب میں رہنے والے کا مشاہدہ کرے گا اسی طرح مغرب میں رہنے والا شخص مشرق میں رہنے والے کا مشاہدہ کرے گا۔

زمین یشیرہ ہبد کے لوگوں کے حوالے کرے گی تاکہ لوگ اس کے تمام ذخائر سے استفادہ کریں ایک اور روایت موجود ہے کہ عراق سے شام تک جب کوئی شخص پیدل سفر کرے گا تو اس کا ایک قدم بھی بنجر اور خالی بیاباں میں نہیں پڑے گا پورا راستہ سرسبز زمین ہو گی۔ وہاں نباتات ہونگے جو لوگوں کی خدمت کے لئے ہوں گے انواع واقسام کی روایات ہیں جو بتاتی ہیں کہ امام زمانہ (عج) کے دور میں پیدواری اور علمی حرکت اس قدر قوی ہو گی کہ لوگ زمین کے وسائل کو حاصلکریں گے وہ لوگوں کے اختیار میں ہوں گے اور رفاہ اور آسائش بہت زیادہ ہو گی ایسے معاشرے میں لوگوں کی اقتصادی زندگی کیسی ہے یہ مقدمہ اس لئے ہے کہ آپ پہچانیں کہ امام (عج) دشمنوں سے کس طرح مقابلہ کریں گے اور اموال کس طرح تقسیم ہوں گے ہم اس زندگی کے منتظر ہیں مگر یہ زندگی میسر نہیں!

مسئلہ انتظار شیعہ تفکر میں

ایک اور بحث جو کہ ضروری ہے وہ بحث انتظار ہے انتظار کا کیا معنی ہے انسان مبہم طور پر ایک شخص کا منتظر ہے یا ایک ماجرے کا منتظر ہے یا ایک حالت کا ضروری ہے کہ وہ اپنے آپ کو اس کے لئے تیار کرے اگر آپ کا بیٹا یا گھر کا بڑا فرد سفر پر ہو محاذ جنگ پر گیا ہوا ہو دو تین مہینے بعد خبر آئے کہ ابھی پہنچنے والا ہے اور معلوم کرتے ہیں کہ اسٹیشن پر پہنچ گیا ہے اور فلاں ٹائم پر ریل گاڑی سے اتر گیا ہے۔

اس وقت کو مد نظر رکھتے ہوئے اس کے گھر پہنچنے تک کے ان آخری لمحات کو حالت انتظار کہتے ہیں آپ خود کو اس حالت میں مجسم کریں گے۔ آپ کی توجہ دروازے پر رہے گی گھر کا ماحول ایسے طریقے پر آپ نے مرتب کیا ہو گا کہ جب مہمان آئے تو اس کے مزاجے مطابق اور اس کے لذات اور سوچ کے مطابق پذیرائی کے لئے تیار ہوں یہ آپ اپنے مورد انتظار شخص کے

نقطہ نظر سے تیار کرتے ہیں تاکہ اس حالت انتظار کو مجسم کریں۔

ہم اپنے معاشرے میں مدعی ہیں کہ امام زمانہ (عج) کے منتظر ہیں اور اس قدر دعا کرتے ہیں لیکن وہ گروہ جو ایک طویل عرصہ سے ماضی سے لے کر آج تک اس نام سے کہ امام زمانہ (عج) آئیں گے اور اصلاح کریں گے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھے ہیں اور مظالم پر سر تسلیم خم کیے ہوئے ہیں اور آج بھی کبھی کبھی انہی باتوں کو دہراتے رہتے ہیں کہ بالآخر ضروری ہے کہ امام زمانہ (عج) آکر اصلاح کریں ان کے انتظار کرنے کی دلیل یہی ہے؟(۱)

اگر یہ امام زمانہ (عج) کے منتظر ہیں تو اس طرح زندگی بسر کریں کہ جب امام زمانہ (عج) تشریف لائیں تو یہ لوگ ان کی شان کے مطابق اپنی زندگی کی تنظیم کر چکے ہوں امام زمانہ (عج) جب آئیں گے اور دیکھیں گے مثال کے طور پر یہ فلاں ثروت مند ہے کہ جس کے پاس اتنا مال ہے پھر بھی گران فروشی کر رہا ہے امام زمانہ (عج) کا رویہ اس کے ساتھ ایسا نہیں ہوگا جیسے ہمارا ہے امام (عج) فیصلہ کن طریقے سے مقابلہ کریں گے اور دوسرے طریقہ سے مسائل کو حل کریں گے چار سال صبر نہیں کریں گے امام زمانہ (عج) ہماری طرح نہیں کہ قانون کی اصل ۴۹ پارلیمنٹ میں تیار ہونے والی ہے تاکہ وہ دیکھے کہ وہ مالداروں نے کیا کیا ہے اور مال ثروت کو کہاں سے لائے ہیں۔

(۱) محمد رضا حکیمی اپنی کتاب خورشید مغرب میں لکھتے ہیں یہ نہیں سوچنا چاہیے کہ انتظار ظہور اور مہدی موعود (عج) کے لیے چشم براہ ہونا اس طرح ہو جو اس کا موجب بنے کہ اصلاحی تحریکوں سے ہاتھ اٹھا لیں چاہے سماجی ہوں یا مذہبی ہوں یا اجتماعی ہوں ہر گز ایسا نہیں ہے کہ انتظار کا معنی یہ ہو کہ دعوت قبول نہ کرنا بلکہ انتظار کا معنی ہے دعوت حق کو قبول کرنا باطل کو قبول نہ کرنا بلکہ انتظار ہر نا حق کے مقابلے اور ہر ظلم و ستم اور ستم گر کے مقابلے میں استقامت کی بنیاد ہے۔

قانون شکنوں کے ساتھ امام زمانہ کا رویہ

حضرت ایک مرتبہ ان مال دار لوگوں کی جان پر حملہ آور ہونگے اس روایت کے مطابق جو اب میں بیان کروں گا حتیٰ اگر کسی کے دانت میں کسی دوسرے کا مال پوشیدہ ہوگا تو وہ دانت نکال لیں گے اور دانت کے اندر سے دوسرے کا مال نکال لیں گے اور اس کے مالک کو واپس دیں گے امام (عج) مالکیتوں کو لغو نہیں کریں گے ہر شخص مالک ہے اور یہ احکام اسلام کا حصہ ہے حضرت امام زمانہ (عج) جب تشریف لائیں گے تو تمام اقتصادی جنایت کو واپس لوٹا دیں گے اور اس طرح برتاؤ کریں گے کہ کچھ لوگ شور مچائیں گے اور غلط فہمی پیدا کریں گے اور بعض روایت کی تعبیر یہ ہے یستانف الاسلام اسلام حیات نو حاصل کریگا اس موقع پر بہت سے لوگ کہیں گے یہ تو مارکیسیٹ ہے اور اس کے ساتھ امام زمانہ (عج) اس طرح سلوک کریں گے۔ایسی باتیں امام زمانہ کے بارے میں سامنے آئیں گئیں اور جب حضرت آئیں گے اس پروگرام کے ساتھ جس کے متعلق ابھی کچھ روایات بیان کروں گا دیکھتے ہیں کہ امام زمانہ (عج) کس طرح کا رویہ اختیار کریں گے ضروری ہے کہ ہم ایسے حالات کے منتظر ہوں جو لوگ امام زمانہ (عج) سے محبت رکھتے ہیں جو لوگ امام زمانہ (عج) کے بارے میں عقیدہ رکھتے ہیں جو لوگ سوچتے ہیں کہ امام زمانہ (عج) کی حکومت ان کو نجات دلانے والی ہے حداقل امام زمانہ (عج) سے مربوط روایات کو پڑھیں اور اپنے آپ کو امام زمانہ (عج) کے ظہور کے ساتھ منطبق کریں (۱)

---

(۱) پیغمبرؐ اسلام فرماتے ہیں خوش نصیب ہیں وہ منتظر جو امام زمانہ کے حضور پہنچیں گے وہ لوگ اس کے قیام سے پہلے اس کے پیروکار ہیں اس کے محبّ ہیں عاشقانہ محبّ اور اس کے ساتھ موافق ہیں اور اس کے دشمن کے دشمن ہیں (الغیبۃ شیخ طوسی) (بحارالانوار جلد ۵۲ ص ۱۳۰)

لوگ اس کے ظہور کے لئے تیار ہو جائیں یہ نہ سوچیں کہ اب ہم اس طرح ہیں جب امام زمانہ آئیں گے ہم تسلیم محض ہو جائیں گے یہ فقط ایک خیال ہے جو انسان اس وقت ان چیزوں کو جو معارف اسلام اور قرآن کا جز ہیں اپنے اندر نہ اتاریں جب امام زمانہ (عج) آئیں گے تو یہ شک کریں گے اب وہ بحث کرتا ہوں جو میرے موضوع سے مربوط ہے اور میری بحث امام زمانہ (عج) کی زندگی کے بارے میں ہے امام زمانہ (عج) کے دور میں عدل و انصاف کے بارے میں ہے۔

وہ حضرات جو امام زمانہ (عج) کے متعلق روایات کا مطالعہ رکھتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ یہ مضمون عدل و انصاف امام زمانہ (عج) سے مربوط روایات میں تواتر کے ساتھ آیا ہے بہت سی روایات میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ امام زمانہ (عج) کے ساتھ زمین کو عدل و انصاف سے پر کردے گا جب کہ یہ زمین ظلم و جور سے بھری ہوئی ہوگی۔

یملا ء اللہ بہ الارض قسطاً و عدلا بعد ما ملئت ظلماً و جوراً

کچھ متفاوت تعبیرات کے ساتھ یہ مضمون حقیقتاً تواتر کے ساتھ نقل ہوا ہے بعض روایات یہاں ختم ہو جاتی ہیں اور بعض روایات اس کے بعد وضاحت کرتی ہیں کہ وہ عدل و انصاف جو امام زمانہ (عج) برقرار کریں گے کیا ہے ؟ اب میں ان میں سے بعض روایات کو بیان کرتا ہوں تاکہ دیکھیں وہ عدالت جو امام زمانہ (عج) برقرار کریں گے وہ کیسی ہوگی میں نے عرض کیا ہے امام زمانہ (عج) کے ظہور کا مقدمہ یہ ہے کہ لوگوں میں فکری تکامل وجود میں آئے یعنی اس دن کے لوگ پڑھے لکھے ہوں اور تہذیب و اعلی ثقافت والے ہوں اور سمجھیں کہ جمع بھا عقولھم وکملت بھا اخلا قھم عقول جمع ہونگے اور متمرکز ہونگے اور اخلاق انسانی بھی انسان پر حاکم ہوگا۔

امام زمانہ (عج) کا رویہ معاشرے میں فساد کے بارے میں

اس بنا پر امام زمانہ (عج) کا رویہ فساد کے بارے میں اس وقت اس کائنات میں حقیقی ہو گا لوگوں کی فکری اور ثقافتی سطح بلند ہو گی اور مسائل کو اچھی طرح سمجھ سکیں گے اور حق کے مقابلے میں ان کی مقاومت بہت کم ہو گی زمین کی آبادی کے بارے بھی میں نے کہا ہے اس دور میں زمین کس طرح آباد ہو گی اور زمین کی شادابی رفاہ، آسائش کا موجب بنے گی لیکن عدالت کے بارے میں یہ ہے کہ اسے امام زمانہ (عج) بر قرار کریں گے۔

ایک تعبیر جو اس کے بارے میں ہے وہ یہ ہے کہ زمین عدالت سے بھر جائے گی امام زمانہ (عج) کے ظہور کے بعد کچھ تعابیر مساوات اموال سے مربوط ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں وہ زمین کو انصاف سے بھر دے گا اور فرماتے ہیں۔

یقسم المال صحیحاً

مال کو صحیح طریقے سے تقسیم کرے گا یعنی اس عدالت سے مراد اقتصادی عدالت ہے فقال لہ رجل ایک شخص نے عرض کی۔

ما صحیحاً

صحیح سے مراد کیا ہے؟ قال صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضور اکرمؐ نے فرمایا بسویۃ بین الناس مال کو مساوی طور پر لوگوں میں تقسیم کرے گا اس کا معنی یہ نہیں کہ تمام لوگوں کو تمام وسائل مساوی ملیں گے ایسا نہیں یہاں مقصود وہ اشیاء ہیں جو حکومت سے مربوط ہیں ملک کے عمومی وسائل جو حکومت کے اختیار میں ہیں اور ایسے حقوق جو حکومت کے لئے ضروری ہیں لوگوں کے درمیان تقسیم کرے۔

ان وسائل اور سہولیات کو لوگوں میں مساوی تقسیم کیا جائے گا ایسا نہیں ہو گا کہ بعض

لوگ زمین، پانی، فضا اور مطلق انفال، دریا معدنیات اور حکومتی وسائل اور سہولیات اور ان تمام اشیا سے جو حکومت کے دسترس میں موجود ہیں ان سے استفادہ کریں گے اور لوگ زیادہ سے زیادہ آسودہ خاطر زندگی گزاریں گے اور ایسا نہیں ہوگا کہ جن کی دست رسی دور تک نہیں فقیر ہو جائیں گے بلکہ حکومت وسائل اور سہولیات کو تمام لوگوں کے درمیان مساوی تقسیم کرے گی ایک اور روایت یہ ہے۔ اس کلی عدالت سے متعلق حضورؐ فرماتے ہیں۔

ویسوی بین الناس حتیٰ لا تریٰ محتاجاً الی الزکو اة و یجیع اصحاب الزکواة وزکواتهم

پیغمبرؐ اسلام فرماتے ہیں ایسے طریقے سے مال کو تقسیم کرے گا کہ امام زمانہ (عج) کی پوری مملکت میں کوئی محتاج نہیں ملے گا جس کو مال زکواۃ دیا جا سکے جن کے مال پر زکوۃ واجب ہو گی ضروری ہے کہ وہ اپنی زکاۃ کو ایک مخصوص طریقے سے ایک مخصوص جگہ پر لے جائے تاکہ خاص طریقے سے تقسیم ہو یعنی لوگوں کی حالت اور اموال کی تقسیم اس صورت میں ہوگی اب پیدوار کے بارے میں کیا کریں گے تقسیم کے بارے میں کیا کریں گے۔

یہ مسائل اجرائیہ سے مربوط ہیں اب ہمارے معاشرے میں اور دنیا میں فکر رائج ہے کہ وہ پروگرام جو امام زمانہ (عج) رکھتے ہیں وہ آج مطرح ہے وہ خواہشات جن کی امام زمانہ (عج) تعقیب کریں گے اور وہ اسلام امام زمانہ (عج) جس کی پیروی کریں گے وہ آج رائج ہے وہ عدالت جس کا وعدہ ہمیں دیا گیا ہے اور وہ انصاف جس کا عہد ہم سے کیا گیا ہے یا وہ ظلم جس کے متعلق کہا گیا ہے کہ امام زمانہ (عج) اس ظلم کا مقابلہ کریں گے۔

وہ انہی اقتصادی مسائل پر ہوگا یہ نہیں کہ باقی مسائل فراموش کر دیے جائیں گے تمام مسائل ہونگے لیکن حقیقتا بات یہ ہے کہ دنیا کا اہم ظلم اقتصادی شعبے میں ہے اور دنیا میں عظیم جنایات کو مُسرف اور مترف اور اقتصادی جنایت کار لوگ انجام دیتے ہیں اور یہ سبب ہے

بہت سی دوسری جنایات کی لہذا یہاں امام زمانہ (عج) کی عدالت مطرح ہوتی ہے اس عدالت کو فوراً اقتصادی جریانات کی طرف لے جاتے ہیں

امام محمد باقر علیہ السلام سے ایک روایت

امام محمد باقر علیہ السلام سے ایک روایت ہے شائد میں نے پہلے کسی بحث میں یہ روایت بیان کی ہو کوفہ کے لوگ امام محمد باقر علیہ السلام کے خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا یا حضرتؑ کوفے میں شیعوں کی کثرت ہے آپؑ سوچیں اور کسی کو بھیجیں یا آپؑ خود تشریف لائیں تاکہ ہم وہاں قیام کریں ہو سکتا ہے کوفے میں کوئی کام کر سکیں امامؑ نے فرمایا۔

کیا ہمارے شیعہ کوفے میں یہاں تک پہنچ گئے ہیں کہ حقیقی شیعہ ہوں لوگوں نے کہا ہاں حقیقی شیعہ اور محب ہیں یہ لوگ اس انتظار میں تھے کہ امام زمانہ (عج) کی حکومت کو کوفے میں دیکھیں اور خیال کرتے تھے کہ شیعوں کی کثرت ایک جگہ پر ان کاموں میں سے ہے جو امام زمانہ (عج) کے ظہور کا لازمہ ہے انسان تاریخ تشیع میں دیکھتا ہے ہر موقع تاریخی ہے کچھ افراد تھے کہ مہدویت کے اصلی خط کو نہیں جانتے تھے۔

وہ یہ سوچتے تھے کہ ہر زمانے میں امام مہدی علیہ السلام کے ظہور کو دیکھ سکیں گے امام جعفر صادق علیہ السلام کے زمانے میں ابھی ایسی فکر تھی امام محمد باقر علیہ السلام کے زمانے میں بھی ایسی فکر تھی امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے زمانے میں اور دیگر ائمہ علیہم السلام کے زمانے میں بھی ایسی فکر تھی حتیٰ محمد حنفیہ کے زمانے میں جو امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے بعد ہے ایسی باتیں تھیں ایسی سوچ تھی جن کی وجہ سے لوگ چاہتے تھے کہ امام مہدی علیہ السلام کی زندگی کو اس مہدویت موعود کو دوسرے ائمہ علیہم السلام کی زندگی میں دیکھیں۔

اسی لئے ائمہ علیہم السلام کی خدمت میں آتے اور مہدویت کے عناوین کے تحت

چاہتے تھے کہ ائمہ علیہم السلام قیام کریں اور وہ بھی مسلحانہ قیام امام محمد باقر علیہ السلام اہل کوفہ کے جواب میں فرماتے ہیں آپ کس چیز کے پیچھے ہیں کہ وہ شیعہ جو امام زمانہ کے ہم رکاب ہونگے آپ کے علاوہ ہیں یعنی آپ لوگ نہیں

حتیٰ اذا قام القائم جائت المزمله و یا ت الرجل الی کیس اخیه فیأخذ حاجته لا یمنع

اس موضوع کو امام جعفر صادق علیہ السلام نے بھی خراسان کے شیعوں کے سامنے رکھا تھا جب امام زمانہ (عج) کا دور آئے گا مالداری اور ثروت لوگوں میں آ کے تعلقات کو خراب نہیں کرے گی لوگ آپس میں صفا و خلوص سے ہونگے جس شخص کو کسی چیز کی احتیاج ہو گی یا اپنے بھائی کے مال سے یا بھائی کی جیب سے یا کسی دوسرے مسلمان کے حساب سے اٹھا کر خرچ کرلے گا اور اپنی زندگی چلائے کرے گا صفا و خلوص لوگوں کے درمیان اسی طرح ہو گا۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سدرۃ المنتہیٰ میں

ایک روایت کی بنا پر جب پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ آلہ وسلم معراج سے واپس تشریف لائے تو کچھ مطالب بیان فرمائے تھے ایک بات جو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمائی تھی یہ ہے کہ فرمایا جب میں وہاں گیا اور مجھے سدرۃ المنتہیٰ پر لے گئے اور وہاں سے جب میں گزرا حجاب نور تک پہنچا اور اللہ کے ساتھ رابطہ بر قرار کیا نادانی ربی وہاں خدا نے مجھ سے بات کی اور میری اولاد کے مستقبل کا تاریخچہ بیان کیا۔ حضرت امام حسین علیہ السلام سے لے کر باقی ائمہ علیہم السلام تک اور اس کے بعد امام زمانہ (عج) کا تذکرہ کیا اس وقت اللہ تعالیٰ نے امام زمانہ (عج) کے متعلق ان مسائل کو بیان کیا وله اظهر الکنوز و الذخائر بمشیتی میں امام زمانہ (عج) کے دور میں زمین کے کنوز اور ذخائر کو اپنی مشیت اور اردادے سے ظاہر کروں گا اور

اس کے اختیار میں دوں گا اور وہ جیسا کہ عدالت اسلامی کے مناسب ہو گا خرچ کرے گا۔ بعد میں پیغمبرؐ اسلام امام زمانہ (عج) کی عدالت کے بارے میں فرماتے ہیں۔ یملاء الارض عدلا کما ملئت جورا حتیٰ یکون الناس مثلہ امر ھم الاول۔

یعنی اس عدالت کے بارے میں جس کی ہم امام زمانہ (عج) سے توقع رکھتے ہیں اس میں لوگ پہلے دن کی طرح ہو جائیں گے اس سے مراد صدر اسلام ہے یعنی وہ عدالت جو کہ پیغمبر اسلامؐ کے زمانے میں تھی یا اس سے مراد وہ موقع ہے کہ ابھی تک اقتصادی تعیینات نے لوگوں کو ایک دوسرے سے علیحدہ نہیں کیا تھا اور یہ وسیع طبقاتی فاصلہ وجود میں نہیں آیا اور لوگ مالی لحاظ سے اس تفرقیہ اور تضاد کا شکار نہیں ہوئے تھے مجھے علم نہیں شائد دونوں احتمال دیے جا سکیں۔ بہر حال یہ اضافی مادی وسائل اور سہولیات جو اشخاص کے پاس ہیں اور یہ مشکلات جو کہ معاشرے میں اقتصادی طبقہ بندی کے باعث ہیں ان کو حضرت (عج) ختم کر دیں گے اور لوگوں کو اس صورت میں عدالت الٰہی کی طرف لے آئیں گے ایک اور روایت ہے جو پیغمبر اسلامؐ کی عدالت کے بارے میں ہے فرماتے ہیں۔

انمحلة القطاع فلا قطاع

اقطاعی نظام ختم ہو جائے گا اقطاعی نظام، نظام فیڈولزم ہے یعنی اس طرح کہ ایک قطعہ زمین کو کسی خان یا سرکش کو یا رئیس قبیلہ یا کسی اور شخص کے اختیار میں رکھ دی جائے (جو سرکاری سطح پر تھا اور جس کے آثار اب تک ہیں یا لوگ کسی زمین کو استثمار کریں۔ یہ نظام امام زمانہ (عج) کے ظہور کے بعد ختم ہو جائے گا فیڈلزم دور کے آثار برے ہیں ان میں سے ایک نظام اقطاعی ہے ہم پورے ملک کے زمینی حصے کے ابھی تک وارث نہیں ہیں زمین کے وہ قطعے جو کہ فلاں حکومت یا فلاں سلطنت نے لئے ہوئے ہیں اور فلاں بادشاہ نے فلاں طاقت ور شخص کو یا فلاں رئیس قبیلہ کو دیئے ہوئے ہیں یا اپنے رشتہ داروں کو دیئے ہوئے ہیں اور کہا ہے۔ مثال

کے طور پر اس جگہ سے لے کر فلاں جگہ تک اس پہاڑ سے فلاں پہاڑ تک اس بیاباں سے فلاں جگہ تک فلاں شخص کا ہے اور انسان خیال کرتا ہے کہ واقعاً یہ ملکیت ہے اور اس کے بعد اس کی اولاد اس کی وارث ہیں اور یہی زمین ہے کہ لوگوں کے اختیار میں ہے اور ہم اس اقطاعی نظام کے وارث ہیں اور بعض کاشتکار صبح سے شام تک زحمت اور محنت کرتے ہیں اور شمالی تہران میں رہنے والے آسودہ اور آسائش خواہ لوگ اس سے استفادہ کرتے ہیں یہ نظام امام علیہ السلام کے دور میں ختم ہو جائے گا یعنی اقطاعی نظام ختم ہو جائے گا اور اس کے آثار بھی ختم ہو جائیں گے وہ روایت جو کہ خارج سے میں نے بیان کی تھی ابھی اس روایت کو پڑھتا ہوں

يبلغ من رد المهدى المظالم حتىٰ لو كان تحت ورثة انسان شى ء انتزعه حتىٰ يرد ه

یعنی رد مظالم اس قدر دقت کے ساتھ ہونگے اور اس قدر سنجیدگی کے ساتھ ہونگے کہ اگر مال (حرام) اشخاص کے دانتوں میں موجود ہو تو امام علیہ السلام باہر نکالیں گے اور اس کے مالک کو دیں گے اس سود والے معاشرے میں جس میں اتنی زیادہ چوری ہوتی ہے اور اتنا زیادہ لوگ دوسروں کے خون نچوڑ کر ثروت مند ہوتے ہیں اور یہ نظام مالکیت زمین سے لوگوں کے سروں پر کیا گزر رہی ہے اور یہ کھیل کھیل کر کئی زمین دار شہروں میں اتنا زیادہ مال بنا رہے ہیں۔

یہ غلط تجارتی نظام جو کہ اجارہ داری کی وجہ سے لوگوں پر مصیبت ڈالے ہوئے ہے جب امام علیہ السلام تشریف لائیں گے ان کے ساتھ کیسے برتاؤ کریں گے امام کی عدالت یہاں اس طرح ظاہر ہوگی کہ مجرمین سے اصلی حقداروں کا حق لے کر ان کو واپس دیا جائے گا اور جو حکومت کا مال ہوگا وہ بیت المال میں جمع ہو جائے گا اس مضمون کی روایات بہت زیادہ ہیں۔

ضروری ہے کہ امام زمانہ (عج) سے مربوط روایات جو عدالت اجتماعی کے حوالہ سے ہیں ان کی تحقیق کی جائے

طالبعلم حضرات اور علماء اور وہ لوگ جو چاہتے ہیں کہ اس بحث پر کام کریں ان سے میری خواہش و تمنا ہے کہ امام زمانہ (عج) سے مربوط روایات کا مطالعہ کریں اس بنیاد پر اس عدالت اقتصادی کی روایات کو پڑھیں وہ عدالت جو کہ اہم ترین رکن ہے۔ امام علیہ السلام کے زمانے میں مورد بحث مسائل اور جو روایات عدالت کے بارے میں آئی ہیں ان کو پڑھیں ان کو جمع کریں اور تطبیق کریں اور ان کو دیکھیں کہ امام علیہ السلام جب تشریف لائیں گے پہلے مرحلے میں ان کی توجہ کن مسائل پر ہو گی۔ کیا ان مسائل سے غفلت کی جا سکتی ہے؟ اگر ان روایات کو پڑھیں تو اس وقت ملک کے عہدے داروں کو حق دیں گے پارلیمنٹ کو حق دیں گے اور ان لوگوں کو حق دیں گے اور وہ افراد جو لوگوں کے لئے انقلاب لانے میں دل سوز تھے ان کو حق دیں گے اور سمجھ سکتے ہیں کہ انقلاب کی بنیاد کہاں سے مضبوط ہوتی ہے اور اقتصادی مسائل کو اولویت دیں گے اور ضعفاء کے حقوق لینے کو اولویت دیں گے اور استثمار گر افراد کے ہاتھ توڑنے کو اولویت دیں گے اور ان کاموں کے پیچھے جائیں گے یہاں پر عرض کرتا ہوں۔

جو لوگ منتظر ظہور امام زمانہ (عج) ہیں وہ لوگ جن کا ہاتھ ہمیشہ بلند ہے اور دعا کرتے ہیں خدایا امام زمانہ (عج) کو پہنچا اگر ان کے وجود میں عدالت کے لئے آمادگی نہ ہو امام زمانہ (عج) جب تشریف لائیں گے تو ان کے لئے نعمت کا باعث نہیں بنیں گے ان کے لئے خسارت ہو گی جب امام زمانہ تشریف لائیں گے تو ہم لوگ ایک مضبوط اور حتمی پروگرام دیکھیں گے جیسے امام علی علیہ السلام کی عدالت تھی امامؑ بھی عدالت وجود میں لائیں گے یہ عدالت پوری دنیا میں جاری ہو گی جب امام زمانہ (عج) تشریف لائیں گے ایسے نہیں ہو گا کہ جیسے ایک حکومت ایران میں ہو ایک صدام جیسا دشمن عراق میں ہو کچھ قارون صفت انسان خلیج کے جنوب میں ہوں کچھ سرکش اور طاقت ور افراد دنیا کے اس سرے پر ہوں۔

اور امام کو ناکام کریں جب امام زمانہ تشریف لائیں گے لیس فی عنقہ بیعۃ کوئی شخص بھی

امام زمانہ کی گردن پر بیعت نہیں رکھتا دنیا کے شرق و غرب اور دنیا کے شمال و جنوب تمام کے تمام ایک حکومت کے تحت ہونگے یہ ایک علیحدہ بحث ہے جس کو میں بیان کروں گا اگر امام زمانہ (عج) اس طریقے سے برتاؤ کرنا چاہیں تو پوری دنیا سے بہت سی چیزیں تبدیل ہو جائیں گی بہت سی ثروتیں جو تاریخ کے طویل عرصے میں محروم علاقوں سے جیسے افریقہ ایشیاء سے غارت کی گئی ہیں امریکہ روس اور یورپ کی طرف تو یہ سب کی سب واپس لوٹائی جائیں گی۔ مظلوم قومیں اپنی ثروت کی مالک بن جائیں گی اپنی طاقت واپس لے لیں گی اور دنیا میں ایک تعادل وجود میں آئے گا امنیت اتنی مضبوط ہو جائے گی روایت میں ہے کہ ایک بوڑھی عورت مشرق سے مغرب تک آرام سے جاسکے گی اور اس سفر کے دوران اسے کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی اگرچہ پیدل ہی کیوں نہ ہو ایک ایسی حکومت وجود میں آئے گی جس میں امنیت رفاہ و آسائش اور عدالت برقرار ہو گی کہ میری بحث اس حکومت کی عدالت کے بارے میں ہے۔

نتیجہ بحث

اس خطبہ کی بحث سے یہ نتیجہ حاصل کروں گا کہ عدالت اجتماعی کی بحث اقتصادی حصہ میں اور امام زمانہ (عج) کی زندگی اور جو روایات امام زمانہ (عج) کی زندگی سے مربوط ہیں اور وہ عدالت جو امام زمانہ (عج) سے متعلق ان روایات میں ہے اس پر تکیہ ہو سکتا ہے عدالت اجتماعی سے مربوط خطبوں میں مناسبت کو ملحوظ رکھتے ہوئے تقسیم کی جائے اور ہر جگہ ہمارے مطالب کے اثبات پر دلیل ہو جس کے پیچھے ہم ہیں اور اسی طرح اس دور میں زیادہ پیداوار و تقسیم عدالت اور انفاق اور رفاقت ہو گی اس لئے کہ مال انسانوں کے درمیان فاصلہ پیدا کر دیتا ہے اور فکری تکامل سے یہ فاصلہ کم ہو سکتا ہے یہ بحث میرے خطبہ کے دوسرے حصہ کی ہے جس کو بعد میں بیان کروں گا۔

اڑتیسواں خطبہ

عدالت اجتماعی کی بحث کا تسلسل

اسلام میں امتیاز کا معیار

تفقہ اور اخلاق کی نظر سے عادل انسان کی صفات و خصوصیات

بھارت، قدیمی ایران اور یورپ کے معاشروں میں اجتماعی طبقات

تقویٰ اور عدالت کا رابطہ

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم :قال العظیم فی کتابہ: اعوذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم اعدلوا ھو اقرب للتقویٰ

عدالت اجتماعی کی بحث کا تسلسل

اس خطبہ کو عدالت اجتماعی کی بحث اقتصاد میں بیان کر رہا ہوں گذشتہ مباحث میں یہاں تک پہنچ گئے تھے کہ اسلام کے عدالت خواہانہ قوانین اور حدود کا مضبوط اور اہم حصہ صالح اور عادل انسان ہیں اور میں اس بات پر تاکید کرتا ہوں کہ اگر معاشرے میں صالح اور عادل انسان ہوں تو اس صورت میں معاشرے کے اندر عدالت اجتماعی کے احکام جاری ہو سکتے ہیں۔ اس بحث کا آغاز اس چیز کا باعث بنتا ہے یہاں ایک اور بحث پیش کروں جو عدالت اجتماعی سے مربوط تمام فصول کے لیئے اہم رابطہ ہو، آئندہ عدالت اجتماعی کی بحث کیلئے اقتصادی حوالے سے ضروری ہے کہ عدالت اجتماعی حکومتی لحاظ سے اور عدالت اجتماعی قضاوت کے لحاظ سے اور عدالت اجتماعی قومیت کے لحاظ سے اور اس طرح دوسرے موضوعات کو مختلف فصول میں پیش کریں۔

ضروری ہے کہ ان سب میں ایک اہم مطلب مورد توجہ رہے اور وہ انسانی ارزش ہے، جس وقت ہم عدالت سے متعلق گفتگو کرتے ہیں، ممکن ہے بعض لوگ ایسا تصور کریں کہ عدالت کا معنیٰ وہ ہے جو ہمارے اذہان میں ہے یہ خود ایک ظلم ہے۔

یعنی اگر آپ فرض کریں کہ کچھ انسان کسب خصوصیات کے حوالے سے کچھ خاص امتیازات اور خصوصیات کے مالک ہیں، کہ دوسرے لوگ سہل انگاری اور بے نظمی کی وجہ سے ان خصوصیات اور امتیازارت سے محروم ہیں، یہاں یہ نہیں کر سکتے ایسے طریقے سے برتاؤ کریں کہ فاسق و فاجر عادل و ظالم جو انسان ارزشہای عالی کے مالک ہیں اور جو انسان ان میں سے کمتر ارزش کے مالک ہیں یا فاقد ارزشہای انسانی ہیں ہم ان تمام لوگوں کے ساتھ ایک جیسا سلوک کریں(۱)

اس کے بارے میں قرآن مجید کا ارشاد ہے

ام نجعل الذین امنوا و عملوا الصالحات کالمفسدین فی الارض ام نجعل المتقین کالفجار(۲)

کیا آپ یہ توقع رکھتے ہیں کہ ہم نیک عمل کرنے والے لوگوں کو فاجر و فاسق لوگوں یا مومن اور دین پر عمل کرنے والے لوگوں اور مفسد لوگوں کو ایک نظر سے دیکھیں اور ایک جیسا قرار دیں یہ ایک نادرست اور غلط توقع ہے۔

اسلام میں معیار امتیاز :

اس بنا پر عدالت اجتماعی کے مباحث میں جو بیان کر رہا ہوں یہ بطور نظریہ نہیں ہے کہ تمام لوگوں کے ساتھ یکساں برتاؤ ہو اور وہ تمام صفات اور خصوصیات جو ان میں پائے جاتے ہیں ایک

---

(۱) :اکتسابی خصوصیات ان خصوصیات کو شامل ہیں جنہیں بعض افراد اپنے ماحول کے ساتھ رابطہ کی وجہ سے دریافت کرتے ہیں، اکتسابی خصوصیات اور صفات کے بالمقابل وراثتی خصوصیات اور صفات ہیں جو والدین سے کسی شخص طرف منتقل ہوتے ہیں۔

(۲) ۳۸/ ۲۸۔

جیسے ہوں، اس مطلب کیلئے میں نے ضرورت دیکھی ہے کہ پہلے ایک بحث ارزشہای اسلامی پر ہو اور ہر ایک امتیاز کو مشخص کریں اور ممتاز افراد کو مشخص کریں اور وہ حقوق جو امتیازات اور خصوصیات سے ملتے ہیں اور وہ حقوق جو فقدان امتیازات اور خصوصیات کی خاطر انسانوں کے ہاتھ سے چلے گئے ہیں ان کو کسی حد تک معین کریں کہ ہمارا معاشرہ اس توقع اور نظریے کو اسلامی معیاروں کے مطابق جو توقعات عدالت سے ہیں ان کے ساتھ تطبیق دے سکے اور یہ ایک اہم بحث ہے۔ میں خیال کرتا ہوں کہ اگر عدالت اجتماعی کی بحث نہ ہوتی تب بھی یہ بحث ایک اہمیت رکھتی تھی کہ معاشرہ انسان کے اعلیٰ صفات اور اقدار کی طرف توجہ کرتا اور انسان خود بھی مختلف انسانوں کے سامنے مناسب رویہ رکھتا، اس ہدف کیلئے اگر ہم چاہیں تمام اقدار کو پیش کریں تو بحث بہت طویل ہو جائے گی۔ ممکن ہے ایک سے زائد خطبوں میں بھی پوری نہ ہو سکے میں اس طرح بیان نہیں کرنا چاہتا۔ میں چاہتا ہوں کہ انسانی اقدار کے اصول کو بیان کروں، شائد چار خطبوں میں اس مسئلہ کو کسی مرحلے تک پہنچادوں۔

انسانی اقدار اسلام کی نظر میں :

اسلام کی نگاہ سے وہ اقدار جن کے متعلق ہم گفتگو کرتے ہیں وہ چیزیں ہیں کہ اگر انسان کے وجود میں ہوں تو اس کے لیے ایک امتیازی درجہ کا باعث ہیں۔(۱)

---

(۱) : رتبہ یا اجتماعی پایگاہ سے عبارت ہے ایک فرد یا افراد یا گروہوں کی ایک اجتماعی نظام میں خاص موقعیت سے اور تمام حقوق اور اجتماعی مختصات کے ساتھ جب اجتماعی کردار اجتماعی ارزش گذاری کے سلسلہ میں قرار پاتا ہے، اس وقت وہ اجتماعی کردار ہونے کی وجہ سے ارزش رکھتا ہے، ہر معاشرہ اپنے مختصات کے مطابق اجتماعی کرداروں کی درجہ بندی کرتا ہے اس وجہ سے ہر معاشرے میں بعض کردار دوسرے کرداروں کی نسبت زیادہ اہم شمار ہوتے ہیں اور ان کی اجتماعی پایگاہ بھی مضبوط اور برتر ہوتی ہے۔

اور خدا کی بارگاہ میں انسان کیلئے ایک خاص حق ہے اور یہ انسان کیلئے ایک خاص امتیاز شمار ہوتا ہے (ہم اس وقت انسانی اقدار کے بارے میں بحث کر رہے ہیں نہ کہ مطلق عالمی اقدار کے بارے میں)۔ ممکن ہے بعض عالمی اقدار ہوں اور بعض اقدار ممکن ہے روحانی اور معنوی ہوں اگرچہ زیادہ تر معنوی ہی ہیں۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کے معنوی پہلو انسان کے روحانی وجود کو تشکیل دیتے ہیں۔ لیکن انسان کے مادی پہلو اور ارگانیزم جسمانی انسان ایک ایسی چیز ہے جو حیوانات کے ساتھ بھی مشترک ہے، انسان کی بہت سی چیزیں درختوں اور دیگر موجودات زندہ کے ساتھ مشترک ہیں وہ بھی ایک قدر ہیں، لیکن ان کے زیر اثر انسان کی حقیقت نہیں ہے۔

معاشرے میں اخلاق کا کردار :

دو لفظ ہیں، ایک خَلق اور دوسرا خُلق۔ اصطلاحاً ہماری یہی صورت جو ظاہر ہے اور ہمارے مادی بدن کی ارگانیزم ہے، یہی صورت ظاہری اچھی (زیبا) بھی ہے اور بُری (زشت) بھی ہے اور ان کی زیبائی اور زشتی کے نقاط سے متعلق اور نقاط قوت پائے جاتے ہیں اور ایک خُلق ہے جس کی جمع اخلاق ہے۔

وہ ہماری باطنی صورت ہے یہی ظاہری صورت ایک باطنی صورت بھی رکھتی ہے کہ وہ خلق ہیں اور علم اخلاق اسلامی جو بہت معزز و پاکیزہ علم ہے جو اخلاق اور انسان ساز ہے۔ علم اخلاق متکفل ہے کہ ہماری صورت باطنی کو ان اخلاقی معیاروں کے مطابق بنائے جو کتب اخلاق میں آئے ہیں یہ عدالت اجتماعی جس پر اب تک ہم نے بحث کی ہے جس کو بعد میں جاری رکھیں گے ان حدود کے تحت ہے یعنی اجتماعی حدود و قوانین ہیں جو وضع کیے گیے ہیں اگر یہ قوانین موجود نہ ہوں اور وہ چیز نہ ہو (جن کو ابھی بیان کروں گا) وہ مطلوب معاشرہ وجود میں نہیں آسکتا یہ قوانین

اس بنیادی چیز کے ساتھ جو کہ عادل انسان ہیں یعنی عدالت فردی، عدالت اجتماعی کے ساتھ مل کر ایک کامل انسان پیش کر سکتی ہے اور ہمارا مطلوب اسلامی معاشرے میں ایسی چیز ہے۔

اسلام کا پہلا ہدف :

اسلام نے اپنی تعلیمات و معارف میں اور اپنے پروگراموں میں اس بنیاد اور اساس پر اتنی زیادہ توجہ دی ہے کہ اتنی معاشرے کے رویہ پر توجہ نہیں دی یعنی اسلام کا مقصد یہ ہے کہ عادل انسان پیدا کرے اور عدالت فردی کو تحقق بخشے، اگر عدالت فردی معاشرے کے عظیم حصہ میں محقق ہو جائے تو اس کے ساتھ خود بخود عدالت اجتماعی وجود میں آجائے گی، لیکن اسلام یہاں حقیقت کی نگاہ سے آگے بڑھتا ہے عدالت اجتماعی کو مکمل عدالت فردی اور عدالت فردی کو عدالت اجتماعی کی بنیاد سمجھتا ہے۔

و كذالك جعلناكم امة وسطاً لتكونوا شهداء على الناس.(۱)

اور وہ امت جو لوگوں پر شاہد ہیں شائد اسی اعتدال کی طرف ناظر ہوں۔

عدالت اجتماعی کی تعریف انفرادی پہلو سے :

اب ایک مختصر سی تعریف عدالت کے انفرادی پہلو کی بیان کرتا ہوں، میں نے کہا عدالت اجتماعی میں ایسے قوانین ہیں جو انسانوں کے حقوق کو اقدار اور مصالح کے تحت ایک دوسرے سے ہم آہنگی کرتے ہیں، اگر عدالت اجتماعی کو فقہاء کے ہاتھوں میں دے دیں تو کسی اور طریقے سے تعریف کریں گے۔

اگر علماء اخلاق کے پاس جائیں تو کسی اور طریقے سے تعریف کریں گے۔ ایک فقیہہ

---

(۱)بقرہ : ۱۴۳

کی نگاہ سے عادل وہ شخص ہے کہ جس کے وجود میں ایسی کیفیت جو اس کو آمادہ کرے کہ انسان اپنے وظائف کو بخوبی انجام دے اور گناہوں اور نافرمانیوں سے پرہیز کرے یعنی ایک مصلح اور سالم انسان جو کہ اپنے اندر ایک ایسی طاقت اور جذبہ کا احساس کرتا ہے جو کہ اس کو اچھے کاموں کی طرف ہدایت اور راہنمائی کرتا ہے اور برے کاموں اور گناہ سے اس شخص کو روکتا ہے یعنی دور کرتا ہے، فقہاء اس حالت کو عدالت کہتے ہیں یعنی ملکہ عدالت۔

عدالت علمای اخلاق کی نظر میں :

علمائے علم اخلاق اس حد تک اکتفا نہیں کرتے ،وہ عدالت کے دائرہ کو زیادہ وسعت دیتے ہیں، اور عظیم طاقت شمار کرتے ہیں، ایک بحث اکثر کتب اخلاق کے مقدمہ میں بیان ہوئی ہے (میں نہیں جانتا آج کی جدید سائیکالوجی میں اس بحث کو اسی طرح پیش کیا جاسکتا ہے یا نہیں)۔

لیکن میں اشارہ کرتا ہوں علماء علم اخلاق عقیدہ رکھتے ہیں کہ انسان کے وجود میں تین اصلی قواء انسانی حرکات کیلئے موجود ہیں۔ ا۔ فکری طاقت، ۲۔(انسانی قواء کی کلی تقسیم بندی) قوت غضب ودفاع، ۳۔ قوت شہوانی جو کہ انسان کے تمایلات کا سرچشمہ ہے۔ علماء اخلاق، اخلاق کے تمام ابواب کو ان تین طاقتوں کی طرف پلٹاتے ہیں۔

ایک حصہ مربوط ہے فکر اور منطق اور عقل انسانی سے مثال کے طور پر ایمان' علم توحید اور بہت سے ابواب اخلاقی ہمارے قوہ عقلانی سے مربوط ہیں اور ایک حصہ مربوط ہے، ہمارے قوہ غضب سے ابواب جہاد، دفاع، انتقام، عفو اور بہت سی چیزیں اسی سے پھوٹتی ہیں اور ہر ایک ان میں سے باب اخلاق میں اور علم اخلاق کی کتابوں میں اپنی علیحدہ اور مخصوص فصل رکھتے ہیں، انسان کے صفات اور خصوصیات کا ایک حصہ تمایلات شہوانی سے مربوط ہے جو کہ

انسانی مزاج کہلاتے ہیں۔

انسان ایک چیز کی طرف تمایل رکھتا ہے اور ایک چیز سے نفرت کرتا ہے ان تمایلات کی بنیاد پر بہت سی چیزیں تحقیق پیدا کرتی ہیں، یعنی وجود میں آتی ہے علماء فرماتے ہیں، عدالت اسطرح ہے کہ ان میں سے ہر ایک حالت افراط و تفریط رکھتا ہے اور حالت اعتدال بھی رکھتا ہے مثال کے طور پر قوت فکریہ کے بارے میں کہتے ہیں۔

اس کی حالت اعتدال حکمت ہے انسان حکیم اس وجہ سے عادل ہے کہ اس کی حالت افراط شیطنت ہے کودن (نادان) اور زیرکی' کی حالت تفریبا قوۃ فکریہ ہیں کہ بعض افراد میں یہ حالت پائی جاتی ہے یعنی نہ فنگ اچھا ہے اور نہ رند مرد اچھا ہے۔ ہمارا مورد نظر اور ہمارا مطلوب ایک ایسا انسان ہے جو حکیم اور عالم ہو اور ان معیاروں پر چلتا ہو اور ان اس کی حد اعتدال پر ہو، علماء نے قوۃ غضبیہ کے متعلق کہا ہے۔

اس غریزے کا افراط یہ ہے کہ انسان جہاں کہیں جائے، بغیر کسی حساب کے دروازہ کو دستک دے اور اپنے آپ کو خاک میں ملا دے یہ اچھا نہیں ہے اس کی تفریط کا نام ہے خشینیعنی لڑجانے والا فرد بہت سے کاموں کو اس وجہ سے نہیں کرتا کہ یہ بُرا کام ہے۔ حد وسط قوۃ غضبیہ شجاعت ہے شجاع یعنی بہادر انسان وہ نہیں جو اپنے آپ کو بغیر کسی وجہ کے خاک میں ملا دے، بہادر انسان ایسا انسان ہے کہ جو حساب و کتاب اور معیار کے ساتھ جہاں کسی کام کو انجام دینا یا عمل کرنا ضروری ہو تو عمل کرتا ہے یعنی اس کام کو انجام دیتا ہے اور جہاں انجام نہیں دینا ہو تا نہیں دیتا۔

قوۃ شہوانی کے بارے میں علماء نے کہا ہے اس کا افراط شرہ ہے ان کی تعبیر کے مطابق شرہ وہ حالت اور تہاجم شہوانی انسان ہے جو تمام جگہوں پر عمل میں افراط کی طرف لے جاتا ہے تو قوہ شہوانی کی حالت تفریط کو خمود کہتے ہیں یعنی وہ کیفیت جس کے باعث اس انسان کو بغیر کسی

وجہ کے اپنے آپ کو بہت سے مواهب الٰہی سے محروم کیئے ہو رکھے چاہے جنسی ہوں یا کھانے پینے کی چیزیں ہوں چاہے پہننے کی چیزیں ہوں چاہے مناظر طبیعی چاہے فن و ہنر ان سب سے اپنے آپ کو محروم کیئے رکھے۔ قوۃ شہوانی کی حد وسط عفت ہے یعنی انسان تمام تمایلات نفسانی سے جن کو خداوند متعال نے اس کے وجود میں رکھا ہے ان سب سے صحیح اور مشروع طریقے سے استفادہ کرے۔

اب میری ذاتی رائے کے مطابق جو کہ ایک حد تک علم اخلاق میں کام کر چکا ہوں۔ یہاں قطعی طور پر میں اس بحث پر رائے نہیں دے سکتا یہ ایک ایسی چیز ہے کہ اکثر علماء اخلاق اس کو قبول کرتے ہیں اور ان مباحث کو اسی طرح مرتب کرتے ہیں، بعد میں کہتے ہیں کہ ان تین قوۃ یعنی شہوت 'غضب اور فکر میں اعتدال ہونا۔

یعنی غضب، شجاعت اور حکمت اگر ایک انسان کے وجود میں جمع ہو جائیں ان کی ترکیب سے عدالت وجود میں آئی ہے عدالت نتیجہ ہے، ان تین قواہ کے تعادل کو انسان کے وجود میں بر قرار رکھنا اس صورت میں آپ دیکھتے ہیں کہ عدالت اخلاقی نظریے کے مطابق بہت اہم اور وسیع ہو جاتی ہے۔

علم فقہ میں جب فقہاء چاہتے ہیں کہ عدالت کو موضوع احکام قرار دیں تو اس قدر وسعت نہیں دیتے، لیکن علم اخلاق میں ایک انسان عادل ایسا ہے یعنی انسان حکیم (البتہ حکمت بھی درجے رکھتی ہے) ایسا نہیں کہ انسان خیال کرے اگر چاہے کہ حکیم ہو تو ضروری ہے کہ تمام علوم کو جانتا ہو نہیں! عوام میں سے بہت سے افراد اگر چاہیں تو ایک صورت میں حکیم ہو سکتے ہیں۔

اس کو بعد میں بیان کروں گا، حکمت، غضب، شجاعت یہ تمام اخلاقی مباحث کی بنیاد ہیں کہ یہ اخلاقی مباحث ایک انسان عادل کو وجود میں لاتے ہیں۔ اب میری بحث یہ ہے تو جہ

کریں، اسلامی معاشرے میں علم فقہ، علم اخلاق علم المکارم وفلسفہ جو کہ متکفل ہیں ہمارے بہت سے عقلانی اور اعتقادی مسائل پر اور ان علوم کے علماء جو لوگوں کو تعلیمات دیتے ہیں اور لوگوں کو عملی طریقے یاد دلاتے ہیں کہ انسانوں کیلئے ضروری ہے وہ عادل ہوں۔

معاشرہ اور عادل انسان :

توقع ہے کہ پوری دنیا کے لوگ عادل ہوں، یہ بہت مشکل ہے قرآن مجید کی آیات سے بھی یہ استفادہ ہوتا ہے کہ قیامت کے دن تک بھی یہ فسق وفجور ہے اور ایسا نہیں کہ ہمیشہ تمام لوگ اس معنی کے مطابق عادل ہوں، لیکن اسلام کا تقاضا یہ ہے کہ جس معاشرے میں اسلام جاری ہے اس معاشرے کا ڈھانچہ اور اکثر افراد کی تربیت اس طرح کرے۔

عادل لوگ عادلانہ اجتماعی قوانین وحدود کے ساتھ ایک آئیڈیل اسلامی معاشرہ تشکیل دے سکتے ہیں عادل بھی اس معنی کے مطابق جس کو میں نے عرض کیا ہے عادل فقہی لحاظ سے اور اخلاقی لحاظ سے اس صورت میں یہ معاشرہ آئیڈیل معاشرہ کہلانے کا حق دار ہے اب کسی حد تک اس کے اندر یہ توانائی ہے کہ اس معاشرے کو سنوارے اور کسی حد تک اور محدود دائرہ کے اندر ہم وہ مدینہ فاضلہ (۱) جس کا خواہشمند افلاطون تھا، بنا سکیں اور بہشت موعود جس کے پیچھے دنیا کے مفکرین تھے وجود میں لا سکیں اور وہ چیز جس کو اسلام عادل انسان اور عادل معاشرے سے چاہتا ہے اور ارادہ کرتا ہے کہ معاشرے کو اسطرح بنائے کہ اس عدالت کو وجود میں لا سکے وہ

---

(۱) مدینہ فاضلہ یا تصوراتی آرمانی معاشرہ وہ معاشرہ ہے جسے کچھ فیلسوف متفکرین نے پیش کیا ہے افلاطون کتاب جمہور میں ایک آرمانی معاشرے کو پیش کرتا ہے جس معاشرے میں حاکم لوگوں کی طرف سے انتخاب ہو اور اسمیں ایک خاص قسم کے قوانین حکم فرما ہوں فارابی ایرانی دانشمند نے بھی مدینہ فاضلہ کی اپنے نقطہ نظر کے مطابق نقشہ کشی کی ہے۔

اقدار جو انسان میں ہیں اور ہم ان صلاحیتوں کو مد نظر رکھتے ہوئے معاشرے میں انسان کے لیئے ایک خاص حساب کتاب کے قائل ہیں۔ (عہدہ دیتے ہیں مسئولیت دیتے ہیں اور ان کو امتیاز بھی دیتے ہیں)۔

یہ اس بنا پر تنظیم ہوا ہے ایک کو اجازت دیتے ہیں پیش نماز بن جائے ایک شخص کو اجازہ نہیں دیتے ایک شخص کو اجازت دیتے ہیں کہ شاہد و گواہ عقد نکاح ہو ایک کو گواہ و شاہد بننے کی اجازت نہیں دیتے، ایک شخص کو اجازت دیتے ہیں کہ نافرمانیوں پر شاہد ہو ایک کو اجازت دینے کو تیار نہیں ہیں۔

دین اسلام میں یہ عہدہ اور تمام اجتماعی مناصب اسی بناء پر تنظیم ہوئے ہیں، اس بناء پر اسلام میں امتیاز کے لحاظ سے تفاوت و اختلاف ہے، لیکن معیار اور حساب کے ساتھ ہم ایسے معاشرے میں اسلام کو عملی شکل دینا چاہتے ہیں کہ جس کی بنا اساس اس معاشرے کے افراد پر ہے اور اس معاشرے کی بنیاد صالح اور نیک لوگوں سے تشکیل پائی ہے، یہ نہیں ہو سکتا کہ ہم آئیڈیل طرز پر سوچیں اور فکر کریں کہ قانون کے ذریعے معاشرے کی اصلاح کریں گے یہ نہیں ہو سکتا قانون قانون دان لوگوں کے لیئے اور قانون پذیر لوگوں کے لیئے موثر ہے۔ جبریا جبار لوگوں کے لیئے آخری قدم نہیں اسلامی اصلاح اجبار کرنے پر کیفر دینے اور سزا دینے پر لوگوں کی ساخت اور تربیت کے لیئے ہے۔

یہ اصلاح اور تربیتی عوامل جو ہم نے ذکر کیئے ہیں پانچ فیصد سے بھی کم تر لوگ ہوں گے جو ان عوامل تربیت سے مستثنیٰ ہیں باقی لوگوں کی اسلامی تربیت کرنا ضروری ہے اخلاق اسلامی، عدل اسلامی، رویہ اسلامی کے ذریعے اسلامی طریقے سے آگاہ کرنا موجب ترقی ہے، اور معاشرے کو اس سمت ہدایت کرنا ہے۔ جس طرف ہم اس کو پہنچانا چاہتے ہیں۔

ثقافت کا معاشرے میں کردار :

لہذا اسی بناء پر ثقافتی وسائل کا اور اخلاقی عوامل کا کردار تعمیری ہے فن و ہنر کے وسائل کا کردار اور تمام ان چیزوں کا کردار جو انسان کی تعلیم اور تربیت میں معاشرے میں موثر ہیں ان میں کردار پہلے ہیں کہ ہمارے مستقبل کے معاشرے میں مقصد تک جلد رسائی ضروری ہے جو ان کرداری موارد کی تقویت کے لیئے ہے کہ جس سے اچھے انسان تربیت پائیں۔

اب یہاں آئندہ مباحث کے مقدمہ کو بیان کر چکا ہوں، ایک حد تک نتیجہ حاصل کرتا ہوں اور انشاء اللہ باقی مباحث کو آئیندہ خطبوں میں سنیں گے۔ ایک دو خطبوں کو فکری مسائل میں انسان کی فکری طاقت کے بارے میں اور انسانوں کی صلاحیت علم اور فن کے بارے میں بحث کروں گا۔ ایک دو خطبوں کو قوہ غضبیہ کے لئے مختص کرونگا جسمیں جہاد اور دیگر چیزیں پیش ہوتی ہیں، اور ایک دو خطبوں کو انسانی تمایلات سے مختص کروں گا یعنی، انفاق، فداکاری، عفو و درگزر اور بہت سی چیزیں یعنی جو شاخیں اسی شجرہ اخلاق پر مرتب ہوئی ہیں، اپنے مباحث میں بیان کروں گا تاکہ انشاء اللہ علم اخلاق کی اس فصل سے کچھ حاصل کر سکیں۔

اس خطبہ کی بحث کا نتیجہ :

اس ہفتہ کے خطبے کا نتیجہ عرض کرتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کلی نتیجہ حاصل کروں، اس بناء پر ہمارے معاشرے میں ناصالح انسانوں کو یہ توقع نہیں رکھنی چاہیئے کہ وہ صالح انسانوں کے ساتھ کسی شرف میں برابر قرار پائیں۔ معاشرہ اس ظلم کا مرتکب نہیں ہو سکتا فقط عدالت کا لحاظ ہو گا اور بات یہ ہے کہ اسلام میں راستہ لوگوں کے لیئے بند نہیں کہ جو شخص چاہے اس کے لیئے ان امتیازات کی طرف راستہ ہموار ہے اور وہ اس امتیاز سے استفادہ کر سکتے ہیں ظلم یہ ہے کہ ہم اس طریقے سے برتاؤ کریں کہ جو شخص فقیر ہے وہ تحصیل علم سے محروم رہے یہ حکومت کا

فریضہ ہے کہ عدالت اجتماعی کی بحث کی روشنی میں عدالت فردی کے بارے میں اور کسب امتیاز کے بارے میں لوگوں کے لیئے میدان کو کھلا رکھے۔

اگر ہم کہتے ہیں شرائط میں یہ ہے کہ عادل ہو عالم ہو، کیا ہو اس دروازے کو کسی کے لیئے بند نہ کریں اور اسلام کا امتیاز باقی تمام مکاتب فکر پر اپنے زمانے میں اپنے زمانے سے پہلے اور آج یہ ہے کہ انسانی فضیلتوں میں یہ میدان ایک دوسرے پر سبقت لینے میں اتنا کھلا رہے کہ عام لوگوں کے لیئے فرصت ہے علماء کرام شائد جانتے ہوں، لیکن ہمارے معاشرے کا کچھ حصہ شائد نہ جانتا ہو کہ جس دن اسلام آیا اس کائنات کے پورے خطے پر ایک جگہ نہیں تھی جہاں غلط طبقاتی نظام رائج نہ ہو۔

بھارت میں اجتماعی طبقات :

بھارت اس وقت بدترین قسم کی طبقہ بندی کا شکار تھا، ابھی ابھی چند سال پہلے کے بیان کے مطابق "نجس" اسی برے طبقاتی نظریے کی ایک کڑی ہے کاست (۱) جو کہ ایک ایسا تغیر

---

(۱) کاست کا لفظ پرتگالی کلمہ سے مشتق ہے۔ پہلی مرتبہ یہ لفظ سولھویں صدی عیسوی میں استعمال ہوا، جامعہ شناسی (عمرانیات) کی اصطلاح میں کاست سے مراد گروہ کی وراثتی رکنیت ہے اور یہ لفظ کاست تبعیض نژادی یعنی قومی تبعیض کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے جیسے امریکہ میں کاست سیاہان وغیرہ بھارت ایک ایسے ہی معاشرے کا نمونہ ہے یہ ملک مکمل طور پر کاست پر استوار ہے لیکن بھارت میں نظام کاست کا منشاء و مقصد مکمل طور پر واضح نہیں ہے۔ بعض صاحب نظر اس عقیدے پر ہیں کہ یورپ کے قبائل کا بھارت میں نفوذ اور ان قبائل کا بر صغیر کی طرف جانا نظام کاست کا موجب بنا ہے۔ انہوں نے اپنی اور اپنی طاقت کی حفاظت کے لیئے بھارت میں اجتماعی اور قبائلی ڈھانچے کو ایک پیچیدہ اور مشکل صورت میں ترتیب دیا ہے اور اس کی وجہ سے بھارت کو اجتماعی درجہ بندی سے خارج کیا گیا تھا تا کہ کبھی بھی دوام نہ پا سکے۔

ناپذیر اور قطعی رواج دکھائی دیتا ہے، بھارت کے تمدن میں جس نے لوگوں کے درمیان طبقات کو جدا جدا کیا اور یہ لوگ اس علاقے میں حق نہیں رکھتے تھے کہ ایکدوسرے کے ساتھ مل کر رہ سکیں۔

ہمارا ملک ایران بھی بہت شدت سے طبقاتی تقسیم کا شکار تھا(۱) کبھی ایک طبقہ کی شادی دوسرے طبقے کے ساتھ ہزاروں مشکلات کھڑی کر دیتی تھی اور کبھی مسئلہ لاینحل ہو جاتا تھا، اگر لڑکی یا لڑکا مثال کے طور پر کاسب طبقے سے رشتہ لینا چاہتے ہیں، روحانی طبقے

بھارت میں چار اصلی کاست موجود تھے۔

۱۔ برہمن (دینی اور مذہبی لوگ)۔

۲۔ کشاتریا (حکمران یا اشراف زادے)۔

۳۔ سوریالیا (ثروتمند، پیشہ ور اور تجار)۔

۴۔ سادورا (تجسم کے قائل افراد یا خارج از کاست)

یہ چوتھا گروہ سب سے زیادہ محروم تھا، اجتماعی حقوق کے اعتبار سے کاست کے چار گروہ، چار ہزار فرعی کاستوں میں مٹ گئے البتہ یہ کہنا ضروری ہے کہ بھارت میں نظام کاست دوسری عالمگیر جنگ سے کئی سال پہلے کافی تغیر اور تبدل کا شکار ہوا ہے اور اس وقت طبقاتی نظام کے لئے کچھ اقدامات کئے گئے۔

(۱) ایران میں طبقاتی نظام بہت حد تک تھا، اس موچی اور نوشیروان کی داستان اس طبقاتی نظام کی شدت اور وسعت کو دکھاتی ہے۔ انوشیروان کو ایک جنگ میں جنس کی کمی کا سامنا کرنا پڑا ایک کفش دوز (موچی) تیار ہوتا ہے، جنگ کا خرچہ تأمین کرے، اس شرط پر کہ اس کا بیٹا تعلیم حاصل کرے، نوشیروان معاشرے کی صورتحال کو دیکھتے ہوئے یا اور کسی بھی وجہ سے اس تحرک عمودی کو اجتماعی طبقات کے لیئے پسند نہیں کرتا، اس موچی کے مشورے سے موافقت نہیں کرتا، اس کی مفصل تشریح ہے جو دکھانا چاہتے ہیں کہ اس وقت بہت شدید طبقاتی نظام تھا کہ خطیب محترم اسی کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

یااشراف یافوجی طبقے سے شادی کرنا چاہتے تھے، تو بھی مشکل ہوتا تھااور درس پڑھنا ایک طبقے کے لیئے ممنوع تھا، یورپ میں تو اصلاً اس کا موقع نہ تھا بدترین اور تاریک ترین دور تاریخ بشریت کو ان قرون وسطیٰ میں یورپ میں دیکھ سکتے ہیں وہاں جو ان کے تمدن کا مرکز تھا یہ صورت حال تھی۔(۱)

کسب تقوا کے وسایل کا عام ہونا:

اسلام نے آکر تمام طبقات کو ختم کردیااور کہا:

الا کلکم من آدم و آدم من تراب و لافضل لعربی علی الاعجمی و لا لعجمی علی العربی الا بالتقویٰ۔

اسلام اس نعرے کے ساتھ تمام بے ربط اور خصوصیات کو ختم کردیا ہے، لوگوں کو ایک میدان مقابلہ میں آزاد چھوڑا ہے اور تمام راستوں کو کھلا رکھا ہے، بعد والی گفتگو میں بیان کروں گا کہ کیسے تحصیل علم کا راستہ کسب تقوا کا راستہ کسب عفت کا راستہ کسب فضائل انسانی کا راستہ تمام لوگوں کے لیئے یکساں کریں۔

اس بحث میں جو چیز ہمارے لیئے مہم ہے۔وہ یہ ہے کہ حکومت اور ملک کے مسئولین اور قوانین اور قانون گذار حضرات حتماً کوشش کریں کہ لوگوں کی حرکت کا راستہ فضائل انسانی حاصل کرنے کے لیئے کھلا رکھیں، اگر یہ میدان کھلا رہا تو فضائل انسانی حاصل کرنے اور

(۱) قرون وسطیٰ میں یورپ مکمل طور پر کلیسا کے زیر نظر تھااور تمام لوگوں پر لازم تھا کہ اطاعت کریں، مقامات کلیسا سے دور یہ ایک سیاہ ترین دور تاریخ بشریت ہے کہ جسمیں انسان فقط مخالف عقائد کی وجہ سے سزائے موت پاتا تھااور یہ عقائد ایک عادی اور معمولی چیز تھے۔

سبقت کسب فضائل انسانی کی طرف سبقت میں آزاد ہوں گے۔ وسائل اور سہولیات تمام لوگوں کے لیئے میسار ہیں۔ ایک شخص جو اپنی عمر آوارگی میں گزارتا ہے اور پستی کی طرف چلا جاتا ہے وہ یہ توقع نہ رکھے کہ اس کو ہم نیک اور بافضیلت انسانوں میں شمار کریں گے، اگر ایک شخص بے تقوئی ہو تو اس کی گواہی قبول نہیں ہے۔

حتی عدالت میں بھی اس کی گواہی قبول نہیں، اگر وہ پیش نماز ہے تو اس کے پیچھے نماز نہیں ہو سکتی، پوسٹ آفس اگر امانت داری نہ کرے اسے امانت سپرد نہیں کی جا سکتی' عدالت بھی اسی طرح ہے۔ عدالت کے حصول کی اجازت دی گئی ہے اور اس کے لیئے میدان کو کھلا رکھا ہے تاکہ پاک اور پاکیزہ رہے اگر منحرف کرنے والے عوامل ہوں تو حکومت کا وظیفہ ہے کہ ان منحرف کرنے والے عوامل کو اس فرد کے راستے سے ہٹائے تاکہ یہ فرد آزاد رہے جو کہ ضروری ہے اور کام ہونا چاہیئے، البتہ کچھ مسائل ہیں جیسے روٹی پانی رہائش دیگر کھانے کی اشیاء اور اس قسم کی چیزیں کہ ان کا میدان علیحدہ ہے اور یہ امتیازات میں شمار نہیں ہوتا بعد میں ان کے بارے میں گفتگو کروں گا۔

اہم ترین رکن جو اس مجموعے سے ہمیں ملتا ہے وہ تقوئی ہے کہ ماہ مبارک رمضان کے موقع پر (ماہ مبارک معاشرے کو تقوئی کیطرف لے جانے کا ایک عامل ہے) میں چاہتا ہوں اس کی تاکید کروں اور دوسرے خطبہ میں بھی ماہ مبارک کی مناسبت سے تقوئی کی بحث کو بیان کرونگا۔

معاشرے میں تقوئی اور عدالت کا رابطہ :

ہم قرآن مجید و اسلام سے اس طرح سمجھتے ہیں کہ تقوئی انسانیت کے لیئے ایک بہت بڑا معیار ہے۔ کبھی یہ تقوئی عدالت کے مرادف ہے اور کبھی یہ تقوئی عدالت کی خاص ہے اور

کبھی اس کی وسعت زیادہ ہو جاتی ہے، کیونکہ اس کی مختلف تعریفیں ہیں اور مختلف موارد میں اس کی تعریف بھی مختلف ہو جاتی ہے۔

بہر حال یہ تقویٰ انسانیت کے لیئے ایک بہت بڑا معیار ہے، قرآن مجید کی یہی آیت جو میں نے تلاوت کی ہے قرآن مجید تعجب کے ساتھ فرماتا ہے (معاشرے سے تعجب کرتا ہے) کیا آپ یہ توقع رکھتے ہیں، ہم فاسق و فاجر لوگوں کو متقی اور پرہیزگار لوگوں کے ہم کنار اور ہم ردیف قرار دیں۔ عدالت اسلامی کے پروگرام میں اور انسان سازی اسلامی کے پروگرام میں تشویق اسلامی کے پروگرام میں اور کیفر اسلامی کے پروگرام میں اصلاً ایسی کوئی چیز نہیں ہو سکتی۔ تقویٰ انسان کو ایک خاص امتیاز عطا کرتا ہے۔

یہ امتیازات انسان کو زیادہ خدمت کے لئے تیار کرتے ہیں، انسان کو زیادہ مفید بناتے ہیں اور زیادہ صالح اور نیک بناتے ہیں اور انسان کو زیادہ رشد اور بلندی عطا کرتے ہیں کہ دائماً تکامل کی طرف حرکت میں ہے یہ بھی ان مباحث میں عرض ہو گا جن کو آئندہ بیان کرنا ہے اور دوسرے خطبے میں ان کی وضاحت کروں گا۔

انتالیسواں خطبہ

عدالت اجتماعی کی بحث کا تسلسل۔

شخصیتِ انسان کے مختلف ابعاد۔

انسان کی خلقت کا واقعہ۔

معارفِ اسلامی کی نگاہ میں علم کا مقام۔

روایات علم کی اہمیت اور ارزش۔

قال العظیم فی کتابه اعوذ بالله من الشیطان الرجیم ان الله یأمر بالعدل والاحسان۔ (۱)

بحث عدالت اجتماعی

ہم عدالت اجتماعی کی بحث کرتے ہوئے، اقتصادی شعبہ میں ایک اہم اور بنیادی بحث تک پہنچے ہیں اس بحث کا عدالت اجتماعی کے تمام شعبوں کے ساتھ تعلق ہے اس کا مقصد اور انسان کی اقدار کو مد نظر رکھتے ہوئے متعادل شخصیت دینا ہے ہم نے کہا ہے کہ اگر عدالت کے اس حصے کو ٹھیک نہ کریں تو ہمارے اجتماعی قوانین کی مضبوط اجرائی ضمانت نہیں ہے اس بنا پر عدالتِ اسلامی تک پہنچنے کے لئے ضروری ہے کہ اس حصہ پر زیادہ زور دیا جائے اور اس کی اہمیت بیان کی جائے۔

عدالت اجتماعی اور انسانی شخصیت

اس بارے میں کہا گیا تھا اگر انسان کی شخصیت میں معیاری اقدار کی رعایت نہ کی جائے اور حقیقتوں کو نظر انداز کیا جائے تو انسان یا تو جھوٹی شخصیت کا مالک بن جائے گا (اپنے آپ کو بڑا سمجھنا) یا ناقص شخصیت کا مالک ہو جائے گا۔ (اپنے آپ کو چھوٹا سمجھنا) یہاں دونوں حالتیں

---

(۱) نحل: ۹۰

فرد اور معاشرے کے لئے نقصان دہ ہیں، اہم ترین کاموں میں سے ایک کام جس کو اسلام نے معیار سمجھا ہے وہ معاشرے میں افراد کا شخصیتی تعادل ہے یہ روانشناسی (نفسیات) اور روانشناسی اجتماعی میں ایک جدید بحث ہے۔ وہ انسان جو اپنے اندر ایک حقیقی شخصیت رکھتا ہے اس میں حالات کی تبدیلی کی وجہ سے غیر موجود اقدار اضافہ ہوتی ہیں یہ ایسی حالت سے دوچار ہو جاتے ہیں جیسے ان لوگوں کی تعبیر کے مطابق کمپلیکس (پیچیدہ) کہتے ہیں اور فارسی میں اسکی مختلف تعابیر ہیں۔

مزدوج شخصیت (عرب بھی شخصیت مزدوج کہتے ہیں) یا شخصیت میں دوگانگیت یہ حالت ایک نفسیاتی مرض ہے جو انسان کو ختم کر دیتی ہے اور اجتماع کو متزلزل کرتی ہے ایک شخص جو ذاتا بخیل ہے لیکن چاہتا ہے اپنے آپ کو سخاوتمند دکھائے اس کی حرکات میں کیا کیفیت پیش آئے گی۔ اسی طرح ایک ڈرنے والا انسان اگر چاہے اپنے آپ کو شجاع اور بہادر کے طور پر دکھائے انسان کی نظر میں کیسا مجسم ہوگا یا اس کی کیا شکل ہوگی اس کے بعد والے آثار کیا ہیں اگر ایک فقیر انسان اپنی مالی طاقت کو دکھانے کے لئے اپنے تمام موجودہ مال و منال کو بذل و بخشش کے عنوان سے دے ڈالے اور اپنے آپ کو مالدار شناخت کروائے اور اس جیسی اور مثالیں ہیں جن کا ذکر کیا گیا ہے۔

لیکن معاشرے میں سب سے اہم یہ ہے کہ کچھ انسان حقیقی شخصیت نہ رکھتے ہوں یعنی وہ اقدار (جو منبع شرف انسان ہیں) نہ رکھتے ہوں اور چاہتے ہیں ان لوگوں کی جگہ قرار پائیں جو ان اقدار کے مالک ہیں یہ بہت خطرناک مریض ہیں اس صورت میں معاشرہ کمپلیکس سے دوچار ہو جائے گا جو فرد اس حالت سے دوچار ہوا ہے یہ بہت خطرناک مریض ہے اگر معاشرے میں لوگوں کی ایک اکثریت یا معاشرے میں مسؤلین ایسے ہوں تو ممکن ہے معاشرے میں تعادل وجود میں نہ آئے

اسلام کے نظام اقدار کا تعارف

اس ہدف کے لئے ہم نظام ارزش اسلام کی طرف رخ کرتے ہیں یہ اسلامی مباحث میں ایک بالکل نئی بحث ہے البتہ یہ جو میں کہتا ہوں نئی بحث ہے تو مطلب یہ ہے کہ اس کی تعلیم و تربیت نئی ہے اس بحث کا مواد بہت سادہ اور معمولی ہے اخلاقیات میں اور معروف اولیات میں اور اسلامی ادبیات میں مذکور ہے فقط کوئی شخص ہو جس کے پاس اس کام کی فرصت ہو ایسے افراد اس ارزشی نظام کی تعلیم و تربیت دیں اور اسلام کے اقداری نظام مشخص کریں۔ ایسا معاشرہ جو اسلام کے نام پر ہم اسے وجود میں لانا چاہتے ہیں۔

اس معاشرہ میں کسی کتاب کا ہر لفظ ضروری ہے اپنی جگہ تلاش کریں ہر انسان مناسب جگہ پر خدمت کرنے میں مصروف ہو جائے اگر یہ کام ہو سکے تو ہم اپنے بعد والے پروگراموں میں بہت زیادہ پیشرفت کر سکیں گے۔ لہذا میں ائمہ جمعہ، محترم علماء و مدرسین اور خطبا، خصوصاً جوان طالبعلموں سے (جن کے افکار تیار ہو رہے ہیں) تقاضہ کرتا ہوں کہ اس بحث کو آگے بڑھائیں۔ ممکن ہے میں آخر تک نہ پہنچ سکوں خطبوں کا یہ میدان مجھے اس چیز کی اجازت نہیں دیتا اور نہ ہی میرے پاس اتنی فرصت ہے کہ اس تحقیقی کام کو انجام دوں البتہ میں اس بحث سے مربوط کلیات اور اصول بیان کر کے جلدی سے گزر جاؤں گا۔

لیکن ضروری ہے کہ اس بحث میں تحقیق کریں تاکہ وقت گزرنے کیساتھ ساتھ ہم کوشش کر کے اسلام کے نظام اقدار کی وضاحت کریں تاکہ ہم اپنے آپ کو معاشرے میں محسوس کر سکیں۔ (یعنی اپنے مقام کو اور اپنے آپ کو سمجھ سکیں) اور یہ ایک اسلامی معاشرے کے لئے بنیاد اور اساس بن جائے۔

میں نے پچھلے خطبوں میں کہا تھا اس بحث کے لئے بہترین ماخذ علم اخلاق ہے کیونکہ

علم اخلاق (حکمت نظری) انسان سازی کا متکفل ہے۔ یہ پروگرام انسان کی تربیت کا متکفل ہے ۔ ضروری ہے انسان کے باطن اور انسان کے اساسی اور بنیادی ابعاد کی تربیت کریں بحث کا مطالعہ کرنے کے لئے عرض کروں گا کہ اکثر اخلاقی کتب اور اخلاقی مباحث کی طرف رجوع کریں لیکن ضروری نہیں کہ جو اخلاقی مباحث لکھے گئے ہیں انہیں پر اکتفا کریں۔

جمود کی حالت میں نہ رہیں یعنی ضروری ہے کہ ان اخلاقی مباحث کو کھولیں ضروری ہے کہ ان اخلاقی مباحث کو دوسرے معارف سے متصل کریں اور معارف اسلامی کے بہت زیادہ مباحث کے درمیان مختلف شعبوں میں اور وہ چیزیں جو کہ علم اخلاق میں تیار شدہ مباحث پر مشتمل ہیں ان کا مطالعہ کیا جائے۔

ان اخلاقی مباحث کی طرف رجوع کرنے کے لئے یہ کتابیں ہیں۔ مثال کے طور پر جامع السعادات یا جامع السعادۃ (۱) یا محجۃ البیضاء اور اس جیسی دوسری کتابیں۔ یہ بہت اچھے ماخذ ہیں اور بہت زیادہ کتب اس موضوع پر لکھی گئی ہیں اور میں خیال کرتا ہوں کہ ان کتابوں کا مطالعہ کرنا ضروری ہے جو انتہائی جدید ہیں یعنی جو شخص چاہتا ہے اس بحث کو منظم کرے اس کے لئے ضروری ہے روانشناسی جدید کا حتماً مطالعہ کرے۔ (۲) اگر ایک ساتھ کام کریں کام بہت جلد پیشرفت کرے گا اب میں اپنی بحث کو اسی محور اور موضوع پر (پہلے بیان کر چکا تھا)

---

(۱) ملا مہدی نراقی جامع السعادت ترجمہ جلال الدین مجتبوی تہران انتشارات ۱۳۶۳

(۲) زیادہ مطالعہ کرنے کے لئے اجتماعی روانشناسی ترجمہ شکر کن تہران انتشارات ۱۳۶۶ اکمپ استوارات اجتماعی روانشناسی کاربردی (عملی) ترجمہ فرہاد ماہر مشہد قدس رضوی موسسہ چاپ و انتشارات ۱۳۷۰۔ کلائن برگ اتو روانشناسی اجتماعی ترجمہ علی محمد کاروان تہران اندیشہ سازمان انتشارات و آموزش انقلاب اسلامی ۱۳۶۲۔ بی زایونگ روبرت اجتماعی روانشناسی تجربی ترجمہ محمود ایروانی انتشارات قمی ۱۳۶۸۔

شروع کرتا ہوں تاکہ اسے پانچ یا چھ خطبوں میں ختم کر سکوں۔

علم اخلاق میں انسان کی مختلف قوای

میں نے کہا تھا کہ ہمارا علم اخلاق انسان کے اندر تین قوا کو اصل اور اساس سمجھتا دیتا ہے ان میں ایک قوۃ فکریہ ہے کتب علم اخلاق میں قوہ فکر سے جو شاخیں منتخب ہوتی ہیں وہ مشخص اور منظم ہیں علم ایمان توحید اور شاید بعض عملی قواء جیسے تقویٰ اور صبر وغیرہ ہیں اس کا ایک حصہ اس قسم میں منضم ہوتا ہے اور ضروری ہے اس بحث میں ان موارد پر تکیہ کریں۔(۱)

میں خیال کرتا ہوں علم ہمارے اسلامی معاشرہ میں اور ہماری اسلامی تعلیمات میں (اس کے باوجود کہ ہماری روش بھی اسلامی ہے) اپنا اصلی مقام حاصل نہیں کر سکا یعنی اسلام کے ارزشی نظام میں جس چیز پر بہت زیادہ زور دیا گیا ہے وہ علم ہے اور یہی علم ابھی تک کو ہمارے معاشرے میں حقیقی کامیابی حاصل نہیں کر سکا۔ البتہ ایمان علم کے ساتھ ہے یعنی ایمان آگاہی اور علم کے بغیر ممکن نہیں معلومات ممکن ہے کبھی فطری اور طبیعی یا انسان کی روحی تشخیصوں میں ہوں جو کہ کبھی ایمان کا موجب بنتی ہیں ہم ایمان کو فرع علم سمجھتے ہیں میں ایمان کو اس بحث میں ذکر کرونگا اور اسی سے مستقل طور پر بحث نہیں کروں گا اور بلکہ اسے علم کی بحث میں منضم کروں گا۔ آپ علم کے موضوع پر روایات کو دیکھیں (طلاب سے عرض کر رہا ہوں) مثال کے طور پر کتاب کافی جو کہ ہماری سب سے قدیم کتب میں سے ہے (۲)

---

(۱) قوہ فکریہ اور شہوانی کے بارہ میں مبسوط بحث نماز جمعہ کا خطبہ ۲۰۔ ۲۔ ۱۳۶۲ میں بیان کیا گیا۔

(۲) کتاب کافی تالیف محمد بن یعقوب کلینی یہ اہل تشیع کی بنیادی کتابوں میں سے ہے اور حوزہ علمیہ میں طلاب دینی کو پڑھائی جاتی ہے۔

پہلی بحث عقل و جہل ہے (کہ وہ بھی اسی بحث میں منضم ہو گئی) اور بعد میں علم ہے آپ دیکھیے کس حد تک روایات اور مطالب علم کے بارے میں ہیں کتب اخلاق بھی جب اس بحث کو بیان کرتی ہیں ان کی پہلی بحث بھی یہی علم ہے۔ اس قدر علم کی بحث پر طبیعی اور منطقی لحاظ سے زور دیا ہے سے اگر قرآن مجید ہمارے پاس نہ ہوتا روایات نہ ہوتیں سیرت ائمہ نہ ہوتیں نقلی مباحث نہ ہوتیں اور ہم تحقیق کر کے کرنے چاہتے تو استدلال عقلانی سے بھی بات واضح ہو سکتی تھی۔

موجودات خلقت میں انسان (جہاں تک ہم جانتے ہیں) اگر کوئی امتیاز رکھتا ہے تو وہ علم ہے تمام حیوان غرائز رکھتے ہیں ان غرائز کے ساتھ زندگی کرتے ہیں اور یہ غرائز ان حیوانات کو ایک مشخص حد میں محدود کیے ہوئے ہیں اور آٹومیٹک طریقہ سے اپنے غرائز سے استفادہ کرتے ہیں اور نظام زندگی چلاتے ہیں انسان کا نقطہ تکمیل غرائز کے علاوہ (جو عموماً حیوانات سے کمتر ہے) اس کی فکر ہے کہ انسان کی فصل ممیز ہے جو انسان کو تمام انواع اور تمام زندہ موجودات سے جدا کرتا ہے اور یہ قوہ فکریہ نطق انسان ہے اور انسان کی یاد کرنے کی طاقت ہے اگر ہم یہ نہ کہیں کہ یہ انسان کا اہم ترین حصہ ہیں حداقل وجود انسان ہے البتہ میں اسی کو عمدہ ترین کہتا ہوں۔

یہ طبیعی ہے اگر یہ قوۂ فکریہ رشد کرے تو انسانیت بیدار ہو جائے گی انسان جتنا تحصیل علم کرے اور لکھنا پڑھنا جانے اتنا دنیا کو کشف کر سکتا ہے کائنات کو کشف کر سکتا ہے اپنے اندرونی اور خارجی وجود سے دوسرے موجودات کے ساتھ رابطہ برقرار رکھ سکتا ہے بہر حال وہ اپنے آپ کو آگے بڑھانے کی کوشش کرے جس قدر پیش رفت کرے اس کا وجود وسیع تر ہو جائے گا یعنی انسان کی انسانیت یہاں پر کھل جاتی ہے اور وہ چیزیں جو ہمارے لئے باقی رہتی ہیں یہی ہیں جب ۵۰ یا ۶۰ سال بعد انسان دنیا سے چلا جائے یہ حصہ اس کے وجود میں رہ جاتا ہے یعنی

جتنا ہمارا فکری وجود رشد و نمو کرچکا ہو اتنا باقی رہ جاتا ہے ہمارے باقی مکتسبات بہت کم حد تک باقی رہتے ہیں ان میں سے بہت سی چیزیں ہم سے مربوط ہی نہیں ہے اور ایک اعتباری رابطہ رکھتی ہیں لیکن یہ فکر ورشد باقی رہ جاتا ہے اور انسان کی انسانیت کے ساتھ مربوط ہے۔

قرآن مجید اور خلقتِ انسان

قرآن مجید کی آیات میں یہ حصہ جو انسان کی خلقت سے مربوط ہے (داستان خلقت انسان) آپ کے لئے بہت زیادہ معروف ہے کہ قرآن یہاں سے شروع کرتا ہوں۔

و اذقال ربك للملائكه انى جاعل فى الارض خليفة .(۱)

خداوند ملائکہ سے کہتا ہے (جو کہ خدا کی مخلوق کا عظیم حصہ ہیں البتہ انسان ملائکہ سے زیادہ شرف والا ہے اگر انسان اکتساب کے بغیر ہو جائے ملائکہ انسان سے زیادہ بہتر ہوں گے) میں چاہتا ہوں ایک ایسے موجود کو وجود میں لاؤں جو میرا جانشین ہو، خلیفہ الٰہی ہو (اب یہ خلیفہ شخصاً حضرت آدمؑ تھے یا یہ کہ اصلاً انسانیت خلیفہ خدا ہے)

ملائکہ ہم انسانوں کی زندگی کے بارے میں ایک مختصر سے خدمات رکھتے اور تعجب کرتے ہیں کہ خدا کیسے چاہتا ہے یہ کام انجام دے ایک موجود جو ہم جیسا نہیں ہے بلکہ وہ اس طرح زندگی کرے گا جس میں فساد ہی فساد ہوگا۔ (جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں اس کے نمونے امریکہ و فلسطین اور اطراف دنیا میں موجود ہیں اور خود ہم بھی اس قسم کے افراد میں سے ہیں) ملائکہ نے تعجب کیا یہ مفسد، خون ریز اور برے لوگ ہیں کیسے انہیں اپنا خلیفہ بنانا چاہتا ہے؟

(۱) بقرہ / ۳۰

ہم توحید پرست، ہم مخلصین، ہم عبادت کرنے والے، ہم مقدس ملائکہ تیری تقدیس کرتے ہیں پھر ایک ایسے موجود اور وہ بھی اس جاہ و جلال کے ساتھ کس طرح بیان کرتا ہے ہم کس لئے ہیں؟ یہاں خدا ملائکہ کو قانع کرنے کے لئے قرآن مجید میں ایک آیت لایا ہے جو اسی بحث میں ذکر ہوئی ہے قرآن مجید فرماتا ہے کہ ہم نے بہت اچھی تجویز پیش کی ہے آپ دیکھیں گے اور حضرت آدمؑ کی علمی منزلت کو نقل کیا یعنی جو کام حضرت آدمؑ کر سکتا تھا وہ تم نہیں کر سکتے۔

و علم آدم الاسماء کلھا(۱)

خداوند متعال نے جو کچھ حضرت آدمؑ کے لئے ضروری تھا انہیں دیا۔ اس موقع پر آدم ہوا آدمِ عالم۔ بعد میں ملائکہ سے فرمایا اب آؤ امتحان کی منزل ہے جو کچھ آدم کو دیا تھا ملائکہ پر پیش کیا کہا تم جواب دو ملائکہ نے کہا ہم ان کو نہیں جانتے ہمارا علم محدود ہے جو کچھ ہمیں یاد دلایا ہے ہم جانتے ہیں ہم ان چیزوں کو نہیں جانتے ہمیں معلومات نہیں۔

خداوند عالم نے حضرت آدم کو حکم دیا اب کہو حضرت آدم نے اپنی معلومات کو ملائکہ کے سامنے پیش کیا اور سوالات کے جوابات دیئے یہاں ملائکہ سر تسلیم خم ہو گئے اور کہا ہم قائل ہو گئے ہیں ہم جاہل تھے اب ہم سمجھتے ہیں کہ آسمان و زمین کے غیب کا علم تیرے پاس ہے اور ہماری معلومات کم ہیں ہم تسلیم کرتے ہیں کہ ایسی مخلوق کا وجود ضروری ہے۔

اس مسئلہ کے بعد مسئلہِ سجدہ ہے۔ کہتے ہیں جب اس طرح ہوا ہم نے ملائکہ سے کہا سجدہ کرو انہوں نے بھی سجدہ کیا لیکن شیطان نے سجدہ نہ کیا آیت مجیدہ ہے کہ ملائکہ نے سجدہ کیا۔ اب اس سجدے کی کیفیت کیا تھی اس سے ہمارا کوئی تعلق نہیں۔

---

(۱)بقرہ:۳۱

فرشتوں کا آدم کو سجدہ

بعض علمانے کہا ہے اس سجدہ سے مراد ملائکہ کا معمولی سجدہ ہے میں نہیں جانتا کہ قرآن کی نظر کیا ہے لیکن اتنا کہتا ہوں کہ ہمارے ذہن کے مطابق یہ ایک خاص قسم کا سجدہ تھا جبریل اور امثال جبریل ملائکہ کی خاص عبادت کی حالت مراد نہیں بلکہ قوای طبیعی مراد ہیں ۔یعنی یہاں مجموعہ طبیعت کی طاقت ہے جس نے انسان کو سجدہ کیا۔ انسان کے پاس طاقت ہے کہ اِن کو خاضع کرے اور یہ انسان کے مقابلے پر تسلیم ہو سکتے ہیں۔

یعنی انسان کی ماہیتِ علم ہے انسان عالم ہے اور اس کی قدرت میں ہے کہ جہانِ طبیعت اور اس کے ہدف کو اپنے ہدفِ خلقت سے تعبیر کرے اور وہ ہدف جہانِ طبیعت کی طاقت کو تسخیر کرنا ہے اگر مقصود یہ بھی نہ ہو، ہم اس مطلب کو دوسری جگہوں سے سمجھ سکتے ہیں یہاں اچھی طرح دیکھنا اور پہچاننا ہے کہنا یہ چاہتے تھے ابتداء خلقت میں مسئلہ علم، مسئلہ خضوع طبیعت، مسئلہ شرافت انسانی یہ تمام چیزیں علم کے راستے میں مشخص ہوتی ہیں اور انسان کے لئے زندگی کا صحیح راستہ اور حقیقی ارزشوں کو یہاں مشخص کیا ہے۔

قرآن مجید کی آیات بہت زیادہ ہیں میں اگر چاہوں تو علم کے بارے میں قرآن مجید کی آیات تلاوت کروں اور ترجمہ کروں کم از کم دو خطبوں سے زیادہ وقت چاہیئے یہ کام علماء، مدرسین اور طلاب کر سکتے ہیں یہ لوگ آیات تلاش کریں اس مطلب پر بہت زیادہ آیات موجود ہیں۔ میں ان میں سے فقط ایک یا دو آیات کو پیش کرتا ہوں تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ ارزش و قدر کیا ہے؟

معارف اسلامی میں علم کا مقام

پہلا سورہ جو پیغمبر اسلامؐ پر نازل ہوا سورہ علق ہے اس سورہ کی پہلی آیات میں انسانی

قدروں پر زور دیا گیا ہے اور وہ علم ہے ارشاد خاوندی ہے۔

اقرا باسم ربك الذی خلق،خلق الانسان من علق،اقرء و ربك الاکرم الذی علم بالقلم۔ (۱)

پہلے خلقت اور بعد میں علم ہے جب علم کو بیان کرنا چاہتا ہے تو مظہر عظمت خدا، مظہر کرامت خدا اور مظہر بزرگی خدا علم انسان ہے اور یہ اساس خلقت ہے۔ خدا نے ایسی مخلوق خلق کی ہے جس کے اندر توانائی ہے کہ وہ کائنات کو کشف کر سکتے اور اس کے اندر توانائی ہے کہ وہ اس کائنات پر مسلط ہو اس کے اندر توانائی ہے کہ وہ کائنات کو اپنے وجود کے ساتھ ایک کرے یہ کرامت اور عظمت خداوندی پر دلیل ہے کہ اس نے ایسی مخلوق کو پیدا کیا۔

ایک مکتب اور معاشرہ جس کی کتاب قرآن ہے اور پیغمبر اسلام پر پہلے نازل ہونے والے جملے (وہ بھی عربوں جیسے جاہلانہ ماحول میں جس ماحول کا نام جاہلیت ہے) علم کے بارے میں ہیں اور یہ بہت بڑی بات ہے اگر ہمارے پاس قرآن مجید کی اس آیت کے علاوہ کوئی اور چیز نہ ہوتی پھر بھی ہمارے معاشرہ کے لئے ضروری تھا کہ تمام دنیاوی معاشروں سے زیادہ عالم ہوتا۔ علم کے بارے میں بہت زیادہ آیات ہیں۔

خدا فرماتا ہے

الرحمن ،علم القرآن ،خلق الانسان ،علم البیان ۔ (۲)

آپ دیکھ رہے ہیں پہلے خلقت اور بعد میں تعلیم ہے۔ یہ اس مکتب کے لئے ہے جس کو استکباری دنیا جہل ،عدم توجہ علم اور عدم فضیلت کہتی ہے۔ یہاں قرآن مجید کا ایک عمدہ

---

(۱) علق / ۱.٤

(۲) الرحمن / ۱.٤

صراحتی نکتہ ہے

یرفع الله الذین آمنوا منکم والذین اوتوا العلم درجات ۔ (۱)

یہ آیت ان مسلمانوں سے مربوط ہے جنہوں نے جنگ بدر میں شرکت کی ہے۔ تاریخ جانتی ہے یہ لوگ دنیا کے بہترین مسلمانوں میں سے ہیں اور بدریوں کی فضیلت تاریخ اسلام میں اب تک موجود ہے۔ قرآن مجید کا ارشاد ہے کہ علما اور مومنین بلند درجات رکھتے ہیں۔ اس آیت کے ذیل میں ابن عباس سے مومن اور مجاہد کی فضیلت پر ایک روایت نقل کی گئی ہے۔

کرامت اور قدر علم قرآن میں بہت زیادہ ہے (میں نے عرض کیا ہے آپ خود تلاش کریں اور دیکھیں کہ اس مسئلہ پر کس حد تک آیات تلاش کر سکتے ہیں۔

اسلام میں علما کی ارزش

قرآن مجید تعجب اور استفہام انکاری کے ساتھ کہتا ہے (۲)

ھل یستوی الذین یعلمون والذین لایعلمون ۔ (۳)

کیا ہو سکتا ہے کہ ہم علما اور غیر علما کو ایک جیسا تصور کریں یہ نہیں ہو سکتا بعد میں نور اور ظلمت سے تشبیہ دیتے ہیں کیا ہو سکتا ہے نور اور ظلمت ایک ہوں کیا ہو سکتا ہے طبیعی سایہ بہت زیادہ رہنے والے سائے کے برابر ہو اور انسان اس کے جوار میں زندگی گزاریں علم کو اس

---

(۱) المجادلہ ر ۱۱

(۲) استفہام انکاری یعنی ایک ایسا استدلال جو بدیہی موضوع کے انکار کے لئے بیان ہوتا ہے مثال کے طور پر خداوند عالم فرماتا ہے کیا وہ لوگ جو جانتے ہیں ان لوگوں کے برابر ہیں جو نہیں جانتے جب اس طرح سوال ہو اس سے نتیجہ لیں گے نہ برابر نہیں ہیں اس کو استفہام انکاری کہتے ہیں)

(۳) الزمر ر ۹

طریقے سے بڑا جاناگیا ہے۔

ہماری روایات میں اس کام کیلئے بہت زیادہ اور صریح تعبیریں ہیں مثال کے طور پر

العلماء ورثة الانبیاء(۱)

دانشمند حضرات وارث پیغمبر ہیں ایک اور روایت ہے کہ انبیاء کی حقیقی وراثت علم ہے وہ چیز جو پیغمبر کے لئے ارث ہے وہ علم ہے میں نے چند روایات نوٹ کی ہیں۔ میں ان روایات کو یہاں فقط پڑھتا ہوں ان کی تفسیر اور توضیح بیان کرنے کا وقت نہیں ہے (کیونکہ بہت زیادہ گرمی ہے) میری اس بحث کا تسلسل بعد والے خطبوں میں جاری رہے گا۔

ایک اور روایت میں ملتا ہے۔

یستغفر للعالم ما فی السموٰت والارض (۲)

تمام موجودات عالم آسمان و زمین واہما عالم کے لئے استغفار کرتے ہیں۔(طلب غفران بخشش کرتے ہیں) اب اس کی اپنی تفسیر ہے۔

افضل الناس العالم الذی ان احتیج الیه نفع وان عنه اغنی نفسه(۳)

بہترین افراد دانشمند حضرات ہیں اگر ان سے احتیاج ہو تو لوگوں کی خدمت کرتے ہیں اگر ان سے احتیاج نہ ہو تو کم از کم اپنے آپ کو سنبھال سکتے ہیں اور زندگی کے لحاظ سے اپنے آپ کو غنی کر سکتے ہیں۔

ایک اور روایت ہے۔

---

(۱) محمد بن یعقوب کلینی اصول کافی باب ۱۸ حدیث دوم ازباب صفة العلم و فضله و فضل العلماء۔

(۲) ملا محسن فیض کاشانی محجة البیضاء ج ۱ ص ۳

(۳) محجة البیضاء ج ۱ ص ۱۴

اقرب الناس من درجة النبوة اهل العلم و الجهاد(۱)

درجہ نبوت سے نزدیک ترین لوگ(نہ انبیاء سے نزدیک بلکہ درجہ نبوت کے نزدیک)علمااور مجاہدین ہیں نبوت منقولہ علم میں سے ہے نبوت اطلاع اور اخبار ہیں جو انبیا لیتے ہیں۔

اوحی اللہ عزوجل الی ابراھیم یا ابراھیم انی علیم احب کل علیم(۲)

خداوند عالم نے حضرت ابراہیم کو وحی کی اور کہا اے ابراہیم میں خود عالم ہوں اور علما کو دوست رکھتا ہوں اور یہ کتنا زیبا اور بہترین کلام خداوندی ہے۔

پیغمبر اسلام فرماتے ہیں

فضل العالم علی العابد کفضلی علی ادنی رجل من اصحابی(۳)

عالم کی ارزش اور اہمیت عابد کی نسبت اس قدر ہے کہ جتنی میں اپنی امت کے نیچے کے درجات پر فضیلت رکھتا ہوں (عابد یعنی ایسا مومن جو عبادت کرتا ہے لیکن عالم نہیں ہے البتہ علم کے بغیر تو نہیں ہو سکتا پھر بھی ان کا شمار اہل علم میں نہیں ہے البتہ اگر بالکل علم نہ رکھتا ہو عبادت بھی نہیں کر سکتا)

قیامت کے دن شفاعت کرنے والے

ایک اور روایت میں ہے۔

---

(۱) محجۃ البیضاء ج ا ص ۴

(۲) محجۃ البیضاء ج ا ص ۵

(۳) محجۃ البیضاء ج ا ص ۱۶

یشفع یوم القیامه ثلاثه، الانبیاء ثم العلماء ثم الشهداء(۱)

پیغمبر اسلام فرماتے ہیں قیامت کے دن تین گروہ ہیں جو شفاعت کریں گے، انبیاء، علماء، شہداء یہ لوگ ہیں کہ خداوند متعال ان کو اجازت دے گا قیامت کے دن پیچھے رہنے والے افراد (اعمال کے لحاظ سے) اور وہ لوگ جو گناہ کرتے تھے ان کا برا حال ہو گا اپنے مقام کی وجہ سے علماء کو معاف کر دیا جائے گا اور گناہگار لوگوں کو جنت میں لے جائیں گے یعنی یہ شفاعت کی طاقت قیامت کے دن ان کے لئے ہے اور یہ لوگ قدرت رکھتے ہیں کہ انسانوں کے اعمال کی کمی کی صورت میں شفاعت کریں۔

پیغمبر اسلام نے فرمایا

اطلبوا العلم ولو کان بالصین (۲)

علم حاصل کریں اگرچہ چین میں جانا پڑے

میں نے عرض کیا اگر آپ روایات کو جمع کریں تو (جن کتب میں روایات جمع کی گئی ہیں ان میں بھی تمام روایات نہیں ہیں) اس قدر بڑی کتاب ہو جائے گی کہ اس جیسی کوئی اور بڑی کتاب نہ ہو گی۔

علم کا یہ مقام قرآن مجید، روایات اور منطق میں ہے۔ اب علم کیا ہے؟ البتہ بعض علماء اخلاق اور دوسرے علماء سے پوچھا جائے کہ علوم سے مراد کیا ہے مثال کے طور پر علم اخلاق ہے، علم توحید ہے، علم کلام ہے، خداشناسی سے مربوط علوم ہیں اور دینی مسائل ہیں کیا یہی علوم ہیں؟

---

(۱) حاشیہ محجۃ البیضاء ج ۱ ص ۱۶۔

(۲) محجۃ البیضاء ج ۱، ۱۶

لیکن انصاف سے کہتا ہوں جو اطلاق آیات اور روایات میں موجود ہیں جیسے (یرفع الله الذین آمنوا منکم والذین اوتواالعلم درجات (۱) اور(الذی علم بالقلم(۱)

کیسے کہ سکتے ہیں کہ یہ آیات صرف علم الکلام، علم اخلاق اور توحید سے خاص ہیں البتہ کچھ روایات ایسی ہیں جو اپنے ذیل اور شواہد کو مد نظر رکھتے ہوئے ان علوم سے مربوط ہیں۔ یعنی علم توحید، علم کلام اور علم اخلاق مراد ہیں۔

دوسری طرف سے بعض لوگ جو آج کی اصطلاحات میں پھنسے ہوئے ہیں (کیونکہ آجکل اصطلاحاً فلسفہ اور علوم اخلاقیات کو علم نہیں کہتے) خیال کرتے ہیں جو چیزیں تجربہ حس اور آزمائش وغیرہ سے حاصل کریں وہ علم ہے جیسے علوم ریاضی، علوم طبعی اور اس طرح کی دوسری چیزیں۔ لیکن فلسفہ ہو یا اخلاق جب ان سے استدلال اور نقل کے ذریعے مطلع ہوں تو ان کو علم کے میزان پر قبول نہیں کیا جا سکتا

یہ اصطلاح صدر اسلام میں بھی نہیں تھی یعنی اس وقت جب ہر چیز کو علم کہتے تھے اب بھی بہت سے کہنے والوں کی اصطلاح میں اور علمی شخصیتوں میں یہی نظر ہے لیکن اس طرح کی جو تقسیم بندی کلاسیکی مسائل میں کی گئی ہے وہ بھی ان کا مراد نہیں ہے وہ لوگ اسے علوم مادی بھی نہ کہہ سکتے ہیں اور نہ یہ علوم دینی سے خاص ہیں (البتہ دین تمام علوم کو شامل ہوتا ہے) اور نہ ہی کہہ سکتے ہیں کہ بعض روایات کا انصراف ان کی طرف نہیں۔ ہاں بعض روایات ہیں جن کا رجحان علوم دینی کی طرف ہے لیکن ہماری روایات کا اطلاق تمام علوم کے موضوعات کو شامل

---

(۱) المجادلہ۔ ۱۱

(۲) والعلق ۴

ہے مگر کچھ علوم کا استثناء ہوا ہے جیسے علم سحر، علم جادو، شعبدہ بازی اور کچھ ایسے علوم جو مضر ہیں جن کے متعلق نہی وارد ہوئی ہے ہم ان کے پیچھے نہیں جانا چاہیے۔ بعض اخلاقی کتب اس قدر آگے چلے گئی ہیں کہ علم فقہ کو بھی علوم میں نہیں جانتے۔

مرحوم غزالی ایک تفصیلی بحث کرتے ہیں کہ علم فقہ اصلاً دنیاوی علوم میں ہے اور آخرتی علوم میں نہیں کہ مرحوم فیض کاشانی صاحب محجۃ البیضا اس انحراف کی وضاحت کرتے ہیں وہ انحرافات جو ہم لوگوں میں موجود ہیں (یعنی تمدن اسلامی کے بعد) اس کا باعث ہوئے ہیں کہ بہت سے علما زندگی سے مربوط علوم کو علم نہ جانیں۔

صراحت کے ساتھ عرض کرتا ہوں قرآن مجید' روایات' فقہاء اور بہت سی شخصیات نے اس بارے میں بحث کی ہے کہ علم مطلق قدر اور ارزش ہے البتہ ہر علم کی ایک جیسی ارزش نہیں بلکہ علوم متفاوت ہیں علم جب انسانوں میں آتا ہے انسانوں کی وجہ سے اس کی ارزش متفاوت ہو جاتی ہے (اس کو بعد والے حصوں میں عرض کروں گا)

اس معاشرہ میں جس کا مکتب، جس کا پیغمبر، جس کا امام، جس کا قرآن اور جس کے علماء اخلاق اور تمام افراد یہی باتیں کرتے ہیں اگر پھر بھی اس مکتب کے ماننے والے جاہل ہوں، پڑھے لکھے نہ ہوں اور علم کی ارزش کو نہ جانیں یہ بدترین ظلم ہے جو اس مکتب کے پیروکاروں نے اس مکتب پر کیا ہے اور بدترین انحرافات ہیں جن کی وجہ سے تمام فضائل انسان سے سلب ہو جاتے ہیں۔

علم کی قدر جاننے کی ضرورت ہے

ہم سوچتے ہیں کہ بہت ضروری کاموں میں سے ایک کام یہ ہے کہ ہمارا معاشرہ خصوصاً نسل جوان پہچانے کہ علم کا کیا مقام اور قدر ہے؟ تحصیل علم کتنا با ارزش کام ہے؟ وہ چیز

جو اسکول جاتا ہے اسے جاننا چاہیئے کہ وہ عبادت کر رہا ہے وہ اللہ کی طرف نزدیک ہو رہا ہے ایک لفظ اگر یاد کر لے، ایک حد تک خدا کے قریب ہوا ہے۔ اگر یہ بات بچے کے ذہن میں رکھی جائے اور اگر باپ جانتا ہو کہ یہ کام اس کے بچے کو خدا کے نزدیک کرتا ہے۔ اگر معاشرہ علم کی قدر سے واقف ہو اور ایک نسل علم کی قدر سے آگاہ کیا جائے اس وقت آپ دیکھ سکتے ہیں کہ ہمارے معاشرے میں کیا ہوگا۔

یہ دنیائے اسلام کے لئے ننگ ہے کہ آج ہم اپنے کاموں کے لئے کفار ماہرین کے محتاج ہیں کوئی چیز اس ننگ سے بدتر نہیں اگر ہمیں دنیا میں کسی چیز کی اشد ضرورت ہے تو سب سے بہتر یہ ہے کہ ہم عالم کے محتاج ہوں۔ ان ایام میں جب اسلام بنی امیہ اور بنی عباس کے ادوار میں تھا (بنی عباس کے دور حکومت میں زیادہ' بنی امیہ کے دور حکومت میں بھی کچھ حد تک اور فاطمیوں کے دور حکومت میں یہ سلسلہ جاری رہا) تو پوری دنیا علمی لحاظ سے اسلامی دنیا کی وجہ تھی یہی اطلبوا العلم ولو کان بالصین رہنما تھا۔(۱)

مسلمان آئے ایرانیوں کے علوم کو لیا، ہندستانیوں کے علوم کو لیا، چینیوں کے علوم کو لیا، قدیم یونانیوں کے علوم کو لیا، قدیم مردہ زبانوں کو زندہ کیا، ان کا ترجمہ کیا اور ایک عظیم تمدن کو وجود میں لائے اس وقت علمی دنیا کا مرکز یا بغداد تھا یا دمشق تھا یا مصر تھا یا اندلس تھا و یا نیشاپور تھا (اس وقت یہ سب علاقے ایران کے پاس تھے)

علم اگرچہ ذاتاً ایک قدر ہے اگر یہی علم ایک فاجر و فاسق اور بے تقوا انسان کے ہاتھ میں ہو تو ممکن ہے اس کی کوئی قدر و قیمت نہ ہو سکا مطلب یہ نہیں ہے کہ علم اپنی ارزش ختم کر بیٹھا ہے بلکہ فاسق اور فاجر اس ارزش سے برا استفادہ اٹھائے گا ایک تیز تلوار رکھنا معیوب نہیں

---

(۱) محجۃ البیضاء ج ۱ ص ۵

لیکن اگر ایک بے دین کے ہاتھ میں آجائے جو نیک لوگوں کا پیچھا کرے تو یہ غلط ہے۔

علم سے نامناسب استفادہ

لہٰذا وہ عالم ہمارے لئے باارزش ہے جو اچھا انسان ہو علم بالذات باارزش ہے فاجر ' فاسق 'برے 'پست اور معمولی انسان اس ارزش کو اپنے وجود میں ضد ارزش میں تبدیل کرتے ہیں علم سے نامناسب اور ناصحیح استفادہ کرتے ہیں اس کا معنی یہ نہیں کہ علم بے ارزش ہے ایک اچھا اسلحہ اچھی چیز ہے۔ انرجی اچھی چیز ہے۔

بجلی ایک منبع انرجی ہے اگر اس کو ایک نامناسب انسان کے ہاتھ میں دے دیں دوسرے انسان کے بدن سے لگائے گا اور اسے ختم کر دے گا یہ بجلی معیوب نہیں بجلی کی ارزش محفوظ ہے اس سے برا استفادہ کیا جاتا ہے میں یہ عرض کروں گا۔ اقدار سے استفادہ کرنے کے لئے تقویٰ اساسی اور بنیادی شرط ہے اگر عالم چاہے کہ معاشرہ میں اسے کوئی مقام یا عزت ملے اس کی شرط یہ ہے کہ وہ اچھا انسان ہو اس وقت اس کے علم اور مقام میں اضافہ ہو گا۔

قدرِ علم کے متعلق چند روایات

ایک یا دو روایات علم کی قدر اور ارزش کے بارے میں، میں نے لکھی ہیں جو پڑھتا ہوں اور اپنی بحث کو تمام کروں گا۔ حضرت پیغمبر اسلامؐ نے فرمایا

هلاك امتي عالم فاجر و عابد جاهل

میری امت سے وہ لوگ ہلاک ہوں گے جو عابدِ جاہل ہوں گے یا انسانِ عالم جو فاجر ہوں یہی علم جو وسیلہ ارزش تھا اگر فاجر کے ہاتھ میں ہو ہلاک کرنے والا ہے انسان کو سقوط کی منزل تک پہنچا دیتا ہے اور ضد ارزش میں شمار ہو گا۔

جاہل انسان جو خشک اور جذبات سے عاری ہیں اور طرف اپنے سے ایک قسم کا امور د

تجسّس دکھاتے ہیں وہ بھی ہلاک ہونے والوں میں سے ہیں اور معاشرے کو بھی ہلاکت میں ڈالنے والے ہیں اس کا نمونہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے ایٹم بم ہیروشیما اور ناگاساکی پر گرا یا وہ پائیلٹ جس نے ایٹم بم گرایا لوگوں کو اس طرح تباہ کیا۔(وہ بہت پڑھے لکھے تھے ایسا نہیں ہے کہ جانتے نہ ہوں)

پیغمبر اسلام نے فرمایا

مررت لیلة اسری بی بقوم کان تقرض شفاههم بمقاریض من نار فقلت من انتم وقالوا انا کنا نامرابالخیر ولا نفعل او کنا ننهی عن الشر و نفعل۔

اس رات کو جب میں معراج پر گیا۔میں نے دیکھا کچھ لوگوں کو بیٹھا کر آگ کی قینچی سے ان کے لبوں کو کاٹ رہے ہیں میں نے تعجب کیا یہ کیا چیز ہے میں آگے بڑھا میں نے کہا کہ یہاں تم اتنے بد بخت کون ہو انہوں نے جواب کہا ہم پڑھے لکھے افراد تھے اور لوگوں سے کہتے تھے فلاں اچھے کام انجام دو لیکن ہم خود عمل نہیں کرتے تھے۔عالم بے عمل تھے یا لوگوں سے کہتے تھے اس برے کام کو انجام نہ دیں لیکن ہم خود انجام دیتے تھے اور اس کے بدلے ہمیں مناسب سزا دی جارہی ہے۔

یہ علم بے تقوی ہے اور وہ لوگ اس کی ارزش و قدر جس کو میں نے پہلے عرض کیا ہے وہ لوگ بافضیلت اور سالم ہیں اور انھیں انما یخشی الله من عباده العلماء(۱) اور العلماء ورثة الانبیاء کہہ کر خطاب کیا گیا ہے۔

---

(۱) فاطر : ۲۸

چالیسواں خطبہ

عدالت اجتماعی کی بحث کا تسلسل۔

اس دنیا میں طبقہ بندی نظام کی اجتماعی تاریخ۔

دینِ اسلام میں علم کی قدروارزش۔

دنیای اسلام میں علم کی ترقی۔

مسلم دانشمندوں کی زندگی کے نمونے۔

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم۔ قال العظیم فی کتابہ، اعوذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم .و من یؤت الحکمہ فقد اوتی خیراً کثیراً و ما یذکّر الا اولو الالباب (۱)

عدالت اجتماعی کی بحث کا تسلسل

ہم اقتصادی شعبے میں عدالت اجتماعی کی بحث کرتے ہوئے انفرادی عدالت تک پہنچ گئے تھے اس عدالت اور اس کے معیار کو تلاش کرنے کیلئے (جس کے مطابق کسی کو کوئی عہدہ یا مسئولیت دی جائے) ایک بحث ؛اسلام کا ارزشی نظام ؛وجود میں آئی تھی۔ اور ہم نے کہا تھا کہ ارزش اور قدر کے عنوان سے ایک مورد علم ہے اور اس پر بہت زیادہ بھروسہ کیا جا سکتا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ دنیا میں موجود مکاتب میں سے کسی مکتب کے اصولوں میں اس قدر انسان کی اصیل اقدار کی طرف توجہ نہیں کی گئی مجموعی طور پر جب انسان تاریخ بشریت کو دیکھتا ہے تو یہ تاریخ عموماً ظلم و تعدی اور طبقہ بندی وغیرہ سے بھری ہوئی ہے اور البتہ عدالت انفرادی ان میں پائی جاتی ہے۔

لیکن ان مکاتب کے معارف اس انفرادی عدالت کے ساتھ سازگار نہیں ہیں اس دن

---

(۱) البقرہ ۔ ۲۶۹

جب اسلام کا سورج اس تاریک اور کج روی سے بھری ہوئی دنیا میں طلوع ہوا تھا (اس وقت) پوری دنیا کی حالت بہت زیادہ خراب تھی اور اسلام کا بڑا معجزہ یہ ہے کہ اس نے دنیا میں لوگوں کے افکار اور خیالات کی ترقی کا سوچا جبکہ اس وقت اس چیز کی طرف کسی کی توجہ نہ تھی آج کی دنیا میں جب افکار بلند ہیں لوگوں کی عدالت کے لیئے جدو جہد زیادہ ہو گئی ہے اور اس کی خاطر خون بہائے جارہے ہیں۔

اصول تدوین کئیے جارہے ہیں اور حقوق بشر کا بین الاقوامی منشور تیار کیا جا چکا ہے (اگر چہ اس پر عمل نہیں ہوتا) ان مفاہیم تک پہنچنا مشکل نہیں ہے اور انسان جلدی ان مفاہیم کو سمجھتا ہے، لیکن جب ہم ۱۴۰۰ سال پیچھے جاتے ہیں اور جزیرۃ العرب کی طرف نگاہ کر کے تو دیکھتے ہیں کہ اس وقت ان مسائل کو اس طرح عمیق طریقے پر بیان کرنا کس قدر ارزش اور اہمیت رکھتا تھا۔

قدیمی ایران میں طبقاتی نظام

جب اسلام نے اپنی تحریک کو شروع کی ان مراکز میں جو صاحب تمدن تھے، مثال کے طور پر ایران، ہندوستان اور روم ان ممالک میں طبقہ بندی کی بدترین صورت موجود تھی ایران میں انسانوں کی گروہ بندی کا اجتماعی نظام، طبقاتی نظام کی بنیاد پر تھا اور یہ نظام بہت بدترین شکل میں تھا۔ یہ مندرجہ ذیل طبقات کی صورت میں تھے

(۱) درباری

(۲) مولوی

(۳) فوجی

(۴) دبیران (اصطلاحاً حکومت کے ملازمین)

(۵) پیشہ ور لوگ

(۶) صفت گر اور عوامی لوگ

ہر طبقہ ایک خاص حدود اور انفرادی حقوق رکھتا تھا، اور ذرہ بھر وہاں سے تجاوز نہیں کر سکتا تھا مثال کے طور پر فلاں طبقہ حق تحصیل علم نہیں رکھتا۔ وہ معروف واقعہ آپ نے سنا ہو گا کہ نوشیروان نے ایک مالدار زرگر سے خواہش کی کہ شہر کی حفاظت کے لیئے فصیل بنوائے۔ اس زرگر نے کہا: میں ایک شرط پر اس کام کو انجام دوں گا، میرے بیٹے کو تحصیل علم کی اجازت دی جائے، لیکن نوشیروان نے اس امر کی مخالفت کی۔ ایک زرگر مالدار ضرور تھا لیکن قانونی طور پر اسے یہ اجازت نہ تھی کہ اس کا بچہ علم حاصل کر سکے۔ دوسری طرف حکومت کے لیئے یہ مشکل پیش آگئی تھی کہ صرف اس زرگر کے ایک بچے کے علم حاصل کرنے کی خاطر شہر کے اطراف حصار بندی کی جائے یا نہیں۔

ہندوستان میں اجتماعی طبقات

ہندوستان جو کہ آج منبع اور منشاء تصوف و زہد و عرفان کے عنوان سے مورد توجہ ہے اس زمانے میں ہندوستان میں اجتماعی طبقات کی حالت ایران سے بھی بدتر تھی۔ وہاں لوگ مختلف طبقوں میں تقسیم تھے۔ روحانی (مولوی)، پہلوان، پیشہ ور اور عوامی طبقہ۔ عوامی طبقہ کے درمیان ایک نجس طبقہ بھی موجود تھا اور ان کے درمیان ظالمانہ قوانین موجود تھے کہ اصلاً ایسی تقسیم قابل قبول نہیں تھی۔

مثال کے طور پر اگر روحانی (جو کہ معاشرہ میں بزرگ ہیں) کسی کو قتل کرنے کا مرتکب ہوتے تو ان کے لیئے پھانسی کا حکم نہیں لگایا جاتا تھا دوسری طرف اگر عوامی طبقہ کے لوگ آسمانی تعلیمات کو سننا چاہتے تو ان کے کانوں کی میں پگا ہوا سیسہ بھر دیا جاتا اگر کتاب کی

تلاوت کرنا چاہتے تو ان کی زبان کاٹ دی جاتی یعنی عوامی طبقہ کو اس قدر بھی حق یہ تھا کہ وہ اس کتاب کو پڑھ یا سن سکیں۔

معاشرتی طبقات کے لیئے بد ترین قوانین بنائے گئے تھے۔ قرون وسطیٰ میں یورپ کے اندر پوری دنیا کا بد ترین تاریخی دور گزرا ہے۔ اس زمانے میں کلیساؤں کی حاکمیت بہت نفرت آمیز شکل میں سامنے آئی تھی۔ یہ دنیا کی حالت تھی۔ عربوں کو بھی جانتے ہیں ان کے طوائف دوران جاہلیت میں کہاں پہنچے ہوئے تھے اپنی بچیوں کو زندہ در گور کر دیتے تھے اسلام ان حالات میں آیا اور یہ عظیم عادلانہ پیش کیا گیا انسان اسلام کے اس معجزہ کو سمجھیں اور اس میں وارد ہوں اور دیکھیں کہ اسلام نے کیا کیا؟ اور کتنے اچھے انداز میں عدالت اجتماعی کی بنیاد رکھی ہے آج دنیا کے مفکرین جمع ہو جاتے ہیں اور حقوق بشر کا بین الاقوامی منشور کو لکھتے ہیں اتنے ذہن اور افراد ہونے کے باوجود حضرت امیر المؤمنین علی بن ابی طالبؑ کے کلمات قصار کے مقابلے میں صفر ہیں اور یہ لوگ عدالت کے ان مضامین اور خصوصیات کو نہیں سمجھ سکتے جو اسلام کے مد نظر ہیں۔

اسلام میں عدالت :

ایک عمدہ نظم و نسق کے ساتھ اسلام آیا۔ تمام ظالمانہ نظاموں کو ختم کر دیا۔ نئے طریقے سے معاشرے کی بنیاد رکھی اور عدالت کو تمام سطوح پر جاری کیا۔ البتہ اس بات کا معنی یہ نہیں ہے کہ اسلام میں امتیاز وجود نہیں رکھتا میری بحث یہاں ہے کہ کوئی شخص دنیا میں یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ تمام لوگ درآمد کے لحاظ سے برابر ہیں، البتہ اصل خلقت میں بہت سے حقوق برابر ہو سکتے ہیں۔

ہم سب برابر ہیں (اس کو بیان کروں گا) یعنی چاہے انسان عالم ہوں یا جاہل، بہت سی

چیزوں میں برابر ہیں، لیکن اسلام کی ارزش گذاری میں مسئلہ امتیاز بھی ہے یعنی اسلام میں بھی ممتاز طبقات ہیں، لیکن نہ اسطرح کہ ظالمانہ طبقات ہوں، علماء ہیں، مجاہدین ہیں، اور بہت سی امور کہ ان کو عرض کرتا ہوں۔ اسلام نے معاشرے کی طبقہ بندی کی بنیاد کو اقدار و معیار پر استوار کیا ہے ان اقدار کو بھی عام کیا ہے اور تمام لوگوں کے اختیار میں رکھا ہے تاکہ سب لوگ ان اقدار کے حصول کی کوشش کریں۔

علم کی قدر، اسلام کا انتخاب

ہم نے کہا تھا اقدار میں سے ایک قدر و معیار علم ہے اور میں نے اشارہ کیا تھا کہ یہ اسلام کا حُسنِ انتخاب کہ سب سے پہلا انسانی امتیاز علم پر کو قرار دیا ہے اور میں نے کہا تھا کہ اصلاً انسان کی موجودیت کو علم کے ذریعے سمجھا جاسکتا ہے۔

اگر انسان سے علم اور عقل کو چھین لیا جائے تو پھر یہ تمام حیوانات سے پست تر ہے، کیڑوں سے بھی پست تر ہے، لیکن اگر انسان کو عقل و خرد کے ذریعے مکمل کے ساتھ تکامل دیں اس وقت انسان اپنے مقام اور منزلت کو کسب کر سکتا ہے، آپ جانتے ہیں کہ ہم لوگ بہت سے غرائز میں حیوانات سے پست تر ہیں، لیکن اپنی عقل کے ذریعے ان سے آگے ہیں، ہم لوگ ان کی طرح نہیں بھاگ سکتے، لیکن ایسی گاڑی اختراع کر سکتے ہیں تا آہو کا باپ بھی ہمارا پیچھا نہ کر سکے، یا ہم کبوتر کی طرح پرواز نہیں کر سکتے

لیکن ایسا طیارہ اختراع کر سکتے ہیں، جو اس سرعت کے ساتھ عبور کرتا ہے ہم وہیل مچھلی کی طرح سمندر میں حرکت نہیں کر سکتے، لیکن ایسی آبدوز بنا سکتے ہیں، جو سمندروں کی گہرائی کو تسخیر کر سکے۔ البتہ دنیا اسی طرح ہے کوئی نہیں جو علم کا مخالف ہو۔

لیکن اسلام نے بھی علم پر زیادہ زور دیا ہے، کیونکہ انسان کی حقیقت تک پہنچنے کا واحد

راستہ علم ہے۔ جس کی بنیاد اور اساس عقل و خرد انسانی ہیں، جب اس زاویے سے اقدار پر نظر ڈالی جائے تو ہم اپنی پوزیشن مضبوط کر سکتے ہیں اور انسانی راہ کو ہموار کر سکتے ہیں پھر بشریت کو اس راستے پر لے جائیں، جس میں فطرت، تاریخ انسانیت اور راہ حق کو ان کے سامنے رکھیں۔

غیر معنوی میدانوں کی محدودیت

ایک اور نکتہ جو قابل توجہ ہے یہ ہے کہ علم و معنویت کا میدان محدود نہیں باقی تمام میدان جو غیر معنوی ہیں، وہ سب محدود ہیں، انسان جب مادی شعبے میں کرتا ہے ایک جگہ پر پہنچتا ہے تو اس کی حرکت رک جاتی ہے۔ ہم جسمانی خصوصیات میں جتنا بھی تکامل کریں پھر بھی بہت سے حیوانات سے پیچھے ہیں، ایک حد تک پہنچ کر انسان کی حرکت رک جاتی ہیں، اور بعد میں یہ حرکت سیر نزولی کی طرف آجاتی ہے یعنی ہم لوگ مادی شعبے میں ایک دورہ تکامل رکھتے ہیں، پھر دوبارہ دورہ تنزل شروع ہو جاتا ہے تاکہ اختتام کو پہنچ جائیں۔

و من نعمره ننكسه فى الخلق.(۱) یہ مادیات میں ہیں، لیکن علم کے بارے میں ایسا نہیں، علم کا راستہ شروع ہوتا ہے، ممکن ہے لیکن اس کے لئے کوئی حد نہیں، اس کے لئے دور تنزل نہیں ہے۔ انسان اگر کسی وقت دیوانہ بھی ہو جائے، ظاہری طور اس کا رابطہ اپنے آثار علمی سے قطع ہو جاتا ہے، لیکن حقیقت میں اس کے آثار علمی اس سے جدا نہیں ہوتے وہ ان کو اپنے ساتھ ہی اگلے عالم میں لے جاتا ہے۔

علم کا غیر شاہی راستہ :

علم کا راستہ، بے انتہا ہے، بلکہ یہ ایک سیر صعودی ہے۔ آپ اس سیر صعودی کو بہت

---

(۱) یسین: ۶۸

واضح انداز میں علم کے راستے میں دیکھ سکتے ہیں۔ انسان جتنا علم حاصل کرتا ہے، اس کے ابواب جہالت میں اضافہ ہوتا جاتا ہے، یعنی جو شخص کوئی چیز نہیں جانتا بہت سی چیزوں کو نہیں جانتا کہ نہیں جانتا، لیکن جب ایک چیز کو جان لیتا ہے اس کے بعد وہ سمجھ جاتا ہے کہ اس چیز کے متعلق کئی امور سے آگاہی نہیں رکھتا، ہر قدم جو آگے بڑھتا ہے تو جدید راستے اور جدید ابواب کھلتے جاتے ہیں۔ آج اگر ایک دانشمند فیزیالوجسٹ جو ہمارے بدن کا مطالعہ کرتا ہے۔ میری طرح اپنے بدن کے ارگانیزم سے کوئی اطلاع نہیں رکھتا، بہت زیادہ تفاوت ہے۔ میں سوچتا ہوں میرے پاس کوئی چیز مجہول تھی، لیکن وہ شخص جو کہ میرے بدن کے تمام آلات اور ارگانیزم بدن کو عملی طور پر ڈاکٹری کے آئینے میں دیکھ چکا ہے اس کے ذہن میں میرے بدن کے متعلق بہت سے سوالات ہیں بہت سے مجہول نقاط ہیں اس بارے میں علمی حرکت کے لئے اس قدر راستہ وسیع ہے کہ اصلاً ذہن میں اس کی گنجائش نہیں۔ پس علم بھی نامحدود ہے یہ علم باقی بھی ہے اور اپنے راستے میں اثر بھی کرتا ہے، تمام چیزیں جو ارزش آفریں ہیں اس راستے میں موجود ہیں جو کہ اسلام نے ہمارے لئے مقرر کیا ہے۔

خوب! علم کی ارزش اور اہمیت کا موضوع اور وہ روایات اور آیات جو وہاں بیان کر چکا ہوں، میں چاہتا ہوں ایک اور دعوئی کروں کہ قرآن مجید کی ایک آیت کے ذریعے اپنے استدلال کو بیان کرتا ہوں، میں کہتا ہوں یہ علم کی ارزش اسلام سے مختص ہے، یعنی تمام آسمانی ادیان بھی اسی طرح تھے۔ اگر آج دنیا میں کوئی دین ہے کہ اسلام کی طرح علم کی ترویج نہیں کرتا اس کی وجہ یہ ہے کہ اسی دور میں لوگوں میں اتنی وسعت نہیں تھی کہ سمجھ سکتے کہ تمام چیزیں معارف سے ملتی ہیں، اس کے باوجود کہ یہ معارف موجود تھے، لیکن ادیان میں تحریف اور تبدیلی واقع ہوئی ہے۔

قرآن مجید سے ایک واقعہ :

قرآن مجید بنی اسرائیل کا ایک واقعہ نقل کرتا ہے جو کہ میری بحث کے ادلہ میں شمار ہوگا، اس واقعہ میں ایک بہت اہم نکتہ میری بحث سے مربوط موجود ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰؑ کے بعد دنیا کے ایک حصہّ میں یہودیوں کے لیئے ایک سلطان جابر پیدا ہو گیا بنام جالوت، جس نے بہت ظلم و ستم کیا اور لوگوں کو بہت زیادہ اذیت دی ہے قتل عام کیا، لوگ چاہتے تھے قیام کریں، جنگ کریں، انقلاب لائیں ان لوگوں نے اپنے پیغمبر کی طرف رجوع کیا اس پیغمبر سے چاہا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کرے تاکہ وہ ان کے لیئے ایک رہبر اور قائد مقرر کردے۔ ایک قوی کمانڈر دے جو جا کر جنگ کرے (البتہ قرآن مجید کی تعبیر ملک ہے، شائد مراد شاہ ہو یا عام معنی ہو کہ ان کے لیئے کسی کو امیر قرار دے) اس پیغمبر نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی اور ایک دن ان کو خبر دی کہ خداوند متعال نے فلاں شخص کو آپ کے لیئے کمانڈر کے عنوان سے نصب کیا ہے (۱)

الم تر الی الملاء من بنی اسرائیل من بعد موسیٰ اذ قالو لنبی لھم ابعث لنا ملکاً نقاتل فی سبیل اللہ قال ھل عسیتم ان کتب علیکم القتال الا تقاتلوا قالوا و مالنا الا نقاتل فی سبیل اللہ و قد اخرجنا من دیارنا و ابنائنا. (۲)

---

(۱) کتب میں آیا ہے خداوند متعال نے خاندان لاوی سے شموئیل یا اشموئیل پیغمبر مبعوث فرمایا اور جیسا کہ بیان کیا گیا ہے ۴۰ سال رنج اور مشقت کی وجہ سے بنی اسرائیل نے دشمنوں سے جنگ، اپنی مقبوضہ رزمینوں کو واپس لینے، اپنی شان و شوکت واپس لینے کیلئے پیغمبر سے درخواست کی کہ ان کے لیئے کسی کو پیغمبر کے عنوان سے تعیین کریں۔ پیغمبر نے خداوند متعال کی طرف سے حضرت طالوت کو معین کیا، پھر طالوت ان کو لے کر جالوت کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے نکلے۔ (۲) بقرہ ۲۴۶

بعد میں جب خداوند متعال نے ان کے لیئے فرمانروا مقرر کیا، انہوں نے دیکھا کہ یہ شخص ان کے معیار کے مطابق نہیں کیونکہ اولاً یہ لوگ ملاء تھے (یعنی معاشرہ کے اشراف اور مالدار لوگ) انہوں نے کہا کہ ہمارے لیئے ایک سربراہ مقرر کریں وہ لوگ خود مالدار طبقہ سے تھے اور چاہتے تھے جو کمانڈر منتخب ہو، وہ ان کے معیار کے مطابق ہو یعنی مالدار طبقہ سے ہو اس کے علاوہ نہ ہو، جب پیغمبر کا جواب سنا کہ جواب کچھ اور تھا اس وقت طالوت کا تعارف کرایا گیا ہے (قرآن میں طالوت آیا ہے ممکن ہے اس کا عبرانی نام کچھ اور ہو)

قال لهم نبيهم ان الله قد بعث لكم طالوت ملكا۔

خداوند نے طالوت کو متعارف کرایا تاکہ تمہارا فرمانروا اور سربراہ ہو۔

اشرافِ بنی اسرائیل کا دعوی

بنی اسرائیل خدا کے حکم سے متعجب ہوئے (یہاں پر میری بحث ہے)

قالوا انما يكون له' الملك علينا

بنی اسرائیل نے کہا کہ طالوت کیسے ہمارا حاکم ہو سکتا ہے

و لم يؤت سعة من المال.

اس کے پاس تو پیسہ نہیں ہے اس کے پاس تو مالی وسائل کا فقدان ہے۔ (آپ دیکھیں یہی مباحث جو آجکل ہم کر رہے ہیں، اس وقت بھی موجود تھیں)۔

قرآن مجید میں ایک اور مقام پر آیا ہے۔

قالوا انی يكون الملك علينا و نحن احق بالملك منه و لم يؤت من المال۔

ہم بنی اسرائیل فرمانروائی یا حکمرانی کا زیادہ حق رکھتے ہیں، اشراف یعنی وہی ملأ ہیں۔

الملأ من بنی اسرائیل انہوں نے اپنے پیغمبر سے کہا کہ طالوت استحقاق نہیں رکھتا اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ مالدار نہیں ہے اور ہم حکمرانی کا استحقاق رکھتے ہیں، اسکی وجہ یہ ہے کہ ہم مالدار ہیں کیونکہ ملأ ہیں اور اشراف طبقہ سے ہیں یعنی ان کے نزدیک معیار حقِ حاکمیت یہ ہے (حکومت ہمارے پاس ہو) اس کے لئے اپنے پیغمبر کے سامنے دلائل لاتے تھے کہ مال اور (خود ساختہ) شرافت ہی اس کا معیار ہیں۔

انتخاب خداوندی

اب اللہ تعالیٰ کا جواب کیا ہے خداوند متعال فرماتا ہے (خود پیغمبر اس کا جواب دیں گے) قال اللہ اصطفیہ علیکم. یہ کیا باتیں ہیں جو آپ لوگ کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہی اسے چنا ہے۔ یہ اعزاز ہے جو خداوند متعال نے اسے دیا ہے۔ اللہ صطفیہ علیکم خدا نے اس کو تمہارے لئے منتخب کیا ہے اور خدا نے ہی اسے یہ حق دیا ہے۔

اس انتخاب کی دلیل کیا ہے۔ و زادہ بسطة فی العلم والجسم. اس انتخاب کیلئے دو دلائل پیش کرتے ہیں۔

ایک وسعت علم، دوسرا وسعت جسم۔ وسعت علم دلیل حقِ حکومت ہے۔ ہر علم اسطرح نہیں ہے کہ اسے ہر جگہ استعمال کیا جائے بہت سے لوگ ایسے علوم جانتے ہیں کہ اگر وہ دنیائے سیاست اور حکومت میں آجائیں ممکن ہے انہیں کوئی فائدہ نہ ہو۔ یہاں معیار وہ علم اور دانش ہے جو عدالت کو نافذ کرنے کے کام آسکے اس لئے اللہ تعالیٰ بھی فرماتا ہے وزادہ بسطة فی العلم والجسم یہ شخص تم سے زیادہ علم و دانش رکھنے والا ہے، اس بنا پر (خود ساختہ) اشرافیت کوئی کام نہیں آئی۔ و لم یوت سعة من المال اسے مال میں وسعت نہیں دی گئی اس بنا پر کوئی اشکال نہیں (آپ کی نظر میں) آپ کا فرمانروا یا حکمران ممتاز طبقہ میں سے نہ ہو فقط عالم

ہو اور جسمی لحاظ سے بھی صلاحیت رکھتا ہو۔

وسعت جسم! ایک نکتہ بیان کرنا چاہتا ہوں۔ بعد میں اس حث تک پہنچ جائیں گے، باقی ارزشوں اور قدروں کے بارے میں جو ہم کہتے ہیں، معلوم ہوتا ہے اسلام اس طرح نہیں ہے کہ فقط معنوی ارزشوں اور قدروں پر تکیہ کرے، یہاں صلاحیت جسمی مکمل طور پر ایک مادی ارزش و قدر ہے (البتہ عقل کے ساتھ رابطہ رکھتے ہوئے بدن عقل سے استفادہ کرے) اور یہ ایک قدر کے عنوان سے بیان کی گئی ہے۔ تقسیم مناصب اور اجتماعی حقوق دینے میں بھی اس کا خیال کیا جاتا ہے۔

ایک شخص جو جنگ کرنا چاہتا ہے اسکے لیئے ضروری ہے علم و دانش رکھتا ہو جنگ کے فن کو جانتا ہو۔ جنگ کی مدیریت کو جانتا ہو۔ فوجی مدیریت کو جانتا ہو اور اسکے لیئے ضروری ہے جسمی طاقت رکھتا ہو یہ نہیں ہو سکتا کہ کمرے میں بیٹھ جائے اور وہاں سے جنگ کیلئے ضروری ہدیات جاری کرتا رہے بلکہ وہ میدان جنگ میں جائے۔ اس بنا پر اس کام کی مدیریت جو بنی اسرائیل چاہتے تھے وہ یہ ہے کہ یہ ایک اضافی ارزش و قدر کی محتاج تھی (علم کی ارزش کے علاوہ) اور ہم دیکھتے ہیں۔ اس بنا پر اسلام حقیقت کی نگاہ سے اقدار کو دیکھتا ہے تاکہ افراد اپنے وجود کے ساتھ مناسب جہات پر توجہ کریں۔

میری گفتگو بھی یہی ہے کہ یہ طرز تفکر اسلام سے مخصوص نہیں ہے یہ بنی اسرائیل کے پیغمبر کی بات ہے اور قرآن مجید کے نزول سے ہزاروں سال پہلے ذکر ہوئی ہے اور حضرت ابراہیم کے بعد ہے یہ تمام ادیان آسمانی کی منطق ہے کہ ارزشوں اور قدروں کو اسطرح مرتب اور منظم کیا ہے اور یہ معیار جو آج کی استکباری دنیا اور خصوصا نزول قرآن کے زمانے میں بیان ہوئے ہیں کہ علم اور علماء کے ساتھ کیا سلوک کیا جاتا ہے اس کی وجہ سے تین چار صدیوں بعد تمام تاریخ بشریت میں (میں آج کے علمی دنیا کے بارے میں نہیں کہتا، کیونکہ آج اسی فکر و روش کی

دنیا ہے) علمی لحاظ سے دنیا کا بہترین معاشرہ مسلمانوں سے تشکیل پایا تھا۔ پیغمبر اسلام علم اور علماء کو حوصلہ افزائی کیا کرتے تھے۔

اسلام میں علوم کی تقسیم

اولاً آپ جانتے ہیں کہ ہماری فقہ اور علماء کے فتاویٰ میں (حتی ہماری اخلاقی ابحاث میں) یہ مسئلہ بالکل واضح ہے کہ انہوں نے علم کو چند اقسام میں تقسیم کیا ہے۔ (۱) علم واجب (واجب عینی اور واجب کفائی) (۲) علم مستحب (۳) دیگر علوم۔

واجب عینی وہ علوم ہیں کہ انسان عمل میں ان کا محتاج ہے جیسے یہی علم بہ تکالیف شرعیہ (نماز، روزہ وغیرہ) کو بذات خود انجام دینا ضروری ہے، لیکن واجب کفائی میں ہمارے تمام علماء نے بالاتفاق فتویٰ دیا ہے جو فنون معاشرہ کے لئے ضروری ہیں وہ ہم تمام لوگوں پر ایک وظیفہ کے عنوان سے واجب ہیں کہ ان کو سیکھیں اور اگر سب لوگ انہیں ترک کر دیں تو سب نے گناہ کیا ہے اور اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان تمام لوگوں کو سزا دے گا۔

اگر ان لوگوں میں سے کچھ لوگ ایک اندازہ کے مطابق سیکھ لیں جس کے ذریعے ہم دنیا سے پیچھے بھی نہ رہیں تو اس صورت میں دوسرے لوگوں سے حکم ساقط ہو جائے گا۔ یہ ہمارے شیعہ فقہاء کا اتفاقی فتویٰ ہے کیسے ہو سکتا ہے کہ ہمارا اسلامی معاشرہ مسلمان ہونے کا دعویٰ کرے اور بہت سے فنون اور علوم میں اس کے ہاتھ دنیائے کفر کے سامنے دراز ہوں یہ نامناسب ہے۔ کیا ہم اس طرح کے اسلامی معاشرے کے فرد ہو سکتے ہیں۔

قرآن مجید کی آیت صداقت کے ساتھ کہتی ہے، **و اعدوا لهم ما استطعتم من قوة** یہ آیت حکم ہے، آیت کی لب و لہجہ بھی تاکید ہے اور اس سے احتیاطی عمل مراد نہیں ہو سکتا ہے لہذا یہ آیت کہہ رہی ہے کہ تم پر واجب ہے کہ دشمنوں سے مقابلہ کے لئے تم ہر قسم کی

طاقت حاصل کرو، ترھبون به عدوّ الله و عدوکم.

اسلام میں واجب کا حکم:

جب ہم اس آیت سے صریح وجوب کو نہ سمجھیں تو پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم ایک اسلامی حکومت تشکیل دیں (آیت یہ کہہ رہی ہے اور ہمارا فقہی فتویٰ بھی یہی کہتا ہے) لیکن ہمارہ عمل کیسا ہے اگر جنگ ہو اور ہمارے دشمن کے پاس اسلحہ ہو اور ہمارے پاس نہ ہو اور یہ سوچیں کہ ہم نے اسلامی دستور پر عمل کیا ہے؟ یہ باتیں اسلامی معاشرے کے طرزِ تفکر میں بہتری اور معاشرے کی ہدایت کے لئے پیش کرنا ضروری ہیں۔ اور ہمارے معاشرے نے ان کو اپنا رکھا ہے۔ ایسے طرزِ تفکر نے اب ہمیں پیچھے کر دیا ہے لہذا ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم ان مسائل کو قطعی تکلیف سمجھ کر ان پر زور دیں۔ یہاں حکومت، ملت، روحانیت اور ہمارے دانشمند حضرات کا وظیفہ ہے کہ موجودہ علوم اور فنون پر کام کریں۔ اگر ایسا نہ کیا تو اس صورت میں یہ لوگ بہت بڑے گناہ کے مرتکب ہونگے۔ اگر علوم وفنون پر کام نہ کریں تو گویا انہوں نے جمہوری اسلامی کے قافلے کو دنیا سے پیچھے رکھا ہے اور اس صورت میں اپنا دینی فریضہ ادا نہیں کیا۔ پورا معاشرہ اس کا مسئول ہے۔

پورے معاشرے کو چاہیے کہ اپنے وسائل فراہم کریں اور جمہوری اسلامی کو اس بلند مقام تک پہنچادیں کہ یہ ملک کسی کا محتاج نہ رہے اور یہ ممکن کام ہے یہ نہ کہیں کہ یہ نہیں ہو سکتا، بہت اچھے طریقے سے ہو سکتا ہے، آپ ایران کی چودہ سو سالہ تاریخ پڑھیں اور دیکھیں کہ یہ ملک کل کیسا تھا۔ اور آج ہمارے اختیار میں کیسا ہے۔ ایران اور مکتبِ تشیع دونوں ایک ساتھ علم کے قافلے کو لے کر چلے تھے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی رہبری میں، ایران (نہ ایرانی ہونے کے لحاظ سے بلکہ) مسلمانِ ایرانی اور شیعہ مسلمان ہونے کے لحاظ سے

ہمیشہ علم کے راستہ میں آگے آگے تھے (مستشر قین کا عقیدہ) آپ ان مستشر قین کی ان کتابوں میں چوتھی صدی کی تاریخ کا مطالعہ کریں یہ کتابیں انہوں نے تاریخِ علم وفنون، اختیارات اور تاریخ تمدن کے بارے میں لکھی ہیں (۱)۔ کتاب گوستاولوبون ایک عیسائی کشیش کتاب ہے جس نے تاریخ تمدن کے کچھ ادوار کو لکھا ہے۔ (۲) جرجی زیدان ایک عیسائی عرب ہے اس نے ؛ تمدنِ اسلامی ؛ نام کی ایک کتاب لکھی ہے۔ (۳)

آپ دیکھئے یہ مستشرق لوگ جب تاریخ اسلام کا مطالعہ کرتے ہیں تو ایسے افراد کا نام لیتے ہیں، یہ افراد کون ہیں ؟ آپ پورے یورپ اور دنیائے اسلام کا فرق دیکھیں۔ دوسری صدی میں جب اسلامی علوم عروج پر تھے اور دنیائے یورپ میں قعر ظلمت میں تھا یورپ قرون وسطیٰ تک پہنچ چکا تھا آپ اس عمیق تاریکی دور کا (کہ جس کے خرافات پورے یورپ پر حاکم تھے) مطالعہ کریں اور ان کے ظلم و تعدی کو دیکھیں۔

مسلمان دانشوروں کے نمونے

یہ لوگ خود ہی لکھتے ہیں کہ جابر بن حیان کوفی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے

---

(۱) : کتاب آدام متز جس کا لاطینی زبان سے عربی میں ترجمہ ہوا ہے، الحضارۃ الاسلامیہ فی القرن الرابع الہجری کے نام سے جس کے مترجم محمد عبد الہادی ابو ہریرہ ہیں اس کتاب کا ترجمہ سال ۱۳۵۹ قمری میں شائع ہوا۔

(۲) : گوستاولوبون! اس کا فارسی میں بھی ترجمہ ہوا ہے جس کا نام ہے ؛ تمدن اسلام و عرب ؛ ہے اس کے مترجم ہاشم حسینی ہیں یہ کتاب تہران میں انتشارات اسلامیہ نے ۱۳۴۷ میں شائع کی تھی۔

(۳) جرجی زیدان کی کتاب ؛ تاریخ تمدن اسلامی ؛ کا جواد فاضل کے توسط ترجمہ ہوا ہے اور تہران میں جیبی کتابوں کے موسسہ کے توسط سے ۱۳۴۲ میں شائع ہوا۔

شاگرد تھے اور ان کے پانچ سو مختلف علمی رسالے تھے جو کئی سو سال تک یورپ کے علمی ماحول پر حاکم رہے۔ ان کی کتابوں کا سینکڑوں مرتبہ انگریزی زبان میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ علم کیمیا کا بانی بھی حضرت امام جعفر صادق علیہ اسلام کا شاگرد ہے (۱) ابن ہیثم نے علم ریاضی کی بنیادی اور اساسی تاریخ کے علاوہ ریاضی کے بہت سے اصولوں کی (اپنی کتابوں کے ذریعہ) یورپ کو تعلیم دی۔ (۲)

ابن رشد نے اندلس (سپین) میں ایک مدرسہ بنایا اور بنیادی طور پر یورپ میں (رنسانس) کی بنیادوں کی ابتداء اسپین سے ہوتی ہے۔ یعنی مسلمانوں کے آنے کے بعد جب

---

(۱) جابر بن حیان بہت بڑا عرب کیمیادان ہے اس کو امام جعفر صادقؑ کے اصحاب میں شمار کیا جاتا ہے، اس کی صحیح روش اور طریقہ تحقیقات میں بہت پسندیدہ ہے اور اس کے دھاتوں کی تشکیل، زمین شناسی اور زمین کے مدار جیسے نظریات بہت مشہور ہیں (اسرار الکیمیا) ابن سینا وہ شخصیت ہے کہ جس کی کتابیں (رنسانس) یورپ کے سکولوں میں کئی دہائیوں تک نصاب کے طور پر پڑھائی جاتی تھیں، یہ لوگ اب بھی ابن سینا کے بہت سے افکار کو درک نہیں کر سکتے ابن سینا ایک ایرانی اور شیعہ مسلمان ہے یہ شخصیت علمی دنیا کا فخر ہے اور اہل یورپ ان کی عظمت کے معترف ہیں۔

محمد بن زکریا رازی ایرانی شہر "ری" کے اطراف میں پیدا ہوئے یہ وہ شخصیت ہے کہ جسکی طبی کتب ابھی تک یورپ کے مدارس میں پڑھائی جاتی ہیں۔ علاج معالجے کے متعدد طریقوں اور ہسپتالوں کی تعمیر، امراض کی تشخیص جیسے امور میں ان کی ایجادات اور نوآوری کو ابھی تک قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ یہ بھی ایرانی اور شیعہ مسلمان تھا۔

(۲) ابو علی حسن بن حسن الہیثم بصری ماہر نجوم، ریاضی دان، طبیب اور اسلامی دور کے ماہر طبیعیات اور نور شناسی کے علوم میں بہت بڑے محقق تھے یہ بصرہ میں متولد ہوئے اور بچپن وہیں گزارا پھر مصر چلے گئے، تاریخ علوم کے محققین ان کے طرز فکر کو "دکارت" کے تفکرات کی طرح سمجھتے ہیں۔

انہوں نے اسپین پر قبضہ کیا اس کے بعد وسائل سے استفادہ کیا۔

یورپ اور صلیبی جنگیں :

صلیبی جنگیں (۱) ہمارے لئے ان جنگوں کا نتیجہ بدبختی کے علاوہ کچھ نہیں تھا، لیکن یہ جنگیں یورپ والوں کے لیئے ہمارے علمی ذخائر غصب کرنے کا سبب بنیں۔ (وہ دانشور کہ جن کا میں نے نام لیا ہے) ایرانی تھے اور شیعہ تھے۔ بس اگر ایرانی اور شیعہ چاہیں تو علمی میدان میں ہراول دستہ بن سکتے ہیں۔ ایک بار ہم قافلہ علم کا ہراول دستہ تھے ایک بار ہم نے بغداد، دمشق اور قاہرہ اور ایران کو مرکز بنایا اور تمام علوم قدیمہ کو جمع کیا۔

ہم یونانی علوم کو لے آئے، علوم سریانی ایران، علوم مصر اور علوم ہند کو لے آئے اور ہم مسلمانوں نے ان علوم میں کچھ اضافہ بھی کیا اور بعد میں یہ علوم اس دنیا (یورپ) کے حوالے کئے اور اب یورپ والوں نے ہم مسلمانوں کو پیچھے چھوڑ دیا ہے یہ علیحدہ بات ہے کہ انہوں نے محنت کی ہے ہم چاہیں تو دوبارہ تجدید حیات کر سکتے ہیں اگر ہم ایران میں شیعہ معارف اور اسلام کے ساتھ اچھا رویہ رکھیں تو اس صدی میں دنیا میں بہت بڑا عظیم علمی مرکز بنا سکتے ہیں۔ چونکہ جو کچھ ہمارے پاس ہے وہ یورپ والوں کے پاس نہیں ہے۔ اگر حصول علم کی

---

(۱) بہت سے مورخین اور مشرق و مغرب کے درمیان ہونے والی تمام تاریخی جنگوں کو صلیبی جنگیں سمجھتے ہیں۔ بیت المقدس کے صلیب کو پلٹانے کی غرض سے ساتویں صدی ہجری میں ایرانیوں کے خلاف لڑی جانے والی جنگ هراکلیتوس 'یرموک میں مسلمانوں کی رومیوں کے ساتھ جنگ دسویں صدری عیسوی میں شہنشاہ نقفور فوکاس کی سیف الدولہ حمدانی کے ساتھ جنگ، اسپین میں عیسائیوں کی مسلمانوں کے خلاف جنگ ،دسویں اور گیارھویں صدی میں سیسلی اور جنوبی اٹلی کی جنگیں 'الغرض تیرھویں صدی کے اواخر تک شام و مصر کے علاقوں میں مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان عظیم جنگیں۔

ترغیب دلانے والے پیغمبر اکرمؐ کے فرامین کو مد نظر رکھا جائے' اگر علوم کو اس نگاہ سے دیکھا جائے کہ جس نگاہ سے گذشتہ لوگ دیکھتے تھے تو ہم علمی میدان میں سبقت حاصل کر سکتے ہیں۔

مولف نہج البلاغہ مرحوم سید رضی وہ شخصیت ہے کہ جس نے نہج البلاغہ کی جمع آوری کی ہے اور اب آپ دیکھ رہے ہیں کہ کتنا بڑا عظیم کام کیا ہے (ان کے بھائی سید مرتضٰی بھی مکتب تشیع کے بہت بڑے عالم تھے) ان کے زمانے میں ایک عالم صابی (یعنی ستارہ پرست) بنام ابو اسحٰق صابی وفات پاجاتا ہے جو کہ مسلمان بھی نہ تھا اور معزالدولہ کے دیار میں تھا۔

مرحوم رضیؒ کہ جس کی شخصیت پوری دنیائے تشیع میں بے نظیر تھی انہوں نے کسی قسم کی حقارت کا احساس کئے بغیر اس صابی ستارہ پرست کے حق میں ایک بہت بڑا اور بہترین قصیدہ ارشاد فرمایا جو شجاعت و بہادری کا بہترین قصیدہ تھا اور آج بھی موجود ہے۔

ارایت من حملوا علی الاعواد

ارایت کیف خبا ضیاء النادی.

سید رضی نے اس صابی دانشمند کے بارے میں کچھ تعبیریں استعمال کیں جن کی وجہ سے بعض خشک مقدس لوگوں کی تنقید کا نشانہ بنے یہ ناقدین کہتے تھے کہ آپ کیسے مسلمان ہیں کہ ایک ایک ستارہ پرست کے حق میں ایسی باتیں کرتے ہیں، سید رضی جواب میں کہتے ہیں کہ وہ عالم تھا جہان تشیعہ کے بے نظیر مرجع تقلید اور عظیم المرتبہ شیعہ رہبر کا ایک اور دانشمند کے ساتھ اس قسم کا برتاؤ تھا۔ اور اس طرح ایک ستارہ پرست شخص کی شان میں یوں شعر کہتا ہے!

ترجمہ شعر (میں یقین نہیں کر سکتا تھا کہ جو پہاڑ خاک میں دفن ہو چکا ہے اس طرح دنیا کے پہاڑوں سے خاک کو ہٹا سکتا ہے اور میں یقین نہ کرتا تھا کہ یہ چٹان جو سمندر میں گر گئی ہے اس طرح موجوں کا مقابلہ کر کے پوری دنیا کو مسخر کر سکے۔

پیغمبر اسلامؐ کی زندگی سے چند واقعات :

ان دنوں خود پیغمبر اسلامؐ کی زندگی میں کچھ نفیس کام دکھائی دیتے تھے، مثال کے طور پر کچھ لوگ حضور کی خدمت میں آئے اور کہا: یارسول اللہ! ہم علمی بحث میں مصروف تھے اسی دوران ایک جنازہ کو دیکھتے ہیں (کچھ لوگ اختلاف کرتے ہیں) جبکہ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ چلیں اور جنازے میں شریک ہوں چونکہ تشیع جنازہ مستحب ہے لیکن کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ہم تو علمی بحث میں مشغول ہیں۔

حضرتؐ نے فرمایا: اگر مسلمان کی تشییع جنازہ کیلئے ضرورت کی حد تک لوگ تشریف لے آئیں تو آپ نہ جائیں بیٹھ کر مطالعہ و مباحثہ کریں یہ علمی مباحثہ مقدم ہے پیغمبر اکرمؐ مسجد میں تشریف لائے تو دیکھا کہ کچھ لوگ مسجد میں بیٹھ کر دعا پڑھ رہے ہیں، کچھ لوگ بیٹھ کر مختلف علوم کے بارے میں مباحثہ کر رہے ہیں، حضرتؐ نے فرمایا: ہر دو دینی جلسے ہیں، لیکن میں ان کے ساتھ بیٹھوں گا جو علمی بحث کر رہے ہیں۔

جنگ بدر کی فتح کے پہلے دن پیغمبر اسلامؐ نے کفار قریش کے چند بڑے لوگوں کو جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے ان سے فرمایا تم میں سے ہر ایک آدمی ہمارے دس بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھائے تو وہ آزاد ہے حالانکہ ان ایام میں پیغمبر اسلامؐ کے لیئے اسیر کی، بڑی اہمیت تھی اور وہ بھی کفار قریش کے بڑے لوگ جو کہ جنگ بدر میں اسیر ہوئے تھے۔ اسلام کا برتاؤ علم کے ساتھ ایسے تھا، پیغمبر اسلام کا برتاؤ اسطرح تھا وہ برتاؤ بنیاد تھی (میں سوچ رہا تھا کہ اس بحث کو آج ختم کروں، لیکن نہیں ہو سکتا ظاہراً کچھ ایسے مطالب ہیں جن کا بیان کرنا ضروری ہے)

اگر ہم علماء اور دانشمندوں کے ساتھ اسطرح کا برتاؤ کریں، دس سال بھی نہیں گذریں گے کہ یہاں (ایران میں) بہترین محقق بہترین لیبارٹری ٹیکنیشن دنیا کی بہترین آزمائشگاہ

ہیں اور بہترین ایجادات اور وہ بھی انسانیت کے ساتھ (اسی تہران یونیورسٹی سے) تعلیم لے کر فارغ ہوں گے، آج کل ہمارے بچوں کے کنکور کے امتحانات ہیں، میں اپنے بچوں کو یہ نصیحت کرتا ہوں کہ ہمارے بچے ہمارے اساتذہ ہمارے علماء ہمارے مدرس سب تیار ہیں اسلئے کہ جمہوری اسلامی اس راستہ کے علاوہ کسی اور راستہ پر چل نہیں سکتی اس صورت حال میں جمہوری اسلامی خود بخود ایک جمہوری علمی و تحقیقاتی میں تبدیل ہو جائے گی ایک جمہوری علمی و تحقیقاتی میں ہم امید رکھتے ہیں آئندہ ہمارا ملک ایک ایسا مرکز ہو کہ دنیا کے محققین اگر چاہیں ان کی تحقیق انسانیت کی راہ پر ہو' یہاں پر آئیں۔

علم کا بلند مرتبہ

بلاشبہ تنہا علم کو ہم خاطر میں نہیں لاتے جیسے کہ میں نے پچھلے ہفتہ عرض کیا تھا علم کی قدر و ارزش ہے اور یہ ارزش اس وقت معاشرے کیلئے مفید ثابت ہو سکتی ہے جب علم متقی اور صحیح اور سالم افراد کے ہاتھ میں ہو اس کے لیئے متقی اور مؤثر انسان کی ضرورت ہے اصلاً قرآن مجید تقوا اور علم کے درمیان رابطے کا قائل ہے حقیقی علم کو تقویٰ کے بغیر نہیں ہو سکتا واتقوا اللہ و یعلمکم اللہ.

آپ صاحب تقویٰ ہوں تاکہ عالم بنیں یعنی جس عالم کو ہم چاہتے ہیں وہ وہ عالم ہے جو صاحب تقویٰ ہو اور یہ ہمارے ساتھ منحصر نہیں ہے، (تاکہ خیال کریں فقط علماء کو چاہیئے صاحب تقویٰ ہوں) بلکہ جو شخص عالم ہو اس کے لیئے با تقویٰ ہونا ضروری ہے دنیا کے تمام شیعہ اسی طرح ہیں ڈاکٹر کو با تقویٰ ہونا چاہیئے (ڈاکٹر اگر حقیقتا با تقویٰ ہوں ہسپتال میں مریضوں کے ساتھ اس کا برتاؤ فرق کرے گا اور تقویٰ فقط یہ نہیں ہے کہ آج کل جو چیزیں ہسپتالوں میں دیکھ رہے ہیں۔

ایک انسان جس نے اپنی عمر حصول علم میں صرف کی ہے اس ملک میں اس محروم عوام کے بجٹ کے ساتھ اس نے درس پڑھا اور متخصص ہوا، اگر کوئی مثبت اور اچھا انسان ہو تو آخری دم تک اپنی عمر کو اپنی ملت کے لیئے صرف کریگا، لیکن اگر با تقویٰ نہ ہو اگر کوئی اسے کہے بالائے چشمت ابروا ست تو وہ چھوڑ کر یورپ یا کہیں اور چلا جائیگا اور جو کچھ یہاں پر جمع کر چکا ہے چوری کر کے زر مبادلہ کی صورت میں ملک سے باہر لے جائے گا اور وہاں جا کر کام کریگا۔ یہ ہے بے تقویٰ۔

لیکن اگر با تقویٰ ہو تو یہ سوچے گا کہ میں نے کس لئے درس پڑھا اور کہاں سے درس پڑھا اور کن کے وسائل سے درس پڑھا یہ وسائل کہاں سے لایا ایک مجتہد بھی اپنے فن میں تمام ادوار میں درس پڑھنے کے بعد اور مدرسہ میں سہم امام کھانے کے بعد درس میں بیٹھ بیٹھ کر اور اب جب جوانوں کو اس کی ضرورت ہے اور اس صورت میں اگر ذرہ بھر بھی اسے برا گزرے گھر جا کر بیٹھ جائے گا یہ کام اس صورت میں بے تقویٰ ہے یہ کام ضد تقویٰ ہے یہ علم نہیں اس کو علم شمار نہیں کر سکتے۔ اب جب جنگ کو ضرورت ہے احتیاج ہے کارخانوں کو ضرورت ہے اور احتیاج ہے وزارتخانوں کو ضرورت ہے احتیاج ہے کہ افراد بھی پڑھے لکھے ہوں اور یہ حضرت اچھے پڑھے لکھے بھی ہوں خوب تو یہ ایک ابریشم کے کپڑے کے مانند ہوگا جو فقط یہ طاقت رکھتا ہے کہ گندگیوں میں ایک خاص اشیاء کو منعکس کر سکتا ہے اپنے آپ کو وہاں دکھا سکے، اس سے بڑھ کر تو کچھ نہیں کر سکتا یہ تقوائی ہے اور وہ شخص جو اپنے علم کے خلاف عمل کرے اس صورت میں یہ تقوائی بر عکس ہے۔

بے تقوا عالم حضرت عیسیٰ کی نگاہ سے :

حضرت عیسیٰ فرماتے ہیں (ایک واضح مثال لیکن بری مثال ہے علما بے تقویٰ کے

لئے) عالم بے تقویٰ قیامت کے دن اس قدر رسوا اور ذلیل ہو گا جس کی مثال اور داستان اس دنیا میں اس طرح ہے کہ آپ کسی عورت کا تصور کریں کہ ظاہری طور پر عفیفہ ہو اور اپنی عزت کی حفاظت کرے، لیکن باطناً باعفت نہ ہو اور حرام طریقے سے حاملہ ہو اگر ایک دن بچہ اس کے رحم میں بڑا ہو جائے اور اس کی حاملگی کا منظر نظر آنے لگے

رشتہ داروں میں کیا کیفیت پیدا ہو گی معاشرے میں کیا کیفیت پیدا ہو گی عالم بے عمل جب قیامت کا دن آئے جو عالم ہے، لیکن تقویٰ نہیں رکھتا دیکھ رہے ہیں، اگر ہم اب بھی علم کے بارے میں بحث کر رہے ہیں (تقویٰ کی بحث کو بعد کے لئے چھوڑ رہے ہیں) اس طرح نہ سوچیں کہ اسلام سب اقدار کو ایک جہت سے دیکھتا ہے۔ اقدار کا باہم منسلک ہونا ضروری ہے تاکہ ارزش پیدا کر سکیں۔

البتہ علم خود ایک ارزش ہے اگر ہم چاہیں کہ اس ارزش کو معیار بنائیں اور امتیاز دیں اگر چاہیں اسی عدالت کی بحث میں اس عالم کو ایک مقام دیں ضروری ہے کہ اس عالم کے پاس ایک اضافی فضیلت ہو اور وہ تقویٰ ہے اور ہر شخص کا تقویٰ ایک خاص حد اور حدود کے ساتھ ہے، کہ انشاء اللہ جب تقویٰ کی بحث پر پہنچیں گے تو وہاں وضاحت کریں گے۔

اکتالیسواں خطبہ

عدالت اجتماعی کی بحث کا تسلسل

گذشتہ ابحاث پر ایک نظر اسلام میں اہمیت علم

نظام جمہوری اسلامی میں مہارت اور وظیفہ کی پابندی

اسلام میں علم اور تقویٰ کا مقام

استاد اور شاگرد کے باہمی حقوق۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم. الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی رسول اللہ و آلہ الائمۃ المعصومین.قال العظیم فی کتابہ : اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم.وَ مَنْ یُؤْتَ الحکمۃ فقد اوتی خیراً کثیراً ما یذَّکَّرُ الاولوا الالباب(۱)

عدالت اجتماعی کی بحث کا تسلسل

آج عدالت اجتماعی کے تحت پہلے خطبے میں علم وعلماء کے کردار کے بارے میں گفتگو کروں گا اور دوسرے خطبے کا بیشتر حصہ جنگ کے مسائل سے مختص ہوگا۔ ہماری گفتگو عدالت اجتماعی کے بارے میں تھی۔ ہم عدالت اجتماعی کی بحث میں انفرادی عدالت کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے یہاں تک پہنچے تھے کہ علم ذاتی طور پر انسان کے لئے امتیاز وافتخار ہے اور عدالت اور معاشرے کے نفع میں ہے کہ علماء کو ممتاز اور سربلند کیا جائے یہ ایک عادلانہ فیصلہ ہے اور اس کے عدالتی اور معاشرتی اثرات بہت زیادہ ہیں۔ دو تین خطبے پہلے کہا تھا کہ اسلامی جہان بینی میں یہ خصوصیت موجود ہے اور اسلامی معارف میں داخل ہے، یعنی اسلام جو نظر عالم و ہستی کے بارے میں رکھتا ہے اور خدا اور انسان کے بارے میں رکھتا ہے خدا کے ساتھ انسان کے رابطہ

---

(۱) البقرہ۔۲۶۹

سے متعلق رکھتا ہے، اس راہ میں انسان کی حرکت سے متعلق رکھتا ہے۔ وہ دیگر مکاتب فکر سے مختلف ہے۔ ۱۴۰۰ سال قبل جب اسلام اس وقت آیا جب دنیا، ہستی سے متعلق غلط نظریے کی وجہ سے مظالم اور طبقاتی خصوصیات وعقائد سے پر تھی۔

ہند میں طبقاتی نظام کاست :

ہندوستان میں طبقاتی مکتب (کاست) (۱) اور طبقاتی خصوصیات نہایت بری صورت میں جاری تھیں۔ (اور اب بھی اس کے آثار موجود ہیں) ہندوازم اور ہندوستان پر مسلط مکتب فکر کی جہان شناسی کہتی تھی، جب خداوند نے انسان کو خلق کرنا چاہا تو پہلے اس نے ایک شے بنام "منو" کو خلق کیا۔ "منو" کے وجود کے مختلف حصوں سے انسان کے مختلف طبقے پیدا کئے، "منو" کے سر سے برہمن اور روحانیت کو پیدا کیا اور اس کے سینے سے سلاطین اور رؤسا اور قہرمانوں کو خلق کیا اور اسکے ہاتھوں سے ثروت مندوں اور راجاؤں کو خلق کیا اور "منو" کے پاؤں سے دیگر اچھوت لوگوں کو پیدا کیا۔

ان کا نظریہ تھا کہ خود داستان تخلیق وآفرینش میں طبقہ بندی ہے اور انسانوں کے خصوصیات (اس وجہ سے خود ابتداء سے ہی خلق کئے گئے ہیں) خود ان کے اپنے وجود میں داخل ہیں، ایسی فکر عدالت اجتماعی جیسی چیزوں کو پیش نہیں کر سکتی۔ بہر حال اسلام و قرآن واضح الفاظ میں فرماتا ہے: "ہم نے آدم کو مٹی سے پیدا کیا اور تم سب کو آدم سے پیدا" اس کے

---

(۱): کاست، ہندوستان کے اس موروثی طبقاتی نظام کو کہا جاتا ہے جو اس ملک کے قدیم معاشرے میں رائج تھا، جس کے نتیجے میں لوگ مختلف معاشرتی گروہوں میں بٹ کر رہ گئے تھے اور کوئی بھی شخص ایک طبقے سے دوسرے طبقے میں جانے کا مجاز نہیں تھا۔

بعد ایسی طبقاتی تقسیم کا کوئی محل نہیں ہے حتی عورتوں کو اسی آدم سے خلق کیا ہے۔

وخلق منها زوجها(۱)

اسلام اور خلقتِ انسان

کہا جا چکا ہے کہ عورت کی فطرت و سرشت اسی مٹی سے ہے جس سے مرد خلق ہوا ہے۔ خلقت کے بارے میں اسلام کا یہ نظریہ ہے اور اس ظالمانہ والحادی نظریہ تخلیق پر وہ طبقہ بندی اور ذات پات جیسے شوم آثار مترتب ہوتے ہیں۔ یہی اسلام کہتا ہے کہ "سب کو مٹی سے پیدا کیا" اس ضمن میں قرآن فرمارہا ہے۔

یرفع اللہ الذین آمنوا منکم والذین اوتوا العلم درجات (۲)

علم ایک اسلامی امتیاز ہے اور یہاں اسلام ایک حقیقت پسندانہ خصوصیت عطا کرتا ہے کیونکہ اسی اسلامی نظریہ تخلیق، میں انسان کی راہ خدا تک پہنچتی ہے اور علم خدا تک پہنچنے کا ایک وسیلہ ہے اور اس کائنات کے وسائل سے متعلق شناسائی حاصل کرنا، ایسی چیزیں ہیں جو انسان کو صفات الٰہی سے نزدیک کرتی ہیں اور یہ خصوصیت انسانی فطرت میں نہفتہ ہے۔ گذشتہ دو، تین خطبوں میں آیات وروایات کی روشنی میں علم کی فضیلت کافی حد تک بیان کر چکا ہوں۔ اس خطبے میں گذشتہ گفتگو کا نتیجہ بیان کرنا چاہتا ہوں۔ ایک امتیاز جو اسلام نے عالم کو عطا کیا ہے۔

وہ یہ ہے کہ علم کو سارے مناصب اور عہدوں کے لیے شرط قرار دیا ہے۔ یعنی اگر دو شخص تمام صفات میں مساوی ہوں اور ایک عہدہ کے سزاوار ہوں، ایک عالم ہو اور دوسرا ان

---

(۱) نساء: ۱

(۲) المجادلہ ۱۱

پڑھ تو اسلام اصلاً اجازت نہیں دیتا کہ اس ان پڑھ یا کم علم والے کو، عالم شخص پر فوقیت دی جائے اور اس کو معاشرہ اور عوام پر ظلم شمار کرتا ہے۔ وہی آیت جس کی خطبہ کے اول میں تلاوت کی ہے (سورہ بقرہ کی آیت ۲۴۶ ۔ ۲۴۷) جب اللہ تعالیٰ نے طالوت کو سپہ سالار کے طور مقرر کیا تو استدلال فرمایا کہ:

و زاده بسطة فی العلم و الجسم(۲)

یعنی کسی بھی انسان کو کسی عہدہ پر تعینات کرنے کے لئے علم و مہارت اور تخصص بہترین اور محکم ترین دلیل ہے۔ اور یہی کام پیغمبر اکرمؐ انجام دیتے تھے اور قرآن و عقل کا تقاضا بھی یہی ہے اور یہ ضابطہ ہر جگہ ملحوظ خاطر ہونا چاہیئے، اگر نظریہ یہ ہو کہ ہم اس ضابطے کو نظر انداز کریں اور جاہل افراد کو (بنام عدالت) عہدوں پر فائز کر دیں تو یہ عوام، انقلاب اور خود اس شخص پر ظلم ہے۔

جمہوری اسلامی میں تخصص و مہارت۔

پچھلے ایک دو سالوں سے ہمارے ملک میں ایک بحث شروع ہے کہ جس میں حزب اللھی اور خط امام کے پیروکاروں کو متہم کیا جاتا ہے کہ یہ لوگ تخصص و مہارت کو نظر انداز کرتے ہیں، اور عہدے اور مناصب پر تعیین میں فقط مکتب و مسلک پر اعتماد کرتے ہیں اور اس مسئلہ پر ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے ہیں، اور ہم پر تہمت لگاتے ہیں اصلاً ایسا نہیں ہے کہ ہم مناصب اور عہدوں کے لئے تخصص اور مہارت کو ضروری نہیں سمجھتے، نہیں، کوئی بھی اس کو قبول نہیں کر سکتا کہ ایک جاہل تھرڈ کلاس میں آکر پڑھانا شروع کر دے یا جس شخص نے یونیورسٹی کا منہ

(۱) البقرہ ۲۴۷

تک نہ دیکھا ہو وہ ایک یونیورسٹی کا وائس چانسلر ہو۔ یا جو شخص ایک کارخانہ کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا اس کو اس کارخانہ کا سربراہ بنا دیا جائے یہ معاشرے پر ظلم ہے۔ جب مکتب اور تخصص و مہارت کا مسئلہ پیش ہوتا ہے بحث صرف اس میں ہے کہ آیا صرف تخصص و مہارت کافی ہے۔ یا علم و مہارت کے ساتھ کوئی اور چیز بھی ضروری ہے بحث اسی میں ہے کہ میں مختلف شعبوں کو بیان کرتا ہوں تاکہ ہمارا معاشرہ جان لے کہ ہم کیا کر رہے ہیں۔

مہارت کے ساتھ فرض شناسی :

اگر دو شخص مذہبی ہوں اور ایک کی معلومات دوسرے سے زیادہ ہوں اور ہم کم معلومات والے کو فوقیت دیں یہ معاشرے پر ظلم کریں گے ضروری ہے کہ ہم باخبر اور علم رکھنے والے کو تعیین کریں، اگر دو شخص مذہبی ہوں اور ہر دو مہارت تامہ رکھتے ہوں وہاں ہمارے اختیار میں ہے کہ ہر دو کو برابر جگہ دیں۔ لیکن اگر دو شخص ہیں اور ایک ان میں مذہب سے آشنا، دین دار اور وظیفہ شناس ہے اور دوسرا مادر پدر آزاد، جاہل (ہماری مشکل یہاں ہے) یہ دو صورتیں در پیش ہیں ایک یہ کہ ایک اسپلیٹ اور ماہر مفسد ہے اپنے تخصص و مہارت پر عمل کرتا ہے۔ ایک ڈاکٹر یا انجینئر جو احسن طریقے سے اپنا فریضہ انجام دیتا ہے یہ ایک قسم کی فرض شناسی ہے۔ لیکن اس معیار پر نہیں ہے جو ہم اس میں دیکھنا چاہتے ہیں دوسری صورت یہ ہے کہ تھوڑا سا برا ہے یعنی سپلیٹ ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ منحرف بھی ہے اور اس کج روی اور انحراف کو اپنے تخصص و مہارت کے ساتھ ساتھ سامنے لانا چاہتا ہے۔ یہ پہلے سے مختلف ہے۔

اگر نظریہ یہ ہو کہ ایک مذہبی کم علم ایک عمدہ پر فائز ہو اور تھوڑا کام کرے یہ اس سے بہتر ہے کہ ایک سپیشلسٹ اور ماہر کسی عمدہ پر ہو اور معاشرے کو تباہ کر کے رکھ دے معاشرہ سے خیانت کرے۔ یہاں ہم کہتے ہیں کہ مذہب فوقیت رکھتا ہے۔ ہم کبھی ایسا نہیں کر

سکتے ہیں کہ ایک سپیشلسٹ (جو نقصان نہیں دیتا ہے اپنے وظیفہ پر پورا اترتا ہے اور مفسد ہیں) کی جگہ صرف ایک مذہبی کو لے کر آئیں جو اپنے عہدہ پر پورا نہ اتر سکتا ہو۔ یہ ظلم ہے لہذا تخصص و مہارت علم وآگاہی کی ہماری نظر میں قدرو منزلت ہے۔ ایک عالم و متخصص ہونے کے باعث ہم اس کے احترام کے قائل ہیں۔ بشر طیکہ کوئی دوسری چیز اس کے احترام کو ختم نہ کرے۔

علم کے ساتھ تقویٰ:

پہلے دو خطبوں میں کہہ چکا ہوں کہ جب ہم فضیلت علم کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں تو تقویٰ کو بھی اس کے ساتھ شمار کرتے ہیں، ہم ایک متقی و پرہیز گار عالم چاہتے ہیں علم کی قدرو منزلت اپنی جگہ محفوظ ہے، اگر کوئی عالم ہے اور ساتھ ساتھ متقی بھی ہے تو اس میں دو خصوصیتیں ہیں۔

اگر عالم ہے اور تقویٰ نہیں رکھتا اس کی خصوصیت علم پھر بھی ہے لیکن اگر کسی مقام پر علم کے ساتھ ساتھ تقویٰ کے منافی صفت موجود ہے تو یہ نقصان دہ ہے قرآن اُن مسائل میں بہت باریک بین ہے پچھلے جمعہ کے خطبے میں جب ایک عالم کے تقویٰ کے بارے بات کر رہا تھا اس میں ایک بات یہ تھی کہ ہر علم اپنے مناصب تقویٰ کے ہمراہ ہے اس سے ضرور فائدہ اٹھانا چاہے میں نے کہا تھا ایک عالم (ہمارے مذہبی علماء میں سے) نے علم حاصل کیا ہے اور باسواد ہے۔ آج معاشرے کو اسکی ضرورت ہے اسکو کسی منصب پر خدمات انجام دینے کی دعوت دیتے ہیں اگر وہ سستی اور گوشہ نشینی کو ترجیح دے تو یہ تقویٰ کے منافی ہے، کیونکہ علم کی زکاۃ یہ ہے اس کو اس کے اہل تک پہنچایا جائے۔ اور علماء کا فتویٰ بھی یہی ہے کہ جب تعلیم و تربیت کے لئے ماحول سازگار ہو اور کوئی شخص تعلیم نہ دے تو یہ گناہ ہے۔

بعض حضرات نے مجھ سے شکوہ کیا ہے کہ علماء کے بارے میں یہ شب چراغ کی تعبیر

بری ہے، میری نظر میں بری نہیں ہے۔ اگر یہ تعبیر اتنی اچھی نہیں ہے تو قرآن نے جو تعبیر فرمائی وہ عرض کر دیتا ہوں اسی سورہ جمعہ میں جو نماز جمعہ میں پڑھی جاتی ہے۔ قرآن نے اس عالم کو جو اپنے علم پر عمل نہیں کرتا، حمار (گدھے) سے تشبیہ دی ہے۔ جس پر کتابیں لدی ہوئی ہوں یہ آیات یہود و نصاریٰ کے علماء کے بارے میں ہے جو حضرت پیغمبر اکرمؐ کے تعارف سے متعلق اپنے وظیفہ پر عمل نہیں کرتے تھے۔

بلعم باعور کا واقعہ

یہ آیات جواب تلاوت کر رہا ہوں یہ بلعم باعور (۱) کے واقعہ سے متعلق ہیں

واتل علیهم نبأ الذی آتیناه آیاتنا فانسلخ منها فاتبعه الشیطان فکان من الغاوین ولو شئنا لرفعناه بها ولکنه اخلد الی الارض واتبع هوایه فمثله کمثل الکلب ان تحمل علیه یلهث او تترکه یلهث ذلك مثل القوم الذین کذبوا بایاتنا فاقصص القصص لعلهم یتفکرون(۲)

اس عالم کا واقعہ ان کو سنایا، وہ شخص جس کو ہم نے اپنی آیات دی تھیں۔ وہ ان آیات سے

(۱) بلعم باعور ایک زاہد و پرہیزگار کا نام ہے۔ جس کی ہر دعا قبول ہوتی تھی، ایک عورت کے ایماء پر اس نے حضرت موسیٰ اور اس کی قوم کو بد دعا دی کہ وہ تپ میں سرگردان رہیں پھر حضرت موسیٰ نے دعا کی اور اس کا ایمان سلب ہو گیا اس کے زہد کے عوض اس کو تین دعاؤں کی قبولیت کا اجر دیا گیا اس عورت نے کہا، اس تین دعاؤں میں سے ایک میرے حسن کے لئے کر لو وہ عورت حسن و جمال میں یگانہ روزگار بن گئی اور اس کے ہاتھ سے نکل گئی اس نے دوسری دعا کی وہ کتے کی شکل بن گئی اور پھر اس کے بچوں کی التماس پر تیسری دعا کی وہ عورت اپنی اصلی صورت میں آ گئی۔

(۲) اعراف: ۱۷۶،۱۷۵

ہٹ گیا شیطان نے اس کا پیچھا کیا، تو وہ گمراہوں میں سے ہو گیا اگر ہم چاہتے تو ہر صورت میں ان آیات کے باعث اس کو بلند کر دیتے۔ لیکن وہ زمین پر ٹھہرا رہا۔ اور آرزو نے اس کا پیچھا کیا، پس اس کی مثال ایک کتے کی ہے، اگر اس پر حملہ کرو تب بھی بھونکتا ہے، اگر اس کو چھوڑ دیں تب بھی بھونکتا ہے۔ یہ ایسا گروہ ہے جس نے ہماری آیات کو جھٹلایا پس ان کو وہ قصے سناؤ شاید یہ فکر کریں۔

امام رضاؑ سے ایک روایت ہے فرماتے ہیں کہ یہ عالم بلعم باعور ہے جس کو اسم اعظم کا علم تھا (مجھے نہیں معلوم اسم اعظم کیا ہے۔ یہ ہمارے معارف اسلامی میں واضح نہیں ہے، ہم اس کو نہیں سمجھ سکتے ہیں) یہ ایک عظیم قدرت ہے جو ہر کسی کو حاصل ہو سکتی ہے۔ جس سے مافوق فطرت اور معجزات جیسی کرامات سرانجام دی جا سکتی ہیں۔ لیکن یہ کیا ہے ہمیں خبر نہیں۔ چونکہ اس نے اپنے فریضہ پر عمل نہیں کیا، لہذا گر گیا۔

اب اس کے وظائف و فرائض کیا تھے گویا وہ فرعون کے دربار کی طرف راغب تھا اور فرعون کی خدمت پر مأمور تھا۔ اس نے حضرت موسیٰؑ پر نفرین کرنا چاہی، اسم اعظم جو (خود اسرار الٰہی ہیں) کو پیغمبرؑ خدا کے خلاف استعمال کرنا چاہا۔ قرآن فرماتا ہے یہ داستان ایک عالم کا قصہ اور ایک کتے کی داستان ہے فمثلہ کمثل الکلب (۱) اس سے زیادہ بری اور کونسی تعبیر ہو سکتی ہے آپ اس سے کیا لینا چاہتے ہیں؟ اس سے پہلے فرمایا: لو شئنا لرفعناہ بھا. یہ وسائل جو اس کے ہاتھوں میں تھے اس کو بلند مقام پر لے جا سکتے تھے اور ایک عظیم مرتبے تک پہنچا سکتے تھے۔

و لکنہ اخلد الی الارض و اتبع ھواہ،

---

(۱) اعراف: ۱۷۶

یہ عالم مادیات کی طرف راغب ہو گیا اور ہوس و خواہش نفسانی کی پیروی کرنے لگا۔

اس کی داستان ایسے ہے کہ وہ ایک کتے کی مثل ہے۔ان تحمل علیه یلهث او تترکه یلهث. اگر اس پر حملہ کریں تب بھی عکس العمل ظاہر کرتا ہے اور اگر حملہ نہ کریں تب بھی بھونکتا ہے وہ پر بھی ہے (ایسا عالم جو اپنے علم و دانش سے سوء استفادہ کرنا چاہتا ہے اور اس کے ساتھ لوگوں کی خدمت نہ کرے اور لوگوں کے وسائل سے بہرہ مند ہوتا ہے لیکن اپنا علم لوگوں تک نہیں پہنچاتا اور لوگوں کو جہالت کی لعنت سے نجات نہیں دلاتا،وہ پر توقع ہے۔لہذا وہ علماء ودانشور جن کے وجود میں تقویٰ کے منافی وصف نفوذ کر چکا ہے یا ضروری حد تک تقویٰ (جو خدا کی طرف حرکت کرنے کا عظیم سبب ہے) نہ رکھتا ہو اس کا حساب ان علماء سے علیحدہ ہے جو معمول کے مطابق ہیں ہم تمام مراحل میں تقویٰ پر بھروسہ کرتے ہیں یعنی خصوصاً اس شخص میں جو عالم ہے ایک بلند ترین حربہ روزگار اس کے اختیار میں ہے۔

بے تقویٰ علماء کے غیر انسانی اعمال :

اگر ایٹم بم ایک متقی معاشرے کے اختیار میں ہوتا، ہیروشیما و ناگاساکی کو یوں ویران نہ کرتا، اگر فراگ مزائیل ایک انسانی ملک کے پاس ہوتا دزفول کو یوں خاک وخون میں غلطان نہ کرتا بنانے والا اور استعمال کرنے والا یہ سب دانشمند ہیں لیکن اگر علم با تقویٰ ہو تو اس کی قدر و منزلت دوبالا ہو جاتی ہے وہ علم و دانش جس کے ساتھ تقویٰ نہیں ہے وہ صرف ایک علم کی حد تک قابل قدر ہے لیکن اس کی حدود بہت کم ہیں وہ علم جو تقویٰ کے منافی اور فسق وجور کے ساتھ ہو جیسے امریکی و فرانسوی طاقت اور روس کی طاقت یہ لوگوں کے لئے وبال جان ہے۔

لہذا علم و دانش ہمارے نزدیک ایک خصوصی امتیاز ہے اسی طرح مذہب (البتہ مذہب کو علم کے مقابلہ میں لانا ایک عوامی سی تعبیر ہے وہ ان کی حقیقی ماہیت کے ساتھ ساز

گار نہیں ہے) اگر ایک شخص مذہبی بننا چاہتا ہے اس کو عالم ہونا چاہئے اسلام سے آگاہ ہونا چاہئے)بہر حال میں یقین سے کہتا ہوں کہ آج اسلام کی نظر یہی ہے اور آئندہ بھی یہی ہوگی کہ اگر ایک متدین اور سپیشلسٹ مہیا ہو تو وہ اس متدین غیر متخصص و نان سپلیٹ پر فوقیت رکھتا ہے اگر اس کے برعکس عمل کریں تو یہ اسلام کے خلاف ہے۔ کیونکہ قرآن فرماتا ہے :و زادہ بسطة فی العلم و الجسم. اور بنی اسرائیل کے نبی کے مخالفین کو لاجواب فرماتا ہے :

خوب! اس تمہید کے ساتھ جو عرض کی ہے اسلام کی انتہائی کوشش یہ ہے کہ اپنے معاشرے کو عالم و باسواد بنائے مجھے امید ہے کہ یہ چند خطبے ہمارے معاشرے کو اس معاشرے کی شکل میں تبدیل کرنے کے لئے مفید ہونگے جو اسلام اور پیغمبر اسلام کا مطلوب معاشرہ ہے۔

اسلام میں مفت تعلیم :

آج دنیا میں ایک مسئلہ مفت تعلیم کے عنوان سے سامنے آیا ہے ان کے خیال میں یہ موجودہ دنیا کا اپنا اختراع کیا ہوا نظریہ ہے، لیکن یہ تو اسلام کے بنیادی افکار میں سے ہے، یہ آج کی دنیا کے افتخارات میں سے ایک ہے کہ مفت تعلیم پر تکیہ کیا جائے اسی وجہ سے ایک خاص سن و سال تک مجبور کرتے ہیں کہ بچے علم حاصل کریں۔

تعلیمی سکالرشپ دینا واجب کفائی ہے

لیکن یہ اسلام کے افتخارات میں سے ہے کہ اس نے یہ تجربہ دنیا میں پیش کیا ہے، اسلام میں ہے کہ طلب العلم فریضة۔ یہ ہمارے ائمہ علیہم السلام کا قطعی فرمان ہے اور یہ اس کے بنیادی قوانین میں آیا ہے جو گفتگو میں نے زکاۃ کے بارے میں کی ہے آپ نے ملاحظہ فرمایا ہوگا یہ کتنی خطیر رقم ہے اور زکاۃ کے مصارف میں ایک مصرف نادار طلباء ہیں وہ طلبا جو اپنی زندگی کا خرچہ نہیں رکھتے، اپنے لئے کتاب و رہائش مہیا نہیں کر سکتے اور اپنے لئے خوراک و پوشاک و

سواری نہیں خرید سکتے چنانچہ وہ حق رکھتے ہیں کہ اپنی تعلیم کو آگے بڑھانے کے لئے زکاۃ سے استفادہ کریں یعنی سب مسلمان زکاۃ کی رقم طلباء کو دے سکتے ہیں گذشتہ بحث میں کہا گیا ہے کہ فقط طلباء دینی میں نہیں، بلکہ ایسی کوئی قید نہیں ہے خصوصاً اس زمانہ میں جبکہ ہمارے معاشرے میں تمام تعلیمات دینی مفت ہیں اب صرف علم دین پڑھنا واجب نہیں ہے بلکہ اب ہر علم کا حصول خدمت دین ہے۔

گذشتہ دور حکومت میں بھی حصول علم اچھی چیز تھی، لیکن ماحول کے خراب ہونے کی وجہ سے اس وقت انسان اپنے اموال خیر کو اس کے سپرد نہیں کر سکتا تھا جس کو دیکھ رہا ہوتا تھا کہ گمراہ ہو رہا ہے (اور کل وہ ایک گمراہ کرنے والا بن کر معاشرہ میں رونما ہوگا) لیکن اب مال زکاۃ ہر علم کے حصول پر خرچ کر سکتے ہیں اگر ہمارا یہ معاشرہ اسلامی ہے تو ضروری ہے کہ ہم یوں چلیں کہ ہمارے پورے ملک میں ایک بھی طالب علم حصول علم کے وسائل سے محروم نہ ہو جس طرح ہمارے عوام گذشتہ دور میں طلبہ کے لئے مدارس تعمیر کرتے تھے، اب انہیں چاہئے کہ یونیورسٹی کے طلباء کے لئے ہوسٹل تعمیر کریں ملک کے کونے کونے میں یونیورسٹی قائم ہو میں یہاں عرض کرتا ہوں کہ آپ اس کے لئے زکاۃ کے مال سے بھی خرچ کر سکتے ہیں کہ یونیورسٹی میں ایک ہوسٹل تعمیر کریں لیکن عطیات (تبرع) سب سے بہتر ہیں۔(۱)

یہ آپ کے لئے ثواب کا باعث ہے کہ آپ یونیورسٹی کے طلباء کے لئے رہائش مہیا کریں اور ان کی زندگی کی ضروریات مہیا کریں۔ طلباء کے لئے بجٹ معین کرنا واجب کفائی ہے۔ جب اسلام نے حصول علم کو فرض قرار دیا ہے اور دنیاوی علوم جو ایک معاشرے کے لئے ضروری ہیں واجب کفائی قرار دیا ہے تو اس کے لئے زکاۃ کو بجٹ قرار دیا ہے اس کے بعد گیارہ

---

(۱) تبرع یعنی عوض کی توقع کے بغیر خدا کے واسطے نیک کام کرنا۔

جاتا ہے کہ قانون بھی ہے اور بجٹ بھی ہے اخلاقیات بھی اسی کا حکم دیتے ہیں اور معارف اسلامی بھی انسان کو اسی طرف رہنمائی کرتے ہیں۔

اساتذہ کے سامنے خضوع وانکساری ضروری ہے:

علم کی فضیلت سے متعلق بہت سی چیزیں بیان کر چکا ہوں اور ضروری سمجھتا ہوں چند ایک کلمے استاد و شاگرد کے باہمی رابطے سے متعلق عرض کروں کیونکہ ہماری یونیورسٹیوں کا ماحول غیر اسلامی تھا، لہذا جو مسائل استاد و شاگرد کے درمیان ماجود ہیں وہ اسلامی نہیں ہیں ایک طالب علم کو معلوم ہونا چاہیے کہ شاگرد پر فرض ہے کہ استاد کے سامنے نہائت خضوع و انکساری کا مظاہرہ کرے۔ پیغمبرؐ نے فرمایا: من علمنی حرفاً فقد صیّرنی عبداً۔ یہ مبالغہ نہیں ہے یہ اصلی صورت میں بھی قابل وضاحت ہے ایک اور حدیث پیغمبر اکرمؐ سے نقل ہوئی ہے فرماتے ہیں: مَنْ علم احدً مسئلةً فقد ملك جس شخص نے کسی کو ایک مسئلہ تعلیم کیا وہ اس کا مالک بن گیا ہے(۱)۔ لوگ تعجب کرتے تھے اور کہتے تھے یعنی کی خرید و فروخت کر سکتا ہے، گویا اس کا ذر خرید غلام ہے پیغمبر نے فرمایا: نہیں، خرید و فروخت نہیں کر سکتا لیکن اس کو امر و نہی کر سکتا ہے۔

استاد کا حق:

شاگرد پر استاد کا بہت زیادہ حق ہے۔ انسان کبھی سوچتا ہے۔

---

(۱)(ایک فقہی اصطلاح ہے) یعنی کسی غیر منقولہ شی کا مالک بننا کبھی یہ اصطلاح اس کے مقابلہ میں استعمال کی جاتی ہے جو کسی چیز سے نفع حاصل کرنے کا مجاز ہوتا ہے یا کوئی اور حق اس شے میں رکھتا ہے جیسے حق وثیقہ رہن ہے۔

خوب!

وہ تو تنخواہ لیتا ہے اور پڑھاتا ہے اور ہم بھی اس کی تنخواہ، بیت المال سے دیتے ہیں، لیکن حقیقت اس طرح نہیں ہے۔ اگر اس طرح پیش آئیں تو علم کا مقام گر جاتا ہے حوزہ علمیہ اور مدارس دینیہ میں علماء کے باریک ہوتے ہیں اس کے اسباب میں ایک یہ ہے کہ مدارس علمیہ اور حوزہ علمیہ میں علم کا احترام کیا جاتا ہے۔ آپ خود ملاحظہ کریں کہ مدارس دینیہ میں طلباء کس قدر اساتذہ کے سامنے خضوع وخشوع سے ہیں۔

استاد جس کا ان سے زیادہ فاصلہ نہیں ہے، یعنی کبھی ایسے ہوتا ہے کہ جو طالب علم دو سال پہلے آیا ہے، وہ دو سال بعد آنے والے طلبہ کو درس دیتا ہے، یہ جو دو سال پیچھے ہے (اس وجہ سے کہ علم کی فضیلت کا معتقد ہے) اپنے استاد کے سامنے خاضع ہے اور اس کا احترام کرتا ہے۔

میرے خیال میں آداب المتعلمین (۱) جو ہم مدارس دینیہ میں پڑھتے ہیں، وہ

---

(۱) آداب المتعلمین ایک کتاب ہے تعلیم وتربیت اسلامی کی راہنمائی کے لئے عربی زبان میں لکھی ہوئی ہے۔ برہان الدین زرنوخی حنفی اس کا مصنف ہے۔ اس کتاب کی ۱۴ فصلیں ہیں۔

(۱) حقیقت علم (۲) علم کے حصول کی نیت (۳) علم، استاد اور ہم جماعت کا انتخاب اور اس پر ثابت قدم رہنا (۴) علم و اہل علم کی فضیلت کا اعتراف (۵) علم کے حصول میں سنجیدگی ہمیشہ یہ کمر بستہ رہنا (۶) درس کا آغاز اس کی تعداد اور ترغیب (۷) توکل (۸) علم حاصل کرنے کا زمانہ (۹) شفقت اور نصیحت (۱۰) وقت سے بھرپور فائدہ اٹھانا (۱۱) پرہیزگاری (۱۲) اسباب حفظ ونسیان (۱۳) روزی کے اضافے اور اس کی کمی کے اسباب (۱۴) کتاب کے مطالب سے مربوط اشعار۔ اس کتاب میں اہل سنت کے شاعروں اور مصنفین کا زیادہ تذکرہ ہے اور بعض لکھنے والے اس کتاب کی نسبت خواجہ نصیر الدین طوسی (۵۹۷۔ ۶۷۲) کی طرف دیتے ہیں۔

یونیورسٹی کے طلباء اور سکول کالج کے طلبا کو بھی پڑھائی جانی چاہیئے تاکہ یہ مدرسہ کے دروس کا حصہ بن جائیں، کم از کم اس کا ایک خلاصہ واقتباس تیار کیا جائے جس سے طلباء سمجھ سکیں کہ استاد کا کیا حق ہے اور یہ کہ انسان اپنے استاد کے سامنے اکڑ جائے اور اس کی توہین کرے، اس کے پیچھے غیبت کرے، اور اس کی تحقیر کرے یہ ایک غیر علمی حرکت ہے۔ عالم کا احترام ہونا چاہیئے اب اگر متقی بھی ہو تو اس کا مقام وحق اور زیادہ اور اگر متقی (اس معنی میں جو آپ کہتے ہیں) نہ ہو تب بھی کے علم کا احترام محفوظ ہے

منحرف استاد ضد ارزش وقدر ہے

اگر وہ ماہر ومخصص اعلیٰ قسم کے مطالب اپنے درس میں آپ سے بیان کرتا ہو اور مفسد بھی نہ ہو تو اس کا علم محترم ہے اور معاشرے میں اسکا احترام ہونا چاہیے۔ لیکن اگر فساد برپا کرے تو مسئلہ ایک دوسرے باب میں چلا جاتا ہے کیونکہ وہ کج فکری ہے اور فساد کا موجب ہے اس وقت اس کا علم ضد فضیلت ہے جیسے اٹیم بم جب ہٹلر کے ہاتھ میں آتا ہے اس کی صورت ہی بدل جاتی ہے۔

میں اس وقت اس ضمن میں گفتگو نہیں کرنا چاہتا ہوں، جو استاد وکلاس میں آکر طلبہ کو خدا اور سول ایمان وانقلاب کے خلاف دعوت دیتا ہے، یہ اس کے علم کی فضیلت وعظمت کے منافی ہے جو استاد کلاس میں آتا ہے اور درس دے کر چلا جاتا ہے اگر وہ متقی، انقلابی اور مسلمان ہو اس کی دو فضیلتیں ہیں ایک فضیلت علم اور ایک فضیلت تقویٰ اس کی حوصلہ افزائی کرنا چاہے حقوق کے باب میں سب سے پہلا حق والدین پر ہے جو حق باپ پر ہے کہ اپنے بچے کو زمانہ کے جدید علم سے آراستہ کرے اگر نہیں کرے گا یہ بچے پر ظلم ہے۔ استادوں پر بھی یہی فرض ہے یعنی شاگرد کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ استاد کو اپنا وقت ضائع کرنے کی اجازت نہ دے اور غلط

مطالب نہ پڑھے جو مطالب اس کے مقصد کے نہیں ہیں وہ نہ پڑھے اس کو چاہیے کہ شاگرد کے راہ کو متعین کرے جس نے اپنے ذہن ودماغ کو اس کے اختیار میں دے دیا ہوا ہے۔ اور اس کی اصلاح کرے۔

استاد اور شاگرد کا باہمی تعلق :

استاد و شاگرد (وہ لوگ جو اس معاشرہ میں لوگوں کے مغزو فکر اور انسانیت کی پرورش کرتے ہیں، اور پرورش پانے والے ہیں) ان میں نہایت نفیس اور قابل احترام تعلقات ہونے چاہئیں استاد کے لئے سکول وکالج اور یونیورسٹی کا ماحول مچھلی کے لئے سمندر کی مانند ہونا چاہیے یعنی جب استاد یونیورسٹی میں داخل ہو تو اس کو یوں احساس کو وہ ایک مچھلی ہے جو ساحل دریا سے دریا کے اندر کود آئی ہے اسے خوشی اور نشاط کا احساس ہونا چاہیے اس کو محسوس ہونا چاہیے کہ وہ آزادی سے سانس لے رہا ہے ہمیں چاہیے کہ اپنے اسلامی معاشرہ کے افراد کو زیادہ سے زیادہ کلاسوں میں آنے اور حصول تعلیم کی زیادہ سے زیادہ ترغیب دیں امام علیہ السلام نے فرمایا ہر وہ شخص جس کے دو دن برابر ہوں وہ خسارے میں ہے۔

یعنی اگر آپ کا آج، گذشتہ کل سے بہتر نہیں ہے تو آپ خسارے میں ہیں آپ آج خدا تعالیٰ کی طرف حرکت کر سکتے ہیں آپ کے وجود کی وسعت اگر کل ستر درجہ تھی تو آج اس اکہتر ہونا چاہیے ورنہ آپ خسارے میں ہیں۔ آپ تمام حالات میں یا معلم واستاد رہیں یا شاگرد و متعلم اگر علم ودانش کے ساتھ اس طرح رہیں تو ہمارے معاشرے کی کچھ اور ہی صورت ہو گی ہم نے مجلس میں ایک یونیورسٹی بنام دانشگاہ بین المللی (۱) تصویب کی ہے۔

---

(۱) ۲/۵/۶۲ بروز اتوار ایک میٹنگ میں تعلیم وثقافت کے کمیشن نے اور مجلس شوریٰ اسلامی کی تحقیقاتی

انشاء اللہ جلد ہی اس کا اعلان کریں گے یہ حکومت شاہ کے خلاف قیام کے دوران ہماری آرزؤں میں ایک تھی کہ ایک دن اس ملک کو اسلام کے نام سے ایک ایسے مرکز میں تبدیل کرکے جس میں ہم ان دانشمندوں کو جذب کریں جن کو دنیا کی موجودہ استکباری قانع نہیں کرسکی اور راضی نہیں ہیں کہ اپنے علوم کو ان کے سپرد کرے، البتہ اس سے پہلے ضروری ہے کہ ہمارا اپنا معاشرہ صحیح اسلامی ہو۔ ہمارا ماحول کاملاً علمی ہو، بعد میں ان کو دعوت دیں۔ اس وقت آنکھ بند کرکے پر پیگنڈہ شروع کردیا ہوا ہے اور عوامی افکار میں جمہوری اسلامی کے خلاف ایک بحران پیدا کیا جارہا ہے ماحول کو کسی حد پراگندہ اور آلودہ کر بھی دیا ہے، صبر کریں یہ پراگندگی مٹ اور غبار چھٹ جائے تب جاکر اسلام کی حقیقت کا تعارف کروائیں گے۔

ہم توقع رکھتے ہیں انشاء اللہ تہران، مشہد، قم اور دیگر شہروں کو علمی مراکز میں تبدیل کردیں اور وہ لوگ جو واقعاً پڑھنا چاہیں یہاں آئیں جو لوگ تیار ہیں کہ کوئی چیز ایجاد کریں (اس خوف سے ایجاد نہیں کرتے ہیں کہ یہ عالمی استکبار کے ناجائز فوائد کا وسیلہ نہ بن جائے) کوئی مشینری ایجاد کرنا چاہیں ایجاد کریں (انشاء اللہ یہ ایجاد وسیلہ عدالت و مساوات واقع ہوگی) اور یہ کام اسلام کے لئے ممکن ہے۔ یہ گفتگو ابھی مکمل نہیں ہوئی۔ ایک خطبہ اسکے لئے مخصوص کرونگا۔

کمیٹی نے ایران میں ایک بین الاقوامی جامعہ کی تاسیس کا لائحہ عمل تیار کیا ہے۔ جو ۱۹/ ۱۰/ ۶۲ کو پاس ہونے کے لئے مجلس میں گیا۔ جزئیات اور شرائط کے بارے میں مزید معلومات حاصل کرنے کے لئے مندرجہ ذیل کتاب کی طرف مراجع کریں۔ "مجموعہ قوانین فرہنگ و آموزش عالی، جو ان قانونی لائحہ عمل پر مشتمل ہے اور شورہ انقلاب اور مجلس شورئی اسلامی کے ان قوانین پر مشتمل ہے جو ۲۲ بہمن ۱۳۵۷ سے ۱۳۶۳ تک جمع کئے گئے ہیں (دفتر حقوقی وزارت فرہنگ و آموزش عالی)

بیالیسواں خطبہ

عدالت اجتماعی کی بحث کا تسلسل

اسلامی نظام میں عالم کا مقام

اسلام میں عالم و جاہل کے بارے میں گفتگو

معاشرے میں علماء کو بلند مقام و مرتبہ عطا کرنے

کا معیار، اسلام میں علماء کی حیثیت ناانصافی کے سدباب کا

طریقہ کار، علم کے ساتھ ساتھ تقوی

بسم الله الرحمن الرحیم قال العظیم فی کتابه اعوذ با الله من الشیطان الرجیم ' اجعلنی علی خزائن الارض انی حفیظ علیم"

عدالت اجتماعی کی بحث کا تسلسل

عدالت اجتماعی میں علم کے مقام اور علم وعلماء کی قدر و منزلت تک پہنچے تھے میں نے چند ایک خطبے تمام مسائل کیلئے مختص کیے تھے یہ اس کی بنیادی بحثوں میں سے ایک بحث ہے آج کا خطبہ انشاء اللہ اس سلسلے کا آخری خطبہ ہے اور علم سے مربوط چند خطبوں کا ماحصل ہے. میں نے کہا تھا کہ معاشرتی زندگی میں انسان کو مقام و مراتب دیئے گئے ہیں یہ نہ صرف عدالت اجتماعی کی منافی ہی نہیں ہیں بلکہ یہ عدل وانصاف کی بنیاد کو مضبوط کرتے تھے اور عدالت اجتماعی کا جز شمار ہوتے ہیں. قوت فکریہ، غضبیہ اور شھویہ جو انسانی زندگی کے تین اساسی غریزے ہیں. پہلے ہم قوت فکریہ سے متعلق بحث کرتے ہیں کہ علم وایمان اور علم واخلاق سے مربوط بہت ساری ابحاث اسی غریزے سے مربوط ہیں اور ہم نے کہا تھا کہ جو لوگ ان اقدار کیساتھ متصف ہیں اور ان خصوصیات کے حامل ہیں ہم ان کیلئے عظیم مرتبہ کے معترف ہیں.

عدالت اجتماعی میں عالم کا مقام آج میں یہ وضاحت کرنا چاہتا ہوں کہ یہ مقام و مرتبہ

---

(۱) یوسف ۵۵

عدالت اجتماعی کے پروگرام کے مطابق ہے اور عدالت کے منافی نہیں ہے بلکہ یہ عین عدالت ہے پہلے یہ کہ یہ مرتبہ ایسے نہیں ہے کہ ایک طبقہ (۱) کیساتھ خاص ہو اسلام میں مسئلہ تعلیم و تربیت کو یوں مرتب کیا گیا ہے کہ سارے لوگ اس راہ پر گامزن ہو سکیں اور یہ مرتبہ پا سکیں جس طرح کہ گزشتہ ابحاث میں بھی میں نے یہ کہا ہے اور ان ابحاث سے خلاصہ اور نتیجہ کے طور پر استفادہ کرنا چاہتا ہوں.

مسلم اور نا قابل تردید امور میں سے ایک یہ ہے کہ ایک حد تک علم کا حاصل کرنا تمام انسانوں پر فرض ہے اور ایک حد تک سب کیلئے مستحب امر ہے اور ایک حد تک حد اقل مباحات میں سے ہے زمان اسلام میں موجود نظام کے مطابق اسلامی ماحول میں کسی کو حصول علم سے نہیں روکا گیا. سب کیلئے ایک حد تک علم حاصل کرنا واجب اور فرض ہے.

حصول اسلام اور علم :

ممکن ہے کوئی کہے بہت خوب !واجب تو ہے لیکن سب کیلئے حصول علم ممکن نہیں ہے اس کا جواب گذشتہ توضیحات کی روشنی میں بیان کر چکا ہوں کہ سب کیلئے بطور مساوی اسلامی ماحول میں حصول علم کے مواقع موجود ہیں۔

---

(۱) طبقہ ماہرین عمرانیات کے نقطہ نظر سے افراد کے اس گروہ کو کہتے ہیں جو معاشرہ میں ہم مرتبہ و ہم مقام ہیں یا لوگوں کا وہ گروہ جو خاندانی مرتبہ اور صنعت وکاروبار، تحصیل علم و آمدنی میں تقریباً برابر ہو. عوام کا یہ گروہ اپنے ممبران کے لحاظ سے مساوی فرض ہوتا ہے. ماہرین عمرانیات کے نقطہ نظر سے معاشرتی طبقہ کی تعیین کرنے والے عوامل درج ذیل ہیں ۔۱.۱ ۔ثروت و آمدن ۔۱.۲۔ سطح و کیفیت تحصیل علم۔۱.۳۔ پیشہ اور کاروباری حیثیت ۔۱.۴ ۔خاندان اور قرابت داری ۔۱.۵ ۔قدرت اور سیاسی و معاشرتی اثر و رسوخ مقدمات جامعہ شناسی، محسنی دکتر منوچہر۔ناشر :مؤلف، تہران ۱۳۷۳ ۔ ص ۲۱۶

اسلام نے حکومت کو حکم دیا ہے کہ حصول علم کے مواقع سب کیلئے فراہم کرے یہاں تک کہ طالب علم کے اخراجات اور اس کی ضروریات زندگی کو بیت المال سے پورا کیا جائے اب اگر ہمارا معاشرہ اسلام میں اس حد تک نہیں پہنچ سکا تو اس میں ہمارا اپنا قصور ہے اگر ہم مسلمان ہیں تو ہمیں ایسا ہونا چاہیے کہ یہاں پر فقر و تنگدستی کیوجہ سے کوئی حصول علم سے محروم نہ ہو. لہذا اسلام نے اس امر کی بھی حمایت دی ہے۔ جو لوگ خود سے عالم و خواندہ بننا چاہیں تو ان کے لئے راستے کھلے ہیں یہاں تک سب برابر ہیں امتیاز و خصوصیت یہاں سے شروع ہوتی ہے کہ ایک طبقہ سستی کرے اور خستہ حالی کا مظاہرہ کرے اور ایک گروہ کوشش کرے اور زحمت اٹھائے اور شب بیداری کرے اور استقامت کا مظاہرہ کرے۔

اسلام میں عالم اور جاہل :

خوب. وہ لوگ جنہوں نے ہمت کی اور زحمت اٹھائی اور فکر کی اور عمل کیا. انہوں نے اہلیت پیدا کی یہ ایک اضافی مرتبہ رکھتے ہیں. یہاں تک خلاف عدل و انصاف نہیں ہے بلکہ عدل یہی ہے کہ ان سے ان کی اس اہلیت کے ثمرہ کو نہیں، چھپنا چاہیے اور یہ نہیں کہنا چاہیے کہ تم ان کے برابر ہو جو جاہل ہیں (عمداً جاہل رہیں)۔ یہ نہیں ہو سکتا.

" هل يستوى الذين يعلمون والذين لا يعلمون "

کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے برابر ہیں۔

خوب!

اس مرحلہ سے آگے بڑھیں۔ دیکھیں ہم کیا مقام دیتے ہیں (جب مقام و مرتبہ دینا ہی ہے) کبھی کسی کے ذہن میں آسکتا ہے کہ جو مقام و مرتبہ ہم علماء کو دینا چاہتے ہیں اس طرح ہو کہ اس سے دوسروں کے حقوق پایمال ہو۔. نہ. یہ ایسا بھی نہیں ہے۔ مقام و مرتبہ عطا کرنے کا

مطلب یہ نہیں ہے کہ دوسروں کے حقوق یا عالم ودانشمند کے اجتماعی وانفرادی وظائف کم کر دیئے جائیں بلکہ اس کا مطلب کچھ اور ہے۔ خود مقام و مرتبہ معاشرے کا خادم ہے اور اسلام کی جاذبیت کا راز بھی یہی ہے۔

ایک عالم کو مقام دینا خود معاشرے کو مقام دینا ہے :

نہایت حساس نقطہ یہ ہے کہ اسلام جب کسی کو مقام و مرتبہ عطا کرتا ہے. در حقیقت یہ معاشرے کو کریڈٹ دینا ہے اس شخص کو نہیں۔ اس کی وضاحت میں آپ کیلئے کرتا ہوں مثلاً مالی وسائل کے لحاظ سے اور شہری حقوق کے اعتبار سے ان میں کوئی فرق نہیں ہے ایسے نہیں ہے کہ ایک عالم کو کچھ حقوق حاصل ہوں اور وہ ایک عام شہری کو نصیب نہ ہوں ایک اسلامی معاشرہ میں جتنا احترام ایک عالم ودانشور کے مال کا ہے اتنا ہی احترام ایک عام شہری کے مال ہے. جس حد تک عام لوگ دوسروں کے اموال کے ذمہ دار ہیں اسی حد تک ایک عالم کے مال کے بھی ذمہ دار ہیں۔ عزت وناموس کے لحاظ سے بھی کوئی فرق نہیں ہے. اس کی غیبت یا تہمت ایسے ہی ہے جیسے ایک عام شہری کی غیبت اور اس پر تہمت لگانا ہے.

جزائی نظام میں امتیاز :

جزائی لحاظ سے تمام سزائیں جو دیگر عوام اور علم و جہل کیلئے مقرر کی گئی ہیں. وہی سزا بعینہ اس عالم کیلئے تجویز کی ہوئی ہے بلکہ بعض مقامات پر عالم کیساتھ (اس کے علم و معرفت کی وجہ سے) سختی کی جاتی ہے۔ اسلام کے جزائی نظام اور تقریباً پوری دنیا کے جزائی نظاموں میں جاہل شخص عالم طرح کی سخت سزا نہیں دی جاتی وہ عالم وبامعرفت ہے جس کی سزا سخت ہے آپ دیکھ رہے ہیں کہ نظام جزا و سزا میں عالم کو کوئی فوقیت نہیں ہے شہری حقوق میں عالم کو فوقیت وامتیاز حاصل نہیں ہے اور جہاں تک عزت وناموس اور مال کا تعلق ہے ان میں بھی عالم کو

کوئی فوقیت نہیں ہے. فوقیت وامتیاز کا محل اور ہے۔ عالم کو یہ مقام اور فوقیت دوسروں امور میں عطا کی گئی جن میں علم وعالم اور معاشرہ سب کا فائدہ ہے. مثلاً دنیا میں بعض جہات ہیں اور خباثت اہم اور حساس جہات میں سے ہے غیر عالم اور قدر علم افراد ان کے لائق نہیں ہیں لہذا ان کو عمدہ جہات نہیں دی جاتیں۔

علماء کو فوقیت عطا کرنے کا معیار :

مفتی اور مرجع تقلید ہونا اسلام میں عالی ترین مرتبہ ہے اور یہ رہبری خدا اور رسولؐ کی طرف سے ہے آج جس کو آپ ولی فقیہ میں ملاحظہ کر سکتے ہیں. خوب! آپ دیکھیں کہ طول تاریخ میں فقہاء و مجتہدین کی اکثریت کا فتوی ہے کہ مجتہد اعلم کی تقلید واجب ہے یعنی اگر (اعلم جامع الشرائط) موجود ہو تو غیر اعلم کی تقلید نہیں ہو سکتی ہے یہاں پر معیار ومقام فوقیت علم ہے یعنی جب بقیہ شرائط کامل ہوں تو جو کچھ زیادہ علم رکھتا ہے وہ مقدم ہے اور معاشرتی مناصب اور عہدوں میں بھی اسی طرح ہے.

گزشتہ ایام میں طالوت وجالوث کا واقعہ نقل کر چکا ہوں کہ شریعت حضرت موسیٰؑ میں بھی اسی طرح ہے اور قرآن کریم بھی صراحت کیساتھ کہتا ہے کہ تم میں سے جو شخص سپہ سالار بنا وہ دوسروں کی نسبت زیادہ علم رکھتا تھا اور جسمانی طور پر دوسروں کی نسبت زیادہ طاقتور تھا۔

"وزاده بسطة فی العلم والجسم" (۱)

یہ خدا تعالی کا استدلال ہے یہ ہمارا استدلال نہیں ہے کہ ہمیں پچھتانا پڑے بلکہ یہ منطقی نتائج اور ناقابل تردید استدلات میں سے ہے اور خدا تعالی نے اشراف کے مقابلہ میں اس

---

(۱) سورہ بقرہ ۲۴۷

(طالوت) کو اس دلیل کے ساتھ حکم ریاست دیا ہے۔

حضرت یوسفؑ کی اللہ تعالیٰ سے درخواست :

جو آیہ کریمہ اس خطبہ کے اول میں تلاوت کی ہے یہ وہ جملہ ہے جو حضرت یوسفؑ نے مصر میں اپنے وقت کے فرعون عزیز مصر سے کہا تھا۔ حضرت یوسفؑ جب زندان سے باہر آتے ہیں تو حقیقت سامنے آجاتی ہے اور آپؑ کی صلاحیت اور سچائی ثابت ہو جاتی ہے اس وقت حضرت یوسفؑ مشورہ دیتے ہیں

"اجعلني على خزائن الارض،انی حفيظ عليم"

فرماتے ہیں مجھے اقتصادی امور کا سربراہ قرار دیں کیونکہ میں "حفیظ" ہوں اور "علیم" ہوں علم خود کلمہ حفیظ میں موجود ہے اور انسان کی دیگر قوہ فکر یہ بھی اس کلمہ میں مخفی ہیں اور علم خود بھی کلمہ علیم میں موجود ہے۔

یعنی حضرت یوسفؑ پیغمبر خدا ہیں (خدا تعالیٰ یہ جملہ نقل فرماتا ہے جو حضرت یوسفؑ کے استدلال کی تائید ہے) کہتے ہیں کہ کسی ملک کے معاشرتی اور اقتصادی امور میں ایک ہیت کو شدید ضرورت ہوتی ہے وہاں بھی عہدہ وذمہ داری کی قبول کرنے کی صلاحیت کا دارومدار علم اور حفیظ ہونے پر ہے۔ یہ خصوصیات حضرت یوسفؑ میں موجود تھیں .لہذا ہم دیکھتے ہیں کہ مناصب وعہدوں کے حصول کے لئے انسان کے پاس مناسب علم کا ہونا ضروری ہے یہ ایک امتیاز ہے یہ امتیاز اور فوقیت کس کے نفع میں جاتی ہے ؟ آیا یہ فوقیت اس صاحب منصب دار اور عالم کیلئے فائدہ ہے یا معاشرہ کیلیے ؟ آیا معاشرہ کی مصلحت یہ ہے کہ ایک جاہل ونادان شخص ان امور کا عہدہ دار ہو یا بہتری اس میں ہے کہ ایک دانا وبینا شخص ایسے امور کے انجام دینے پر مامور ہو ؟

ایک عالم کو فوقیت وامتیاز عطا کرنے کا معیار :

پہلے جو گفتگو کی ہے آج بھی اس کی تاکید کروں گا کہ عالم کے بارے میں ہم یہ نہیں کہتے کہ اس میں صرف علم کافی ہے کچھ اور شرائط بھی ہیں ان کا بھی لحاظ کرنا ہوگا تو ہم دیکھیں گے کہ جو مقام وامتیاز اللہ تعالی نے ایک صاحب علم کو دیا ہے کہ وہ کیسا عالم ہے کیونکہ وہ صاحب علم عہدہ ومنصب لینے اور خدمت کرنے میں اولویت رکھتا ہے۔ حقیقت میں یہ امتیاز ومقام لوگوں کیلئے ہے۔

اجرِ رسالت پیغمبران :

میں اس مسئلہ کیلئے ایک مثال قرآن مجید سے پیش کرنا چاہتا ہوں. میری نظر میں وہ قرآن کریم کے نہایت جالب نکات میں سے ایک نہایت ہی نفیس نکتہ ہے جو انبیاء اور ہمارے نبی پاکؐ کے متعلق ہے ہم قرآن مجید آیہ کریمہ کا یہ فقرہ بار بار دیکھتے ہیں کہ قل ما اسئلکم علیه من اجر کہیں کہ ہم اس زحمت پر جو ہم نے رسالت و تبلیغ کیلئے اٹھائیں اور جو مشکلات برداشت کی ہیں ان کا اجر اور صلہ نہیں چاہتے ہیں۔

بہت کم پیغمبر ہوں گے جن کی زبان سے اللہ تعالی نے یہ فقرہ نقل نہ کیا ہو. یہ بات انبیاء علیہم السلام کے درمیان متفق علیہ ہے ممکن ہے کہ ان میں سے بعض سے بعینہ یہ فقرہ منقول نہ ہوا ہو جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے پیغمبران گرامی کا جب لوگوں سے سامنا ہوتا تھا وہ فرماتے تھے ہمیں تم سے صلہ نہیں چاہیے۔

چند ایک آیات ہیں جنکا قرآن مجید میں دس بارہ مرتبہ (مختلف انداز میں) تکرار ہوا ہے اور پیغمبر اکرمؐ نے خود کئی بار ان کی تلاوت و تاکید کی ہے اور دوسری جگہ پر پیغمبر اکرمؐ کیلئے اجر رسالت اور صلہ تبلیغ مقرر کیا گیا ہے اور گزشتہ انبیاء کے بارے میں بھی ایسے ہی ہے. پھر اس

مقام پر اجر رسالت کے مصداق کی تعین بھی کر دی گئی ہے۔ جو گفتگو میں اب کر رہا ہوں اس کا مجموعہ یہ بتاتا ہے کہ بعض انسانوں کو جو امتیازات اور مقامات عطا ہوئے ہیں وہ در حقیقت معاشرہ کیلئے ہیں ان کا اجر و صلہ صرف اس شخص کے لئے نہیں ہے یہ اسلام اور مکاتب الٰہی کا افتخار اور طرہ امتیاز ہے کہ وہ انسان اور معاشرے سے یوں سلوک کرتا ہے۔ انبیاء کہتے ہیں کہ ہمیں اجر وصلہ نہیں چاہیے میرا اجر صرف یہی ہے کہ لوگ راہ خدا پالیں یعنی میں پیغمبرؐ یہ چاہتا ہو کہ ایک شخص کو خدا سے پیوستہ کردوں تو یہی میرا اجر ہے۔ بہر حال یہ ایک مصداق اجر ہے اور یہ کیسا اجر اور صلہ ہے بعد میں اس کی وضاحت کروں گا۔

اجر رسالتؐ محبت اہل بیتؑ :

حضرت پیغمبرؐ اسلام ایک اور آیت کے ضمن میں فرماتے ہیں مجھے تم سے کوئی اجر نہیں چاہیے لیکن ایک اجر تم سے ضرور چاہتا ہوں کہ میرے ذوالقربٰی سے محبت کرنا میرے رشتہ داروں سے وابستہ رہنا

"قل لااسئلکم علیہ اجر الاالمودۃ فی القربی "(۱)

خوب!

یہ بظاہر ایک اجر و صلہ ہے یعنی ایک رہبر، ایک پیغمبر، ایک الٰہی عہدیدار نے جو خدمت کی ہے اس کے لئے آپ لوگوں سے کہیں کہ میرا اجر یہ ہے کہ میرے رشتہ داروں سے محبت رکھیں یہ ایک اجرت کا عنوان بن سکتا ہے اور ایک صلہ اور امتیاز شمار ہو سکتا ہے بہر حال ان چند آیات کو جب ہم ایک دوسرے کیساتھ ملاتے ہیں تو نہایت واضح نتیجہ سامنے آتا ہے یہ آیات کہنا

(۱) الشوری ۲۳

چاہتی ہیں کہ محبتِ ذوالقربیٰ ہی محبتِ پیغمبرؐ ہے یہ اجر پیغمبرؐ نہیں ہے بلکہ یہ وہ صلہ ہے جو پیغمبر اکرمؐ نے لوگوں کو عطا کیا ہے یہ ایک امتیاز ہے جو پیغمبر اکرمؐ نے لوگوں کو عنایت فرمایا ہے کہ جو راہ خدا اس نے بتلایا ہے

"الا من شاء اتخذ الی ربه سبیلا "

راہ کی طرف خدا ہے اس پر ذوالقربیٰ کے طریقے سے چلیں۔ یہ اجر وصلہ کے مصادیق سے ایک مصداق ہیں۔

مصداق ذوالقربیٰ :

شیعہ مفسرین کی رائے میں ذوالقربیٰ کا قطعی اور واضح مصداق آئمہ علیہم السلام ہیں اگر دوسرے افراد بھی ہوں تب بھی (دوسروں کی نظر میں) ایک واضح اور یقینی مصداق آئمہ معصومین علیہم السلام ہیں پس اجر رسالتؐ یہ ہوگا کہ ہم لوگ ان شخصیات کو امامت وولایت کا بلند مقام دیں جن کا تعارف رسول اکرمؐ نے کرادیا ہے یعنی بظاہر یہ ایک امتیاز ہے مصداق ہے لیکن یہ امتیاز و مقام حقیقت میں نہ ان ذوالقربیٰ کیلئے ہے اور نہ ہی خود پیغمبرؐ کیلئے ہے بلکہ یہ عوام الناس کیلئے ہے اور یہ الا من شاء اتخذ الی ربه سبیلا کا مصداق ہے۔

یعنی راہ خدائے تعالیٰ کو آئمہ علیہم السلام کے وسیلے سے حاصل کیا جاسکتا ہے یہ انسان کی ہدایت کرتے ہیں اور انہیں گرداب گمراہی سے نجات دلا سکتے ہیں۔ یہاں سے یہ نتیجہ نکلتا ہے (اس نہایت مختصر توضیح سے جو میں آپ کے سامنے عرض کی آپ خوب توجہ فرمائیں) کہ ایک عالم کو امتیاز و مقام دینا معاشرہ کو بلند مقام عطا کرنا ہے اور عدالت اجتماعی بھی اسی کا تقاضا کرتی ہے۔

ہم اگر عالم سے مختلف جہات میں استفادہ نہ کریں تو یہ معاشرہ پر ظلم ہے اگر ماہر لوگوں

کو امکان کے باوجود نظر انداز کردیں تو معاشرہ کو تباہ کردینے کے مترادف ہے اگر ناشائستہ افراد کو ایسے عہدوں پر متعین کریں جن کی وہ صلاحیت نہیں رکھتے اور ان کے بارے میں مناسب معلومات نہیں رکھتے اور اس کا بوجھ برداشت کرنے کے قابل نہیں ہیں تو یہ معاشرہ پر ظلم ہے اور یہ عدالت اجتماعی کے بالکل برعکس ہے۔

اسلام میں علماء کا احترام :

اس بنا پر ایک عالم کو امتیاز و مقام عطا کرنا اور علماء کی قدر دانی کرنا معاشرہ کیلئے نہایت ضروری ہے یہاں تک میری بحث عہدے اور مناصب بارے میں تھی گفتگو کے دوسرے حصے میں اسلام نے جو عالم کو مقام عطا کیا ہے اور عالم کا جو احترام ہے اس کو بیان کرنا ہے۔

ہم بہت ساری آیات و روایات سے یہ مفہوم لیتے ہیں کہ اسلام کی خواہش ہے کہ حتی الامکان عالم محترم ہو اگرچہ اس کے پاس کوئی منصب نہیں ہے پھر بھی علم و دانش کی وجہ سے اس کا احترام ضروری ہے اسلام نے بھی اس طرف خاص توجہ دی ہے کسی عالم و دانشور کی توہین حقیقت میں علم و دانش کی توہین ہے جب علم و معرفت کی توہین ہو تو معاشرہ کسی صورت رو بترقی نہیں ہو سکتا۔

اگر علم کی عزت افزائی ہو تو یہ اس چیز کا سبب بنتا ہے کہ لوگ حصول علم کیلئے جائیں اپنے بچوں کو حصول علم کی ترغیب دیں. بچہ جب دیکھتا ہے کہ اس کا دانشور باپ علم و دانش کے سبب معاشرہ میں معزز ہے تو وہ علم کی طرف خود بخود کھینچا چلا جائیگا اور اگر دیکھے کہ اس کے دانشور باپ نے اپنی زندگی کتابخانوں میں گزار دی اور جب خدمت کرنا چاہتا ہے تو معاشرہ کو اس کی کوئی پرواہ نہیں ہے تو بچہ کسی صورت بھی علم و دانش کی طرف نہیں جاسکتا اس وقت معاشرہ مکمل طور پر تباہی کی طرف چلا جائیگا ۔

مامون الرشید کا ایک واقعہ :

جب ناشائستہ افراد حکومت کرتے تھے اس وقت بھی سپاہ اسلام میں وہی جذبہ موجود تھا جو صدر اسلام میں ہوا کرتا تھا اور اسلام باعظمت اور غالب تھا. مامون الرشید (۱) کسی حد تک خود ایک اہل علم تھا اور اس کا دربار بھی ایک علمی دربار تھا ہمیشہ وہ علماء کو جمع رکھتا تھا ایک دفعہ جاسوسوں نے مامون کو اطلاع دی کہ ایک دن فراہ (جو مامون کے بچوں کا استاد تھا) کمرے سے جانا چاہتا تھا تو آپ کے بچے اس کا جوتا لانا چاہتے تھے تو ان میں جھگڑا ہو گیا (ایک کہتا تھا کہ میں لاؤں گا دوسرا کہتا تھا کہ میں) اور فراہ نے بچوں کی طرف بالکل توجہ نہ دی۔

ایک دن خصوصی محفل میں مامون نے فراہ سے پوچھا تمہاری نظر میں اس مملکت میں سب سے محترم و معزز کون ہے اور تم کس کا احترام سب سے زیادہ کرتے ہو ؟ اس نے کہا سب سے پہلے آپ کا کہ آپ امیر المؤمنین ہیں اس کے بعد آپ کے ولی امر کا اور اس کے بعد آپ کے ولی عہدوں کا (ایک روایت میں ہے آپ کے بچوں کا) احترام کرتا ہوں مامون نے کہا فراہ! تو مجھ سے جھوٹ بول رہا ہے کہ میں تیرے نزدیک سب سے زیادہ محترم ہوں کیونکہ جب میرے ولی عہد تیرا جوتا لائیں تو تیرے چہرے پر شکن تک نہیں پڑتی۔

فراہ سمجھ گیا کہ اسے واقعہ کی اطلاع ہو گئی ہے تو اس نے کہا میں نہیں چاہتا تھا کہ آپ کے بچوں سے خیانت (۲) کروں مامون نے کہا وہ کس طرح ؟ اس نے کہا اگر میں ان کے

---

(۱) ۔ مامون بن ہارون الرشید خلفاء بنو عباس میں سے ساتواں خلیفہ ہے جو اپنے بھائی کو قتل کرنے کے بعد ۱۹۸ ہجری میں خلیفہ بنا اور ۲۱۸ ہجری کو وفات پائی۔ (تاریخ الخلفاء سیوطی ص ۳۰۲)

(۲)۔ خیانت کا ایک معنی بے وفائی اور نمک حرامی بھی ہے ظاہراً یہاں بھی یہی معنی مقصود ہے۔

سامنے خشوع و خضوع کرتا تو علم کی قدر و منزلت ان کی نظر میں جاتی رہتی وہ ایک استاد کیلئے احترام کے قائل تھے خلیفہ کے فرزند ہو کے اس کے سامنے اس کے جوتے جوڑتے ہیں میں اس جلال کو ان میں محفوظ رکھنا چاہتا تھا پھر فراہ نے مامون کو مطمئن کرنے اور اس کی زبان بند کرنے کیلئے (کیونکہ مامون اپنے جد امجد ابن عباس کا انتہائی احترام کا قائل تھا) اس نے کہا آپ کے جد جب حضرت امام حسنؑ و حضرت امام حسینؑ کو سوار دیکھتے تو ان کے گھوڑے کی رکاب پکڑ لیتے تھے اور انہیں سوار کراتے بعض لوگوں نے ان پر اعتراض کیا تھا کہ یہ بچے ہیں آپ اسطرح کیوں کرتے ہیں ؟ تو ابن عباس نے کہا کچھ نہ کہیں مقام علم ہی ایسا ہے اور پھر فراہ نے ایک حدیث نقل کی اور اسے مامون کیلئے بیان کیا مامون کو یہ روایت بہت پسند آئی اس نے فراہ کو انعام دیا. آپ دیکھیں کہ یہ کس دور کا واقعہ ہے ؟

ایک طالب علم کیساتھ سلطان محمود کا سلوک :

اس سے ایک قدم آگے بڑھاتے ہیں اور سلطان محمود سبکتگین (۱) کو ہم دیکھتے ہیں (وہ شخص ہمارے لئے اس طرح نہیں تھا کہ ہم اسے ایک آئیڈیل فرمانروا سمجھیں) ایک رات وہ

---

(۱) ۔ ابوالقاسم بن سبکتگین سیف الدولہ کے نام سے ملقب ہے (۳۶۰ ہجری قمری) میں پیدا ہوا اور ۴۱۲ ہجری قمری میں شہر غزنین میں وفات پائی. محمود ابو منصور ناصر الدولہ سبکتگین کی (۳۸۷ ہجری قمری میں) وفات کے بعد اپنے بھائی اسماعیل پر فتح پانے کے بعد بادشاہ بنا. سلطان محمود غزنوی خاندان کا پہلا مستقل بادشاہ اور عظیم انسان تھا. دلیری و بے باکی اور کثیر فتوحات اور دربار کے پر شکوہ ہونے کے باعث تاریخ اسلام میں بہت شہرت رکھتا ہے خصوصا بھارت میں اس کی جنگیں 'وہاں کا مال غنیمت حاصل کرنے اور، اپنی حکومت میں علماء و شعراء کے اجتماعات کروانے اور اس کے نام پر مرتب ہونے والی کے باعث اس کا نام عالم آفاق میں بہت مشہور ہوا ۔ سلطان محمود کے ہمعصر مشہور شاعر فردوسی اور نامور دانشور ابوریحان بیرونی ہیں ۔

سڑک پر گشت کر رہا تھا ایک طالب علم سبزی فروش کے پاس کھڑا اس کے دیئے کی روشنی میں مطالعہ کر رہا ہے جب کوئی گاہک آتا تو یہ ہٹ جاتا اور اس کے جانیکا انتظار کرتا ہے اور اس کے جانے کے بعد پھر اسی چراغ کے پاس آجاتا ہے اور مطالعہ کرتا ہے۔

سلطان محمود نے کہا تو اس طرح کیوں کر رہا ہے کیوں آگے پیچھے ہوتا ہے اس نے کہا کہ میرے گھر میں چراغ نہیں اور اگر پیچھے نہ ہٹوں تو اس کے گاہکوں کیلئے رکاوٹ بنتا ہوں اور مجھے یہ اس چراغ کی روشنی میں پڑھنے نہیں دے گا میں یہاں آتا ہوں تاکہ ان لمحات سے استفادہ کروں اور اپنی تعلیم کو جاری رکھ سکوں. سلطان محمود کو یہ بہت پسند آیا وہ اسے لے گیا اور اس کا احترام کیا اسے کمرہ دیا اور دیگر وسائل مہیا کیے اور اس سے کہا وہاں بیٹھ کر پڑھو۔

پیغمبرؐ سلطان محمود کے خواب میں :

سلطان محمود نے رات کو خواب میں پیغمبرؐ کو دیکھا حضرت محمدؐ نے فرمایا

"یابن سبگتگین عذذك الله فی الدارین کما عذذت وارثی"

(اس جملہ کو ذہن میں رکھیں اس کو نقل کرنے کا ایک مقصد ہے) پیغمبر اکرمؐ نے اس سے فرمایا اے سبکتگین کے فرزند خدا تجھے دنیا و آخرت میں عزت بخشے کہ تو نے میرے وارث کی عزت افزائی کی ہے اور اس کی مدد کی ہے ۔

سلطان محمود بیدار ہوا اور اس نے کہا کہ میری تین مشکوک چیزیں ایک خواب میں حل ہو گئیں وہ تین چیزیں یہ ہیں۔

۱۔ میں متردد تھا میں اولاد سبکتگین ہوں یا نہیں ؟

۲۔ سوچتا تھا کہ مردے زندہ ہوں گے کہ نہیں اور قیامت ہے بھی کہ نہیں ؟

۳۔ بات جو زبان زد عوام ہے کہ العلماء ورثة الانبیاء یعنی علماء انبیاء کے وارث ہیں

مجھ پر بہت گراں گزری تھی ؟اس سے باور کرنا میرے لئے مشکل تھاکہ عظیم ، عسکری ،سیاسی اور حکومتی شخصیات پیغمبرؐ کے وارث نہ ہوں اور یہ مدارس میں پلنے والے ملاں پیغمبرؐ کے وارث ہوں میں اس کو قبول نہیں کرتا تھا تو حضرت پیغمبرؐ کے اس جملے میں میرے لئے تینوں حل ہو گئے ہیں۔

اب ایک خواب کے ذریعے ہم مسائل حل کر سکتے ہیں یا نہیں اس سے مجھے سروکار نہیں ہے میرے مد نظر یہ نکتہ ہے کہ سلطان محمود سبکتگین کے زمانہ میں ایک مسئلہ تھا جس نے ایک قابل قبول حقیقت کے عنوان سے اس کو مشغول کرر کھا تھا وہ مسئلہ "علماء کا وارث انبیاء ہونا" تھا اسلامی معاشرے میں یہ تصور طول تاریخ میں رہا حتی جب مسلمانوں پر عروج تھا اس کی وجہ بھی علم کی تشویق اور اس کا احترام تھا جو ہمشہ ہمارے معاشرہ میں معزز رہا ہے۔

ماضی میں مسلمانوں کی کامرانی :

اسلامی حکومتیں (اگرچہ واقعی طور پر اسلامی نہیں تھیں)اسلام کے نام پر کامیاب ہوئی تھیں انہوں نے دنیا بھر کے سرکشوں کو زیر کیا ہوا تھا اور شرق سے غرب تک پھیلی ہوئی تھیں .ایران کو اس کے عظیم سابقہ کے باوجود سرنگوں کیا تھا۔ بھارت کو (اس سابقہ کے باوجود)شکست دی چین تک پہنچے افریقہ کو مسخر کیا پیرانہ کے پہاڑ (جو قلب یورپ میں واقع ہیں)تک پہنچے یورپیوں سے جنگیں کیں .وہ منزلت جس پر وہ فائز تھے ان کی وجہ یونیورسٹیاں ٫رصد گاہیں ٫کتب وکتب خانے اور وہ سب کچھ تھے جس سے آپ مطلع ہیں یہ کامیابی صرف ان کو اس جذبہ واحترام علم کے باعث تھی اور اگر آج یہ ذلیل ہیں تو اس کا سبب جذبہ سے عاری ہونا ہے۔

سرزمین مغرب میں اسلامی میراث :

چند برطانوی مؤلفین نے مشترکہ طور پر ایک کتاب لکھی ہے (وہ تیرہ آدمی

ہیں)انھوں نے "میراث اسلام "(۱) کے عنوان پر تیرہ مقالے لکھے ہیں اس کتاب کا فارسی میں ترجمہ " میراث اسلام " کے نام سے ہو چکا ہے یعنی وہ چیز جو مغربی دنیا اور جدید تمدن کو اسلام سے وراثت کے طور پر ملی ہے. اس میں برطانوی دانشوروں نے اساسی علوم کے مختلف شعبوں کو ایک ایک کر کے معین کیا ہے مثلاً طب، ریاضی، جغرافیہ، ادبیات اور دیگر اہم علوم جن کو وہ خاص اہمیت دیتے ہیں (حتی کہ موسیقی بھی) اور وہ (مغربی دنیا) خود کو علماء اسلام کے دستر خوان کے ٹکڑے چننے والے سمجھتے ہیں اور یہ اسی دور سے مربوط ہے جس کی طرف میں اشارہ کرنا چاہتا ہوں اور اب کیوں ایسا ہوا ہے ؟

اصل مقصد یہاں یہ ہے کہ وہ صحیح روش یعنی علماء کو امتیاز و مرتبہ دینا اور وہ بھی حق و صداقت کی راہ میں اور علماء کیلئے احترام کا معتقد ہونا معاشرہ پر حاکم تھا اس زمانے میں لکھے گئے سفرناموں کا مطالعہ فرمائیں کہ جہاں بھی کوئی ادارہ تھا اس کیساتھ ایک مدرسہ ضرور ہوتا تھا اور تعلیم مفت تھی اور طلبہ کیلئے زندگی کی تمام سہولیات مفت فراہم ہوتی تھیں ۔ ہمیں چاہیے کہ اپنے معاشرہ کو اسی مقام تک پہنچائیں اگر اس راہ پر نہ چلیں اگر اسلامی انقلاب اس مسئلہ کو نظر انداز کر دے اگر عالم کا احترام نہ ہو اگر عالم کا مقام ہمارے درمیان گر جائے اور ایک سرمایہ دار

---

(۱) ۔ کتاب میراث اسلام (The Legacy of Islam) موجودہ صدی کے ۱۳۴۰ ہجری کے اوائل میں تیرہ برطانوی مستشرقین کے توسط سے تالیف ہوئی ہے اور اس کا ترجمہ مصطفیٰ عالم نے کیا اور ۱۳۲۵ ہجری میں شائع ہوئی. اس کتاب کے مؤلفین یہ ہیں. ۱ ۔ آلفرد گیوم. ۲۔ سر تھامس آرنالڈ. ۳۔ ارنسٹ بارکر. ۴۔ ھملٹن الیگزینڈر روسکین گیبا. ۵۔ جان تھر برانڈ. ۶۔ ھنری جارج فارر. ۷۔ مارٹن شاویز بجیز. ۸۔ رنالڈ الین نیکلسن. ۹۔ بکر کیسی. ۱۰۔ ڈاکٹر میکس مری ماف. ۱۱۔ جے بی تھرانڈ. ۱۲۔ پروفیسر ڈیوڈ ڈوسانتھیلانا ۱۳۔ بارون کارل ڈیوڈ ۔

ہمارے درمیان ایک عالم سے بہتر ہو تو کچھ لوگ خست و کمینگی کا مظاہرہ کرتے ہیں وہ غلطی پر ہیں کیونکہ یہ حق درحقیقت معاشرہ کا ہے جو ہم اس سے چھین رہے ہیں. اس وقت ہمارے معاشرہ میں ایک سینڈوچ فروش کی آمدن واقعاً ایک دانش ور سے زیادہ ہے جو ایٹم کیلئے کام کر رہا ہے. ایک ٹیکسی والے کی آمدن زیادہ ہے. ایک پھیری والے کی آمدن زیادہ ہے جو سڑک پر ریڑھی لگا کر بیٹھا ہے اور شام تک پہنچتا ہے اس کی آمدن بھی ایک دانشور سے زیادہ ہے۔

ایک اسمگلر اور ذخیرہ اندوز سے مجھے سروکار نہیں کہ وہ کتنا کماتے ہیں میں شریف اور جائز ذریعہ آمدن کی بات کر رہا ہوں جو خون پسینہ ایک کر کے کماتے ہیں لیکن میں یہ نہیں کہہ سکتا ہوں کہ یہ پیسے زیادہ لیتے ہیں آخر یہ مشقت کرتے ہیں بہرحال یہ معیار تعادل صحیح نہیں ہے کہ ایک دانشور علم حاصل کرے زحمت اٹھائے اب بھی وہ اپنی زندگی کو حصول علم میں صرف کرنا چاہتا ہے اور اپنے علم کے ذریعے تجارت نہیں کرتا اس کو اگر ایک قابل قبول روزگار نہ دیا جائے تو یہ معاشرہ کے لئے نقصان دہ بات ہے۔

اس کی ذات کو زیادہ نقصان نہیں ہے وہ اپنا روزگار رہنا لے گا زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ کسی پرائیویٹ سیکٹر میں اس کو جذب کرے گا اگر مادی ذہن کا ہوا تو اپنا گھر پورا کرے گا لیکن معاشرہ کو نقصان ہوگا. میرے خیال میں ایسے لوگوں کے مشاہروں میں بخل سے کام لینا بہت بڑی غلطی ہے البتہ دنیا پرست عالم اچھے نہیں ہیں۔ یہ بھی مجھے معلوم ہے. آئندہ گفتگو میں بیان کروں گا کہ یہ قدر و منزلت ان دانشوروں کیلئے ہے جو دنیا پرست نہیں ہیں لیکن ان کے حقوق کو پورا کرنا یہ دنیا پرستی نہیں ہے. یہ وہ حقوق ہیں جن سے ان کی زندگی اچھی طرح گزر سکے ان کا مستقبل محفوظ ہو اور وہ اپنے بیوی بچوں کو بہتر طریقہ سے پال سکے. معاشرہ کو چاہیے کہ اس حد تک ان کو مہیا کرے. ان کا احترام ہونا چاہیے۔

ناانصافوں کیساتھ سلوک :

اگر ہم چاہتے ہیں کہ معاشرہ میں توازن بر قرار رہے تو ہمیں ان برائیوں سے نجات پانا ہوگی جو معاش کی تقسیم کار میں ہیں اور پیداواری آمدن میں ہیں ان کا محاسبہ کرنا ہوگا جو ایک چھوٹے سے کام میں کروڑوں اربوں کما لیتے ہیں. میرے خیال میں زیادہ مشاہرے دینے سے اتنا معاشرے میں فرق نہیں پڑتا جتنا کہ صرف ایک معاملے میں ایک ملین دو ملین ہڑپ کر جانے والوں کی وجہ سے پڑتا ہے۔

ایک ذخیرہ اندوز، ایک اسمگلر ایک ایجنٹ جو صرف ایک ٹیلی فون کے ذریعہ ایک کارخانے کی مصنوعات پر اجارہ دار بن جاتا ہے اور پھر اگر وہ ایک فیصد بھی لے تو ایک خطیر رقم بن جاتی ہے. وہ یہ لوگ ہیں جو مشکلات ایجاد کرتے ہیں خود فیکٹری یا کارخانہ کے مالک ہیں. اگر تمہارے ہاں ایک دانش ور ہو اس کا فائدہ اس پیسے سے کہیں زیادہ ہے جو تم لیتے ہو۔ آج ایک کلاس کو پڑھا رہا ہے وہ چار پانچ سال میں اپنے جیسے سینکڑوں استاد بنا دیتا ہے۔

یہ دانشور کتنے عظیم کام کرتے ہیں؟ ایک شخص ایک ڈیم کا منصوبہ بنا کر دیتا ہے اور وہ ڈیم بعد میں لاکھوں کسانوں کیلئے سالہا سال روزی مہیا کرتا ہے اور ایک ملک کو خود کفیل بنا دیتا ہے یہ شخص کتنی تنخواہ لیتا ہے؟ لہذا ہمیں اس طرف بھی متوجہ ہونا چاہیے اور دوسری طرف سے انہیں علم و ہنر و صنعت سیکھنے کا شوق دلانا چاہیے کبھی ان سوچوں میں نہیں پڑنا چاہیے کہ یہ علوم مغربی تہذیب و تمدن کے ہیں پہلے تو یہ کہ یہ علوم تہذیب مغرب کے نہیں ہیں ان کا کوئی ماں باپ نہیں ہے بلکہ ان کی اصل انسان ہے اور یہ سب انسانوں کی میراث ہے جو حضرت آدمؑ سے آج تک سینہ بسینہ اور کتاب بہ کتاب آرہا ہے. یہ ساری دنیا کا ہے دوسرے یہ کہ شرق و غرب ہمارا ہے کیونکہ انہوں نے سب علوم دنیائے اسلام سے لئے ہیں۔

پیغمبر اکرمؐ اور جدید علوم:

پیغمبر اسلام جب مدینہ تشریف لے آئے اور جنگیں شروع ہو گئیں تو ایک شخص نے آکر خبر دی کہ یا مولا فلاں ملک کے ہیں (مجھے معلوم نہیں روم کہا یا ایران) ایک اسلحہ ہے جس کے ذریعے میدان جنگ میں دشمن پر آگ اور پتھر پھینکے جاتے ہیں پیغمبر اکرمؐ نے یہ سنا اور اپنے اصحاب سے فرمایا یا اللہ! چند افراد سیکھنے والے ہوں جو جائیں اور اسے بنانے کا طریقہ سیکھ کر آئیں کہ اگر کسی دن لشکر اسلام کا اس ملک سے آمنا سامنا ہو تو ان کا ہاتھ ہمارے سے اوپر نہ ہو یہ اسلام کا درس ہے ہم یہاں ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھے رہیں اور دیکھتے رہیں میزائل کبھی تین سو کلو میٹر اور کبھی دو سو کلو میٹر دور شہروں پر آکر گرتے ہیں(۱) اور ہم سے کوئی چارہ جوئی نہ ہو سکے یہ مسلمانوں کی شکست ہے۔

البتہ مجھے علم ہے کہ ہم اتنی جلدی ان ترقی یافتہ اقوام کے برابر نہیں آسکتے جب ہم دنیا کی ترقی یافتہ صنعتی نمائش گاہوں کی خبر سنتے ہیں تو سمجھتے ہیں کہ ہمیں بہت پسماندہ رکھا گیا ہے لیکن اس کا یہ معنی بھی نہیں کہ ان تک پہنچنا ممکن نہیں ہے دانشوروں میں جذبہ شوق پیدا کرنے کی ضرورت ہے اگر ہم علما کی تشویق کریں اور ان کا احترام کریں تو ہم ان کے برابر آسکتے ہیں دنیا کے کتنے ہی دانشور ہیں جو آج کڑھ رہے ہیں کہ امریکہ نے ان کا فکری استحصال کیا ہے اور ہم ہوا کر نا چار اور کمزور لوگوں پر گرائے ہیں اگر ایک اچھا نظام ہو اور ان کو اکٹھا کیا جائے تو دنیا میں نابغہ افراد کی کمی نہیں ہے۔

ایک دانشور و عالم اچھا اور مخلص ہو تو بہت کم اتفاق ہوتا ہے کہ وہ شخص جس کے ہم کو

---

(۱) خطیب محترم کا اشارہ ان میزائلوں کی طرف ہے جو عراق نے دزفول پر گرائے ہیں

ہیروشیما(۱) پر گرایا گیا اس کی ظاہرا تہترھویں یا تراسویں سالگرہ منائی جارہی ہے اس نے دولاکھ آدمیوں کو قتل کیا میں یہ کسی مقالے میں پڑھ رہا تھا کہ وہ بعد میں نفسیاتی مریض ہوگیا تھا اور پاگل ہوگیا تھا کہتا پھرتا تھا کہ میں سمجھتا ہوں کہ میں نے دولاکھ انسانوں کو کوئلہ بنادیا ہے اور معلوم نہیں اس کے بعد کیا ہوگا۔ لیکن ایک عالم اس سے کہیں زیادہ سمجھدار ہوتا ہے" انمایخشی اللہ من عبادہ العلماء "(۲)

لیکن اسلام کس طرح تھا؟ جب پیغمبر اکرمؐ نے مکہ میں رسالت کا آغاز کیا تو جزیرہ عرب ایک مکتب تھا اس وقت کچھ بھی نہیں تھا اس نے ایران اور روم کی تہذیب وتمدن، ثقافت مصر غرض ہر کسی کو متاثر کیا۔ حالانکہ یہ اس دور کی درجہ اول کی ثقافتیں تھیں. ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمانوں نے ہر وقت صحیح راستے پر چلے اور اپنے مقصد تک پہنچ گئے۔

دانشوروں کیلئے ایک مناسب ماحول پیدا کرنا :

ہمارا مذہب حق ہے، ہمارا راستہ حق ہے ہمارے لوگ حق پرست ہیں ہم ایمان رکھتے ہیں ہماری ایک بنیاد ہے. الحمدللہ ہم آج دنیا میں ماہر دانشور رکھتے ہیں ہمارے ملک میں اعلی پایہ کے ماہرین موجود ہیں صرف ایک ماحول کی ضرورت ہے اور یہ ماحول ہمیں بنانا ہے. ہمیں

---

(۱) ہیروشیما جاپان کا ایک شہر ہے جو جنوبی ساحل کے جزیرہ ہونشو میں واقعہ ہے جس پر ۶ اگست ۱۹۴۵ھ کو امریکہ کے صدر ہیری ٹرومین کے حکم سے پہلی بار ایٹمی بم گرایا گیا اور اس کو ویران کردیا گیا اور اگلے دن ناگاساکی پر دوسرا ایٹمی بم گرایا گیا جاپان آخری ملک تھا جو اتحادیوں کے مقابلے میں ڈٹا ہوا تھا وہ بھی اس کے بعد جھک گیا اور یوں دوسری جنگ عظیم اوقیانوس میں اختتام کو پہنچی اس وقت ہیروشیما کی آبادی چار لاکھ تھی جس میں سے نوے ہزار ہلاک ہوئے اور تقریباً ساٹھ ہزار شدید زخمی ہوئے۔

(۲) سورہ فاطر آیہ ۲۸

راستے کھولنے ہیں ہمیں معاشرے کو ایسے چلانا ہے کہ دوسرے امور کے ساتھ ساتھ ہمارا معاشرہ ایک اعلی معاشرہ بن جائے۔ ہمیں علم ودانش کو مستحکم کرنا چاہیے اور انسان کے حقیقی تکامل کیلئے راہیں کھولنا چاہمیں ان امتیازات کو خلاف عدالت نہیں سمجھنا چاہیے یہ عین عدالت ہے۔ بہر حال ہمارے پاس طبقہ بندی کی روک تھام کیلئے اور بھی ذرائع ہیں جن کا تذکرہ میں پہلے بھی کر چکا ہوں اور آئندہ بھی کرتا رہوں گا آج بھی یہی تاکید کرنا چاہتا ہوں کہ (چونکہ ہر جگہ میں نے بیان نہیں کیا تو سامعین کے ذہن میں ایک سوال رہ جاتا ہے)

میری نظر اور ہر اس شخص کی نظر میں جو اسلامی نقطہ نظر سے عالم ودانشور کی گفتگو کرتا ہے اس کا مقصود ایک عالم متقی ہے یہ علم اگر بے تقوی لوگوں کے ہاتھ لگ جائے اور لاابالی اور دنیا پرست افراد کے ہاتھ میں آجائے اور ان لوگوں کے ہاتھ آجائے جو کج فکر ہیں تو یہ معاشرے کو بدبخت بنا دیتے ہیں یہ ظلم وجنایات جو صدام کر رہے ہیں اور ہماری سرزمین پر پروازیں کرتے ہیں اور یہ میزائل جو فرانسیوں نے پاگل صدام کو دیئے ہیں (۱) اور یہ مظالم جو امریکہ آج چاڈ (chad) پر کر رہا ہے اور جو ایٹمی بم جاپان پر برسائے یہ ایٹمی ہڈز جن کو آج دنیا کی تباہی کے لئے میزائلوں پر نصب کر رکھا ہے یہ سب ایسی چیزیں ہیں جو بے تقوی افراد کے ہاتھوں میں علم آجانے کی وجہ سے پیدا ہوئیں اور اس نے دنیا کو ہولناک بنا رکھا ہے۔

علم ودانش کے سائے میں ظلم وجنایات :

آج عالم استکبار اسلحے کے ذریعے یہ سب مظالم ڈھا رہا ہے امریکہ اسلحے کے ذریعے آج

---

(۱) فرانس نے ۱۳۶۲ء میں عراق ایران جنگ کے اوائل میں پانچ سو متحرک چھلکے اور بیس ہزار زمین سے ہوا میں مار کرنے والے میزائل عراق کو دیئے ۔

یہ جنایات کر رہا ہے ہم اس کے حامی ہیں یا نہیں ؟ بہر حال اگر ہم ایک جہت میں چلے جائیں اور یہ عالم کو ہر حال میں قبول کریں ایسا ہم سے نہیں ہو سکتا اگر ایک بہت بڑا دانشور آئے اور ہماری دانش گاہ میں بلند ترین ایجادات کی تعلیم دے لیکن یہاں ہمارے نوجوانوں سے کہے کہ خدا نہیں ہے اور کیموزنزم کی تبلیغ کرے تو ہمارے نزدیک اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے کیونکہ اگر ہم ان سے بڑھ کر دانش ور بنتے ہیں تو ہم ان جیسے ہی رہیں گے ان سے بہتر نہیں بنیں گے ۔

اسلامی معاشرے کے حدود :

ہمارا ہدف وہ نہیں اور ہمیں وہ پسند بھی نہیں، جو شخص یہاں آکر یہ توقع رکھے کہ ہم اس کیلئے بیچ بنا کر دیں اور مکس سوئمنگ پول بنا کر دیں ایسا نہیں ہو سکتا جو اپنی ناموس کو سڑکوں پر برہنہ پیش کرنا چاہے وہ نائٹ کلبوں میں رہے یہ لوگ ہمارے کام کے نہیں ہیں کیونکہ یہ ہماری بنیاد کو کھوکھلا کرنے والے ہیں جو دانشور فساد نہ کرے تقوی سے آراستہ ہو اگر چہ ہمارے ساتھ نظریاتی اختلاف رکھتا ہے تب بھی وہ ہمارے لئے قابل قبول ہے ۔

علم ودانش تقوی کیساتھ :

اس لئے ہم ہمیشہ علم ودانش کے ساتھ ساتھ تقوی کی نصیحت کرتے ہیں (ہر علم کے ساتھ) انشاء اللہ امتیازات کے دوسرے حصے میں ان کو پیش کروں گا اور اس مسئلہ کو واضح کروں گا۔

تینتالیسواں خطبہ

عدالت اجتماعی کی بحث کا تسلسل۔

تقویٰ اسلام کی نظر میں۔

حکومت اسلامی میں ذمہ داری و منصب سونپنا۔

نظام مہارت اور فرض شناسی۔

اداروں کے ملازمین کو وارننگ

حکومتی اداروں میں اصلاح کی ضرورت،

بسم اللہ الرحمن الرحیم الحمد للہ رب العالمین و الصلوۃ و السلام علی رسول اللہ و آلہ الائمہ المعصومین قال العظیم فی کتابہ اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم ان اکرمکم عند اللہ اتقٰکم۔

عدالت اجتماعی کی بحث کا تسلسل۔

عدالت اجتماعی کی گفتگو میں کہا ہے کہ معاشرے میں عدالت اجتماعی کا منبع انفرادی اور شخصی عدالت ہے آج پھر تاکید کرتا ہوں کہ انفرادی و شخصی عدالت کے بغیر اجتماعی عدالت کا قیام ناممکن ہے اور یہ ایک دوسرے کی تکمیل ہیں انفرادی عدالت میں اسلام کے اقدار کے نظام کی گفتگو' میں میں نے کہا تھا کہ بعض چیزیں ایسی ہیں جو انسان کی اقدار شمار ہوتی ہیں اسلام نے ان اقدار کو نظر انداز نہیں کیا ان پر بہت زیادہ اعتماد کیا ہے۔

علم اخلاق میں ان اقدار کی بنیاد حکمت، عفت اور شجاعت کو قرار دیا گیا ہے پھر حکمت کے بارے میں چند ایک خطبوں میں گفتگو کی تھی کہ حکمت قوہ فکریہ میں توازن کا نام ہے کہ علم و ایمان، یقین واعتقاد و توحید جیسی سب چیزیں جو فکر و ادراکات انسان سے تعلق رکھتی ہیں اس میں سما جاتی ہیں۔

---

(۱) حجرات : ۱۳

ہم نے کہا ہے کہ عدالت کے وہ بنیادی ستونوں سے ایک یہ ہے کہ اسلام نے انسانیت کے گراں مایہ اور اکات کو نہایت قدر کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ یہ گفتگو ختم ہو گئی ہے۔

اسلام کے نظام اقدار میں انفرادی عدالت کا مقام۔

نئی گفتگو جس کا آج آغاز ہو گا وہ اقدار کا ایک دوسرا حصہ ہے کہ اس کو اگر معاشرتی عدالت میں نظر انداز کر دیا جائے تو عدالت مکمل نہیں ہوتی اور اسلام کے محکم قوانین کے باوجود عدالت کو معاشرے میں قائم کرنا ممکن ہو جاتا۔ قوہ فکریہ سے ہم عملی شعبہ کی طرف آتے ہیں میدان عمل میں دو قوہ کو اصلی غرائز شمار کیا جاتا ہے۔

ایک غریزہ شہوت ہے اور دوسرا غریزہ غضب ہے عملی میدان میں جو چیزیں بھی ہیں یا دہ غریزہ شہوت سے مربوط ہیں یا غریزہ غضب سے، یا دونوں سے مربوط ہیں اور کبھی غریزہ شہوت و غضب اور فکر ان تینوں کے ساتھ مربوط ہوتی ہیں اور یہ انسان کے صفات حسنہ یا صفات رذیلہ کے عنوان سے بیان کیئے گئے ہیں، علم اخلاق نے ان کی نہایت وسیع و عریض وضاحت کی ہے میں بھی نہیں چاہتا کہ ان صفات کے بارے میں علیحدہ علیحدہ گفتگو کروں کیونکہ ہو سکتا ہے کہ یہ صفات چالیس پچاس تک ہوں اور اگر ہر ایک کے بارے میں الگ گفتگو ہو تو اس کیلئے دو خطبے علیحدہ درکار ہیں تاکہ ان کی وضاحت کروں اور اتنی فرصت نہیں ہے۔ لہذا بعض ضوابط و کلیات بیان کرتا ہوں جو ان سب کے جامع ہیں جو چیزیں میں نے اپنے ذہن میں ترتیب دی ہوئی ہیں انہیں اپنی ملت کے لئے بیان کرنا چاہتا ہوں اور خیال کرتا ہوں کہ یہ معاشرے کی تعمیر و ترقی میں مؤثر ہوں گیں۔

اخلاقی نظام کے مراحل۔

میدان عمل میں دو مرحلے ہیں کہ اگر انہیں ایک دوسرے سے الگ کریں تو وہ دو

علیحدہ بن سکتے ہیں ایک واجبات پر عمل اور حرام چیزوں کا ترک کرنا یعنی گناہ اور حرام کا ارتکاب نہ کرنا اور مذہب کی طرف سے مقرر کردہ وظائف کو انجام دینا۔ یہ ایک مرحلہ ہے۔ ایک مرحلہ اس سے بڑھ کر ہے کہ انسان اپنے واجب اعمال سے بڑھ کر معاشرہ کیلئے کچھ پیش کرتا ہے۔

یہ مرحلہ ایثار، جہاد اور فداکاری میں داخل ہو جاتا ہے یہ دو ایک دوسرے سے جدا ہیں ایک فصل مذہبی وظائف پر عمل کرنے کے عنوان سے (خواہ منفی ہو یا مثبت) اور دوسری فصل قطعی معاشرتی وظائف سے آگے نکلنا ہے اور معاشرتی کاموں میں معاشرے کیلئے کچھ خرچ کرنا ہے شروع اپنے آپ (جو کہ اولیت رکھتا ہے) سے ہے کہ اپنے آپ کو تقویٰ اور پرہیزگاری یا اس جیسی دیگر چیزوں سے مزین کرنے کے عنوان کے تحت پیش کروں گا اور دوسرے کو جہاد اور ایثار کے تحت، کہ ہر دو عام اور کلی عنوان ہیں اور ان کے موارد فراوان ہیں۔

انسانوں کیلئے ایک عظیم قدر تقویٰ ہے جس کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا یعنی ہم اپنے معاشرے میں جب عدالت اجتماعی کو پیش کرتے ہیں تو یہ بات کسی صورت میں قبول نہیں کر سکتے کہ ایک متقی انسان ایک فاسق و فاجر کے برابر ہو، اور یہ بھی برداشت نہیں کر سکتے کہ یہ کیفیت اسلامی ثقافت اور قرآنی علوم اور اخلاق اسلامی اور حقوق میں ایک قدر کے عنوان سے پیش کی جائے جو حق زحمت ایک متقی، نیک اور فرائض کو پوری طرح انجام دینے والے کیلئے ہے وہی اجر معاشرے کے امور کی خاطر اور معاشرے کے مفادات کے تحفظ کیلئے کام کرنے والے کے لئے مد نظر رکھنا چاہیئے وہ حق زحمت کہ برابر مشقت ہو ایک فاسق و فاجر، نافرمان اور قانون سے آزاد شخص اپنے انسانی وظائف اور اسلامی فرائض پر عمل نہ کرنے والے کیلئے مد نظر ہے تو یہ افراد پر بھی ظلم ہے اور معاشرے پر بھی۔

اسلام میں سربلند طبقہ

اسلام میں سربلندی اور امتیاز کا دوسرا عنوان جس کے تحت ہم ایک بلند مقام طبقہ رکھتے ہیں یعنی ایک ممتاز گروہ ہے، جو زیادہ حق زحمت کا مستحق ہے وہ گروہ متقین، محسنین اور نیک لوگوں کا ہے ان کیلئے مختلف انواع واقسام کے اوصاف ذکر ہوئے ہیں مثلا علم اخلاق میں جب برے اوصاف کو گنتے ہیں تو ان میں امانت میں خیانت کرنا، جھوٹ بولنا، غیبت کرنا، تہمت لگانا، ناحق کینہ رکھنا، ظلم کرنا، دنیا پرستی اور شہوت پرستی جیسی کافی برائیاں گنی جاتی ہیں ان کے مقابل زہد، پرہیزگاری، امانت داری، فرائض کا پابند ہونا، عہد کی وفا کرنا جیسی بہت سی خوبیاں ہیں جو ان برئیوں کے عین مقابل آتی ہیں میں کسی اور موقع پر ان کی فہرست بیان کروں گا بہر حال اپنی اس گفتگو میں ان کی فہرست بیان کرنے سے قاصر ہوں۔

ہم ان سب کو ایک حالت میں ایک انسان کے اندر پا سکتے ہیں یہ ایسی حالت ہے جو خاص انسان رکھتے ہیں بہر حال سب ایسے ہو سکتے ہیں یعنی یہ راہ ایک شخص، ایک گروہ، ایک خاندان یا ایک صنف کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ سب انسان ایسے ہو سکتے ہیں کہ ان کے اندر ایک ایسی کیفیت پیدا ہو جائے جو ان کو نیک کاموں کی ترغیب دے اور برے کاموں سے اجتناب پر وادار کرے

ہم اس کو ایک امتیاز و سربلندی شمار کرتے ہیں اس امتیاز کو ہم ایک عادلانہ امتیاز گردانتے ہیں اور ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ یہ امتیاز ہو وہ آیات جو اس موضوع پر استدلال کیلئے لانا چاہتا ہوں اگر ان سب کو ذکر کروں تو تین سو ۳۰۰ سے بھی زیادہ آیات ہیں جو قرآن کریم میں لفظ تقویٰ کے ساتھ آئی ہیں اور جن آیات میں لفظ احسان آیا ہے یا اور الفاظ جو صفات حسنہ کو بیان کرنے کیلئے آئے ہیں سب اس امتیاز پر منطبق ہوتے ہیں۔

اس کے بالمقابل نقطہ وہ آیات ہیں جو فسق و فجور گناہ اور نافرمانی، بد عہدی اور خیانت جیسی برائیوں کی مذمت کرتی ہیں پھر انہیں پر استدلال کیا جاسکتا ہے قرآن کا مرکزی خیال انہیں پر مشتمل ہے یعنی اگر کوئی شخص قرآن کا اس نظر سے مطالعہ کرے تو اول سے آخر تک وہ یہی دیکھے گا کہ قرآن کا مرکزی خیال (قرآن کی حکمت عملی کی اساس) انہیں سے تشکیل پاتی ہے یعنی قرآن چاہتا ہے کہ ایک انسان کو ایسے وجود میں لائے جو اپنے وجود میں ملکہ تقویٰ و عصمت رکھتا ہو جس کے ذریعے وہ معاشرے میں اس راہ پر حرکت کرے۔

تقویٰ اسلام کی روشنی میں

کلمہ تقویٰ سے متعلق گفتگو کی طرف زیادہ نہیں جانا چاہتا کیونکہ ایک دو سال قبل اس بارے میں گفتگو کر چکا ہوں اصلاً کلمہ تقویٰ کا معنی بھی یہی ہے افسوس کہ ہمارے استعمالات میں "تقویٰ" اپنے اصلی معنی ہٹا چکا ہے چکا ہے تقوی زیادہ تر اپنے ہی تحفظ سے مربوط ہے یہاں تک کہ وہ شئے جو مادہ تقویٰ یعنی وقایت سے ہے وہ اپنے تحفظ سے متعلق ہے یعنی انسان کے وجود میں کیفیت تحفظ ہو کہ وہ اپنے فرائض کو انجام دے سکے۔ یہ مثبت و منفی کی طرف اصلاً متوجہ نہیں ہے تقوی نہ رکھنا ہے نہ انجام دینا ہے تقوی نہ منفی نہ مثبت۔

تقوی دراصل تحفظ ہے یہ تحفظ کبھی مثبت جہت سے حاصل ہوتا ہے کہ انسان اپنے فرائض کو انجام دے اور کبھی منفی جہت سے کہ انسان منہیات سے اجتناب کرے اور کبھی یہ ہجوم یعنی انسان اپنے فرائض کو تہاجمی انداز میں انجام دے اور کبھی گریز میں ہے کہ انسان کیفیت اجتناب اپنے اندر پیدا کرے بطور کلی ایک تحفظ و عصمت کی کیفیت پیدا ہو جائے جو انسان کو کار خیر پر برانگیختہ کرے یہ ایک نہایت قیمتی کیفیت ہے اس کے بالمقابل نقطہ کیلئے ہم ایک ہی کھاتہ نہیں کھول سکتے ہیں اس ضمن میں بہت سی قرآنی آیات ہیں ان میں سے چند ایک

آیات آج تلاوت کروں گا اور باقی آئیدہ خطبوں تلاوت کرتا رہوں گا۔

یہی آیت جو ابھی پڑھ رہا تھا ان اکرمکم عند اللہ اتقٰکم اسے دیکھیں آیت کا پہلا حصہ یوں ہے یاایھاا لناس انا خلقناکم من ذکر و انثیٰ و جعلناکم شعوبا وقبائل لتعارفوا(۱)

ان آیات میں بالکل یہی گفتگو ہے جو ہم کر رہے ہیں یعنی قرآن کریم نے ساری گفتگو کو دو یا تین جملوں میں بند کر دیا ہے۔

قرب خدا زیادہ سے زیادہ تقویٰ میں

اس آیت میں سب انسانوں سے خطاب ہے کہ اے لوگوں تم سب ایک جہت سے ایک ہی جیسے ہو تمہارا ماں باپ ایک ہے ایک مرد عورت سے پیدا ہوئے ہیں ہو کہ طبقہ بندی اور قومیں، رنگ و نسل، زبان و صورت ایسی چیزیں ہیں جن کا مصلحت خلقت تقاضا کرتی ہے بلکہ نظام کائنات کیلئے انسان میں ایسے اختلافات کا ہونا ضروری ہے لیکن اچھے کون ہیں ؟اصل اولی مساوات ہے یہاں ان اچھے لوگوں کا تعارف کرولیا گیا ہے کہ جن کا تقوی زیادہ ہے اور وہ سب سے اچھے ہیں انہیں مخاطب کر کے کہا گیا ہے۔

ان اکرمکم عند اللہ اتقٰکم..(۲)

یعنی جو لوگ سب سے زیادہ تقوی رکھتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے سب سے زیادہ قریب ہیں جن میں تقوی تھوڑا سا کم ہے وہ اللہ سے تھوڑا سا کم نزدیک ہیں پھر ان سے جو کم تقوی

(۱)الحجرات ۱۳۔

(۲)الحجرات ۱۳۔

رکھتے ہیں وہ اور کم نزدیک ہیں یعنی تقرب الٰہی کا معیار تقویٰ ہے یعنی جس درجہ کا کوئی تقویٰ رکھتا ہے اسی مقدار میں وہ اللہ سے نزدیک ہے تقویٰ کو یہاں بیان کیا ہے کہ ایک کیفیت تحفظ جو تمہارے اپنے وجود میں ہے ہر شخص اپنے اندر جھانکے یا جب دوسرے لوگ اس کو تاک رہے ہوں تو وہ جان لیتا ہے وہ کس قدر متقی ہے اپنے رفتار و گفتار میں اور خیالات میں اور اپنے وظائف پر عمل کرنے میں وہ سچا ہے ہم وظائف و فرائض انجام دینے اور محرمات سے رکنے کو تقویٰ کہتے ہیں۔

خوب! قرآن کریم سے ایک اور آیت ذکر کرتا ہوں جو نہائت تلخ لہجے میں لوگوں سے مخاطب ہے کہ

ام نجعل الذين آمنوا و عملوا الصالحات كالمفسدين فی الارض ام نجعل المتقين كالفجار

ملاحظہ فرمائیں کہ آیت کس قدر واضح اور صریح ہے فرماتی ہے۔ تم توقع رکھتے ہو کہ ہم مؤمن اور نیک عمل کرنے والوں کو مفسد فی الارض کے مثل قرار دیں گے یعنی خدا دونوں کو ایک نظر سے دیکھے ؟ ذیل آیت میں مزید فرمایا ہم متقی اور کیفیت تحفظ کے حامل افراد کو فاسق و فاجر، مادر پدر آزاد افراد کے مثل قرار دیں گے۔ ایسا ہو سکتا ہے ؟ تلخی کے ساتھ اور استفہام انکاری کے ساتھ صالح و متقی انسانوں کے فاسق و فاجر افراد کے مثل قرار دینے کی فکر کی مذمت کرتی ہے قرآن کریم میں اس مضمون کی فراوان آیات ہیں جن کو اپنی آئندہ گفتگو میں بیان کروں گا اور اس ضمن میں بہت سی چیزیں بیان کروں گا۔

تقوی نہج البلاغہ کی نظر میں

انسان نہج البلاغہ کی طرف نگاہ کرے تو دیکھے گا حضرت امیرؑ کے کلام کا فکری نقطہ

تقوی ہے۔وہ خطبات جن میں تقوی پر انحصار ہے اور خصوصاً خطبہ ہمام میری گفتگو کی بنیاد ہے یہاں تقوی کی گفتگو کو مکمل کرنے کے بعد اور تقوی کے کلیات سے گزرنے کے بعد آئندہ خطبوں میں ہر دفعہ اس خطبہ ہمام کا ایک حصہ بیان کروں گا (تاکہ تقوی کی بحث ہر خطبہ میں رہے) اور اس خطبہ ہمام کی وضاحت کروں گا۔

ائمہ و انبیاء علیہم السلام کے کلمات کا محور تقوی ہے نماز جمعہ میں آپ دیکھتے ہیں کہ نماز جمعہ کے تمام خطبے اور ہر جمعہ کے اپنے خطبے میں امام جمعہ پر فرض ہے کہ تقوی سے متعلق گفتگو کرے (۱) یہ سب ایک ایسی دلیل ہے کہ انسان کے وجود میں یہ ذخیرہ تقوی اور جذبہ گران بہا ہے۔وظائف و فرائض کا تحفظ کس قدر قیمتی ہے۔

متقین کے امتیازات کے چند نمونے

اب میں اسلام میں متقین کے امتیازات پیش کرتا ہوں تاکہ بعد والی توضیحات تک ہم آسانی کے ساتھ پہنچ سکیں مثلاً دو آدمی مجتہد ہوں اور علم میں مساوی ہوں جو بھی ان میں زیادہ متقی ہے اس کی تقلید کرنا چاہئے جو عنصر تقوی سے عاری ہے اگرچہ علامۃ الدہر ہی ہے ہم اس کی تقلید نہیں کرسکتے ہیں اس مقام بالا سے آغاز کرتا ہوں یعنی آپ مرجع تقلید، ولی فقیہ حاکم مطلق العنان، نائب امام' اسلام میں ایسا نہیں پائیں گے جو عنصر تقوی سے عاری ہو۔

---

(۱) ائمہ نماز جمعہ کے فرائض سے ایک اہم فرض نماز جمعہ کا خطبہ دینے کے وقت یہ ہے کہ لوگوں کو تقوی الٰہی کی طرف دعوت دیں اسی وجہ سے ائمہ جمعہ معمولاً نماز جمعہ کے خطبوں کی ابتداء میں "اوصیکم و نفسی بتقوی اللہ" کہ نماز پڑھنے والوں کو تقوی اور پرہیزگاری کی طرف دعوت دیتا ہے یہ مسئلہ نماز جمعہ کے اصول میں سے ایک اہم اصل ہے۔

اسلام میں گواہی دینے کے شرائط

آپ دیکھیں گے کہ معاشرے کے ایک بلند ترین اظہار (جو کہ معاشرتی حقوق کا حصہ ہے) کو ایک غیر متقی شخص سے لے لیا گیا ہے اس سے ایک زینہ نیچے آئیں ہمارے اپنے مسائل زندگی میں گواہی کے باب میں اگر دس بے تقوی افراد ایک چیز کے بارے میں شہادت دیں تو حاکم اسلام اس کو قبول نہیں کرتا ہے۔ دس افراد تو کچھ بھی نہیں ہزار بے تقوی گواہ بھی ہوں تو ان کو شرعی گواہ کے طور پر قبول نہیں کیا جا سکتا (مگر یہ کہ عام البلوئی یا دیگر قرائن سے حاکم شرع کو یقین ہو جائے) لیکن بعض مقامات پر ایک گواہ اور بعض مقامات پر کسی اور طرح سے دو گواہ اگر متقی ہوں اور فسق و فجور سے آلودہ نہ ہوں تو ان کی شہادت قبول کی جاتی ہے۔

ملاحظہ فرمائیں کہ معاشرتی مسائل میں کس طرح تقوی اور حفاظت نفس اثر انداز ہوتی ہے پیش نمازی دنیائے اسلام میں ایک پیشہ نہیں ہے اصلاً مسلمانوں کی روش یہی تھی کہ اگر اکٹھے ہو کے اور نماز پڑھنا چاہتے تو نماز با جماعت پڑھتے لیکن یہاں بھی تقوی شرط ہے یعنی اگر کوئی شخص پیش نماز بننا چاہتا ہے اس میں ضروری حد تک تقوی نہیں ہے تو وہ پیش نماز نہیں بن سکتا۔ اگر کوئی شخص جاننے کے باوجود یا اسکے حسن ظاہر کے احراز نہ ہونے کے باوصف اس کے پیچھے نماز پڑھے تو اس کی نماز باطل ہے۔

آپ ملاحظہ فرمائیں کہ ولایت عظیم ترین مرتبہ ہے اسی طرح ہے اور عدالت میں وہ ایسے شخص کے قول کی بنا پر فیصلہ نہیں کر سکتا جو بے تقوی ہو اصلاً غیر صالح اور فاسق و فاجر شخص کی شہادت و گواہی کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے اس لئے کہ ایک فاسق و فاجر شخص ہو سکتا ہے ایک رومال کی خاطر قیصریہ کو آگ میں جھونک دے انسان کو اس پر اعتماد نہیں ہے قاضی فیصلہ کرنا چاہتا ہے وہ لوگوں کی عزت و ناموس اور ان کے حقوق کی بات کرنا چاہتا ہے وہ ایک

رائے دینا چاہتا ہے اس پر عمل کرنا چاہتا ہے اگر وہ صرف ایک شخص کی گواہی پر اعتماد کرے تو اس کی بات بھی قابل قبول نہیں ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ شخص کسی دوسرے کے جھوٹ کی وجہ سے جو اس نے بولا ہے، جھوٹ بولے لہذا اس سے تقوی کی ضد صادر ہو جانے کی وجہ سے فاسق و فاجر ہے۔ جو اہم مسئلہ اب پیش کرنا چاہتا ہوں یہ چوتھی مثال ہے اور ایک اساسی گفتگو میں داخل ہونے کا سر آغاز ہے جو آج ہمارے معاشرے میں ہے بہر حال ضروری حد تک اس کی وضاحت کرونگا وہ مسئلہ ولایت اور معاشرتی ذمہ داریوں کا عہدہ سنبھالنا ہے۔

معاشرے میں مناصب کے حاصل کرنے کے شرائط

ہم جانتے ہیں کہ فقہی کتب میں علماء کے فتاوئ میں ایک معمولی ولایت مثلا ایک خاندان کے امور کی سرپرستی ایک یتیم بچے کے امور کی سرپرستی اور دیگر ان امور کی سرپرستی جن میں سرپرستی کی ضرورت ہے ان سب میں حاکم شرع کی طرف سے جن افراد کو معین کیا جاتا ہے ان میں شرط ہے کہ وہ پہلے مرحلے میں عادل ہوں اگر فاسق و فاجر ہوں تو ایسے امور میں ولایت وسرپرستی کا حق نہیں رکھتے ہیں لیکن مجبوری کے وقت

ان ابحاث میں اصلا مجبوری کی گنجائش نہیں ہے یعنی اگر کوئی شخص سرپرست نہ ہو عادل مؤمنین بھی نہ ہوں تو فساق المؤمنین کی نوبت آتی ہے کہ آخر یہ ایک دنیاوی کام ہے ان کو بے سرپرست نہیں چھوڑا جا سکتا مجبوراً ان کو ولایت دی جاتی ہے یہ ایک استثنائی صورت ہے۔ لیکن معمولی حالات میں دوسروں کے امور کا متولی بننے اور دوسروں کے اموال و ناموس اور ان کی مصلحت کو مد نظر رکھنے اور ان میں تصرف کیلئے کسی کو مقرر کرنے میں عدالت کی ضرورت ہے بعض امور میں کم از کم یہ ہے کہ متولی کا فسق معلوم نہ ہو۔

ہماری قدیم فقہی کتب میں علماء سادگی کے ساتھ اس مسئلے سے گزر گئے ہیں ایسا نہیں

ہے کہ فقہ میں یہ مسئلہ ناقص ہے انہوں نے بھی فتوے دیئے ہیں اپنی رائے دی ہے اب بھی ہماری تمام کتب میں موجود ہے لیکن آج جو چیز ہمارے لئے اہم یہ ہے کہ ہمارے معاشرتی مسائل میں سرکاری عہدوں، معاشرتی ذمہ داریوں کو حکومت اسلامی کسی کے سپرد کرے تو کیا اس میں کم از کم فاسق نہ ہونے کی شرط کی ضرورت ہے ؟یا اس کی عدالت کا احراز ضروری ہے یا نہ ؟ یہ مسئلہ نہایت اہم ہے اب میں اس کے بارے میں گفتگو کو شروع کر رہا ہوں اس کے بعد وضاحت کروں گا۔

ملاحظہ فرمائیں۔ کوئی یہ دعوی نہیں کر سکتا کہ ایک یتیم بچے کے امور کا سرپرست بننا مثلاً اس کے باپ کی طرف سے میراث کی نگرانی، پورے ملک کے اموال کا ولی و سرپرست بننے سے زیادہ اہم ہے یا معاشرے میں لوگوں کے امور کے ذمہ دار بننے، لوگوں کا مرجع بننے سے زیادہ اہم ہے۔

اسلام میں ولایت و سرپرستی کے احکام

وہ مصروفیات جو آج ہمارے اداروں میں ہیں وہ مشاغل جن کی ذمہ داری کیلئے حکومت کو افراد مقرر کرنا چاہئیں تمام مسائل، وہ مسائل جن کا عوام سے سروکار ہے عوام کی روزمرہ زندگی سے تعلق ہے (لوگوں کے حالات، لوگوں کی دقت، لوگوں کے علم و آگاہی، لوگوں کی تربیت اور اس سے مشابہ مسائل) سے تعلق ہے یہ سب مسائل ولایت و سرپرستی ہیں یعنی ایک شخص جو کرسی پر بیٹھا ہے وہ حق رکھتا ہے کہ سائلین کیلئے عمل درآمد کرانے میں پر عزم اور مصمم ہو۔ میں جو یہاں ہوں یہ حق نہیں رکھتا ہوں۔

ایک گونہ ولایت ان کو دی گئی ہے میں وہاں نہیں ہوں میرے لئے وہ ولایت نہیں ہے عوام سے مربوط کام کروڑوں قسم کے ہیں یہ عہدے لوگوں کی زندگی سے مربوط کام لوگوں کے

وقت، حیات وزیست لوگوں کی آخرت ان کی دنیا سے مربوط ہیں یہ سب ایک قسم کی ولایت ہے جو ان میں بر قرار کی گئی ہے اگر اس اساسی ہند کا لحاظ کریں تو عنصر تقوی ان کارکنوں کی اساسی شرائط میں سے ہے۔

اب تک اس قسم کا فتوی کسی نے نہیں دیا بندہ فتوی دینے کا اہل نہیں ہے کہ فتوی دے صرف یہ کہہ سکتا ہوں کہ حقیقت یہی ہے میں صرف ایک علمی مطلب کو واضح کر رہا ہوں میں چاہتا ہوں کہ اگر ہم چاہتے ہیں کہ ایک دن ہمیں صحیح اسلامی معاشرہ نصیب ہو اگر ہم چاہتے ہیں کہ ایک اسلامی حکومت ہو تو کس طرح کے افراد کو مناصب و عہدے عطا کیئے جائیں اور انہیں اپنے امور کا متولی بنایا جائے۔

حکومت اسلامی میں مہارت اور فرض شناسی

یہ گفتگو دو تین سال سے میری نظر میں تھی، اور لوگوں کی زبان پر آئی، تعہد و تخصص" ہم چونکہ ایک ایسے معاشرے کے وارث ہیں جن کا نظریہ یہ ہے کہ اصل (اگر وہ اپنی بات میں سچے ہیں) تخصص و مہارت ہے، ان کا تعہد و فرائض کی پابندی پر تکیہ اعتبار نہیں ہے، یہ بحث ہمارے لئے ایک نئی بحث ہے بہر حال حقیقت یہ ہے کہ اگر ہمارے پاس فرائض کے پابند ماہر و متخصص ہوں اور پھر ہم غیر ذمہ دار ماہرین کے پیچھے جائیں، یہ بات ولایت اسلامی کو بٹہ لگاتی ہے لیکن واقعاً ہمارے پاس متعہد و متخصص افراد نہیں ہیں تو یہ الگ مسئلہ ہے۔

خوب!

ہمیں ایسا نظام وارثت میں ملا ہے جو پہلوی اور اس کے شیطان صفت حاشیہ نشینوں نے بنایا تھا اور شاید بے دینی منصب و عہدہ کیلئے ان کے نزدیک ایک شرط تھی تاکہ ان کے مفادات کے ساتھ ہم آہنگ رہے۔ خوب! اب اگر ہم کہیں کہ ہمارے تمام افراد دین دار اور پابند فرائض

ہوں، نیک وصالح ہوں، یہ ناممکن ہے لیکن یہ ایسی چیز بھی نہیں ہے جس سے چشم پوشی کی جاسکتی ہو ایک دن اگر ہو سکا کہ اسلامی معاشرے میں سرپرستی اسلامی ہو اور نیک وصالح افراد کو متعین کرنا ممکن ہوا، اسی بیان کے ذریعہ جو عرض کر رہا ہوں، ہم عوام کے معاملات کو فاسق و فاجر افراد کے سپرد نہیں کریں گے اور فاسق وفاجر باقی نہیں رہیں گے۔

اداروں کے ملازمین کو وارننگ

اس وارننگ کو ہمارے ادارے اور حکومت کے ملازمین سنجیدگی سے لیں اپنے آپ کو جمہوری اسلامی کے ساتھ ہم آہنگ کرلیں۔ آپ دیکھیں، آپ ایک کرسی پر بیٹھے ہیں اور ایک سائل آتا ہے آپ کو تنخواہ دی جارہی ہے کہ آپ ۳۰/۷ صبح سے ۲ بجے تک دفتر میں رہیں جو لوگ یہ تنخواہ برداشت کر رہے ہیں وہ اس کرسی کے اصلی مالک ہیں (اور ہمیں انہوں نے منتخب کیا ہے کہ ہم ان کے کاموں کو انجام دیں اور ولی فقیہ نے ہمیں اجازت دی ہے کہ اس کے حق ولایت سے ہم استفادہ کریں اور یہ کام انجام دیں) وہ لوگ آپ کی میز کے سامنے کھڑے ہیں آپ ان کو کس طرح نظر انداز کرسکتے ہیں اگر آپ اپنی میز پر آئے ہوئے کسی سائل کو بلاوجہ نظر انداز کریں گے تو اس کے وقت کے ذمہ دار ہوں گے اور یہ فسق اور گناہ ہے۔

اگر اس کی فائل کو ایسے تیار کریں کہ وہ بے بس ہو کر رہ جائے جتنا وقت لگے اور اس کو نقصان ہو اسی قدر آپ کے گناہ میں اضافہ ہوتا چلا جائے گا اور آپ اس طرح اپنے عہدے سے خیانت کر رہے ہیں جب فقہا لکھتے ہیں کہ ایک یتیم بچے کے سرپرست کو عادل ہونا چاہئے تو ان سب لوگوں کے امور کا متولی اور سائلین (کہ حق ان کا ہے، کام ان کا ہے، حکومت نے جو حدود متعین کی ہیں ان کو پورا کرنے) کے امور کا متولی اگر غیر صالح ہو تو سوچیں کیا صورت حال ہو گی؟

ملک کے اداری نظام میں تبدیلی کی ضرورت

انقلاب کے بعد ہم ایک نوسازی وہ ابھی ادھوری، کے علاوہ کسی بھی اداری شعبہ تک نہیں سکے ہیں ہماری بنا اس پر بھی نہیں ہے کہ ہم تطہیر کریں اور لوگوں کو نکال باہر پھینکیں اور اب بھی ہمارا نظریہ' یہ نہیں ہے میری اس بات سے سوئے استفادہ نہیں ہونا چاہئے اور کہیں کہ یہ بات اداروں میں کچھ کرنے کا پیش خیمہ ہے ہم اس بات کو ترجیح دیتے ہیں کہ جو افراد اداروں میں کام کررہے ہیں انکی آہستہ آہستہ اصلاح ہوجائے اور اپنے وظائف پر عمل کرنے لگ جائیں لیکن انہیں یہ ہر حال میں کرنا ہوگا۔

آپ جو ایک کرسی پر براجمان ہیں ایک شخص باہر کے ملک جانا چاہتا ہے اور آپ سے رجوع کرتا ہے کہ آپ اس کی ٹکٹ اوکے (۱)

(OK) کردیں آپ اس کی جان نکال دیتے ہیں سوبار اس کو گھر اور آپ کی میز کے چکر لگانا پڑتے ہیں ایک دفعہ آپ کہتے ہیں فوٹو کاپی نہیں ہے ایک دفعہ کہتے ہیں کارڈ نہیں ہے مسلسل جھوٹ بولے جارہے ہیں اور اسے نظر انداز کیئے جارہے ہیں اور ساتھ بیٹھی ایک خاتون سے خوش گپی میں مصروف ہیں اور سائل کے ساتھ آپ کا یہ رویہ ہے یا کسی کی فائل تیار کررہے ہیں۔

آپ خیال کرتے ہیں کہ یہ ایک معمولی بات ہے یہ سب کچھ طاغوت کے دور میں قابل قبول تھا لیکن جمہوری اسلامی کے دور میں یہ ایک جرم ہے اولاً تو یہ چیز پیشہ کی صلاحیت کو آپ سے چھین لے گی یا اسی اصل کے تحت جو عرض کررہاہوں یہ عوام سے خیانت ہے۔

---

(۱) یہ اصطلاح ہے جو ایئر ایجنسیاں ٹکٹ کے قطعی ہونے پر (لفظ اوکے OK) استعمال کرتی ہیں۔

اداروں کے ملازمین کے فرائض

ایک ادارے کے ملازم کو سائلین کے کام انجام دینے کے علاوہ کوئی کام نہیں اس کی کوئی وجہ نہیں ہے کہ ایک سائل آئے اور آپ کے دفتر کے سامنے کھڑا رہے پھر اس کو داخل ہونے کی اجازت دی جائے اور پھر آپ اس کی فائل دیکھیں۔

ہاں اگر کام زیادہ ہو قطار لمبی ہو نوبت کا انتظار ہو تو ایسا ہو سکتا ہے لیکن اگر نظریہ ہو کہ ملک کے منصب دار اس طرح کا رویہ رکھیں یہ نہیں ہو سکتا۔ کوئی آتا ہے کہ گھر بنانے کا اجازت نامہ لے اور گھر بنائے پوری دنیا کے سفر کے برابر آپ اسے تنگ کریں کئی مہینے جوتے گھسیٹے، کوئی اپنے مالیات ادا کرنا چاہتا ہے۔

یہی مصیبت اس کے سر پر لے آتے ہیں کوئی بینک کے واجبات ادا کرنا چاہتا ہے اس کا بھی یہی حشر کرتے ہیں جبکہ بینک تو میائے جا چکے ہیں وہ بینک کا منیجر بینک کے سرکاری بن جانے کے باعث آنے والوں کو جلب نہیں کرتا اتنی دیر لگاتا ہے کہ آنے والے کو رقم دینے پر بھی پشیمان ہونا پڑتا ہے کوئی آتا ہے کہ ٹکٹ لے اور سفر پر جائے یوں ہی اس کو دھتکار دیتے ہیں اسی طرح ایک شخص پانی یا بجلی کا کنکشن لینا چاہتا ہے تو اس کے ساتھ بھی یہی رویہ اختیار کیا جاتا ہے اسی طرح معمول کا کوئی کام انجام دینا چاہتا ہے تو اسے ان مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اگر نظریہ یہی ہو، ادارے اسی ڈگر پر رہیں اور عوام کے ساتھ ایسا ہی سلوک کیا جائے تو ایسا کرنے والے سب فاسق و فاجر ہیں جو بھی اس طرح کا رویہ رکھے گا۔

وہ سرکاری حکم کی تولیت کی شرائط سے دور ہے یہ اس صورت میں ہے کہ کام کو عوام کی زندگی کی اساس کی طرف لایا جائے جو شخص ملک میں بجلی کے ادارے کا چیئرمین ہے وہ سستی کرتے ہوئے بجلی بند کر دے یا جو ملک کے واسا کا متولی ہے وہ سستی کرے اور پانی بہم نہ پہنچائے یا

کوئی ملک کی تعمیر وترقی کا سربراہ ہے وہ ایسے جرم کا ارتکاب کرے یا جو کسٹم پر مامور ہے وہ لوگوں کو وہاں نظر انداز کرے اور ان کے مال کو باہر جانے سے بلاوجہ روکے۔

عوام کی طرف سے ملازمین کے کاموں کی نگرانی

مختصر یہ ہے کہ میں آپ عوام سے ایک بات کہتا ہوں کہ ہم نے اس مسئلے کی ابھی تک سنجیدگی سے پیروی نہیں کی ہے ایک کام شروع کرنا چاہیے وہ یہ کہ عوام ملازمین کے حالات کی خود نگرانی کریں جن کو انہوں نے اداروں میں بٹھایا ہے ہم بھی آپ کے ملازم ہیں میں بھی مجلس شوریٰ اسلامی کا سربراہ ہونے کی حیثیت سے تنخواہ لیتا ہوں آپ کے ووٹ کے زور پر کام کر رہا ہوں اگر بد عملی کروں تو ایسا ملازم ہوں گا جس نے اپنے فریضہ کو صحیح انجام نہیں دیا یہ سب لوگ جو خدمات انجام دے رہے ہیں کوئی فوجی ہے کوئی انتظامیہ میں اور کوئی نیم فوجی انتظامیہ میں اور کوئی سپاہی ہے یا کوئی کسی کمیٹی کا ممبر ہے یا انقلابی کونسل میں کام کر رہا ہے یا کسی ادارے یا یونیورسٹی کا ملازم ہے یا محکمہ تعلیم وتربیت میں ہے۔

ہر شخص جو حکومت کے کسی عہدے پر بھی کام کر رہا ہے وہ تنخواہ لیتا ہے آپ لوگوں سے تنخواہ لیتا ہے آپ کا ملازم ہے آپ اگر وہاں جاتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ وہ اچھے طریقے سے کام انجام نہیں دے رہا ہے تو آپ کو ایک مسلمان کی حیثیت سے جو نیکی کا حکم دیتا ہے اور برائی سے روکتا ہے اس کے خلاف مدعی بننا چاہیئے آپ کو اعلیٰ افسران تک اپنی بات پہنچانا چاہیئے ممکن ہے وہاں بھی آپ کی شنوائی نہ ہو کبھی ایسا ہو بھی سکتا ہے کہ کسی افسر تک بھی آپ کی رسائی نہ ہو پھر بھی خاموشی اختیار نہ کریں۔

غلط کار ملازمین کے ساتھ عوام کا سلوک

لوگو! اگر آپ چاہتے ہیں کہ کاموں کی اصلاح ہو اگر آپ چاہتے ہیں کہ ایک دن

پرائیویٹ اداروں کی طرح لوگوں کو اپنی طرف جلب کرنے کیلئے لوگوں کے پیچھے مارے مارے پھریں اور کام کریں اس طرح آپ چاہتے ہیں تو آپ کو ان پر دباؤ ڈالنا ہوگا میں ہر ادارے میں نہیں جاسکتا ہوں اور ایک محکمہ کا وزیر بھی ہر جگہ نہیں پہنچ سکتا اس وقت ہمارے وزراء اور اعلیٰ افسران قدرے اچھے ہیں وہ چھ گھنٹے کی بجائے بارہ بارہ پندرہ پندرہ گھنٹے کام کرتے ہیں اپنے گھروں میں بھی کام کرتے ہیں ہم اداروں کے افسران سے یہ نہیں کہتے کہ چھ گھنٹے کی بجائے آٹھ گھنٹے کام کریں صرف یہ کہتے ہیں کہ چھ گھنٹے ہی کام کریں لیکن لوگوں کو نظر انداز نہ کریں نماز کے بہانے ظہر سے پہلے نکل کر دو دو گھنٹے تک اداروں کو بند نہ کریں۔

ملازمین سے عوام کے برتاؤ کا طریقہ

بے شک اصلاح عوام کے تعاون کے بغیر ممکن نہیں ہے آپ لوگوں کو اس کا عزم کرنا ہوگا جہاں بھی کسی کو دیکھیں کہ کام میں دیر کر رہا ہے اور لوگوں کو پریشان کر رہا ہے (البتہ اب بھی ایک وسیع گروہ اداروں میں موجود ہے جو نا امنی ایجاد کر رہا ہے اداروں کے قوانین کچھ اسی طرح ہیں کہ کام سے تھکا ہوا ایک ملازم ایک سائل کو کئی دن تک پریشان و سرگردان کر سکتا ہے قوانین اس طرح بھی ہیں کہ ایک کام کو انجام بھی دے سکتا ہے) اگر آپ دیکھیں کہ یہ کم چوری کر رہا ہے اور آپ کیلئے مشکلات پیدا کر رہا ہے تو آپ بے کار نہ بیٹھیں۔

اگر آپ وہیں پر لڑ سکتے ہیں تو لڑیں اور ایسے افراد کے سر پر مکے رسید کریں (میں یہ نہیں کہتا ہوں کہ ضرور بد نظمی پیدا کریں) یہ آپ کا حق ہے کبھی ایسے افراد ہم سے رجوع کرتے ہیں یا اداروں میں اپنے رجوع کے بارے میں لکھتے ہیں تو انسان چاہتا ہے کہ غصے سے پاگل ہو جائے کہ ایک گروہ تو فداکاری کر رہا ہے اس کا جگر خون ہوا جاتا ہے اور اپنی جان پر کھیل رہا ہے اپنی اولاد قربان کر رہا ہے اور اس مملکت کی اصلاح کی کوشش کر رہا ہے اور ایک گروہ کرسیوں پر

براجمان پر آسائش کمروں میں بیٹھا تنخواہ لے رہا ہے اور عوام کے ساتھ بد سلوکی بھی کر رہا ہے سب اداروں کے بارے میں نہیں کہہ رہا ہوں بہت زیادہ اداروں کے بارے میں بھی نہیں کہہ رہا ہوں پہلے مرحلے میں میں ادارے والوں سے کہہ رہا ہوں کہ اگر آپ اپنے کولیگز کی اصلاح نہیں کرتے ہیں (آپ اپنے کولیگز کو پہچانتے ہیں) آپ جو پانچ افراد ایک کمرے میں بیٹھے ہوئے ہو سب جانتے ہو کہ کس طرح کام کرنا ہے اگر ایک دوسرے کی اصلاح نہیں کرو گے تو ان کی آگ تمہیں بھی اپنی لپیٹ میں لے لے گی تمہیں اپنا تو خیال رکھنا چاہئے ایک ادارے میں ایک برا شخص سب کے کام کو خراب کر سکتا ہے۔

اداروں کے اندر اصلاح کی ضرورت

پہلے مرحلے میں میں آپ سے کہہ رہا ہوں اپنے نالائق کولیگز کو ادب سکھائیں ان کی تربیت کریں ان کو نصیحت کریں انہیں کہیں کہ عوام سے اچھا برتاؤ کریں دوسرے مرحلے میں عوام سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ اداروں میں جائیں اگر ناشائستہ افراد کو پائیں تو حوصلہ نہ ہاریں اگر بیس دفعہ کہا ہے اور اعلیٰ افسران نے پرواہ نہیں کی تو اکیس مرتبہ کہیں اگر تمام لوگ ناشائستہ افراد کی نشان دہی کریں اور دباؤ ڈالیں اور ان کا پتہ پائی کریں تو یہ ایک قسم کی عوامی نگرانی ہے۔

ہر ادارے کیلئے علیحدہ کورٹ کا قیام

ہم اس پاکیزہ پیشے "عوام الناس کے امور کی سربراہی" کی اصلاح کر سکتے ہیں عدالتیں سختی سے نوٹس لیں اور ہر ادارے کی علیحدہ عدالت ہو کہ انشاء اللہ بہت جلد قائم کر دی جائے گی ہمیں چاہئے کہ ہم اپنے اداروں کی تطہیر کریں، تطہیر اس طرح جو میں نے عرض کیا ہے پہلے مرحلے میں تربیت ہے ہمیں ادارے والوں کو پہلی فرصت میں فارغ کرنے کا نہیں سوچنا چاہئے ہم اداروں سے کسی کو فارغ کرنے کا ارادہ نہیں رکھتے ہیں ایک اور طریقے سے اصلاح چاہتے ہیں

میں خود ان لوگوں میں سے ہوں جو ایسے شخص کو دیکھتے ہیں جو تطہیر کے مرحلے سے دوچار ہوا ہو تو تہہ دل سے اس کیلئے کڑھتے ہیں یعنی ایسے نہیں ہے کہ ایک شخص ادارے میں تطہیر کی وجہ سے نکالا گیا ہو اور میں اس پر خوش ہو جاؤں وہ جتنا بھی برا ہو میرا ضمیر اجازت نہیں دیتا کہ میں اس کے نکالے جانے پر خوشی مناؤں حتی کہ اگر میں ایک ملزم کو دیکھتا ہوں شاید خود اس سے بھی زیادہ مجھے دکھ ہوتا ہو۔

بہر حال ہر کسی کو ہر طرف سے یہ حق نہیں ہے کہ وہ اپنی اس روحی کیفیت کو جیسے چاہے عملی جامہ پہنائے اور لوگوں کیلئے مشکلات ایجاد کرے بہر حال ہم ان اداری نافرمانیوں کا شدت سے نوٹس لیں گے میں متقین کے امتیازات کی گفتگو اور اس گفتگو پر مترتب ہونے والے فوائد اور معاشرے کی اصلاح کس طرح ہو سکتی ہے ؟ان سب چیزوں کی آئندہ چند خطبوں میں وضاحت کروں گا اور وہ مشکلات جو عدل کے متقاضی امور کو فاسق و فاجر ضد انقلاب اور اس تحریک کے مخالف افراد کے سپرد کرنے سے معاشرے کو دامن گیر ہوئی ہیں ان کی بھی وضاحت کروں گا انشاء اللہ آپ دیکھیں گے کہ راہ اصلاح کو ہم اس طریقے سے معاشرے میں لائیں گے۔

چوالیسواں خطبہ

عدالت اجتماعی کی بحث کا تسلسل، اسلام میں انسان کی قدر و قیمت، اسلام میں قدر و قیمت کا معیار، ملک میں بیورو کریسی کی صورتحال، اداری ڈھانچوں میں اصلاح کی ضرورت اداروں میں لوگوں کا وقت ضائع کرنے کے واقعات اداری نظام کی اصلاح کے لئے ملازمین کو نصیحت۔

بسم الله الرحمن الرحیم ،الحمد لله رب العالمین والصلوة والسلام علی محمد رسول الله و آله الائمه المعصومین ،قال العظیم فی کتابه اعوذبالله من الشیطان الرجیم ،،ام نجعل الذین آمنوا و عملواالصالحات کالمفسدین فی الارض ام نجعل المتقین کالفجار(۱)

عدالت اجتماعی کی بحث کا تسلسل

عدالت اجتماعی کی بحث میں ان خصوصیات تک پہنچے تھے جو اسلام کے قدرو منزلت معیار کے مطابق انسان میں ہیں ہم نے کہا تھا اگر کسی مذہب میں ان خصوصیات سے بے اعتنائی کی جائے تو عدالت و مساوات کو خطرہ لاحق ہو جاتا ہے عدالت اجتماعی کا یہ معنی نہیں ہے کہ انسان کی صلاحیتوں کو نظر انداز کیا جائے اگر کسی نے اپنے ارادہ واختیار اور کوشش کے ساتھ کسی صلاحیت کو حاصل کیا (کہ فطرت ایجاد اور خدای خلقت نے اس کو صحیح قرار دیا ہو) تو ان صلاحیتوں کو سلب نہیں کیا جاسکتا۔

اگر معاشرتی نظام میں صلاحیت کو مورد توجہ قرار نہ دیں تو یہ ظلم ہے اس صلاحیت کو انسانوں کے نفسانی فضائل کی بنا پر تین قسموں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے قوہ فکریہ، غضبیہ شھویہ

---

(۱) ص۲۸

قوہ فکریہ کی قدرو منزلت بیان کر چکا ہوں اور دوسری قوئی کی خصوصیات بھی بیان کر چکا ہوں ان کا تعلق وظائف وتکالیف شرعیہ کے انجام دینے سے ہے امتیاز و خصوصیات کے بارے ایک نکتہ کا یہاں ذکر کرنا ضروری ہے (کہ کیونکہ یہ ہمارے مذہب کے بنیادی اصول میں سے ہے) وہ یہ ہے کہ یہ امتیازات ایک انسان کا امتیاز ہونے کے ساتھ ساتھ حقیقت میں ایک معاشرے اور عدل و مساوات کا امتیاز ہے صرف اس شخص کا امتیاز نہیں ہے لہذا خود امتیاز جو افراد کو دیئے جاتے ہیں اس لئے ہیں کہ ہمارے معاشرے کے کام آئیں۔

ایک اہم اور نہایت ہی لطیف نکتہ یہ ہے کہ اسلام نے قدرو امتیاز متعین کرنے میں خود انسان پر اعتماد کیا ہے "دیگر مکاتب کی طرف سے بنائی گئی گروہ بندی اور فرقہ پرستی کو خاطر میں نہیں لایا ہے مارکس کے مکتب فکر کی خشت اول طبقہ بندی ہے وہ مزدور طبقہ، حکمران طبقہ، تاجر طبقہ، متوسط آمدنی والا طبقہ، کم آمدنی والا طبقہ، جیسے دیگر عناوین کے تحت انسانوں کو ان میں سے کسی ایک کے ردیف میں کھڑا کر کے انسان کی قدرو منزلت جانچتے ہیں۔

حکمران طبقہ میں کسی کا ہونا معیوب ہے اور متوسط آمدن والے طبقہ خصوصاً زیادہ آمدن والے طبقہ میں ہونا قابل مذمت ہے اور تاجر طبقہ میں ہونے کی قدر کم ہے تمام کی تمام اقدار مزدور طبقہ میں قرار دیتے ہیں معاشرے میں باقی سب طبقات بے حقیقت ہو کر رہ جاتے ہیں جو لوگ مزدور طبقے میں (علمی معنی میں) نہیں ہے وہ بے حقیقت و بے وقعت ہے۔

اسلام میں انسان کی قدردانی

اسلام اس قسم کا سلوک کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔ وہ انسان کی قدردانی کرتا ہے ممکن ہے ہر جگہ اچھے برے انسان ہوں ہم جو عدالت، تقوی، علم، جہاد، صبر و توکل اور بردباری کی فضیلت کے قائل ہیں اس میں فرق نہیں سمجھتے ہیں ایک صابر و متقی تاجر ہو یا ایک مزدور

یا ایک حکمران یا ایک عالم جس طبقہ سے بھی ہو ہم اس کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اگر کسی وقت معمول کے مطابق گفتگو یا تحریر میں ہمارے خطیب و مصنف حضرات کلی تعبیرات بیان کریں تو آپ حضرات کو نہیں چاہیئے کہ ان کو ہر جگہ پر جاری و ساری سمجھیں مثلاً کبھی ہم اپنی تعبیرات میں شمال تہران کی مذمت کرتے ہیں اور شمران کی مذمت کرتے ہیں اور جنوب شہر کی تعریف کرتے ہیں اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ جنوب شہر میں برے یا شمال شہر میں اچھے افراد نہیں ہیں کبھی بھی ہمارا یہ نظریہ نہیں اگر ایسی بات کریں تو یہ اسلام کے منافی ہے۔

شمال تہران اور جنوب تہران

ہم جانتے ہیں کہ تہران میں قدیم بستیاں تھیں اب ان بستیوں کے لوگ شہر کا حصہ بن گئے ہیں اور یہ تہران کے بہترین متدین خاندانوں میں سے ہیں اور وہ وہیں پر رہ رہے ہیں (افسوس ہے کہ سرمایہ دار عام طور سے وہاں گئے اور انھوں نے وہاں فساد کے اڈے قائم کر لئے میں تہران کی گلیوں کے نکڑوں پر مزین کمرے دیکھ رہا ہوں جن کی لائٹیں جل رہی ہیں لیکن جب حملے شروع ہوتے ہیں تو بہت زیادہ تعداد انہیں تہران کے لوگوں کے شہداء کی ہوتی ہے لہذا ہماری بات کا مطلب ہر گز یہ نہیں کہ جب ہم کہتے ہیں مثلاً زعفرانیہ ایسے تہران ویسے ہے کہ خدانخواستہ ہم یہ کہنا نہیں چاہتے ہیں جو کہ کوئی بھی وہاں رہتا ہے وہ ایسے ہی ہے۔

ہاں ایک عمومی بات ہے کہ جب انسان سرمایہ داروں کے طبقہ میں چلا جاتا ہے اس میں برائی زیادہ ہو جاتی ہے اور جب فقرا کی صنف میں ہے اس میں برائی قدرے کم ہے متوسط طبقہ میں بھی برائی قدرے کم ہے یہ ایک حقیقت ہے لیکن کبھی بھی ہم جبر کے قائل نہیں ہیں کہ کہیں ہر طبقہ و صنف کا حتمی نتیجہ یہی ہے اور انسان جب اس طبقے میں شامل ہوتا ہے چار و ناچار برا ہی ہو کر رہتا ہے۔ ہم کبھی بھی مارکیسٹوں کی صنف کی طرح کا رویہ اختیار نہیں کر سکتے ہیں کہ

ایک تاجر کی ہم مذمت کریں یہ خطیب، مصنف، یا فنکار لوگوں کا جرم ہے جو عوام کو ایسی فکر دیتے ہیں۔

ہر انسان کا ایک حساب کتاب ہے تاجروں میں بہت اچھے افراد موجود ہیں جو انقلاب میں تھے اور اب بھی ہیں انہوں نے شہید بھی پیش کئے ہیں اور ان میں چور، غارتگر، اسمگلر، جھوٹے اور بے راہ لوگ بھی موجود ہیں جو دوسروں کو خراب کرتے ہیں ایسے لوگ مزدور طبقہ میں موجود ہیں اور عمامہ پوشوں میں بھی موجود ہیں سرکاری ملازمین میں بھی ہیں یونیورسٹیوں میں بھی ہیں اور اساتذہ میں بھی ہیں جگہ جگہ کا فرق بھی ہے ایک مقام پر ماحول ہی برا ہے تو وہاں برائی زیادہ ہو گی، صنف صنف میں فرق ہے دنیا پرست اور سرمایہ پرست ہیں لیکن استثناء ہر جگہ موجود ہے اچھوں اور بروں میں۔

یہ یاد دہانی ضروری تھی کہ اگر کبھی خطاب کے دوران کلی مطالب ہماری طرف سے پیش کئے جاتے ہیں تو کبھی اس کا یہ نتیجہ نہیں نکالنا چاہیئے کہ ہم ایک طبقہ، صنف یا گروہ کو کاملاً بد کردار قرار دے دیں۔ وہ خصوصیت جس کے آخر میں پہنچے تھے ایک عملی خصوصیت ہے جو میدان عمل اور فرائض منصبی کو انجام دینے میں پابند ہیں اپنے وظائف سے اچھی طرح عہدہ برا ہوتے ہیں اور برے کاموں سے اجتناب کرتے ہیں یہ ایک خصوصیت و امتیاز رکھتے ہیں اگر ہم تمام عناوین کو جو ان کے لئے ذکر ہوئے ہیں بیان کریں تو بات بہت لمبی ہو جائے گی۔

تقویٰ انسان کا محافظ

ہم نے ایک جامع لفظ کا انتخاب کیا ہے جو کہ "تقویٰ" ہے یعنی جو کیفیت تقویٰ رکھتا ہے وہ اپنے اندر تحفظ کی کیفیت رکھتا ہے جو اس وظیفہ سے باخوبی عہدہ برا ہونے اور حرام چیزوں کی طرف جانے سے روکتا ہے اس کیفیت کو ہم نے وظائف کی انجام دہی کے لئے ایک کلی معیار

قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ متقی معاشرہ ایک خصوصیت رکھتا ہے جو دوسروں کو نصیب نہیں ہے۔ چند روز سے قرآن کی جس قدر بھی تلاوت کرتا ہوں (اس نظر سے دیکھوں کہ قرآن کریم کی تقویٰ کے اس وسیع مفہوم کے بارے کیا رائے ہے) کوئی ہی ایسی آیت ہو گی جو بلاواسطہ یا باواسطہ تقویٰ کے ساتھ مربوط نہ ہو اور پہلے خطبہ میں بیان کر چکا ہوں کہ قرآن کا مرکزی خیال تقویٰ ہے تمام آیات ایک طرح سے انسانی وظائف (مثبت، منفی) تقویٰ در تفکر تقویٰ در عمل تقویٰ در رفتار تقویٰ در بود وباش تقویٰ در پابندی اور منصب کو قبول کرنے میں اور ذمہ داری کے نبھانے میں انسان کے اندر ایک ہم آہنگی پیدا کرتا ہے اور پورے قرآن اسی مرکزی خیال سے تشکیل پاتا ہے۔

پہلے خطبے میں کہا ہے کہ متقین کی خصوصیات اور امتیازات فراوان ہیں جو دوسروں میں موجود نہیں ہیں اور اکثر یہ خصوصیات معاشرتی ہیں انفرادی خصوصیت ہر انسان کے وجود میں داخل ہو جاتی ہے جس کے نتیجے میں انسان یا تو اسی دنیا میں بھلائی دیکھ لیتا ہے یا آخرت میں متقی انسان اپنی زندگی میں اس کے واقعی آثار دنیا میں دیکھ لیتا ہے اور آخرت میں بھی واقعی اور تشریعی آثار جو خداوند کریم نے انسان کو عطا کیے ہیں، پالے گا۔

بہر حال معاشرتی قوانین میں باتقوی انسانوں کے حقوق متعین کیے گئے ہیں یہ حقوق دوسروں کو عطا نہیں ہوئے ہیں، اوپر والے مرحلے سے شروع کیا تھا اور کہا تھا کہ فتوی دینا متقی انسان کا حق ہے دو عالم علمی نقطہ نظر سے برابر ہوں، صرف متقی مرجع تقلید بن سکتا ہے ولایت عامہ بھی اسی متقی عالم کو حاصل ہے اس سے ایک زینہ نیچے آئیں قضاوت متقی انسان کا حق ہے بے تقوی شخص قضاوت نہیں کر سکتا ہے۔ اس کی قضاوت باطل ہے گواہی کا حق صرف متقی انسان کو حاصل ہے غیر متقی گواہی نہیں دے سکتا ہے خواہ جتنے ہی مل جائیں اور عدالت میں گواہی دیں حتی کہ اگر کسی غیر متقی کے سامنے طلاق دیں تو طلاق صحیح نہیں ہے۔ نماز میں غیر

متقی شخص کی اقتدا نہیں ہو سکتی ہے اگر کسی غیر متقی فاسق و فاجر کے پیچھے نماز پڑھی جائے تو نماز باطل ہے تمام معاشرے سے مربوط امور جن میں ولایت و سرپرستی کی پہلی شرط تقوی ہے اور اعتماد کی ضرورت ہے۔

معاشرتی پیشوں کی تولیت اور فرض شناسی

پچھلے ہفتے کی گفتگو میں کہا تھا کہ ہمارے زمانے کا ایک نہایت عام البلوی مسئلہ کہ جو معاشرتی امور کی تولیت و سرپرستی ہے (بہ اصطلاح سرکاری عہدے) میں نے بتایا تھا کہ ہمارے فقہاء کے فتاوئ میں عام طور سے یہ قید نہیں ہے کہ ایک تحصیل دار یا کسی ادارے کا سربراہ بننے یا وزیر یا سیکرٹری بننے کی شرائط میں سے عدالت ہے ابھی تک یہ مسئلہ مبتلاء بہ نہیں تھا اور گزشتہ دور حکومت میں معاملہ اس کے برعکس تھا وہ صالح افراد کو منتخب نہیں کرتے تھے بلکہ وہ غیر صالح افراد کو کلیدی عہدوں پر منتخب کرتے تھے تمام پیشے عہدے یونیورسٹی کی سربراہی ہسپتالوں کی سربراہی، میئر، تحصیل دار عدالت کی سربراہی فوجی پیشے اور غیر فوجی پیشے، گزشتہ حکومت میں متدین انسان ان امور میں منفی پوائنٹ رکھتے تھے کیونکہ وہ متقی انسانوں سے ڈرتے تھے آج حکومت جمہوری اسلامی میں یہ مسئلہ واضح و آشکار ہونا چاہیئے کہ یہ سب ولایت کے افعال میں سے ہیں۔

ایک تحصیل کے عوام میں کسی کو ہم منتخب کرتے ہیں اور کہتے ہیں آپ تحصیل دار بنیں اور تحصیل سے مربوط تمام فیصلے آپ کے سپرد ہیں، آپ میئر بنیں، آپ گورنر بنیں یا یہ وزیر ہے وہ سیکرٹری ہے، اور ان، کے یہ حقوق ہیں کیوں؟ کس حق پر ایسے کام کو ہم عوام کے لئے انجام دیں؟! ہم جانتے ہیں اصلی اولی معاشرہ یہ ہے کہ کسی کو کسی پر حق ولایت نہیں ہے سب لوگ خدا تعالی کے ہاں برابر ہیں اور ولایت اللہ تعالی کے حقوق میں سے ایک حق ہے جو اس نے انبیاء

اولیاء اور ائمہ کو اور ان کے بعد ان دلائل کے مطابق جو ہمارے پاس ہیں، علماء جامع الشرائط کو دیا ہے۔

معاشرہ اور فرد کے حقوق

یہ سب پیشے جو معاشرے میں ہیں یہ قدرت جو آپ انتظامیہ کے ایک ملازم کو دیتے ہیں یا بلدیہ کے کسی ملازم کو دیتے ہیں یا ڈسٹرکٹ کے کسی ملازم کو دیتے ہیں ہسپتال کے کسی ملازم کو دیتے ہیں یا یونیورسٹی کے ملازم کو دیتے ہیں یہ سب حقوق جو آپ دیتے ہیں یہ معاشرے میں ولایت کے توسط سے ان کی طرف منتقل ہوئے ہیں اگرچہ یہ شخص بلاواسطہ ولی نہیں ہے لیکن اگر اصل ولایت مخدوش ہو جائے تو اس کا کام بھی مخدوش ہو جائے گا اور اس شخص سے عمل کا حق واپس لے لیا جائے گا۔ کیونکہ اس کا دوسرے لوگوں سے کوئی فرق نہیں ہے اگر معاشرہ خود اسے مقرر کرے یہ الگ بات ہے دیکھنا یہ ہے کہ معاشرے کو کس حد تک حق ہے کہ اپنے لئے کسی کو منتخب کرے اور اقلیت کے متعلق مسائل علیحدہ ہیں۔

بہر حال یہاں تک یہ واضح ہو گیا ہے سرکاری پیشے ولایت کے امور میں سے ہیں اور اس نچلے مرحلے میں ہیں ولی امر اگر کسی کو اس کام پر متعین کرنا چاہتا ہے تو ان میں سے بعض مشاغل کے لئے عدالت شرط ہے جیسے قضاوت، شہادت اور وہ چیزیں جن کی مثال دی ہے لیکن بعض موارد کے متعلق فتاوی میں نہیں آیا کہ عدالت شرط ہے اس کا معنی یہ نہیں ہے کہ عدالت واقعاً شرط نہیں ہے۔

خود ولایت و سرپرستی کے بارے میں جب ہمارے فقہاء بحث کرتے ہیں کہ اگر ولی عادل نہ ہو تو عادل مومنین (۱) کی نوبت آتی ہے اگر مومنین عادل بھی نہ ہوں تو ان امور میں قابل وثوق لوگ یہ کام انجام دے سکتے ہیں کیونکہ جب ایک کام واجب ہے تو اس سے چشم پوشی

نہیں کی جا سکتی بہر حال تقویٰ و عدالت کی اساس امور عامہ کا متصدی بننے اور لوگوں سے مربوط کام انجام دینے میں ان چیزوں کا حصہ ہے جن پر تکیہ کیا جا سکتا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ آج جن حالات میں ہم زندگی بسر کر رہے ہیں اس میں ہم قیدو شرط قرار دیں کہ ایسے شخص میں عدالت شرط ہے یہ چیز اثر نہیں رکھتی ہے اور اس کو عملی زندگی میں پیش کرنا مقدور نہیں ہے لیکن کم از کم ایک حد تک صلاحیت کی شرط ہونی چاہیئے کہ فساد اور برائی اس کے وجود سے نکل جائے ہمیں ایک ایسا نظام وراثت میں ملا ہے جو اس نظریئے کے بالکل برعکس تھا۔

اس دور میں عہدے ان کے سپرد کیئے جاتے تھے جو رشوت لینے کے لئے تیار تھے ، رشوت دینے کے لئے تیار ، چوری کرنے خیانت کرنے بد سلوکی کرنے کے لئے ہر وقت تیار تھے میں یہ نہیں کہتا کہ وہ سب ایک جیسے تھے لیکن اوپر والوں کا دل یہی چاہتا تھا۔ کیونکہ وہ خود بھی اسی قسم کے تھے لیکن اس نظام میں بہت سارے افراد مسلمان متدین اور صالح بھی تھے اس وقت بھی تقویٰ کا لحاظ رکھتے تھے۔

ہمارے انقلابی معاشرے نے بہت ساری چیزوں کو تبدیل کیا ہے آج سرکاری ملازمین شاہ کے دور کی طرح نہیں ہیں شاید دسیوں موثر قدم اصلاح و اچھائی کی طرف بڑھا چکے ہیں جب شاہ رشوت لیتا تھا تو شاہپور رشوت لیتا تھا وزیر و سیکرٹری بھی رشوت لیتے اور اعلیٰ عہدوں پر براجمان حضرات بھی رشوت لیتے تھے ان کی تنخواہیں ان کی آمدنیوں کا ایک فیصد تھا ان کی بڑی آمدنی یہی غیر شرعی وسائل سے تشکیل پاتی تھی اصلا عہدے آمدنی کے حساب سے ہوتے تھے اب بالکل برعکس ہے۔

یعنی کچھ افراد ہیں (اوپر سے نچلی سطح تک) کہ انہیں عہدوں پر ہوتے ہیں جن پر وہ منتخب ہوتے ہیں وہ برائی و فساد کے سخت مخالف ہیں وہ فساد اور برائی سے مبارز ہیں ایک جو گزشتہ

دور میں ملازم تھے ان کا ایک بڑا حصہ یا تو نیک تھے یا انہوں نے اپنی اصلاح کر لی ہے لیکن پھر بھی ہم ابھی تک مطمئن نہیں ہیں کہ تمام سرکاری ڈھانچے میں ملازمت کرنے والوں کی اصلاح ہو گئی ہے البتہ ان میں بہت زیادہ تبدیلی آئی ہے یعنی اس وقت اداروں کی صورتحال پانچ سات سال پہلے والی حالت سے قابل مقایسہ نہیں ہے لیکن پھر بھی بہت سی باتیں ابھی باقی ہیں۔

ایک واقعہ شاہ کے دور کا اور ایک دو چھوٹے چھوٹے واقعات ہمارے اپنے دور کے نقل کرتا ہوں اور نتیجہ نکالتا ہوں تو آپ دیکھ لینگے کہ کس قدر تبدیلی آئی ہے یہ کچھ لوگ کبھی بیٹھ کر یہ کہیں کوئی فرق نہیں پڑا اب پارٹی بازی ہے، اب بھی (خدانخوستہ) رشوت خوری ہے ۔یہ نہایت ہی ظلم ہے اگر ہم کہیں کہ فرشتے آکر حکومت کریں یہ دھوکہ ہے۔

مرحوم "راشد" (۱) کو سب جانتے ہیں ایک مشہور خطیب تھے ان کی تقاریر ریڈیو سے نشر ہوتی ہیں انہوں نے اپنی ایک تقریر میں ایک واقعہ نقل کیا جو ریڈیو سے نشر ہوا اور کتاب "فلسفہ عزاداری سید الشہداء" میں جو کہ ان کی تقاریر پر مشتمل ہے وہ لکھا ہوا ہے۔(۲)

طاغوت کے دور کا ایک واقعہ۔

جو پیرا گراف بیان کرنا چاہتا ہوں وہ شاہ کے دور میں ریڈیو سے نشر ہوا تھا اور وجہ یہ ہے یہ ایک حقیقی واقعہ ہے ورنہ اس دور میں ریڈیو اس کو نشر نہ کرتا (خصوصاً راشد کی تقاریر براہ

---

(۱) مرحوم حسین علی راشد مشہد مقدس کے مشہور مقررین میں سے تھے انقلاب اسلامی سے پہلے دور میں مذہبی مسائل کے بارے میں ایران ریڈیو پر تقریر کیا کرتے تھے اور ہم سے زیادہ مداح رکھتے تھے۔ راشد کی اکثر تقاریر کتابوں کی صورت شائع ہو چکی ہیں۔

(۱) خطیب کی مورد اشارہ کتاب "فلسفہ عزاداری سید الشہداء" راشد کی تقاریر دوران عشرہ حسینی ریڈیو ایران سے نشر ہوئیں تھیں، پبلیشر کتاب فروشی محمدی تہران ۱۳۴۱)۔

راست نشر نہیں ہوتی تھیں پہلے ریکارڈ کرتے اور پھر نشر کرتے تھے، اگر یہ جھوٹ ہوتا تو ایسا جھوٹ شاہ کا ریڈیو کبھی نشر نہ کرتا وہ ایک انجینئر کا خط نقل کر رہا تھا، وہ کہتا ہے جو انجینئر (ناراض ہو کر مستعفی ہو گیا تھا) لکھتا ہے کہ میں پانچویں کلاس میں تھا تو میرا باپ فوت ہو گیا پھر ساری ذمہ داری مجھ پر آن پڑی زندگی بہت دشوار تھی، حصول علم کے ساتھ ساتھ کام کرتا تھا تاکہ اپنے گھر کا نظام چلا سکوں اور اپنے آپ کو بھی کسی قابل بنا سکوں زرعی کالج سے میں فارغ التحصیل ہو گیا۔ بہت زیادہ مشکلات کے بعد مجھے وزارت زراعت میں نوکری ملی کام میرے مطلوبہ معیار کا نہ تھا میری طبیعت اس پر قانع نہ تھی چوں کہ میں نے سختی دیکھی تھی اور مجھے معلوم تھا کہ کتنی مشکلات ہیں میرا دل چاہتا تھا میں نوکری کروں ادارے میں مجھے ریکارڈ روم اور دیگر نامناسب جگہوں پر مقرر کیا گیا تھا اور میرا ہنر ضائع ہو رہا تھا۔

اس قسم کے لوگ ایسے ہوتے ہیں جن لوگوں نے تنگدستی میں علم حاصل کیا ہو وہ بڑے ہوتے ہیں تو ان میں اچھی کیفیات پیدا ہو جاتی ہیں۔ البتہ ممکن ہے ان میں سے کچھ کج روی کا شکار ہو جائیں اور معاشرے کی عظیم اقدار کے مقابلے میں آجائیں عقدہ کی وجہ سے وہ جا کے کمیونسٹ بن جائیں اور ایک انسان دوستی کی کیفیت ان میں بلاوجہ حد سے بڑھ جائے اور وہ عظیم اقدار کے مخالف بن جائیں۔ یہ لوگ نہایت خطرناک بن جاتے ہیں لیکن اکثر ان میں سے معتدل رہتے ہیں۔ اور معاشرے میں نہایت ہی قیمتی گوہر شمار ہوتے ہیں لہذا وہ لوگ جنہوں نے مشکلات زندگی کے ساتھ نبرد آزمائی کر کے علم حاصل کیا ہو اکثر قابل قدر اور قابل توجہ ہوتے ہیں۔

کسی صورت میں، میں وزیر تک پہنچ گیا چونکہ ملک کی زراعت پر آفت آگئی تھی۔ میں نے کہا، مجھے آفات روکنے میں مہارت حاصل ہے مجھے مقرر کیا جائے کہ فلاں جگہ جا کر کسی شہر کی اصلاح کروں، وزیر مجبور تھا اسکو میں پسند آیا اس نے ایک لاکھ تومان کی رقم منظور کر کے

میرے لئے خود اپنے دستخط کے ساتھ آرڈر کر دیئے اور مجھے اس شہر بھیج دیا میں نہایت خوشی خوشی اس شہر پہنچا محکمہ زراعت کے ملازمین نے مجھے دیکھا کہ وزیر کے خاص حکم اور منظوری کے ساتھ آیا ہوں۔ میرے گرد جمع ہو گئے اور میرا نہایت ہی پرتپاک استقبال کیا اور کہنے لگے یہ رقم کم ہے ایک لاکھ تومان اور منظور کروائیں میں نے فوراً ٹیلی گراف کیا اور میرے ذہن میں تھا کہ وہ سچ کہہ رہے ہیں میں نے اور رقم کا تقاضہ کیا اور ایک لاکھ تومان فوراً پہنچ گئے ہم کام میں مشغول ہو گئے ہم نے کہا کہ منصوبہ تیار کریں اور علاقے کا نقشہ منگوائیں انہوں نے کہا ایک دو دن اور صبر کریں تاکہ مقدمات مہیا ہو جائیں۔

دو تین دن گزرے دیکھا کہ ان میں ایک شخص آیا اور کہنے لگا مجھے آپ سے کچھ خصوصی عرض کرنا ہے کمرہ خالی کروایا، اس نے دس بیس ناموں پر مشتمل ایک لسٹ مجھے تھما دی، اور ہر ایک نام کے سامنے کچھ رقم لکھی ہوئی تھی، نیچے لکھا ہوا تھا اتنی مقدار میں فلاں جعلی زہر ہمیں مہیا کرنا ہے، دو تین افراد ان میں سے وزیر کے دفتر میں سے تھے میں انہیں جانتا تھا میں نے کہا یہ کیا ہے؟

کہنے لگا کچھ نہیں، خوب اسی طرح کام چلتے ہیں انہیں کچھ مقدار میں رقم دینا چاہیئے ساری رقم اکیلے ہضم نہیں کی جاسکتی۔ سب کو پیسہ دینا چاہیئے۔ میں نے کہا آفت ہر شئے کو تباہ کر رہی ہے کاشتکار اجڑ رہے ہیں ان کی زندگی تباہ ہو رہی ہے ہم نے پیسہ لیا ہے کہ ان کی اصلاح کریں تم کیا کہہ رہے ہو؟

اس نے کہا بس یہی کچھ ہے ان کے بھی اخراجات ہیں ان کی بھی زندگی ہے وہ صرف تنخواہ سے نہیں چل سکتی۔ میں نے کہا بد معاشو! دفع ہو جاؤ ایسا نہیں ہو سکتا کاغذ مروڑ کر ان کے سر پر دے مارا میں نے کہا سب جمع ہو جائیں ورنہ وزیر کو رپورٹ کرتا ہوں انہیں اکٹھا کر کے سپرے کے آلات لئے اور اپنے کام میں مشغول ہو گئے، تھوڑے ہی عرصہ میں آفت علاقہ سے

ختم ہو گئی کاشکاروں نے پہلی بار دیکھا کہ دور شاہ میں سمپاشی نے اثر کیا ہے سب بہت خوش ہوئے اور ہمارے لئے اور مرکز کے لئے بینر لکھے اور شکریہ ادا کیا۔

اس دو لاکھ تومان میں سے تقریباً ایک لاکھ تین چار ہزار تومان زیادہ آئے اور کل خرچہ تقریباً چھیانوے ستانوے ہزار ہوا اب ہم منتظر تھے کہ ہماری حوصلہ افزائی ہو اور توقع تھی کام بہتر طریقے سے چلے، لیکن ہمیں تہران حاضر کر لیا گیا دفتر میں آئے تو دیکھا کہ ہماری کسی کو پروا نہیں ہے اصلاً ہمیں خوش آمدید کہنے والا کوئی نہیں ہے۔

جہاں تک ہو سکا ہم نے اپنے تیئں کوشش کی، میں نے کہا اپنا کام مکمل کر دیا ہے کوئی نئی ڈیوٹی ہو تو؟ اس نے کہا چھوڑو بابا تم نے جا کر لوگوں کو بھڑکایا ہے شر انگیزی کی ہے یہ شور وغل کیسا ہے جو تم شروع کر آئے ہو، کیا دوسرے ملازمین انسان نہیں ہیں۔ یہ تعریفی خطوط یہ کیا شیء ہے۔ خدمت کرو قوم کے لئے اعلیٰ حضرت شاہنشاہ کے لئے، ایسی باتیں نہ کرو میرے ساتھ لڑنے لگ گئے، حتی کہ ایک شخص آیا اور کہنے لگا بابا خان مملکت میں کھاؤ اور کھلاؤ ہے تم کس کام کے پیچھے لگے ہوئے ہو اور تم کس کے ساتھ مل کر کام کرنا چاہتے ہو؟ میں نے کہا میں اس کام کے لئے تیار نہیں ہوں۔

مختصر یہ کہ میں نے استعفیٰ لکھ دیا (مجھے نہیں معلوم کہ اس کے استعفے کا عنوان کیا تھا) دیکھا کہ فوری جواب دے دیا اس سب خدمت و محنت کے بدلے میں مجھے نوکری سے برخاست کر دیا نوکری چھوٹنے کے بعد میں اپنے کام میں مشغول ہو گیا اور پرائیویٹ کام شروع کر دیا بڑی مشکل سے ایک سیم زدہ زمین کا پلاٹ ملا اس کے مالک (جو کہ پرانے جاگیر دار سرکشوں میں سے تھا) زمین پچے پڑی مثلاً تیس چالیس سال کے عرصہ کے لئے پٹا تھا۔ اس کو خشک کیا ایک فارم بنایا وہ بہت اچھی زمین تھی مزدور لگائے اپنی زندگی کو چلانے لگا مزدوروں کی زندگی اچھی گزرنے لگی وہ ایک بہترین خوبصورت فارم بن گیا میرے بچے شہر میں تھے، اور ہم

خود دیہات میں کام کرتے تھے۔

میرے انہی بعض رقیبوں کو خبر ہو گئی کہ میں وہاں کام کرتا ہوں انہوں نے مالک کو بھڑکایا کہ ہمارے خلاف عدالت میں شکایت کرے ہم عدالت گئے (معلوم نہیں اس تاریخ کو گزرے کتنے سال ہوئے ہیں دو سال، تین سال) جو کچھ تھا وہ عدالت کی نذر ہو گیا اور جو کچھ باقی تھا سب کچھ ہم سے چھن گیا جو کچھ بچا تھا وہ سرکاری ادارے والوں نے رشوت کے طور لے لیا اور کہیں بھی کسی نتیجہ تک نہ پہنچا۔ ہم کاشتکاری پر توجہ نہ دے سکے

ایک پاؤں فارم میں اور ایک عدالت میں تھا مسلسل انہیں چکروں میں تھے کہ ایک دفعہ کسی نے مجھے اطلاع دی کہ ملک کا ایک مقتدر شخص میری اہلیہ کے بارے میں بری نظر رکھتا ہے، بہت کوفت ہوئی، شہر آیا دیکھا کہ سچ ہے، بہر حال میری اہلیہ نے اس کی ہوس کے سامنے سر تسلیم خم نہ کیا اور اپنی حفاظت کی مجھے اطمینان ہو گیا تو میں واپس آ گیا۔

چند دن ہی گزرے تھے کہ مجھے ایک خط ملا جس میں مجھے شہر بلایا گیا تھا شہر گیا دیکھا کہ میری اہلیہ نے خود کشی کر لی ہے اور ایک خط لکھ کر چھوڑ گئی ہے آخر یہ بد کردار قدرتمند نے بدکاری کر لی اور میرے دامن عفت کو تار تار کر دیا اب مجھے اس زندگی کی ضرورت نہیں ہے میں جا رہی ہوں۔

پھر وہ کہتا ہے میں (ایک انجینئر پڑھا لکھا، زحمت کش تنگدستی کا مارا) نے دیکھا کہ یہ زندگی اب میرے بھی کام کی نہیں ہے اور اپنے آپ کو ختم کر رہا ہوں اور بچوں کو کسی یتیم خانے بھیج رہا ہوں (اس کا اختتام بہت غم انگیز ہے میں اسے نقل نہیں کر سکتا ہوں) یہ داستان ہے جو شاہ کے ریڈیو سے نشر ہوئی تھی آقا راشد نے ایک مقرر کے طور پر جو کچھ کہا ہے اس لئے کہا ہے کہ اس میں مبالغہ آرائی نہیں تھی۔

انسان شاہ کے نظام سے کیا سمجھ سکتا ہے، یہ اس نظام کی عدالت سیکرٹری شپ یہ

زراعت، مالکیت کی صورت حال، یہ زمین کے مالیات اور یہ اسپرے کے حالات، اور اداروں کے حالات یہ سب کچھ مل ملا کر شاہ کو کیسے باقی رکھنا چاہتے تھے، اور کس طرح لوگوں کو راضی رکھنا چاہتے تھے۔

آپ سب نے شاید اپنی زندگی میں اس جیسے حالات کا سامنا کیا ہو جو شاہ کے دور حکومت کے رخ سے پردہ اٹھاتے ہیں میں نے خود اداروں میں متعدد دفعہ اپنے دفاتر میں جا کے دیکھا ہے حتی کہ آپ نے بھی دیکھا ہوگا شاہ کے دور کے اداری نظام پر کس قدر بدی مسلط تھی جو کہ تقوی کے بالکل منافی ہے واضح ہے کہ ایسا ظالمانہ نظام صاحب حکومت کو زیادہ دیر نہیں بچا سکتا۔

جب تک دباؤ، خوف وہراس، اور پیسہ تھا لوگ مجبوراً صبر کر رہے تھے ایک دریچہ ہلکا کھلا تو آپ نے دیکھا کہ لوگوں نے کس طرح بغاوت کی اور کتنی تیزی سے قدرت و تسلط کے مرکز کو باہر پھینک دیا ہمارے نظام حکومت میں واقعاً ایسی صورت حال نہیں ہے، حتماً وزیر برے نہیں ہیں مشیر برے نہیں ہیں، اداروں کے سربراہ برے نہیں ہیں واقعاً حکومت کے بیشتر ملازمین نیک و صالح ہیں اور عوام کے ساتھ ان کا رابطہ بہت اچھا ہے لیکن ممکن ہے ان میں کچھ لوگ ویسے بھی ہوں اور ان کے لئے آیندہ ایسی صورت حال پیش آجائے آپ سختی سے نگرانی کریں۔

میں ایک دو چھوٹے چھوٹے نمونے پیش کرتا ہوں جو برائی یا ان چیزوں سے متعلق نہیں ہیں، لوگوں کی مشکلات سے متعلق ہیں ہمیں بہت سارے خطوط ملے ہیں جو عوام کی مختلف قسم کی مشکلات سے متعلق ہیں میرے خیال میں ان کے لئے اقدام کرنا ضروری ہے ایسے ہی ان کو ٹالا نہیں جا سکتا۔

آج ہی جب نماز جمعہ کے لئے آرہا تھا ایک شخص نے ٹیلی فون کیا کہ اس کے کسی عزیز

کو سکتہ مغزی ہوا ہے وہ ہسپتال لے گئے ہیں اور ہسپتال والوں نے اسے قبول نہیں کیا اور وہ جو لے کر گیا تھا اس نے کہا اگر آپ کی یہاں کوئی جان پہچان ہے تو ممکن ہے اس کو جگہ دے دیں اب وہ سچ بول رہا ہے یا نہیں میرے سامنے ایسے مواقع جن میں ایسا ہوا ہے کچھ اور جان پہچان والے لوگ تھے ہسپتال گئے اور ہسپتال کے دروازے سے ان کو کسی اور ہسپتال جانا پڑا (۱) اب ایک سکتہ والے مریض کے ساتھ کس طرح پیش آنا چاہیئے اس نوعیت کا مریض ہسپتال میں آئے اور اس کو جواب دے دیا جائے تو اس پر کیا گزرتی ہے اس کا نہ ڈاکٹر کو احساس ہے نہ کسی اور ملازم کو حتی کہ گیٹ کیپر کو بھی اس کا احساس تک نہیں ہے وہ اپنے آپ کو اس مریض کی جگہ فرض کریں حتی کہ اگر ضروری ہو تو کسی دوسرے مریض سے کہیں کہ آپ کی حالت قدرے بہتر ہے آپ بستر اس مریض کے لئے چھوڑ دیں تاکہ یہ آپ کی جگہ پر آجائے لوگوں کی مشکلات کو حل کریں۔

دو تین ہفتے پہلے ایک واقعہ ٹکٹ کے متعلق بیان کیا تھا یہ لوگ جو باہر ملک جانا چاہتے تھے ان کو بھی اس مشکل کا سامنا کرنا پڑا یہ بھی میرے جان پہچان والوں میں سے تھے اور اتفاق سے میں بھی وہیں موجود تھا ایک دفعہ انسان کو خط وغیرہ ملتا ہے اور ایک دفعہ خود اس واقعہ میں موجود ہوتا ہے ایک خاتون باہر ملک سے آئی (اور انقلابی بھی ہے) کہ اپنے ملک کو دیکھے اور اس کی کوئی مدد کرے اور پھر دو تین ماہ بعد وہ دو عورتوں اور بچوں کے ساتھ باہر جانا چاہتے تھے۔

پاسپورٹ پر قانون کے مطابق مہر لگی ہوئی ہے، ٹکٹ لیا ہوا ہے، سامان ایرپورٹ پر

---

(۱) اس وقت کے اخبارات میں بیماروں کا خیال نہ رکھنے سے متعلق ایک اور واقعہ یوں نقل ہوا ہے کہ "شیراز میں ایک حاملہ خاتون بچہ جننے کے لئے گئی ہسپتالوں میں کئی کسی بھی ہسپتال نے اس کو جگہ نہ دی آخر کار یہ خاتون اس بچے سمیت زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھی ابھی ہسپتال نے اس سانحہ کی کوئی وضاحت نہیں کی ہے۔

پہنچا ہوا ہے وہ چلنا چاہتے ہیں آخری بار جب وہ اپنا پاسپورٹ تحویل دینا چاہتی تھی تو وہ افسر لے نہیں رہا تھا اور کہہ رہا تھا مثلاً اس پر مہر صحیح نہیں ہے ایک وہ اعتراض سنا رہا تھا دوسرا یہ کہ اسے پتا بھی نہیں رہا تھا کیا کرے اور کیسے اس مشکل کو حل کرے۔

اس محترمہ نے ٹیکسی یا بس کے ذریعے شاید اپنے گھر ویلا اور ایرپورٹ اور وزیر اعظم ہاؤس کے دس چکر (اب فریکفرٹ میں اس کے رشتہ دار، خاندان اس کے منتظر ہیں کہ وہ آنے والی ہے) یہاں پر سامان بھی لوڈ ہو چکا ہے ٹکٹ بن چکا ہے اس کا ویزا ختم ہو رہا ہے اور ہزار مشکل بہت خوب خود آپ کو چاہئے اس سے رابطہ کریں اس کی مشکل حل کریں اگر کوئی مشکل نہیں ہے تو آپ اس پر اعتراض نہ لگائیں۔

میرا دفتر (خوب فطری طور پر میرے دفتر میں محاسبہ کرنے والے ہیں) ان کی تحقیق کرنے لگ گیا ایرپورٹ سے رابطہ ویلا سے رابطہ کیا اس واقعہ سے دو دن بعد تک ایرپورٹ والے ان کی گردن پر ڈالیں وہ ائیرپورٹ والوں کی گردن پر ڈال رہے تھے۔

آخر کار ان سب نے قبول کیا کہ ہاں، مثلاً وزارت عظمیٰ کے دفتر سے جو مہر لگی وہ تھوڑی سی مدہم تھی ہم دیکھ نہ سکے آپ دیکھیں کہ اگر ہر روز ایک فلائٹ پر ایسا واقعہ پیش آئے تو آپ کس طرح جمہوری اسلامی کی عزت و آبرو کو بیرون ممالک میں محفوظ رکھ سکتے ہیں جبکہ جہاز میں بیٹھے چار سو آدمی اس واقعہ کو دیکھ رہے ہیں اور محسوس کر رہے ہیں ٹھیک دو تین دن اس واقعہ سے پہلے بھی ایسا ہی میرے رشتہ داروں میں سے ایک کے ساتھ ہوا جو میرے ساتھ جان پہچان رکھتا تھا وہ باہر ملک جانا چاہتا تھا اور اس کے لئے اجازت بھی لے چکا تھا ائیرپورٹ پر اس سے کہتے ہیں کہ مسافر زیادہ ہو گئے ہیں۔

اب اڑھائی تین گھنٹے ہوائی جہاز رو کے رکھا ان چار افراد کو (جبکہ ہم نہایت ہی منت سماجت کے ساتھ کہتے ہیں کہ ایران ایر کا ٹکٹ خریدیں ان کو ہم زر مبادلہ زیادہ دیں گے جو

ایران ایر سے سفر کریں گے)بلاوجہ روکے رکھا دس پندرہ گریجویٹس سے کہہ رہے تھے آپ پچھلی فلائٹ میں چلے جائیں اب یہ سٹوڈنٹ جس نے اپنا سامان کیرج کروایا ہوا ہے ادھر لوگ اس کے منتظر ہیں وہاں اس کی کلاس ہے کام ہے پروگرام ہے اس پر کیا گزرے گی۔

اداری ملازمین کی خیانت

اس مسئلے میں مالی ہیر پھیر نہیں ہے، یہاں ایک اور عنصر کار فرما ہے یعنی یہ ایک ملازم جو ایک سیٹ پر بیٹھا ہوا ہے، یہ لوگوں سے خیانت کر رہا ہے یا تو اس نے اچھی طرح مہر نہیں لگائی یا تحویل دیتے وقت غور نہیں کیا یا جان بوجھ کر خیانت کی ہے ایک مصیبت لوگوں کے سروں پر لا آیا ہے جس نے ان کو اس طرح پریشان کر دیا ہے کسی کی فائل نقل کرتے وقت ایک کونے سے خراب کر دیتا ہے۔

یہ فائل جہاں تک بھی جائے گی مشکلات پیدا کرتی جائے گی اور عوام بیچارے ان اداروں کے پیچ وخم کو نہیں سمجھتے ہیں یہ فساد شاہ کے دور کی طرح کا نہیں ہے بہر حال شاہ کے دور کا کوئی بچا ہوا ملازم اگر ایسا فساد کرنا چاہے کر بھی سکتا ہے کیونکہ ابھی تک ایسے لوگ اداروں میں موجود ہیں۔ یہ دو تین نمونے تھے جو میں نے عرض کیئے ہیں اب اور مسائل کے بارے میں بھی ہم سے شکایت کی جاتی ہے مثلاً ملازمین کو اصلاً سرکاری سرمائے کی فکر نہیں کاغذ کو یوں ہی باطل کر دیتے ہیں، بجلی کس طرح استعمال کرتے ہیں بے جا ہیٹر جلاتے ہیں رات ایسے ہی لائٹیں جلتی چھوڑ کر چلے جاتے ہیں ایسی اور بہت سی باتیں کوئی چیز بھی ان میں سے عدالت اداری کے ساتھ سازگار نہیں ہے کوئی چیز بھی ان میں سے تقوی کے ساتھ ہم آہنگ نہیں ہے جبکہ یہ سب ولایت کے امور میں سے ہیں ایسے لوگ ان کاموں کے مصدی نہیں بن سکتے ہیں ان کے بارے میں کچھ سوچنا ہوگا۔

اداروں میں بنیادی اصلاح کی ضرورت

ہم اس کے درپے نہیں ہیں کہ لوگوں کو کاٹ کاٹ کر باہر پھینکتے جائیں ہم جانتے ہیں کہ گزشتہ دور حکومت میں جس معیار پر ملازمت کرتے تھے وہ معیار اب ہمارے لئے فائدہ مند نہیں ہے لیکن پھر بھی یہ انسان ہیں ہم اپنے معاشرے کے افراد کو نظر انداز نہیں کر سکتے ہیں وہ تخصص و مہارت رکھتے ہیں اگر تخصص و مہارت نہ بھی رکھتے ہوں ان خاندانوں میں ان کی زندگی ہے اس کو ہمیں چلانا ہے لیکن یہ معاشرہ ایسے اداروں کا نیاز مند ہے جو سالم ہوں اگر یہ نظام صحیح نہ ہوا اور صحیح سالم ادارے تشکیل نہ پائیں اور ہر کسی نے اپنے کام کو اچھی طرح انجام نہ دیا تو محال ہے ہماری بقیہ قربانیاں رنگ لا سکیں۔

جتنا اچھا قانون ہو جتنی اچھی حضرت امامؒ رہنمائی فرمائیں عدلیہ جتنے اچھے فیصلے کرے اور وزراء جتنی زیادہ زحمت کریں گے اگر اس نظام کا بنیادی ڈھانچہ ہی خراب ہوا تو کچھ نہیں بن سکے گا اور کسی صورت میں ترقی نہیں ہو سکے گی میں اس کام سے متعلق نہایت ہی مختصر دو تین جملے عوام سے کہنا چاہتا ہوں اور دو تین جملے نیک اور صالح ملازمین میں سے اور دو تین جملے نا شائستہ اور غیر صالح ملازمین سے۔

عوام سے میں کہتا ہوں کہ خواتین و حضرات برادران و خواہران یہ ہمارا اداری نظام اس میں یہ نہیں سوچنا چاہیئے کہ آپ اداروں میں جائیں کسی ایرے غیرے سے مل ملا کر پارٹی بازی سے کام جلدی کروائیں اور دوسرے کے حقوق کو ضائع کریں۔

فساد کے اسباب میں سے ایک یہی ہے کہ خود عوام ایسے کام کرنا شروع کر دیں جس سے دوسروں کے حقوق ضائع ہوں ابھی کسی ادارے میں گیا نہیں ہے اور مجھے درخواست لکھتا ہے مجھ جیسے افراد کا خط لے جا کر کام نکلوانا چاہتے ہیں، یہ غلط ہے، آپ لوگ جو اداروں میں بیٹھے

ہیں آپ کو خیال رکھنا چاہئے جو لوگ ہمارے خطوط لے کر آتے ہیں ان کے کاموں کو سب سے آخر میں کریں کبھی آکر ہم سے جھوٹ بولتے ہیں کہتے ہیں ہم گئے تھے ہمارا کام نہیں کیا اظہار مظلومیت کرتے ہیں جب اس طرح کرتے ہیں تو ہم مجبور ہو جاتے ہیں کہ کچھ نہ کچھ لکھ کر دیں جب اظہار مظلومیت کرتے ہیں تو ہم لکھ دیتے ہیں لیکن جو لوگ پارٹی بازی کا سہارا لیتے ہیں (کوئی بھی ہوں) اگر امام یا صدر مملکت یا اسمبلی سپیکر یا چیئر مین سینٹ بھی ان کا سفارشی ہو ان کا یہ جرم ہے لہٰذا ان کے کام میں دیر کریں۔

اداروں میں کام کرنے والے ان لوگوں کا کام پہلے کریں جن کو وہ خود لاتے ہیں میں خود کہتا ہوں کہ ہر وہ نامہ جس کے آخر میں میرے دستخط ہوں اس کو ایک منفی پوائنٹ شمار کریں اس پر صرف اس وجہ سے دستخط کرتا ہوں کہ وہ واقعاً مظلوم ہیں مجھے معلوم نہیں وہ مظلوم واقعاً ہے یا نہیں لہٰذا آپ جب اداروں میں جاتے ہیں تو یہ توقع نہ رکھیں کہ آپ کا کام سب سے پہلے انجام پائے اور آپ لائین سے آگے نکل جائیں۔

پارٹی بازی کے ذریعے حج پر جانا

پچھلی ہی رات ایک شخص رات کے پچھلے پہر آیا اور کسی طریقے سے اس نے ہمارے ٹیلی فون حاصل کر لئے کہ مجھ سے بات کرے اس سے پہلے اس نے امام کے گھر ٹیلی فون کیا کہ مجھے بہت ضروری کام ہے اور ایک اہم واقعہ بتانا چاہتا ہوں فلاں کا ٹیلی فون نمبر دے دیں انہوں نے مجھ سے پوچھا میں نے کہا دے دیں انہوں نے میرا ٹیلی فون دے دیا اس نے مجھے ٹیلی فون کیا میں نے ریسیور اٹھایا تو اس نے کہا جناب میں حج پر جانا چاہتا ہوں میرے تمام کام ہو گئے اب انہوں نے کہا کہ آپکے دستخط ضروری ہیں میں نے کہا میرے دستخط کی کیا ضرورت ہے تو اس نے کہا کیونکہ میں نوبت میں نہیں تھا میں نے کہا آپ یہ کیا کر رہے ہیں ؟ اس طرح میرا ٹیلی

فون نمبر حاصل کیا میرا وقت لیا اب جج پر جانا چاہتے ہیں یہ کیسا جج ہے جس پر آپ جانا چاہتے ہیں۔

جو کوئی جہاں بھی پارٹی کی بنیاد پر کام کروانا چاہے اس کا ایک پوائنٹ کم کر دیں میں یہ نہیں کہتا کہ کاملاً اس کو باہر نکال دیں بہر حال اس کو ایک پوائنٹ پیچھے حساب کریں خود آپ بھی یہ کام نہ کریں ہر شخص جو دفتر میں جان پہچان رکھتا ہو اس آشنائی کی بنا پر کام کروانا چاہے اس روش کی کبھی اصلاح نہیں ہو سکے گی آپ خود نگرانی کریں جہاں بھی پارٹی بازی دیکھیں اس سے روکیں۔

نیک و صالح سرکاری ملازمین کے لئے قابل توجہ

نیک و صالح ملازمین کی خدمت میں عرض کرتا ہوں (کہ اکثریت ایسے ہیں) مجھے علم ہے کہ آپ کی اکثریت محنتی اور جفاکش ہے آپ کی تنخواہیں ممکن ہے اس مہنگائی میں آپ کے اخراجات کے لئے کافی نہ ہوں لیکن سر دست یہی کچھ ہے جنگ کے بعد کچھ سوچیں گے آپ جو اکثر نیک و صالح ہیں اجازت نہ دیں کہ ناصالح افراد کا ایک گروہ آپ سب کو متہم اور عیب دار بنا دے۔

وانذر عشرتك الاقربين کا معنی یہی ہے اگر رسول اللہؐ نے کہا ہے کہ اپنے خاندان کی اصلاح کریں تو آپ سے بھی یہی کہتا ہوں کہ پہلے اپنے ہم کاروں کی اصلاح کریں، ان کی نگرانی کریں آپ اچھے طریقے سے جانتے ہیں کہ لوگ برا کام کر رہے ہیں۔

آپ بہتر جانتے ہیں کہ کون دیر سے آتا ہے اور کون جلدی چلا جاتا ہے آپ کو زیادہ معلوم ہے کہ کون لوگوں کی فائلوں میں مشکلات بناتا ہے آپ کو بہتر معلوم ہے کہ (نعوذباللہ) کس کے ہاتھ ٹیڑھے ہیں ان سب کو آپ جانتے ہیں اپنی آنکھیں بند نہ کریں

مخلوق کے لئے جو ہوا ہے اس پر بھی اپنی آنکھیں بند نہ کریں کیونکہ یہ کام خود ہمیں بھی بدنام کر دے گا اس کی اصلاح ہونا چاہئے۔

ناشایستہ اور غیر صالح ملازمین

حکومت کے غیر صالح ملازمین سے عرض کرتا ہوں آپ یہ خیال نہ کریں کہ اس جمہوریہ میں شاہ کے دور کی سی صورتحال ہمیشہ باقی رہے گی یہ صورتحال ہمیشہ رہنے والی نہیں ہے گزشتہ زمانہ میں شاہ بھی یہی چاہتا تھا شاہ کا سارا خاندان یہی چاہتا تھا وہ خود رشوت لیتے تھے رشوت خوروں کا بستر گول نہیں کر سکتے تھے، وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ پہچانے جاؤ گے۔

ایک یہ جنگ ختم ہو جائے گی ضد انقلاب سرکوب ہوں گے ہماری صلاحتیں آزاد ہوں گی ان اداروں کی صورتحال پر توجہ دیں گے لوگوں کی شکایات پر توجہ دیں گے ایک دن ہر دفتر میں ایک میز رکھیں گے اور ان کج رویوں کا سدباب کریں گے۔

اس وقت تمہاری داد و فریاد بے سود ہو گی اپنے آپ کو جمہوری اسلامی سے ہم آہنگ کر لو مطمئن رہو کہ ناشایستہ ملازمین آیندہ تین چار سالوں کے اندر پہچانے جائیں گے اور ہمارا دل صرف یہ چاہتا ہے کہ تم صالح و نیک ہو جاؤ اور اپنے آپ کو معاشرتی اور اسلامی زندگی کے رنگ میں رنگ لو، تمہارا رویہ اسلامی ہونا چاہیے جو وقت گزر گیا وہ گیا تعمیر نو کا عمل مکمل ہو گیا ہے اور اس نظام کو اپنے پاؤں پر سالم کھڑا ہونا چاہیے، اور یہ تم ہی ہو جنہیں صحیح طریقے سے کام کرنا ہے۔

پہلے کلام کی اصلاح

میں نے اپنے گزشتہ خطبے میں ایک جملہ کہا تھا جس سے سوء استفادہ کیا گیا، میرے منہ سے ایک جملہ نکل گیا تھا (مجھے اس کا احساس بھی ہو گیا تھا) میں نے کہا تھا اگر ایسے افراد کو

دیکھیں تو ان کے سر پر مکے دے ماریں پھر فوراً متوجہ ہوا اور اس کی اصلاح کی کہ میں نے کہا یہ نہیں کہتا ہوں کہ لڑیں، بہر حال شکایت کریں رپورٹ کریں کہیں، ان کی شناخت کروائیں ایسا رویہ اپنائیں۔

بعض لوگوں نے جا کر میرے اس جملے کی یوں تفسیر کی کہ اس سے سوء استفادہ ہو اور ہاتھا پائی شروع کی چند ایک رپورٹیں آئی ہیں کہ کل ہی ایک بہت اچھے ڈاکٹر (ہمارے عزیز جوانوں میں سے ایک جوان ہیں اور میجر اپریشن انجام دیتے ہیں) کو ایک مریض نے مشتعل ہو کر تھپڑ مار دیئے اور کہا کہ فلاں نے ایسے ہی کہا ہے اور وہ ڈاکٹر بہت اچھا ہے اس نے کہا کوئی بات نہیں، مار لیں، مجھے منظور ہے۔ بہر حال میرا مقصد یہ نہیں ہے۔ جملہ میں نے کہا تھا لیکن اس کی وضاحت بھی کر دی تھی کہ آپ قانونی چارہ جوئی کریں اس کی اطلاع دیں، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے سے بھی جب بات نہ بنے تو آپ کیلئے قانون میں حق شکایت محفوظ ہے۔

میں خبردار کرتا ہوں! مبادا میرے اس جملے سے سوء استفادہ کریں اور پھر کسی وقت یہ قانون شکنی کے لئے استعمال ہو۔ اسلامی انجمنیں صورت حال کی نگرانی اور اداروں کی اچھی کارکردگی کے لئے اداروں میں موجود ہیں انہیں نگرانی کرنا چاہیے بہر حال اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ میری اس بات سے سوء استفادہ ہو کلی طور پر صحیح راستہ پر چلیں ہو تو یہ واقعاً ایک امتیاز ہے۔

یہی آیت جو میں نے خطبے کے آغاز میں، تلاوت کی ہے کہ

ام نجعل الذین امنوا وعملوا الصالحات کالمفسدین فی الارض، ام نجعل المتقین کا الفجار

یہ سورہ ص کی آیت ہے قضیہ ولایت بھی بالکل ایسے ہی ہے کہ

یا داؤد انا جعلناک خلیفۃ فی الارض فاحکم بین الناس بالحق

اللہ تبارک وتعالیٰ حضرت داود سے فرما رہا ہے کہ تو ہمارا خلیفہ ہے، اچھے طریقے سے فیصلے کر اچھے طریقے سے قضاوت کو انجام دے اپنے عہدہ ولایت کو اچھے طریقے سے نبھا سکے۔

اس کے بعد چند آیات اور ہیں، اس کے بعد یہ آیت ہے کہ ایسے نہیں ہے ہم نیک اور متقی لوگوں کو فاسق و فاجر اور زمین میں فساد پھیلانے والوں کے ہم پلہ قرار دیں اداری کام بھی ولایت کی ایک شاخ ہیں ان میں بھی تقویٰ کی ضرورت ہے ہم ایک ماہر اور متقی ملازم کو ماہر لیکن غیر متقی یا غیر ماہر اور غیر متقی شخص کے برابر قرار نہیں دے سکتے ائندہ ان چیزوں کو مد نظر رکھا جائے گا مجھے امید ہے کہ آپ لوگ اپنے آپ کو اس کے مطابق ڈھال لیں گے۔

پینتالیسواں خطبہ

عدالت اجتماعی کی بحث کا تسلسل

انسان میں تقوا، اسلام میں اجتماعی مناسب کی تقسیم

ایران میں بیروکریسی

صدر اسلام میں ذمہ داری دینے کا طریقہ کار

ائمہ اطہار کی نگاہ میں ذمہ داری دینے کا طریقہ کار

بسم الله الرحمن الرحیم ،الحمد لله رب العالمین والصلوة والسلام علی محمد رسول اللہ و آله الائمه المعصومین ،قال العظیم فی کتابه اعوذبالله من الشیطان الرجیم ،،ام نجعل الذین آمنوا و عملواالصالحات کالمفسدین فی الارض ام نجعل المتقین کالفجار (۱)

عدالت اجتماعی کی بحث کا تسلسل

عدالت اجتماعی کی بحث میں اس مقام پر پہنچے تھے کہ اسلام معاشرہ کو منظم کرنے مناصب کے تقسیم کرنے اور مسؤلیت کے سپرد کرنے میں انسانی اقدار کو نظر انداز نہیں کرتا اور انسانی اقدار کو مد نظر نہ رکھنا ایک طرح کا ظلم جانتا ہے اور متقین (جو کہ وظائف پر عمل کرنے والے ہیں) کو فجار اور بد کرداروں کے برابر قرار دینے کو ظلم تصور کرتا ہے اس بناء پر ضروری ہے کہ ایک فصل میں عدالت اجتماعی یعنی معاشرتی مساوات کے عنوان سے بحث کریں کہ جس میں نظام اسلام کی طرف بھی اشارہ ہو اور معاشرے کی مایہ ناز اور طرہ امتیاز اقدار کی طرف بھی اشارہ ہو

میں نے کہا تھا کہ اصول امتیاز میں سے ایک اصل جنبہ فکری و علمی ہے اور دوسری

---

(۱) ص: ۲۸

اصل عمل ہے۔ یعنی انسان اپنے فرائض پر عمل کرے اور جن سے منع کیا گیا ہے ان کو ترک کرے اور گناہ کا مرتکب نہ ہو اور جو واجبات اور وظائف اس پر لاگو کیے گئے ہیں ان پر صحیح طریقے عمل کرے اس ضمن میں قرآن کی تعبیر اس طرح ہے "عملوا الصالحات "قرآن میں ایسے افراد کو صالح (نیک) متقی، محسن جیسی تعبیرات سے یاد کیا گیا ہے

انسان میں تقوی:

تمام تعبیرات کی قدر مشترک تقوی ہے تقوی انسان میں ایک ایسی کیفیت ہے جو اس کو وظائف کے انجام دینے کے ساتھ ساتھ جن چیزوں سے منع کیا گیا ہے ان سے پرہیز کرنے پر برانگیختہ کرتی ہے خداوند کریم یہ نہیں چاہتا کہ اس طرح کا انسان دوسروں کے ہم پلہ ہو اس وجہ سے اس کو ایک ممتاز مقام دیا گیا ہے ہم اس مطلب کو زیادہ سے زیادہ معاشرتی عہدوں میں کھینچ لائے ہیں.

میں نے ایک بار ان آیات کا مطالعہ کیا ہے جن میں انسان کیلئے ایمان بہ خدا اور عمل صالح کے ثمرات بیان کیے گئے ہیں ان آیات میں خداوند متعال نے قرآن میں مؤمن انسانوں کیلئے اس قدر و منزلت کو بیان ہے کہ اگر معاشرے میں انسان کیلئے کوئی عہدہ و امتیاز نہ ہوتا تو اچھا ہی تھا کہ ہم ان قرآنی مناصب اور عہدوں کے پیچھے جاتے البتہ جس طرح کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے کہ قرآن تقریباً بلاواسطہ یا بالواسطہ تقوی اور متقین کی توصیف کر رہا ہے اور فسق و فجور و کفر و زندقہ کی تکذیب و تشنیع اور ملامت کرتا ہے اور ان کو مورد تنقید قرار دیتا ہے وہ چیزیں جو ابتدائی طور پر انسان کو معمولاً نظر آتی ہیں وہ یہ ہیں کہ متقین وہ لوگ ہیں جو مؤمن اور اطاعت گزار خداوند کریم ہیں یہ ڈرتے نہیں ہیں

حزن و ملال اور غم و اندوہ نہیں رکھتے

"لا خوف علیهم ولا هم یحزنون "(۱)

حیات طیبہ (پاک وپاکیزہ زندگی) کہ قرآن اس کو بلند واعلی زندگی بیان کرتا ہے وہ انہی لوگوں کی ہے۔

متقین کے امتیازات میں سے ایک ان کیلئے ایک یہ ہے کہ بہترین جزاء ہے جس کو قرآن کریم نے درجات العلی سے تعبیر کیا ہے فردوس عالی (بہشت بریں)

جنات عدن وهم فی الغرفات امنون ،فی روضة یحبرون

(روضہ بہشت)جنات عدن اور ہمیشگی ،اسی طرح برائیوں اور جزئی انحرافات کا حسنات (اچھائیوں) میں تبدیل ہونا ان پر اللہ تعالی کی خاص عنایت .(کہ اللہ تعالی سے توبہ کرنے سے متعلق آیا ہے)فلاح (کامیابی)اور رستگاری دوگنا جزاء (دوگنایا کئی گنا جزالینا) رزق بغیر حساب وکرم خدا. اور " احسن قولا "متقین کے متعلق ہے (یعنی انہی کیساتھ مربوط ہے)

دوسری طرف سے ضمانت اور پورا پورا اجر (کہ کوئی چیز بھی ہاتھ سے نہ جائے) بخشش خاص الہی ،ہدایت خاص خداوند متعال (کہ یہ انسان کیلئے بہت بلند مقام ہے اور خداوند متعال یہ ہدایت خاص ہر کسی کو نہیں دیتا)اس تعبیر کے سات (طوبی لهم)اجر عظیم وکبیر، محبت خاص خداوند (سیجعل له الرحمن ودا)(۲) فضل خاص خداوند (فضل الہی جزاء کے علاوہ ہے)خلافت الہی ،صالح، محسن، متقی اور بہت زیادہ خوبصورت معتبر ہیں ،اجر بغیر منت کے ،استجابت دعا)دعا کا قبول ہونا)(ان کی ہر خواہش کا پورا ہونا ،اس کی چاہت واحسان ہوتی ہے)

---

(۱)یونس :۶۲

(۲)مریم :۹۶

رحمت خاص خدا، تاریکی سے نکل کر نور مطلق کی طرف جانا اور صفت ((خیر البریہ)) اور خسارے کا نہ ہونا زندگی میں یہ صفات جو ذکر ہوئی ہیں ان نتائج و ثمرات میں سے کچھ ہیں جو ایک متقی انسان کو نصیب ہوں گیئں البتہ متقین کی صفات بہت زیادہ ہیں وہ تمام چیزیں جو قابل قدر و اہمیت ہیں انسان ان کو تقوی کے سایہ میں وظائف پر عمل کرنے سے حاصل کر سکتا ہے .یہ ایسی چیزیں ہیں کہ اگر ہم تقوی رکھتے ہوں تو ہمارے اور خدا کے درمیان موجود ہیں.

بہر حال وہ امتیاز جو خداوند متعال انسان کو معاشرے میں عطا کرتا ہے اور جن عہدوں پر سر فراز فرماتا ہے ان سے متعلق میں نے کہا ہے کہ یہ وہ امتیاز ہے جو (در حقیقت) خداوند نے معاشرہ کو عنایت فرمایا ہے.

حقیقت میں اجتماعی عہدے ایک عنوان سے ایک طرح کی ولایت و سرپرستی ہیں جو افراد صالح کو واگزار کی جاتی ہیں یہ حاضر نہیں ہیں کہ ان چیزوں پر عمل کریں جن سے روکا گیا ہے اور یہ پابند ہیں ایسے وظائف کو درست انجام دیں اگر یہ افراد نہ ہوں تو ہم معاشرے کی ضرورت کے پیش نظر فرائض انجام دینے کے مناصب کو ثانوی حیثیت سے ایسے افراد کے سپرد کریں جو رتبہ کے اعتبار سے دوسرے درجے پر ہیں جن میں ان سے کمتر صلاحیت پائی جاتی ہے. یہ اصل اسلام میں سنجیدگی کیساتھ مورد توجہ رہی ہے خوش بختی سے پیامبر کے زمانے کیساتھ ہمارے زمانے میں بھی ابعاد انقلاب میں یہ امر موجود ہے انقلاب مصطفویؐ کی (ترجیحی) جہات میں سے ایک جہت یہ بھی تھی اور خوشبختی سے یہ ہمارے زمانے میں آنے والے انقلاب کے پہلوؤں میں سے ایک (مسلّم) پہلو ہے۔

اہمیت تفویض مناصب در اسلام

میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ عہدوں کی تقسیم ہمارے زمانے میں زمانہ پیامبرؐ وقت کیساتھ ہے اور تما

م جہات کو مد نظر رکھا گیا ہے یعنی یہ عہدے انسانوں کو سپرد کیے گئے ہیں میرٹ کی بنیاد پر ہیں یہ اقدار مد نظر ہوں تو عہدوں کی تقسیم ہونا چاہیے، میں مطمئن ہوں کہ جب تک ہمارا معاشرہ اس نقطہ تک نہ پہنچے اور نیک اور صالح انسان حکومتی امور کا محور نہیں بن سکتی تو ہم معاشرہ کو راحت و آسائش کیساتھ اسلام کا پسندیدہ معاشرہ نہیں بنا سکیں گے۔

اگر یہ نظریہ بہتر ہو تو قانون بھی ٹھیک و بہتر ہونا ضروری ہے رہبر اور ملک کے چلانے والے کا بہتر ہونا ضروری ہے اگر یہ چیزیں نہ ہوں تو ہم ملکی امور کو صحیح طریقے سے انجام نہیں دے سکتے ہیں اور زمانہ پیامبرؐ کے بہترین امور تک پہنچنا محال ہے لیکن کسی حد تک سلسلہ صحیح ہو جائے گا اور کچھ خوف بھی اور خوبیاں اور کچھ حیا موجود ہے بقیہ اسباب مہیا ہو جائیں گے لیکن لوگوں کیلئے ایک مطمئن زندگی مطلوب اسلامی زندگی وجود میں نہیں آسکتی۔

ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم ایک ایسا تمدن و معاشرہ رکھتے ہوں کہ جس وقت ایک سائل ایک ادارہ میں آئے اس وقت مطمئن ہو کہ ایک لحہ کیلئے بھی بلاوجہ اس کو معطل نہیں کیا جائے گا اس کی فائل کو گرہ سکوئی نہیں لگائے گا محبت اور دشمنی قاضی پر اثرانداز نہیں گی (انشاء اللہ) وہ حق کو بیان کرے گا اور عمل در آمد کرنے والا ادارہ اس پر عمل کرے گا اور مالیات کو استعمال کرنے والے حق کیساتھ اس کو استعمال کریں گے۔

اگر انسان اس طرح کی صورت حال کا اپنے ماحول میں مشاہدہ کرے تو پھر بہتر زندگی گزر سکتی ہے اگر اس طرح کی صورت حال نظر نہ آئے تو زندگی اتنی آسانی کیساتھ نہیں گزر سکتی آپ جس قدر بھی ان سے کام لینا چاہیں لیں لیکن آخر کار کسی نہ کسی طرح سے یہ کام میں روڑہ اٹکادیں گے اور خراب کردیں گے لہذا اسی وقت پہلے خطبوں کی طرح حکومت کو تاکید کرتا ہوں کہ اگر یہ چاہتے ہیں کہ آنے والی کل کو حکومت امام زمانہؑ کے ملازمین میں ملازم کی حیثیت سے اپنا نام درج کروائیں اور حکومت اسلامی میں ایک قابل فخر تجربہ موجود ہو تو کوشش کریں

کہ اپنے آپ کو اس حکومت کیساتھ ہم آہنگ کریں اور کوشش کریں کہ اذیت دینے والے کام نہ کریں اور انتظامیہ کو مفلوج نہ کریں، ہم میں ابھی تک یہ سب کچھ موجود ہے۔

ایک نمونہ عرض کرتا ہوں آپ دیکھیں کس طرح کام اچھے طریقے سے انجام نہیں پاتا. دو تین سال پہلے مرحوم رجائی کی حکومت کے زمانے میں حکم نامہ صادر کیا کہ حکومتی اداروں میں اول وقت نماز پڑھی جائے اور ہاں یہ حکم اسلامی ہے مستحب ہے کہ نماز کو اول وقت پڑھا جائے انسانوں کا ایک گروہ اچھا ہے (فعلاً میں یہ نہیں جانتا کہ اداروں میں ان کی اکثریت ہے یا اقلیت ؟یعنی کتنی تعداد میں ہیں) یہ لوگ خوش ہیں کہ اول وقت میں نماز پڑھتے ہیں اور فوراً واپس آجاتے ہیں اپنے کام انجام دیتے ہیں وہ پندرہ سے بیس منٹ تک جو انہوں نے نماز پڑھی فوراً اس کا جبران کرلیتے ہیں

لیکن ایک بڑا گروہ ہے جو نماز نہیں پڑھتا اور دل لگا کر کام بھی نہیں کرتا یعنی حقیقت میں یہ لوگ ظہر ہی سے اداروں میں چھٹی کرتے ہیں مثلاً لوگ بینک کے سامنے کھڑے ہیں اور یہ نماز کا بہانہ کر کے بینک بند کردیتے ہیں پھر جب بینک میں واپس آتے ہیں تو لوگوں سے مذاق کرتے ہیں اس طرح کام کرنے والے بھی ہیں ان کے کام کی اوپر رپورٹ کی جاتی ہے. ایسا کام کرنے والا یہ خیال نہ کرے کہ میں کامیاب ہوں بلکہ بالآخر وہ کام کرنے والا پکڑا جاتا ہے آنے والے لوگ ان کی پہچان کرواتے ہیں اس کیلئے فائل بنائی جاتی ہے ایک نہ ایک دن اس تک پہنچ جائیں گے۔

میں ابھی نہیں چاہتا کہ لوگ ان (کام چوروں) کو باہر نکالیں لیکن اس کا یہ معنی ہرگز نہیں کہ قیامت تک اس طرح کی صورت کو برداشت کریں. اس تجربہ کی بنیاد پر جو ذکر ہوا ہے وزیر اعظم اور حکومت مجبور ہوگی کہ کوئی حکم دیں کہ آرڈیننس استثنائی صورت بینکوں اور کارخانوں میں ختم ہوجائے حق یہ ہے کہ ہم اس کو ختم کریں اس کیساتھ ہم کہتے ہیں کہ نماز اول

وقت پڑھنا مستحب ہے لیکن آپ توضیح المسائل میں دیکھیں تو لکھا ہوا ہے کہ اگر انسان طلبگار ہو اور آپ سے دین طلب کرے آپ میں اجازت نہیں کہ نماز کو اول وقت میں پڑھیں ضروری ہے کہ پہلے آپ قرض ادا کریں بعد میں نماز ادا کریں۔

حکومت اسلامی میں کام کرنے والوں کے وظائف :

وہ کام کرنے والا جو تنخواہ لیتا ہے کہ ۶ گھنٹے صبح سے دو بجے ظہر تک کام کرے ایک قرض اس کی گردن پر ہے اسے سوچنا چاہیے کہ وہ اپنے مالک کو کس طرح راضی کر سکتا ہے جو اس کو تنخواہ دیتا ہے تاکہ وہ کام کرنے ایک گھنٹہ نماز پڑھنے کے بہانے سے معطل کرے ؟ پھر واپس آئے اور اس کا مذاق اڑائے لہذا حکومت کا حکم حق کیسا تھ ہے کہ یہ اچھا تجربہ ان دو مورد میں (بینکوں اور کارخانوں میں) مناسب نہیں تھا شاید اور بھی موارد اس طرح کے ہوں کہ ضروری ہے ان تک پہنچا جائے اور سد باب کیا جائے میں نے سنا ہے کہ بعض ان (کام کرنیوالوں) میں نمازی پیدا ہوئے ہیں ۔

اداروں میں اول وقت نماز

حکومت کے ان دستورات کو ختم کریں لیکن یہ بات حق ہے کہ اس کو مقام عمل میں ضرور لایا جائے نماز ظہر کی فضیلت کا وقت اس لحظہ سے ہے کہ جس وقت ظہر ہوتی ہے. ہاں! وہ انسان جو اہل فضیلت ہیں وہ جا کر نماز پڑھتے ہیں اس کے بعد نماز عصر کی فضیلت شروع ہو جاتی ہے حالانکہ نماز عصر کو افضل وقت میں نہیں پڑھتے. آپ چھوڑ دیں تاکہ وہ جائیں اور وقت پر نماز ادا کریں اور لوگوں کے وقت کو ضائع نہ کریں کہ جس دن ہم سمجھے کہ ہمارے ادارے واقعاً نماز پڑھنے والے ہیں اور واقعاً بعنوان وظیفہ حرکت کرتے ہیں (ایک نماز دس یا زیادہ سے زیادہ پندرہ منٹ وقت لیتی ہے اور پھر کام کرنے والے جلدی اپنے کام پر آجاتے ہیں) اس کام کو کرتے ہیں

لیکن انجمن اسلامی کے نام سے اجازت نہیں ہے کہ وہ (کاسہ داغ تر از آش) کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ مقدس بن کر اچھے کاموں سے روکیں۔

ہم، لوگوں کے کام کو مقدم سمجھتے ہیں ہمارا اہم مسئلہ یہ ہے کہ لوگوں کے کام درست انجام دیں. افسوس کہ جس طرح میں نے عرض کیا ہے ہم ان کو منافقین سمجھتے ہیں (منافق ہیں نہ منافق اصطلاحی یعنی ایک گروہ جو جھوٹ بولتا ہے کہ ہم اسلام دوست ہیں) یا شاہ کے زمانے کے بچے ہوئے عناصر ناصالح ہیں اور ابھی باقی ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ ملت انقلابی کو تنگ کریں یا یہ ان گروہوں سے ہیں کہ جو بالکل آزاد ہیں اور شہوت ران ہیں کہ ہر حال میں حکومت اسلامی کی طرف مائل نہیں ہیں۔

یہ لوگ میلان رکھتے ہیں کہ حکومتی کام کے میں حائل رہیں لوگوں کو اذیت کریں اور ناراضگیاں پیدا کریں ہماری انقلابی ملت جان لے اگر اس طرح کا نمونہ دیکھے یہ سارے وہ لوگ ہیں جو ضد انقلاب ہیں وہ لوگ جو انقلاب کیساتھ ہیں ان اداروں میں بہت زیادہ ہیں اور خدمت و زحمت کر رہے ہیں لیکن یہ لوگ ان کے کام کو خراب کرتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر فائل ان لوگوں کے راستے سے ہو کر آتی ہے ممکن ہے یہ فائل اس کام کرنے والے کے ہاتھ سے گزرے.

اگر دس آدمی کام کرنے والے ہوں لیکن ایک کام چور ہو تو نو آدمیوں کا کام خراب ہو جائے گا آپ ان کام چوروں کی شناخت کروائیں. اگر رشوت کھانے والے کو دیکھیں اگر گرہ لگانے والے کو دیکھیں تو ان کی رپورٹ کریں تاکہ ہم ایک دن ان کی فائل کی تحقیق کریں حج کے موسم میں لوگوں نے دیکھا کہ ہوائی جہازوں کا ادارہ کامیاب ہو گیا ہے کہ بیس دن کے اندر ایک لاکھ آدمی کو بڑے اچھے طریقے سے منتقل کر دیا. ہاں! یہ ادارہ اچھا کام انجام دے رہا ہے اگر ایسا ہو کہ ان کے درمیان چند افراد ایسے ہوں جو لوگوں کو ناراض کریں یہ اپنے ان دوستوں

کیساتھ جو اچھے طریقے سے اپنے کام انجام دیتے ہیں اس طرح کریں ظلم ہے یہ ماجرا دوسرے مسائل میں بھی وجود میں آتا ہے ۔

صدر اسلام میں عہدوں کا سپرد کرنا

اسلام میں زمانہ پیغمبرؐ میں اور جب بھی حکومت اسلامی واقعا وجود میں آئی اس اصل پر اعتماد کرتی تھی کہ لائق اور باصلاحیت لوگوں کو اسلامی معیار کیساتھ کام کیلئے مرکز بنائیں عمر کے زیادہ ہونے کی طرف توجہ نہیں کرتی تھی اور رشتہ داری کی اہمیت پر بھی توجہ نہیں دیتی اور نہ ایسی چیزوں کی طرف متوجہ ہوتی تھی.

پیغمبرؐ کی زندگی ایسے موارد سے بھری ہوئی ہے کہ میں اس کے نمونے عرض کرتا ہوں آپ دیکھیں کس قدر خوبصورت ہے تمام جانتے ہیں کہ اسطرح کا اعتبار نیک لوگوں کیلئے تھا اور پرہیزگار لوگوں کیلئے اور البتہ تجربہ کیساتھ ہے (یہ ایک دوسرے کیساتھ تھے اس وقت آپ فکر نہ کریں کہ ہم صرف ایک ہی گفتگو کریں گے) پیغمبر اکرمؐ نے جس وقت مکہ کو فتح کیا اور چاہا کہ مکہ سے ایک جنگ کی طرف جائیں.

ایک اکیس سال کا جوان جس کا نام عطابن اسید تھا اس کو لوگوں کا حاکم بنایا ان میں سے ایک گروہ نے (ایک عدہ نے) کہ جن کی فکر سنتی تھی انہوں نے شور مچایا ہمیشہ ان کی عادت تھی ۲ کہ جسوقت ان چہروں کو کہ جن کے رشتہ دار ہزار کی تعداد میں ہوتے حکومت میں دیکھتے کھڑے ہو جاتے اور یہ لوگ کہتے کہ پیغمبرؐ نے سب کی اہانت کی ہے (توہین)

جو اس نے ایک اکیس سالہ جوان کو شہر ام القری مکہ پر حاکم بنادیا ہے پیامبر اکرمؐ نے ان کو حاضر کیا اور فرمایا پھر میں اس قسم کے الفاظ آپ سے نہ سنوں

ولا یحتج احد منکم بصغر سن فانه لیس الا کبر هو الافضل بل

الافضل هو الاكبر

آپ کیوں جاہلیت کی رسموں سے چھٹکارا حاصل نہیں کرتے۔ انتخاب کا معیار وملاک انسانوں کی فضیلت ہے انسانوں کی عمر کا زیادہ ہونا اور ظاہری شخصیت ملاک نہیں ہے یہ مرد اپنی آخری عمر تک مکہ میں حاکم تھا۔

جس وقت پیغمبرؐ اپنی زندگی کے آخری دن گزار رہے تھے بہت بڑا لشکر روم بھیجا اور ۱۸ سال کے جوان اسامہ بن زید کو لشکر کا جرنیل بنایا تھا اس لشکر میں اسلام کی بزرگ شخصیات جو کہ ہمیشہ پیغمبر کیساتھ رہیں اس میں شامل تھے عمر تھا، ابو بکر تھا وہ تھے جو پیغمبرؐ کے قریبیوں میں سے تھے پیغمبرؐ نے ان کو عتاب کیا جنہوں نے مخالفت کی اور فرمایا

"لعن الله المتخلف عن جيش اسامة۔

حضرت علیؑ کی نگاہ میں مناصب کی تقسیم :

حضرت علیؑ ابن ابی طالب علیہ السلام اپنے عمال میں سے ایک کو لکھتے ہیں اگر آپ چاہیں کہ لوگوں کو عہدے دیں تو ان کی فضیلت کو مد نظر رکھا جائے نہ کہ ان سے رشتہ داری یا ظاہری شخصیت

ولا يدعونك شرف امرئ الى ان تعظم من بلائيه ماكان صغيرا ولا ضعة امرئ الى ان تستصغرمن بلائيه ماكان عظيما"

ہمیں یہ نہیں دیکھنا چاہیے کہ اس آدمی کا خاندان بڑا ہے یا چھوٹا بلکہ اس کی فضیلت اور مرتبہ دینی کو دیکھ کر اسے منصب دیا جائے اور دیکھا جائے کہ وہ ریاستی امور کو کس حد تک انجام

---

(۱) نہج البلاغہ خط نمبر ۵۳

دینے کی صلاحیت رکھتا ہے اور ہمیں ان افراد کے پیچھے جانا چاہیے جنھوں نے عمل کے ذریعے ثابت کیا کہ وہ نیک اور صالح ہیں اور یہی حضرت علی علیہ السلام کا حکم ہے۔

زمانہ پیامبرؐ میں اور اس کے چند سال بعد تک اس طرح ہوتا رہا ہے کہ انسانوں کی قدر و منزلت اور پرہیزگاری کا خیال رکھا جاتا تھا جیسے کہ اہل سنت کی کتابوں میں روایت ہے کہ حضرت عمر کے دور میں ابوسفیان اور اشراف قریش کا ایک گروہ اور دوسری طرف سے صہیب اور بلال فقرا کے گروہ کے ساتھ حضرت عمر سے ملنے آئے عمر نے پہلے صہیب اور بلال اور فقراء کے گروپ سے ملاقات کی پھر ابوسفیان اور قریش کے لوگوں سے ملے ابوسفیان کو غصہ آگیا کھڑے ہو کر بولا

ما رائیت کالیوم قط
میں نے کبھی بھی ایسا دن نہیں دیکھا تھا

یا ذن لھوا لا ء العبید و یترکنا علی با بہ
کہ ان نوکروں کو اندر لے جائیں اور ہم انتظار کرتے رہیں فقرای کے گروہ میں ایک نے سنا کہ ابوسفیان یہ بات کہہ رہا ہے (اس نے سوچا نہیں تھا کہ وہ سن رہا ہے) کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا۔

ان کنتم غصابا فا غضبو اعلی انفسکم
اگر سخت غصہ کھانے والے ہو خود اپنے نفس پر غصہ کریں

دعوا الی الاسلام و دعیتم الی الاسلام فا سرئو قا بطتم
ایک دن پیغمبر اکرمؐ نے آپ سب کو اسلام کی دعوت دی یہ سامنے آئے اور مسلمان ہو گئے آپ پیچھے رہ گئے اب بھی یہ پہلے ہیں

کیف بکم اذا کان یوم القیامہ ودعوا و ترکتم

صبر کریں قیامت کا دن آئے گا آپ دیکھیں اس جگہ خداوند متعال ان کو دعوت دے گا اور آپ کو پیچھے رکھے گا

یہ روش پیغمبر اسلامؐ کے بعد بھی چلتی رہی اسی کتاب میں نے لکھا ہے عمر لوگوں کے لئے وظیفے معین کر رہا تھا اسامہ کے لئے زیادہ معین کیا لیکن اپنے بیٹے عبداللہ کے لئے تھوڑا معین کر رہا تھا عبداللہ کو غصہ آگیا اس نے گلہ کیا عمر نے کہا نہیں آپ حق نہیں رکھتے کہ آپ گلہ کریں زمانہ پیغمبرؐ میں بھی اسامہ اور اس کا باپ آپ سے اور آپ کے باپ سے زیادہ نزدیک تھے آج بھی یہ ضروری ہے کہ وہ میرے زیادہ نزدیک ہوں یہ روحیہ مسلمانوں میں تھا کہ ایک دوسرے کو معیاروں سے دیکھتے تھے۔

افسوس کہ عثمان کے زمانے میں خرابی پیدا ہوئی اور یہ حالت پیش آئی کہ جس سے آپ اچھی طرح واقف ہیں جس کی آج تک اصلاح نہ ہو سکی یہاں تک کہ حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام اصلاح میں مشکل سے دوچار ہوئے ان معیاروں کا اسلام میں ہونا ضروری ہے الحمد للہ حکومت اسلامی میں بہت حد تک ان معیاروں کی رعایت کی جاتی ہے۔ آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ ملک کے بہت سے روسا حزب الٰہی طبقہ سے ہیں بغیر اس کے کہ ان کا کوئی سابقہ کردار ہو اور اس کے برعکس جو لوگوں کے ذہنوں میں تھا ان لوگوں کا اس طرح ہونا ضروری ہے اور ہمارے وزیر اور ان کے مشیر بڑے رئیس G. آئی جی قومی اسمبلی کے ممبر ڈی ایس پی وغیرہ بہت زیادہ جو اب رئیس بنے ہیں سب نہیں ان میں سے بہت زیادہ ہیں کہ کوئی ان میں سے صاحب کام نہ تھے سوائے اس کے کہ ان کے پاس معیار یعنی نیک اور متقی ہونا موجود ہے البتہ ان میں سے بعض کا تجربہ کافی نہ تھا اس جگہ تجربہ کا حکم اور صلاحیتوں کا حکم دیا گیا ہے اگر ہم صالح افراد پیدا نہ کر سکے کوئی چارہ ہی نہیں ہے کیونکہ قدرت میں نہیں ہے کہ ایک فاسق فاجر کو اجازت دیں کہ وہ تصرف کرنے والا ہو اس لئے کہ اس کے نمونوں کو دیکھے

جس جگہ ہیں لوگوں کو اذیت دے رہے ہیں پیغمبر اکرمؐ نے یہ بہت خوبصورت جملہ فرمایا

من ولی من امر المسلمین شیٔ ثم ولی علیہم احداً محابات فعلیہ لعنتہ اللہ الی یوم القیامہ

بہت ہی عجیب جملہ فرمایا ہے جو لوگوں کے کاموں کا ذمہ دار ہو کہ زہد کرنے کا اس کو حق حاصل ہے لیکن نصب کرتے وقت قانون کی بجائے رابطہ کو مد نظر رکھے یعنی اس کے بجائے کہ ایک باصلاحیت شخص کو منتخب کرے اس شخص کو منتخب کرے جس کو زیادہ دوست رکھتا ہو اور اپنی دوستی کو معیار بنائے یہ انسان قیامت تک خدا کی لعنت کا مرکز بنا رہے گا (یہ بات بہت بڑی ہے) البتہ اس فرمائش کا مطلب یہ نہیں کہ اگر کسی کا اپنا دوست باصلاحیت ہو تو اس کو نوکری دے دے تو بھی وہ ملعون ہے نہیں انسان ممکن ہے کچھ افراد کو نہ پہچانے

لیکن اپنے دوست کو پہچانتا ہے یہ طبیعی ہے کہ معاشرے میں تمام افراد کی فائل اس کے پاس نہیں ہے کہ جس نظام میں ابھی اشخاص کی پہچان نہیں ہوئی جو کوئی ایک ریاست کو اپنے ذمہ (عہدے) لیتا ہے ان کے درمیان سے منتخب کرتا ہے جن کو وہ جانتا ہے اس کی قدرت میں نہیں ہے کہ ان لوگوں کو لے آئے جن کو وہ جانتا نہیں۔

لہذا ہم یہ نہیں کر سکتے کہ کہیں ضروری ہے اتنا صبر کرے تاکہ ایک آدمی ملے اس طرح نہیں ہو سکتا ضروری ہے کہ جن کو وہ جانتا ہے ان کے پیچھے جائے یہ طبیعی ہے دوست رشتہ دار جن سے اس کی آشنائی ہے ان کو سامنے لانے میں کوئی اشکال نہیں ہے اگر اس میں ان کو باصلاحیت دیکھا ان کو آگے لانا چاہیے لیکن اگر ان میں صلاحیت نہ ہو اور ان کو آگے لے آئے وہ انسان ملعون ہو جاتا ہے

اگر یہ معیار ہماری زندگی میں اس حد تک کہ آج جس پر عمل ہوا ہے آئندہ بھی اس حد

تک جاری رہے۔

انشاء اللہ جمہوری اسلامی اصلاح کی طرف جائے گی اور خدا ایسا نہ کرے اگر ایک دن تائید و تکذیب یا پاس فیل کا معیار رشتہ داری یا پارٹی بازی بن گیا تو یہ اہم ترین ذلت ہے جو جمہوری اسلامی کو اندر سے کھا جائے گی الحمد للہ میں ابھی امت اسلامی کی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ بہت زیادہ (سب کو نہیں کہتا) سلیکشن منصبوں کا دینا ریاستوں کا سپرد کرنا اس اسلامی معیار کے مطابق ہے بہت بڑے افتخار اس حکومت میں ہیں ابھی نہیں جانتے یا کم جانتے ہیں

شہید باہنر کے باپ سے ملاقات

میں دفعہ دورے پر کرمان گیا تھا میں نے شہید باہنر کے باپ سے ملاقات کی تھی اسی (۸۰) سال کے نزدیک بوڑھے مرد ایک وزیر اعظم جو صاحب علم ہے اور شہید ہے کا باپ ہماری ملت میں کامل رغبت کے ساتھ حاضر ہے کہ اس کے رشتہ دار کی اپنی اس نظر کے سامنے محافظت کرے یہ بوڑھا مرد مجھ کو دیکھنے آیا میں نے اس کی احوال پرسی کی اس کے کام سے متعلق پوچھا معلوم ہوا کہ یہ بوڑھا مرد ابھی بھی پستہ بیچنے والے کا شاگرد ہے یہ باپ اپنے بیٹے کی ریاست سے پہلے ایک سبزی فروش تھا آج اس کے ہاں دوکان داری کے لئے بھی سرمایہ نہیں ہے اور بدن میں طاقت نہیں ہے کہ داکان میں کام کرے مگر شاگرد ہے ایک پستہ بیچنے والے کا اس لئے کہ وہاں زیادہ صحت کی ضرورت نہیں ہے

آپ ان تمام ملکوں میں جائیں جو کیمونسٹ اور سوشلسٹ نظام کے دعوی دار ہیں دیکھیں ایک شہید وزیر اعظم کا باپ مثل شہید باہنر (البتہ وہ وزیر اعظم جو معزول کر دیا گیا ہو وہ اس کے لائق نہیں تھا یہ دوسری بات ہے) کہ لوگ ابھی بھی حاضر ہیں کہ اپنی آئندہ نسل کے سامنے اس مقام کو محفوظ رکھیں اس طرح زندگی گزارتے ہیں آیت اللہ منتظری کے باپ کے

ہاتھ میں ابھی بھی بیلچہ ہے اور کاشت کاری کرتا ہے یہ افتخارات آپ کو کہاں سے ملیں

میں ایک بات کرنا چاہتا ہوں لیکن آپ کے لئے مشکل ہوگا چونکہ جمہوری اسلامی کی تاریخ میں ارزش رکھتی ہے بیان کرتا ہوں اپنی زادگاہ گیا صبح کو اٹھا تا کہ اپنے باپ کے گھر صحن کو اور صحن کے گوشوں کو دیکھوں ایک گروپ میرے ساتھ تھا (پاسدار اور خبر نگار بھی تھے) اچانک میں نے دیکھا میری والدہ جن کی عمر اسی (۸۰) سال کے قریب ہے نالے کے کنارے پر بیٹھی ہیں ایک مزدور کی طرح ان برتنوں کو خود دھو رہی تھیں جن میں پچھلی رات مہمانوں نے کھانا کھایا تھا میں بہت متاثر ہوا اور اپنی والدہ سے کہا کوئی مدد کرنے والا نہیں ہے کہا نہیں الحمد للہ لوگوں کی حالت اچھی ہو گئی ہے تمام اپنے لئے پستے کے باغ رکھتے ہیں اب ضرورت کے لئے نہیں آتے۔

یہ جمہوری اسلامی کے لئے افتخار ہے (میرے لئے نہیں میں کچھ بھی نہیں ہوں) میں خود اگر یہ کام کروں مہم نہیں ہے بہت زیادہ وزراء اور وکلاء جو آپ کے خادم ہیں وہ ایسی زحمت کرتے ہیں ہماری قومی اسمبلی میں ایسے ممبر ہیں جن کے باپ نے ایک لحظہ کے لئے بھی اپنے ہاتھ سے بیلچہ نہیں چھوڑا اب بھی بیلچہ ان کے ہاتھ میں ہے اپنے بیٹے کے ممبر بننے کے بعد بھی کوئی فرق نہیں آیا وزیر بھی ایسے ہیں جو اس طرح کے ہیں ضروری ہے کہ یہ افتخار باقی رہے لیکن یہ دلیل نہیں بن سکتی کہ فلاں آدمی جس نے علم حاصل کیا ہے یا ایک صلاحیت کو کسب کیا ہے بھائی (نہ کہ اس کا باپ) بھی حق رکھتا ہو کہ بیت المال سے کھائے نہیں ایک دوسرے کے ساتھ ربط نہیں ہے اگر وہ بھی صالح تھا آئے اور کام کرے بنی ہاشم پیغمبر کے پاس آئے اور ایک چیز کو چاہا حضرت نے بنی ہاشم سے فرمایا

لا یحبنی الناس با لا عمال و تجیء با الانساب

اس طرح نہ ہو کہ لوگ اپنے اعمال کے ساتھ میرے قریب آئیں مگر آپ چاہیں کہ

حسب ونسب کیساتھ میرے قریب ہیں اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ میرے ساتھ رابطہ رکھیں تو صرف عمل کے ذریعے میرے قریب آئیں۔

حضرت علی اور عقیل کا واقعہ

جناب عقیل حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی خدمت میں آئے اور کہا اس دن سے کہ آپ رئیس بنے ہیں ہماری حالت ہزار بار خراب ہوئی ہے پہلے ہم کو مد نظر رکھتے تھے ابھی آپ ہمارا ملاحظہ نہیں کرتے میرے گھر کی حالت خراب ہے حضرت علیؑ نے فرمایا بہت اچھا ہے نماز جمعہ میں آنا عقیل بھی نماز جمعہ میں آئے حضرت علی علیہ السلام نے عقیل سے کہا۔

لوگ ابھی یہاں بیٹھے ہیں ان کی دوکانوں کا کوئی نگہبان نہیں تو جا ان کی دوکانوں کی طرف تجھے حق حاصل ہے کہ ایک مقدار بازار سے اٹھالے تو جا اپنی حالت کو ٹھیک کر عقیل نے کہا آقا کیا میں چوری کروں ؟ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا اچھا تو چوری نہیں کرتا پس تو کہتا ہے کہ میں چوری کروں میں کس لئے لوگوں کے اموال کو اٹھا کے تجھے دوں کیا اچھا ہے کہ تو لوگوں کے اموال کو چوری کرے اگر ایک آدمی صالح ہو (صالحیت رکھتا ہو) اور آ کر وزیر بن جائے وکیل بن جائے آئی جی بن جائے ڈی ایس پی بن جائے بہت اچھا ان کے قدم آنکھوں پر البتہ اپنے بھائی کو چچا کے بیٹے کو اپنی ہمشیرہ کو اپنی والدہ کو اپنے رشتہ داروں کو جو کہ صلاحیت نہ رکھتے ہوں کوئی وجہ نہیں کہ ان لوگوں پر مسلط ہوں

انسان کو حاضر نہیں ہونا چاہیے کہ اپنی آخرت کو دوسروں کی دنیا کے بدلے میں دے دے یہ کام درست نہیں ہے کہ دوسروں کی دنیا کو بنائے اور اس کے لئے کہ اپنی آخرت کو تباہ و برباد کرے یہ بہت بڑا ظلم ہے اس بنا پر آپ کی توجہ ہونا چاہیے کہ جمہوری اسلامی کی حکومت میں منصب (عہدہ) بدون قید ایک طرح کی ولایت ہے اس ولایت کیلئے کچھ عناصر ضروری ہیں ان

عناصر میں سے ایک صلاحیت علمی ہے کہ میں نے پہلے خطبوں میں کہا ہے ضروری ہے انسان کیلئے اساس رکھتا ہو دوسرا عنصر تقوی ہے روح کی صلاحتیں امانت دار ہو اپنے وظائف پر عمل کرتا ہو گناہوں کو ترک کرتا ہو برے کاموں کو انجام نہ دیتا ہو وظیفہ شناس ہو قرآن کی تعبیر میں

الذین آمنوا و عملوا الصالحات ہے کہ ضروری ہے کہ یہ کیفیت کو رکھتا ہو اگر یہ کیفیت رکھتا ہے ہم ولایت کی لیاقت رکھیں اس حالت کو رکھتے ہوں تو ہم ولایت رکھتے ہیں۔

میں اس جمہوری اسلامی کی حکومت میں کام کرنے والوں سے عرض کرتا ہوں کہ اس جگہ اسلامی حکومت میں اکثر افراد کی جو اہمیت ہے (وہ باصلاحیت کی ہے) وہ نیک ہیں میں ان افراد کی جو کہ نیک وصالح نہیں ہیں ان کی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ مطمئن رہیں کہ اولاً یہ کہ انقلاب باقی رہنے والا ہے ثانیاً کہ یہ انقلاب افراد کو اداروں سے اور حکومت کے عہدوں سے دور نہیں کرے گا۔

ملت عزیز انقلابی کی خدمت میں بھی عرض کرتا ہوں اگر آپ حکومت کے اداروں میں کچھ خرابیاں دیکھتے ہیں تو ان کو انقلاب کی آنکھ سے نہ دیکھیں۔ آپ کے انقلاب کا ہمیشہ ہونے کیلئے ضروری ہے کہ انقلاب ان کے ساتھ مبارزہ کرے تاکہ ان کو برکنار کرے انقلاب مکمل نہیں ہوا ابھی تمام قوانین اسلامی نہیں ہوئے ہمارا اقتصاد بھی ابھی سارا اسلامی نہیں ہوا ابھی تمام نظام اسلامی نہیں ہوا یہ ان مسائل کا حصہ ہے کہ جن میں ضروری ہے کہ پیش رفت کریں یعنی فکر نہ کریں کہ انقلاب ختم ہو گیا ہے اس شعبے میں ضروری ہے کہ آگے جائیں آپ خود مدد کریں افراد کو پہچانیں اور آگے ان کی شناخت کریں اپنے ادارے کی مدد کریں افراد ناصالح کو نصیحت کریں اول درجے میں نصیحت اور اگر نصیحت قبول نہ کریں پھر کوئی راستہ ہی نہیں ہے اور سب سے آخری علاج اپریشن ہے۔

چھیالیسواں خطبہ

عدالت اجتماعی کی بحث کا تسلسل۔

دین اسلام کے اخلاقی نظام میں اقدار کا معیار

اسلام میں اقدار اور ان ضد اقدار کی وضاحت

بسم الله الرحمن الرحیم قال العظیم فی کتابه اعوذ بالله من الشیطان الرجیم. بسم الله الرحمن الرحیم ۔ ان الله یأمر بالعدل والاحسان و ایتاء ذی القربی و ینهی عن الفحشاء والمنکر والبغی یعظکم لعلکم تذکرون(۱)

عدالت اجتماعی کی بحث کا تسلسل۔

اس کے بعد عدالت اجتماعی کی بحث میں ان برجستہ لوگوں کے امتیازات جو ممتاز اور ماہر ہیں اور اسلام کے قدر و منزلت کے نظام کی طرف اشارہ ہو چکا ہے۔ ممتاز انسان علمی اور فکری لحاظ سے ایک فصل ہے اور ممتاز انسان علمی لحاظ سے اس کی دو فصل ہیں ایک فصل یہ ہے کہ اپنے وظائف کو انجام دیتا ہے (یعنی عامل و ظائف) اور جن چیزوں سے روکا گیا ہے ان کو انجام نہ دینا اور ایک فصل قربانی وایثار ہے جس میں ابھی وارد نہیں ہوئے۔

دوسری فصل میں ان انسانوں کی ارزش (قدر و منزلت) جو وظائف پر عمل پیرا ہوں اور جن چیزوں سے روکا گیا ہے ان پر عمل نہ کریں یہ بیان ہوگا یہ تین خطبوں میں گفتگو کی ہے اور آج اسلامی قدروں سے متعلق ایک لمبی و طولانی بحث ہے امید کرتا ہوں کہ یہ بحث اس عنوان

---

(۱) نحل ۹۰

کے ساتھ ان انسانوں کی رہنمائی کرے گی۔ جو اپنے آپ کو سنوارنا چاہتے ہیں تاکہ زندگی میں اس کے سامنے اپنے آپ کو پرکھیں اور امکانی حد تک اس کے مطابق عمل کریں۔ اسلام قدروں کے تعین کے متعلق ایک رائے رکھتا ہے جو اسلام میں ہی منحصر ہے اور ایک حد تک دیگر آسمانی ادیان اور الہی مکتبوں میں یہ بھی موجود ہے اس کے علاوہ تمام مکاتب اس طرح کی ارزش پیدا نہیں کر سکتے ہیں قدروں کی تعیین کا مقصد انسانوں کی سعادت مندی ہے تاکہ انسان اپنے آپ کو اس سعادت تک لے جائے کہ جس کو قلم تقدیر نے لکھ دیا ہے اور جو مقدرات الہی اس کیلئے چاہتے ہیں۔

اسلام میں اقدار کی تعیین کا معیار

اسلام کے لحاظ سے اس سعادت کا ایک حصہ دنیا میں ہے اور ایک آخرت میں یعنی انسان کو ابتدائے خلقت سے نظر رکھنا چاہیے کہ آخرت تک کہ جس کی حد نہیں ہے یعنی الابد یعنی انسانوں میں سے ایک فرد کیلئے اور انسانوں' تمام معاشروں کیلئے عنوان سعادت کے طور پر جو چیز پیش کی گئی ہے یکساں ہے اقدار کی تعیین میں کوشش کی گئی ہے کہ جو چیزیں گرانقدار ہوں کہ انسان کو ان ہدفوں کی طرف اور اس سعادت کی طرف لے جائیں

وہ انسان جو کامیاب ہو کہ ان تمام سعادتوں کو اپنے لئے مہیا کرلے یہ سعادت مطلق ہے البتہ اس قسم کے افراد کی صف اول میں انبیاء کرام ہیں اور اولیاء عظام ہیں اور کچھ افراد انسانوں میں سے وہ ہیں جس کا دنیا کی تاریخ میں ذکر آیا ہے کہیں یہ سعادت نسبتی ہے اس کی مثال ایک تنومند درخت کی سی ہے جس پر پھل ہے اس کا تنا ہے شاخیں ہیں پھول ملتے ہیں۔ جو ہر ایک قدرت رکھتا ہے ایک حصہ ان میں سے اپنے لئے مہیا کرے جتنی مقدار زیادہ ہو گا اتنا ہی بہتر ہو گا مدد و مرتبہ تعیین کچھ اس طرح ہے کہ زیادہ سے اس درخت کی سعادت سے فائدہ اٹھا

سکتا ہے اور یہ نسبتی ہے کچھ لوگ ساٹھ فیصد فائدہ اٹھاتے ہیں پچاس فیصد کچھ بیس فیصد کچھ تیس فیصد ایسے ہی مختلف مقدار ہے اور قرآن اور معارف اسلامی کی تمام کوشش یہ ہے کہ انسان کو امکاں کی حد تک اس سعادت تک پہنچائیں۔

دنیاو آخرت کی سعادت

یہ سعادت دنیا کے ساتھ مختص نہیں ہے اور نہ ہی آخرت کے ساتھ مختص ہے اگر اس کی دنیابہ کم ہو تو کچھ کم ہے اگر اس کی آخرت میں کم ہو پھر زیادہ کم ہے اگر دونوں سے کم ہو پھر اسی زیادہ کم ہے اس کا تصور بھی نہیں ہو سکتا کہ اگر کوئی مکتب اسلام کے ساتھ آشنا ہو تو اس پہلو پر سوچے کہ مثلا دنیا میں سعادت کو نہیں چاہتے آخرت میں چاہتے ہیں نہیں یہ تمام ایک دوسرے کے ساتھ منسلک ہیں میں نے کہا ہے دنیاو آخرت انسان کی ابتدائے پیدائش سے ہی خداوند عالم اور اس خلقت کا مالک چاہتا ہے کہ انسان سعادت مند ہو اور ایک دوسرے کے ساتھ مربوط رہے۔اہم وضروری یہ ہے کہ سعادت دنیااور سعادت آخرت کے درمیان صرف تزاحم نہ ہوبلکہ مربوط رہیں اور یہ دونوں ایک دوسرے کو تکمیل کریں اگر وہ سعادت جو اسلام کو مطلوب ہے دنیا میں انسان کو مل جائے یہ سعادت آخرت کو پیدا کرنے والی ہے اگر بدبختی دنیا میں نصیب ہو جائے یہ بدبختی آخرت کی بدبختی کو انسان کے لئے پیدا کر دیتی ہے مگر ہماری وضاحت کے ساتھ سعادت کے لئے افراد کو پیدا کرنا اور بدبختی کے لئے پیدا کرنا بہت زیادہ اختلاف ہے

بعض اشتباہ کرتے ہیں (غلطی کرتے ہیں) یعنی اہل دنیااور ایک قسم کی چیزوں کو دنیا میں انسان کے لئے سعادت سمجھتے ہیں جو کہ سعادت نہیں ہے ایک منٹ کے لئے جو لذتیں ہوتی ہیں انکو اور نچلے درجے کی لذتوں کو سعادت گردانتے کرتے ہیں وہ لذتیں کہ جو مخالف سمت

میں ہیں اور سعادت واقعی انسان کے معارض میں ہے میں اس وقت جب نماز کی طرف آرہا تھا تو دو گروہ لوگوں کے دیکھے میں اس وقت اس حالت میں تھا کہ جس بحث کو میں نے آج عرض کرنا تھا اس کا تکرار کر رہا ہوں ابھی ایک گروہ لوگوں میں سے ہے جو اپنی گاڑیوں پر سوار ہو رہے ہیں اور ان جگہوں کی طرف جا رہے ہیں کہ جن کو عرف میں ایسی جگہ کو کہتے ہیں جہاں آب و ہوا اچھی ہو (میدان تجریش کے ارد گرد اور خیابان ولی عصر کے اوپر ایک خانم کو اپنے ساتھ لیا ہے کہ جس کا پردہ بھی پورا نہیں ہے بلکہ آدھا ہے اس جگہ چلے گئے ہیں فکر کرتے ہیں کہ یہ سعادت ہے ان جگہوں پر جو لوگ آتے ہیں آپ دیکھتے ہیں ایک بہت بڑا گروہ راستے میں دوڑ رہے ہیں جلدی کر رہے ہیں کہ اپنے آپ کو نماز کے وقت تک مصلی پہنچا لیں تو یہ اپنے جگہ ایک لذت رکھتا ہے اور یہ شخص بھی اپنے لئے ایک لذت رکھتا ہے

وہ بھی دونوں لذتوں کے پیچھے ہیں اس طرح نہیں ہے کہ یہ اپنے لئے اس کو زحمت اور مشقت سمجھے بلکہ ایک لطف کو اپنی حرکت میں دیکھتا ہے قدر مرتبہ کی تحقیق کیلئے نظروں کا ہونا اور اس کے مصادیق کو پیدا کرنا ضروری ہے ان کا آپس میں بہت زیادہ فرق ہے بہر حال مسئلہ یہ ہے کہ ہم ایک چیز کے پیچھے ہیں جو ہمارے لئے سعادت کو لے کے آئے اس پروگرام میں سعادت انسان کو معاشرے سے الگ نظر میں نہیں رکھا گیا ہے۔

دنیا و آخرت ایک ساتھ ہیں

انسان اس معاشرے کا ایک جزء ہے ضروری ہے کہ تمام سعادت مند ہوں انسان بھی ان تمام میں شامل ہے البتہ انسان ان تمام میں سے اس طرح کا فرد ہے کہ سعادت رکھتا ہے بہت زیادہ اقدار و مراتب کو حاصل کرتا ہے اس بنا پر دنیا و آخرت ایک دوسرے کے ساتھ مربوط ہیں ایک فرد اور معاشرے کا ایک دوسرے کے ساتھ رابطہ ہے تعارض اور مخالفت نہیں ہے دنیا

وآخرت ایک فرد اور معاشرہ ایک دوسرے کے ساتھ ہیں۔

جو چیز ضروری ہے وہ ہم آہنگی اور صحیح پروگرامنگ ہے جو اسلام میں آئی ہے اس بناء پر کچھ چیزیں اسلام میں قدر و مرتبہ رکھتی ہیں وہ بیان کی جاچکی ہیں کہ جو انسان کی شخصیت کو بلندی کی طرف لے جاتی ہیں کچھ چیزیں قدر و مرتبہ کے بنائی ہیں جو انسان کی شخصیت کو پستی کی طرف لے جاتی ہیں اور گرا دیتی ہیں میں نے ان کی ایک فہرست کو تیار کی ہے جس حد تک میں ہو سکا آج میں ان کو بیان کرتا ہوں۔ فہرست لمبی ہے ان سب کی وضاحت نہیں کر سکتا جو چیز ممکن ہے وہ یہ ہے کہ صرف ان الفاظ کی وضاحت کی جائے (اس فہرست کے الفاظ کی وضاحت کی جائے) عقلی اور فکری منبع دس بارہ قدریں ہیں ان کی طرف دوبارہ نہیں جاؤں گا البتہ عملی حصے میں ساٹھ سے لیکر ستر تک میں، مورد لکھے ہیں یہ وہ بحثیں ہیں جن کو علم اخلاق میں لکھا گیا ہے۔ مرد اور عورتیں جو یہ چاہتے ہیں کہ ان سے زیادہ آگاہی پیدا کریں وہ ان کتابوں کی طرف رجوع کریں کہ جو مستقل انہیں عنوانوں کے ساتھ لکھی گئی ہیں یا وہ فصلیں جو علم اخلاق میں لکھی گئی ہیں ان کو خرید کریں۔

ان کے پیچھے جا سکتے ہیں اور ہم ان کو حاصل کر سکتے ہیں(۱) اور کا جامع تقوی ہے یعنی وہ حفاظت کرنے والی حالت انسان کے اندر وجود میں آسکتی ہے کہ جو نگہبان ہو ان مراتب و اقدار کی انسان جتنی مقدار نزدیک ہو اس کا تقوی زیادہ ہوتا جاتا ہے جتنا تقوی زیادہ ہوتا جائے گا ان اقدار کا محافظ خود انسان کے اندر زیادہ قوی ہوتا جائے گا۔

---

(۱) علم اخلاق کے مربوط مسائل سے مزید آگاہی کے لیے علم اخلاق کے بارے حوزہ علمیہ قم یا دفتر تبلیغات اسلامی قم کی طرف سے شائع کی گئی استاد آیۃ اللہ حسین مظاہری اور آیت اللہ جوادی عاملی کی کتب سے استفادہ کریں مسئلہ کمال و زوال کتب اسلام میں نہایت مفصل طور پر ذکر کیا گیا ہے

اسلام میں اقدار اور ضد اقدار کی فہرست

میں ابھی شروع کرتا ہوں ان کو میں آپ کے سامنے پڑھتا ہوں(۱) صرف الفاظ کی وضاحت کی ہے اور میرا مقصد بھی یہی ہے کہ آپ کچھ اس طرح ترتیب دیں کوشش کریں اپنی زندگی میں جتنی مقدار ہو سکے ان میں سے زیادہ سے زیادہ کے حامل ہوں مثلاً میں اگر ستر موارد کو پڑھتا ہوں آپ خود اپنے وجود میں سوچ وبچار کریں دیکھیں ان میں سے آپ کے پاس کتنی ہیں ارزش کی ضد آپ کے وجود میں کتنی ہے اور کتنی ارزشیں ہیں اپنی زندگی کے پروگرام اس طرح بنائیں کہ اس طرح ہو جائیں کہ حتی الامکان آپ ان سب کے حاصل ہوں البتہ اور چیزیں بھی ہیں ممکن ہے وہ فہرست میں نہ آئی ہوں بعد میں دوسری نشتوں میں آپ سن لیں گے میں نے کہا ہے ایک حصہ عملی ہے۔

حصہ عملی خود علم ہے حکمت ہے یقین ہے الہام ہے توحید ہے ایمان ہے مطالعہ ہے فکر ہے کہ جو آج کی گفتگو میں نہیں ہے البتہ نشث عملی اس کی ترتیب نہیں ہے اس کو عرض کرتا

---

(۱) انسانی اقدار اور ان کی ضدوں کا جدول ملاحظہ فرمائیں۔

قدر انسانی ،۔ پاکدامنی حیاء ، پرہیزگار ، لوگوں سے بے نیازی ،۔ خرچ کرنا۔ بہادری۔ مداومت۔ سکینہ و وقار۔ بردباری۔ در گزر۔ خندہ پیشانی۔ ، چشم پوشی۔ قدر انسانی کی ضد۔ ، سلح ،۔ لالچ ،۔ کنجوسی ،۔ جمع کرتے رہنا۔ خوف ،۔ ناامیدی ،۔ کوتاہ ہمتی ،۔ جلدبازی ،۔ سخت روی ،۔ بد اخلاقی ،۔ بے ادبی ،۔ حقیقت پسند ،۔ مومن کا خوش کرنا ،۔ تعاون کرنا ،۔ محبت والدین سے نیکی ،۔ محرم راز ،۔ لوگوں میں صلح ،۔ تسلی دنیا ،۔ دوسروں کا دفاع ،۔ سچائی ،۔ حقیقت پسندی ،۔ سنگدلی ،۔ بزدلی ،۔ نافرمانی ،۔ بد خواہی مومن کو خوف زدہ کرنا ،۔ تعاون نہ کرنا ،۔ بے پرواہی والدین کی نافرمانی ،۔ راز فاش کرنا ،۔ لوگوں میں لڑائی ڈلوانا ،۔ سرزنش کرنا ،۔ چغلی کھانا تہمت لگانا ،۔ جھوٹ ،۔ وعدہ کی خلاف ورزی کرنا عہدہ پرستی دھوکے میں رکھنا ،۔ بے حیائی

ہوں اگر آپ یہ خیال کریں کہ میں نے ایک منطقی ترتیب سے منظم کیا ہے ایسا نہیں ہے ممکن ہے (اگر کوئی یہ چاہے کہ میں نظم اور ترتیب دوں) میرے نظم سے زیادہ نظم دے سکیں لیکن یہ بحث نہیں ہے صرف فہرست کو ذکر کرنا ہے بغیر ترتیب کے جس طرح میں نے لکھا ہے ارزش کو بھی بیان کرتا ہوں اور ضد ارزش کو بھی بیان کرتا ہوں۔

عفت اور حیاء

عفت اور حیاء کہ جس کے مقابلے میں بے حیائی اور بے شرمی ہے عفت والا انسان حالت عفت ان چیزوں میں ہے کہ انسان ذہن میں رکھتا ہے عفت ارزش رکھتی ہے اگر آپ ان کتابوں کو پڑھیں جو عفت اور حیاء سے متعلق لکھی گئی ہیں آپ دیکھیں گے کہ عفت خود کتنا مقام رکھتی ہے بے حیاء اور ڈھیٹ انسان منافی ارزش ہے عفت اور حیاء والا انسان اقدار و مراتب میں سے ایک کا حامل ہے۔

نفس کا غنی اور قناعت والا ہونا اس کے مقابلے میں (لالچ) ہے (لالچ ضد ارزش ہے) لالچ کو ہم رزیلت سمجھتے ہیں قناعت کرنے والا انسان بہت زیادہ غلطیوں سے محفوظ رہتا ہے قناعت کرنے والا ایک تعریف کا مستحق ہے یہ باقاعدہ ایک بحث ہے کہ ہم اخلاقی بحثوں میں آپ اسے ملاحظہ کر سکتے ہیں لالچی انسان ہمیشہ بدبختی اور مصیبت سے دوچار رہتا ہے۔ آخرت' حب دنیا (دنیا کی محبت دنیا میں ڈوب جانے کی حد تک) ایک حد تک انسان دنیا سے حب رکھتا ہے انسان جب سعادت اور فضیلت سے محبت رکھتا ہو وہ دنیا کو بھی پسند کرتا ہے البتہ دنیا و آخرت کو ایک دوسرے کے مقابلہ میں قرار دیں جس جگہ ان دونوں کا آپس میں تعارض ہو جائے (جو دنیا کو ترجیح دیں) یہ ضد ارزش ہے اور آخرت سے محبت اسلامی ارزش ہے۔

اس کیلئے جو اپنے ذہن میں اور جو اپنے اندر قوت جاذبہ برائے مادیت اور شہوات کی

طرف میلان نہ رکھتا ہو' زہد بہت بلند ارزش رکھتا ہے۔ البتہ وہ جو اس کے بر عکس ہے اور لالچ اور جاذبہ اور مادیات کی طرف جو کشش رکھتا ہو اور اپنے اندر غیر زہد کی صفت رکھتا ہے کہ جو مال کو مقام کو دوست رکھتا ہو۔ محبت بہت زیادہ چیزوں کی مصداق بن سکتی ہے۔

خدا کی طرف محتاج ہونے کا احساس

ایک اور مسئلہ خدا کی طرف محتاج ہونا اور خدا سے غنی ہونا ہے ایک انسان ہے کہ جو فقر کا احساس کرتا ہے خدا سے ارتباط میں اپنے آپ کو خدا کے مقابلے میں محتاج دیکھتا ہے یہ ارزش ہے وہ بھی ہیں جو اپنے آپ کو خدا کے مقابلے میں غنی سمجھتے ہیں اپنے آپ مستقل دیکھتے ہیں۔

استغناء عن الله یہ بہت بری چیز ہے

ان الانسان لا یطغی ان راہ استغنٰی (۱)

اس کا مصداق یہ ہے اس کے بر عکس بھی ہے استغنا عن الناس

یہ ارزش ہے لالچ ضد ارزش ہے جس وقت لوگوں کے سامنے آئیں اگر انسان اپنے آپ کو لوگوں سے بے نیاز دیکھے ان کے سامنے احتیاج کا احساس نہ کرے بلکہ اپنے آپ خدا کی طرف نیاز مند دیکھے یہ ارزش ہے اگر اس کا لالچ کرے کا جو لوگوں کے ہاتھوں میں ہے یہ ضد ارزش ہے اور ارزش کے خلاف ہے۔

انفاق اور امساک

خرچ کرنا ارزش ہے اور امساک (یعنی انسان لوگوں کو کچھ نہ دے) ارزش کی ضد ہے

---

(۱) علق: ۶

حلال کھانا ارزش ہے اور حرام کھانا (لوگوں کے مال کی پرواہ نہ کرنا) حرام جو بھی آجائے کھاتا ہے ارزش کی ضد ہے شجاعت ارزش ہے انسان ان کاموں کیلئے جن کا کرنا ضروری ہے اس قدرت روحی کو رکھتا ہو ڈرے نہیں میدان عمل میں وارد ہو جائے ڈرنا ارزش کی ضد ہے رذیلت ہے امید رکھنا ہے ارزش اور ناامیدی ارزش کی ضد ہے بعض لوگ ذاتاً امید رکھنے والوں میں سے ہیں آنے والے وقت کے متعلق اچھی نظر رکھتے ہیں امید رکھتے ہیں خدا کے لطف اور خدا کی حمایت ساتھ ساتھ اپنی توانائی کے ساتھ کاموں کو انجام دے سکتے ہیں یہ انسان بہت قوت والا ہے بعض لوگ ڈرنے والے اور نہ امید اور کمزور اور بزدل ہیں اور یہ ضد ارزش ہیں۔

بلند ہمتی ایک قدر اور پست ہمتی اس کی ضد ہے بلند ہمت یہ ہے کہ جس وقت انسان کسی کام کو انجام دینا چاہتا ہے جو کام کا بلند نقطہ ہے اس کو مقصد بناتا ہے گھٹیا کام اور قدر و مرتبہ کے نچلے مراحل پر قناعت نہ کرے گھٹیا پن اس کے مقابلے میں ہے وہ یہ ہے کہ انسان بلند ہمت نہ ہو (ہم اب ان کی بحث نہیں کریں گے ان کی بحث اپنے اپنے مقام میں آئیگی) یہ ضد ارزش ہے۔

غیرت اور بے غیرتی

غیرت ایک قدر انسانی ہے لاپروائی اور بے غیرتی اس قدر کی ضد ہے انسان دین و ناموس کے بارے میں یا وطن و مقدسات کے بارے میں وہ جو مکتب مقدس ہیں ایک طرح کی غیرت کو استعمال میں لائے اس کا اسلام میں ایک مقام ہے اور اگر اس کے مقابلے میں بے پرواہ ہو جو کچھ بھی مقدسات پر آئے اس کے لئے فرق نہ کرے یہ اس مقام و مرتبے کی ضد ہے۔

حسن ظن و سوئے ظن

اچھی سوچ ایک قدر انسانی اور بدگمانی اس کی ضد ہے ایک گروہ لوگوں میں سے ہے جو

لوگوں کی نسبت حسن ظن رکھتے ہیں جو بھی دیکھتے ہیں اکثر یہی کہتے ہیں کہ اچھا ہے یہ انسان اچھا ہے لوگوں کی اچھائی کی فکر میں ہیں لوگوں کے کام کو اچھائی پر حمل کرتے ہیں کچھ لوگ ایسے ہیں جو بد گمانی رکھتے ہیں جب کسی کو دیکھتے ہیں کہ ایک راستے پر جا رہا ہے' کہتے ہیں یہ چوری کرنے کیلئے جا رہا ہے یا کوئی بات کرتے ہیں کہتے ہیں اس کے ذہن میں کوئی ایک چیز ہے یہ حالت ارزش کی ضد ہے جو مصیبت کا سبب بنتی ہے اچھے گمان کے مقابلے میں ہے البتہ ان سب کیلئے برابری کی کوئی صورت ہے اگر اس کے بارے میں بحث کرنا مقصود ہو ان میں ہر ایک کیلئے ضروری ہے کہ حد معین کریں۔

وقار و سکینہ ایک قدر ہے جلدی بازی اس کی ضد ہے جو لوگ اپنے کاموں میں جلد باز ہیں صبر نہیں کرتے بغیر حساب کے عمل کرتے ہیں نہیں بغیر ناپے کپڑا کاٹتے بھی یہ بے وقعت اور اور ارزش کی ضد ہے بلاشبہ اتانی من الرحمن و العجلة من الشیطان

بغیر فکر کے کام کو انجام نہ دینا بہتر ہے، بردباری قدر انسانی ہے غصہ اس کی ضد ہے وہ انسان جو اپنے میل جول میں بردبار ہیں عقل مندانہ اقدام کرتے ہیں یہ ایک قدر و مرتبہ ہے وہ جو غصہ کرتے ہین جس وقت ایک حادثہ در پیش آتا ہے مشتعل ہو جاتے ہیں آگ بگولہ ہو جاتے ہیں اور ایک نامناسب اقدام اٹھاتے ہیں دوسروں پر غصہ ہوتے ہیں یہ اس قدر انسانی کی ضد ہے معاف کرنا قدر انسانی ہے انتقام لینا اس کی ضد ہے یعنی وہ لوگ جو دوسروں کے مقابلہ میں در گذر کا جذبہ رکھتے ہیں (معاف کرتے ہیں)۔

یہ لوگ حاضر ہیں دوسروں کے گناہوں سے در گزر کریں یہ وہاں جو خود ان کی ذات سے مربوط ہے۔ (معاشرے کے حق یا دوسروں کے حق سے ہم در گزر نہیں کر سکتے اپنے حق سے در گزر کر سکتے ہیں) وہ لوگ جو معاف کرنے والے ہیں وہ ایک مقام و مرتبہ رکھتے ہیں وہ لوگ جو انتقام لینے والے ہیں اور ایک چیز جو ان کے سامنے آتی ہے جب تک اپنے آپ کو اپنی

طرف سے اس کو نقصان نہیں پہنچا لیتے آرام نہیں کرتے قدر انسانی کی ضد ہے میں نے عرض کیا ہے معاشرے کے اجتماعی اور شخصی مسائل کو ایک دوسرے سے جدا رکھیں وہ غیرت اور مسئلہ ہیں۔

خوش اخلاقی اور بد اخلاقی

خوش اخلاقی اور نرمی بھی ایک قدر انسانی ہے بد اخلاقی اور سختی اسی قدر انسان کے منافی ہے انسان کو چاہیے کہ وہ اپنے دشمن سے خوش اخلاقی سے پیش آئے چہ جائیکہ اپنے احباب اور جان پہچان والے ہوں خوش اخلاقی ایک شے ہے اور بد اخلاقی ایک دوسری شے بد اخلاقی کرنا کسی سے بھی ہو یہ قدر انسان کے منافی ہے۔

البتہ پھر بھی جب کبھی دوسرے مسائل سے سامنا ہوتا ہے تو اس سے کچھ تخصیص پیدا ہو جاتی ہے دوسرے مقامات کی نسبت یہی معاشرتی حقوق یہ ایک دوسرا خطرہ بن جاتے ہیں یہ خطرات کے سامنے سد بن جاتے ہیں اور ایک دوسری صورت بن جاتی ہے خوش اخلاقی ایک دوسری قدر ہے اور بد اخلاقی اس قدر کی ضد ہے معاشرہ میں خوش اخلاق اور خندرو لوگ بھی ہیں خوش اخلاقی جو ہم کہتے ہیں یہ ایک خاص معنی ہے ورنہ یہ سب حسن خلقی ہے اخلاق کا ایک وسیع معنی ہے جو ان سب کو شامل ہے ہم جس خوش اخلاقی کا ذکر کر رہے ہیں یہ کہ انسان دوسروں کے ساتھ معاشرت میں خندہ رو ہو جب کسی سے لین دین کرے بلاوجہ اس کو پریشان اور ناراض نہ کرے اچھے رویے سے پیش آئے اس کے مقابلہ میں بد اخلاقی ہے معلوم ہے کہ بد اخلاق انسان جلد باز ہوتا ہے

چشم پوشی اور کینہ توزی

بعض انسان چشم پوشی کرنے والے ہوتے ہیں اس کا عفو و درگزر سے زیادہ فرق نہیں

ہے البتہ یہ دو عنصر ہیں لیکن ایک دوسرے سے نزدیک ہیں اور بعض کینہ توزی ہوتے ہیں ایک چیز کسی کی دیکھ لیں پھر اس کو چھوڑتے نہیں ہیں یہ کینہ پروری بہت بری ہے انسان کو کسی قابل نہیں چھوڑتی۔ ادب خود ایک انسانی قدر ہے اور بد زبانی اس کے مقابلے میں ہے انسان اگر الفاظ میں خوبصورت تعبیریں استعمال کرے چبھتا کلام نہ کرے مخاطب کو زبان کے تیر سے زخمی نہ کرے یہ ایک انسانی قدر ہے بد زبان اور ہر وقت لعنت ملامت کرنے والا اس قدر انسانی کی ضد ہے۔

محبت ایک اور انسانی قدر ہے عداوت اور دشمنی اس کی ضد ہے انسان کو دوسروں کے لئے اپنے اندر جذبہ محبت رکھنا چاہیے یہ ایک اچھی حالت ہے لیکن اگر کوئی ان اپنے ساتھ فکری ہم آہنگی نہ رکھنے والے افراد کے ساتھ ایک قسم کی دشمنی رکھتا ہے انسان کے ذہن میں عدوات کا ہونا یہ اس قدر انسانی کے منافی ہے۔ تواضع وانکساری ایک اور قدر انسانی ہے تکبر اور بڑائی اس قدر کی ضد ہے۔

لیکن ان موارد اور اس کے دیگر مصادیق سے باخبر ہونا ضروری ہے (کیونکہ انسان دوسروں کے آگے ذلت وخواری دکھائے تو یہ عزت نفس قدر انسانی کے منافی ہے) انسان کو چاہیے کہ دوسروں کے مقابلہ میں اپنے آپ کو برا نہ سمجھے کوشش کرنا چاہیے کہ دوسروں کے ساتھ میل جول میں انسان اپنے کو نمایاں کرنے کی کوشش نہ کرے۔ اس کے مقابلہ میں تکبر ہے جو اس قدر انسانی کے منافی ہے۔

(۱) (یہاں پر دلچسپ مطلب ہے) متکبر مزاجی کی علم واخلاق میں بڑی اہمیت ہے (عجب

(۲) خود پسندی اس متکبر مزاجی کی ضد ہے یعنی انسان اپنے آپ میں (دوسروں کے سامنے نہیں) بڑا بنتا پھرے یہ قدر انسانی کے منافی ہے۔ انسان اگر خود پسند بن جائے لغزشوں کا شکار ہو جاتا ہے اپنے آپ کو بڑا دیکھنے لگ جائے یہ بہت بری حالت ہے جو انسان میں پیدا ہو جاتی ہے

انسان کو چاہیے کہ اپنے آپ کو چھوٹا سمجھے امام سجاد علیہ السلام اپنی دعاؤں میں فرماتے ہیں خدایا میں جتنا لوگوں کے درمیان مقبول ہو جاؤں اتنا ہی مجھے اپنے آپ میں چھوٹا بنا کہ میں اس حالت (خود پسندی) سے دوچار نہ ہو جاؤں اسی مقام پر دوسروں کے سامنے اپنے آپ کو ذلیل کرنا بھی خلاف قدر انسانی ہے بعینہ جس طرح منکسر مزاجی اچھی ہے انسان کو ذلیل نہیں ہونا چاہیے ذلت ایک بری حالت ہے جس کا ایک مسلمان میں ہونا ہمیں پسند نہیں ہے۔

عدالت اور ظلم

(نہ تعادل) عدالت ایک انسانی قدر ہے انسان کو دوسروں کے حقوق کا لحاظ کرنا چاہیے ظلم دوسروں کو اذیت دینا، توہین کرنا یہ انسانی قدر کے منافی ہے رحمت اور لوگوں سے انصاف کرنا بھی ایک انسانی قدر ہے مشکلات میں لوگوں کے ساتھ سنگ دلی کرنا اس کے مقابلے میں ہے حقیقت پسندی ایک قدر ہے۔

انسان واقعیت اور حقیقت کا دیکھنے والا ہو یہ اچھی چیز ہے مسائل کے سامنے تعصب اور ہٹ دھرمی سے کام لے یہ اس قدر کے منافی ہے انسان کو اپنے کاموں میں صابر اور ثابت قدم ہونا چاہیے میدان سے فورا بھاگنا نہیں چاہیے یہ ایک قدر ہے۔ کمزوری، شکست اور گومگوں کی حالت میں رہنا اس قدر کے منافی ہے امانتداری ایک قدر انسانی ہے اور خیانت اس کی ضد ہے اس کے موارد اور مصداق واضح ہیں حق و صداقت کی پیروی ایک قدر ہے گناہ اور معصیت بطور کلی یعنی قوانین کی خلاف ورزی ہے۔

ایک معاشرہ جس کو ہم نے اپنے لئے پسند کیا ہے اس کے دستورات کی خلاف ورزی یا ایک مسلک و مکتب جس کو ہم نے قبول کیا ہے اس کے احکامات کی ورزی وہ احکامات شرعی ہوں یا قانون ملکی یہ سب اطاعت اور قدر کے منافی ہے۔

نصیحت

یعنی لوگوں کی خیر خواہی (کلمہ نصیحت کا معنی ہی خیر خواہی ہے) یہاں بیٹھے ہیں لیکن دلی خواہش ہے کہ لوگ راحت وآرام میں ہوں یہ ایک انسانی قدر ہے۔

اس کی ضد یہ ہے کہ انسان حاسد ہو کہ لوگوں کو اچھی حالت میں دیکھے تو جھلس کر رہ جائے (بہت سارے لوگ ایسے بھی ہیں) یونہی دیکھتے ہیں کہ کسی کی زندگی آسودہ ہے تو انہیں یہ چیز دلی طور پر اچھی نہیں لگتی۔ یہ انسانی اقدار کے منافی ہے۔

لوگوں کو خوش کرنا بھی ایک اچھی خصلت ہے۔

لوگوں کو خوش کرنا بھی ایک اچھی خصلت ہے اور مومن کو خوف زدہ کرنا اس کے برعکس ہے انسان کو چاہیے کہ ایسا کام کرے جس سے لوگوں کو خوشی وشادمانی حاصل ہو حتی کہ اگر آپ کسی کو ایک اچھے مزاح میں ہنسا سکیں تو یہ بھی ایک قابل قدر کام ہے۔

اگر آپ لوگوں کو ڈرائیں بری بری خبریں سنائیں انہیں ناراض کریں بدگمانیاں پیدا کریں ان کے دل کو امید وآرزو سے خالی کر دیں تو یہ ایک ناقابل ستائش کام ہے دوسروں کی ضروریات کو پورا کرنا بھی ایک قابل قدر کام ہے اور تعاون نہ کرنا اس کے برعکس ہے۔ اگر آپ دیکھیں کہ کسی کو ضرورت ہے اس کی ضرورت کو پورا کرنا چاہیے جہاں بھی آپ دیکھیں آپ سے کچھ بن رہا ہے آپ کسی کے کام آسکتے ہیں تو کام آئیں زندگی میں ایسے بہت مواقع آتے ہیں مثلاً کسی کا ہاتھ پکڑنا، کسی کو گاڑی میں سوار کرنا کسی کے دفتری کام کو روبراہ کرنا اور گوناں گوں کام کہ جن میں ہر ایک کے لئے ایک مستقل عنوان اور مستقل فصل ہے) یہ سب قابل قدر کام ہیں۔

سب کے ساتھ انسان کا برتاؤ بلا امتیاز اور یکساں ہونا چاہیے اگر ایک شخص کسی کا کوئی کام انجام دے سکتا ہے اور نہ دے تو ناقابل قدر ہے امر بالمعروف ایک قابل قدر کام ہے

چاپلوسی، دوسروں کی توہین کرنا، لاابالی پن، کنارہ کشی، یہ اس قدر کی ضد ہیں۔

انسان جب دیکھے کہ لوگ بے راہ روی کا شکار ہو رہے ہیں تو اسے کنارہ کشی نہیں کرنا چاہیے۔ اس کا سدباب کرنا چاہیے یا اگر کسی اچھے کام کا مشورہ دے سکتا ہے تو دینا چاہیے یہ برائی سے روکنا اور نیکی کا حکم دینا ہے۔ اگر ہر کوئی کہے مجھے کیا ہر شخص کو اپنی قبر میں جانا ہے یہ اس قدر کی ضد ہے۔ انس و محبت بھی قدر انسانی ہے اور بغض و کینہ اس کی ضد ہے۔ انسان کو لوگوں کے ساتھ مانوس ہونا چاہیے رفت وآمد رکھنا چاہیے۔ مہمان بنے مہمان بنائے کھانا کھلائے کھانا کھائے مریض کی عیادت کے لئے جائے ایسے ہی بہت سارے کام ہیں۔ لیکن اگر کنارہ کش ہو کر بیٹھ جائے اور یہ خیال کرے کہ یہ اچھا کام ہے یہ کوئی قابل قدر کام نہیں ہے صلہ رحمی کے بارے میں آپ جانتے ہیں یہ خصوصی طور پر قوم وقبیلہ سے ہو' یہ ایک قدر انسانی ہے اور قطع رحمی اس کی ضد ہے۔ خصوصاً والدین سے نیکی کرنا ایک عظیم مرتبہ ہے اور والدین کی نافرمانی اس کے منافی ہے۔

رازداری

کسی کے عیب سے چشم پوشی ایک قدر انسانی ہے۔ لوگوں کی جو خطائیں غلطیاں نظر آئیں انہیں دوسرے لوگوں کے سامنے بیان نہیں کرنا چاہیے ہر انسان میں کوئی نہ کوئی خامی ہوتی ہے خود ہم میں بھی خامیاں ہیں (کسی نے "گل بے خار" دیکھا ہے؟) معصومینؑ کے علاوہ سارے کے سارے انسان کسی نہ کسی عیب وخطاء میں مبتلا ہیں کسی سے گناہ سرزد ہو چکا ہے کسی سے کوئی بے راہ روی ہوئی ہے کسی کو اپنے خاندان میں بدعملی کا سامنا ہے کسی کی زندگی میں کوئی کمی ہے۔

لیکن کچھ لوگ ایسے ہیں جو ان خطاؤں پر پردہ ڈالتے ہیں کسی کو نہیں بتلاتے کچھ ایسے لوگ بھی ہیں کہ جو نہی انہیں کسی کی لغزش کی اطلاع ہوئی بس پورے شہر میں ڈھنڈھورا پیٹ

دیا یہ عیب جوئی کسی کے عیوب کی تاک میں رہنا دوسروں کے سامنے کسی کے پوشیدہ عیبوں کو ظاہر کرنا (تینوں مرحلے) یہ قدر انسانی کے خلاف ہیں۔

لوگوں کے عیوب پر پردہ ڈالنا چاہیے اور ہمیں کسی کے بارے تجسس نہیں کرنا چاہیے اگر کسی کے عیب کے پیچھے بد قسمتی سے چلے ہی گئے ہیں اور کسی کی لغزش پر نگاہ پڑ ہی گئی تو دوسروں سے ہمیں نہیں کہنا چاہیے یہ ایک انسانی کمال ہے۔ راز داری یعنی کسی کے راز کو چھپانا چاہیے یعنی سب کچھ کہنے کے لئے ہی نہیں ہوتا ممکن ہے راز کسی خاص شخص کا نہ ہو ایک قومی راز ایک معاشرتی راز ہی ہو انسان کا راز دار ہونا بھی ایک قدر و کمال ہے راز افشاء کرنے والا منہ پھٹ جو کچھ بھی اس تک پہنچے فوراً اگل دیتا ہے یہ ایک بے قدری ہے۔

انسان کو اس طرح ہونا چاہیے کہ نہ کہنے کی باتوں کو نہ کہے لوگوں کے درمیان صلح کروانا اگر جھگڑا ہو جائے تو جا کے ان کے اختلافات کو ختم کرنا بھی ایک قدر ہے۔ لیکن چغل خوری، غیبت، دو کو آپس میں لڑانا یہ اس قدر کی ضد ہے یہ انسان کے مرتبہ کو کم کرتی ہے۔ تسلی دینا اگر کوئی مصیبت میں پھنسا ہوا نظر آئے تو اس کو تسلی دینا حوصلہ دینا دلجوئی کرنا یہ ایک انسانی قدر ہے لیکن اس کے مقابلے میں ہے کسی کی مصیبت پر ہنسنا ایک مصیبت زدہ شخص کو سرزنش کرنا کسی کے فقر و تنگ دستی پر کسی کی بیماری پر کسی کی مشکلات پر سرزنش کرنا یہ اس قدر اور کمال کی ضد ہے اور ایک گناہ کبیرہ بھی ہے۔

دوسرے کی پشت پناہی کرنا کسی کے عیوب کو اگر ہمارے سامنے بیان کیا جائے تو ہمیں اس شخص کا دفاع کرنا چاہیے ہم اس کے عیب خطا سے حفاظت کریں یہ ایک قدر کمال ہے غیبت کسی پر تہمت لگانا یہ اس کمال انسانی کی ضد ہے۔ یعنی اگر کسی بیٹھک میں کوئی کسی کی تعریف کر رہا ہے اور کوئی دوسرا اٹھ کر عیب جوئی شروع کر دے اگر دفاع صحیح ہے تو ہمیں دفاع کرنا چاہیے سچ و صداقت ایک کمال ہے اور جھوٹ اس کی ضد ہے عہد پر عمل کرنا اگر ہم کسی سے اپنی

زندگی میں وعدہ کرلیں تو کمال یہ ہے کہ اس کی پاسداری کریں یہ بھی ایک وسیع معنی ہے۔

عہد و وعدہ کی خلاف ورزی

انسان اپنے وعدہ کے برخلاف عمل کرے یہ اس قدر انسانی کے منافی ہے ارمان وآرزو رکھنا بھی ایک قدر ہے اس کے مقابلہ میں جاہ طلبی اور عہدہ پرستی ہے انسان اپنے مقدس اور نیک اھداف کے لئے کوشش کرے یہ بہترین عمل ہے لیکن اگر ریاست اور قدرت کے لئے کوشش کرے تو قدر انسانی کے منافی ہے۔

خلوص ایک قدر ہے اور ریاکاری اس کی ضد ہے ایک شخص اپنے تمام امور ایک گرانقدر مقصد کے تحت صرف اور صرف خدا واسطے انجام دیتا ہے تو یہ مخلص ہے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو تمام کام لوگوں کو اپنی طرف کھینچنے کے لئے ریاکاری کے طور پر انجام دیتے ہیں یہ قدر انسانی کی ضد ہے۔

اخلاص اور ریا

صداقت صاف گوئی بھی ایک قدر ہے منافقت اس کی ضد ہے انسان کا صاف اور صریح اور سچائی کی بات کرنا اور سچائی پر عمل کرنا بھی کمال انسانی ہے اس کے مقابل میں ریاکاری، دوروئی اور منافقت ہے یہ کام کرنے والا اپنا آپ دکھانے کے علاوہ کچھ نہیں کرپاتا۔ حقیقت پسندی اور تواضع وانکساری ایک قدر ہے اور غرور و نخوت اس کی ضد ہے توبہ ایک قدر ہے اور گناہ پر اصرار اس کی ضد ہے۔ یعنی ایک شخص کو اگر پتہ چل گیا ہے کہ اس سے لغزش ہو گئی ہے اسے لوٹ آنا چاہیے ہم نے غلطی کرلی کج رو تھے۔ اب اگر معلوم ہو گیا ہے کہ غلطی ہے تو ہمیں واپس لوٹ آنا چاہیے یہ خود ایک قدر انسانی ہے یعنی غلطی سے پلٹ آنا ایک کمال ہے اصرار نہیں کرنا چاہیے کہ اب تو پانی سر سے گزر ہی گیا اب مڑیں یا نہ مڑیں یہ اس قدر و کمال کی ضد

ہے۔

حیااور بے حیائی

حیاایک قدر انسانی ہے بے حیائی اس کی ضد ہے البتہ اس کو ایک صورت میں پہلے بیان کر چکے ہیں۔خدا کے سامنے اور لوگوں کے سامنے شاکر رہنا بھی ایک قدر ہے اور اس کی ضد کفران اور ناقدری ہے انسان کو اللہ تعالی کی طرف سے کوئی اچھی چیز ملے اس پر شکر گزار ہونا چاہیے اور اگر لوگوں کی طرف سے کوئی اچھی شے ملے تو اس پر بھی شکریہ ادا کرنا چاہیے دوسروں کی خدمات کی ناقدری کرنا ان سے بے اعتنائی کرنا ان کو اہمیت نہ دینا یہ کفران نعمت ہے اور قدر انسانی کی ضد ہے۔

محبت ، عشق ، شوق ، نشاط ، یہ سب انسانی اقدار ہیں نفرت ، کراہت ، یہ اس کی ضد ہیں اس سے معاشرہ کا نظام درہم برہم ہو جاتا ہے۔اللہ تعالی کی رضا پر راضی رہنا اور اس کے احسانات پر خوش ہونا بھی ایک قدر انسانی ہے اس کی نعمتوں کے باوجود ناراضگی اور ہر وقت ناک بھوں چڑھائے رکھنا یہ اس قدر انسانی کی ضد ہے۔اس کی نعمتوں کی قدر دانی نہ کرنا بھی انسانی قدر کے منافی ہے۔دوسروں پر احسان کرنا کلی طور پر ایک قدر ہے اور لوگوں سے برائی کرنا اس قدر کی ضد ہے۔ حق کے سامنے سر تسلیم خم کرنا ایک قدر انسانی ہے ہٹ دھرمی ایک ہی بات پر اڑے رہنا انسان کے مقام و مرتبہ کو کم کرتا ہے۔

توکل

خدا تعالی کی ذات پر بھروسا کرنا یہ ایک قدر انسانی ہے اور قدرت الہی پر بد اعتمادی اور آئندہ سے ناامیدی اس قدر انسانی کی ضد ہے۔ صبر جس کے متعلق آپ کافی معلومات رکھتے ہیں ایک قدر انسانی ہے اور بے صبری رونا دھونا اس کی ضد ہے۔

طہارت وپاکیزگی اور صفائی ایک قدر انسانی ہے اور گندگی ظاہری وباطنی نجاست اس کی ضد ہیں۔ تمام عبادات نماز پڑھنا روزہ رکھنا حج کرنا زیارت کرنا اور گوناں گوں عبادات یہ سب ایک کمال ہیں اور عبادات سے روگردانی اس کمال کی ضد ہے۔ یہ تقریباً (۷۰) ستر موارد ہیں ان میں سے (۶۱) اکسٹھ کا اعمال سے تعلق ہے اور (۹) نو جن کا صرف علم واعتقاد سے تعلق ہے میں نے سب لکھی ہیں جو تقریباً ستر (۷۰) بنتی ہیں۔

اس کے علاوہ اور موضوعات بھی ہیں یہ جو میں نے کہا ہے انسان کو کوشش کرنا چاہیے کہ اپنے آپ کو ان کے مطابق ڈھالے ان میں ہر قدر و کمال، انسان میں جتنا ترقی کرتا جاتا ہے معاشرہ اتنا ہی خوشحال اور سعادت مند ہوتا چلا جاتا ہے اور عوام اس سے بھی زیادہ خوشبخت ہوتے جاتے ہے۔ تقوی ایک ایسی حالت ہے جو انسان کو اس راستے میں محفوظ رکھتی ہے اور تقوی کی ضد 'انسان سے ایسی سعادتوں کو دور کرتی دیتی ہے مشہور سورہ جو تقریباً ہر نماز جمعہ ہم پڑھتے ہیں۔

بسم الله الرحمن الرحيم ،والعصر ان الانسان لفى خسر الا الذين امنو ا وعملو الصلحات و تواصوا بالحق و توصوا با .لصبر

یہ سورہ مبارکہ پورے کا پورا یہی کہتا ہے کہ انسان کچھ استعدادوں کا مجموعہ ہے جس کو اللہ نے خلق کیا ہے اور وہ کمالات کے راستہ پر چل کر اعلی وارفع ہو سکتا ہے یہ مقام پر پہنچ سکتا اور انسان ان قدروں کی ضد پر چل کر قعر ذلت میں بھی گر سکتا ہے اگر اس طرف جائے تو درجہ ترقی وکمال اور اس طرف جائے تو خسارہ وزوال ہے۔ ایسے نہیں ہے کہ نتائج سامنے نہ آئیں بلکہ واقعاً انسان میں کمی ہوتی ہے لہذا اس آیت مبارکہ کا جو معنی ہوگا اس میں خدا قسم اٹھاتا ہے تاریخ کی تاریخ کی قسم ہی ہے

عصر، یعنی تاریخ بشریت 'جب سے انسان خلق ہوا ہے قیامت تک یعنی جب سے ہے

اور جب تک ہے یہ استعدادیں یا عمل کے ذریعہ یوں مستقل ہوتی ہیں کہ مرتبہ کمال تک پہنچ جاتی ہیں اور کبھی یوں ہاتھ سے جاتی ہیں کہ ذلت نصیب ہوتی اور آخر کار خسارہ و نقصان ہوتا ہے۔ لہذا فرماتا ہے تمام انسان خسارے میں ہیں یعنی اپنی استعداد کو ہاتھ سے گنوار ہے ہیں سوائے مومن و عامل اور عمل صالح انجام دینے والے کے جن پر ہمارا بھروسہ ہے وہ انہی استعدادوں کو صحیح راستہ پر چلاتا ہے۔ اور الذین امنو و عملوالصلحات مگر وہ لوگ جو مومن ہیں اور عمل صالح انجام دیتے ہیں نقصان سے محفوظ ہیں۔ بلکہ وہ مسلسل اپنی ہستی کو وسیع سے وسیع تر کر رہے ہیں اور اپنی صلاحیتوں سے بھرپور فائدہ اٹھا رہے ہیں یہ حق و صداقت کی نصیحت کرتے ہیں اور صبر واستقامت کی تلقین کرتے ہیں۔ تمام اعمال صالح جو میں نے عرض کیے ہیں یہ اسی عمل صالح کے موارد ہیں اور یا یہ نتیجہ وحالت عمل صالح ہے اور اس کی ضد موارد عمل غیر صالح ہے یا حالت غیر شائستہ ہے۔

سینتالیسواں خطبہ

معاشرتی مساوات اور معاشرہ کے افراد کی باہمی خصوصیات
قرآن کے نقطہ نظر سے ان خصوصیات کا معیار
ایثار گروں کے لئے خصوصی حصہ مقرر
کرنے کے بارے میں توضیحات۔

بسم الله الرحمن الرحیم الحمد لله رب العالمین،الصلوة والسلام علی رسول الله وآله الائمة المعصومین۔ قال العظیم فی کتابه: اعوذ بالله من الشیطان الرجیم۔لا یستوی القاعدون من المؤمنین غیر اولی الضرر والمجاهدون فی سبیل الله باموالهم وانفسهم۔(۱)

عدالت اجتماعی کی بحث کا تسلسل

معاشرتی مساوات کے بارے گفتگو میں "ممتاز انسانوں" کے اہم حصے اور ان امتیازات اور خصوصیات تک پہنچے تھے جن سے اسلام نے اس خاص گروہ کو نوازا ہے یہ بیان ہو چکا ہے معاشرتی مناصب اور امتیازات میں اگر یہ اقدار نظر انداز ہو جائیں تو یہ ظلم ہے اور اس صورت میں مساوات وعدالت بھی ناقص ہے۔

ہم نے کہا ہے کہ امتیازات کو تین اساسی اقسام میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

(۱) فکری و علمی امتیازات

(۲) عملی امتیازات، عملی امتیازات کے پھر دو حصے ہیں

ایک وظائف وواجبات کا انجام دینا خواہ وہ منکرات سے اجتناب اور واجبات کا بجالانا ہو

---

(۱) نساء : ۹۵

یااس کے علاوہ (وظائف) ہوں۔دوسری قسم ایثاروفداکاری ہے انسانی امتیازات کی یہ آخری قسم ہے جس کے بارے میں، میں گفتگو کروں گا۔

انسانوں کی تقسیم بندی

انسانوں کوجب ایک نقطہ سے تقسیم کرتے ہیں توان کی تین اقسام بنتی ہیں

(۱)فداکار

(۲)خودغرض

(۳)معاشرہ کے ایسے افراد جن میں فداکاری اور خودغرضی دونوں چیزیں موجود ہیں۔

دوسرے لفظوں میں انسانوں کا ایک گروہ ہے جو خداپرست ہے جب اس مطلب کو مفصل ذکر کریں گے توبات واضح جائے گی۔

انسانوں کی ایک قسم خودغرض یاانا پرست ہے اور ایک قسم توحید وشرک دونوں کا ملغوبہ ہے یہ میں کہتا ہوں کہ فداکار، خودغرض اور مخلوط وملغوبہ یہ ایک مطلق مسئلہ نہیں ہے یعنی اگر ہم کسی کو خداکار کہتے ہیں کہتے ہیں تواس وقت ہم ایک نسبت سے اس کا تجزیہ کرتے ہیں کہ اس کی زندگی میں فداکاری غالب ہے البتہ ہوسکتا ہے کہ اس میں خودغرضی بھی ہویاجب ہم کسی کو خودغرض کہتے ہیں تواس طرح نہیں ہے کہ اس کی ساری زندگی میں درگزر کا شائبہ تک نہ ہو۔اور صرف خودغرضی ہی اس کی زندگی پر غالب ہو۔

لہذا آپ نسبت واغلبیت کی صورت کو مدنظر رکھیں معاشرتی مساوات میں ہمارا موضوع سخن معاشرہ کی سطح پر ہوناچاہیے۔ کیا ہم خداپرست اور خودپرست یافداکار اور خودغرض انسانوں کو ایک صف میں کھڑا کرسکتے ہیں ؟آیا مساوات کی رو سے واجب ہے کہ معاشرہ، حکومت،اور عوام کارویہ ان(دونوں قسم کے)لوگوں سے ایک طرح کا ہوناچاہیے ؟یا

مساوات لازم نہیں۔

جن افراد میں فداکاری کا جذبہ موجزن ہے انہیں ہم ممتاز مقام دیں ان کی شخصیت، ان کے حقوق وحدود کو مناسب مقام دیں مختلف امور سپرد کرتے وقت جذبہ فداکاری اور قدرو اہمیت کو ملحوظ خاطر رکھیں۔ بے شک عقل اور شعور ہمیں اجازت نہیں دیتے کہ ایک فداکار شخص کو کسی خود غرض اور انا پرست شخص کے ہم پلہ قرار دیں اس طرح اور شریعت، اسلام اور قرآن بھی اس مسئلہ کو درست نہیں سمجھتے بہر حال اس سلسلے میں گفتگو شاید دو تین خطبوں تک جاری رہیگی۔

آج کچھ حد تک گفتگو کرتا ہوں کہ ہمارے معاشرے کی خصوصیات میں سے ہے کہ ایک فداکار شخص انسانوں کے محور پر گھومتا ہے اس انقلاب کی یہی لوگ پرورش کر رہے ہیں میرے خیال میں موجودہ موضوع سخن میں ایک ضروری موضوع اس دور کے لیئے ہے جسکو انشاء اللہ پورے ملک میں ہمارے ساتھی (یعنی ائمہ جمعہ) بھی اہمیت دیں گے کہ نماز جمعہ کے خطبوں میں کسی حد تک یہ مسئلہ لوگوں پر واضح کریں گے اور فداکار افراد کی قدر واہمیت کو معاشرہ میں نمایاں کریں گے۔

جذبہ ایثار اور خیر خواہی کا امتیاز

پس ہم اس تقسیم میں ایسے افراد پاتے ہیں جو خیر خواہ ہیں اور بعض ایسے ہیں جو خود غرض ہیں ہم خیر خواہی کے ذریعے اپنے اسلامی جہان شناسی کے نقطہ نظر سے خدا تک پہنچ جاتے ہیں۔ لیکن ممکن ہے جن امور میں ہمیں اسلام سے زیادہ شناسائی نہیں ہے اور وہ امور فطرت سے بھی زیادہ دور نہیں ہیں یہاں بھی جذبہ ایثار اور خیر خواہی حد تک ہے۔

یہاں ایک نہایت ہی قابل توجہ نقطہ ہے کہ اسلام کے پر عظمت امتیازات میں سے

ہمارا یہ ایک خاص امتیاز ہے کہ انسان اگر ایثار کرنے والا اور فداکار ہو تب بھی اس میں خود خواہی موجود ہوتی ہے لیکن نیت میں نہیں بلکہ صرف عمل میں خیر خواہ ہوتا ہے یعنی ایک خیر خواہ اور فداکار شخص آخر کار اپنی ذات تک پہنچتا ہے ایک فداکار انسان کا مقابل وہ انسان ہے جو جذبہ فداکاری سے عاری، خود غرض اور انا پرست ہے وہ غلطی کر رہا ہے حقیقت میں وہ اپنی ذات کا دشمن ہے وہ اپنے آپ سے دور ہوتا جارہا ہے۔ مقام عمل میں شاید کوئی شخص اس نقطہ کی طرف متوجہ نہ ہو جو شخص فداکاری کر رہا ہے وہ اس ماجرہ سے غافل ہے لیکن اسلامی جہان شناسی ،اسلامی تربیت، اسلامی تہذیب، اسلامی اخلاق کسی انسان کی یوں تصویر کشی کرتا ہے کہ اگر ایک شخص زیرک ہو، اگر عقلمند ہو، اگر باشعور ہو اگر واقعاً وہ اپنی ذات سے محبت کرنے والا ہو اسے معلوم ہونا چاہیے کہ کس طرح اپنے آپ سے محبت کر سکتا ہے۔

اسے جاننا چاہیے کہ کس طرح وہ اپنی ذات کے لیئے منافع کسب کر سکتا ہے اس کا بہترین راستہ فداکاری اور اپنے آپ سے گزر جانا ہے یعنی انسان جب اپنی ذات کے گرداب سے نکل جاتا ہے تو آخر کار اپنی ذات کے لیئے ہی سب کچھ کرتا ہے لہذا خود غرض و خود پرست انسان آخر کار اپنی ذات سے دور ہو جاتا ہے۔

اسلامی جہان شناسی اس طرح ہے اگر ہم دنیا میں انفرادی و اجتماعی مسائل، انسان کی زندگی کے مجموعہ میں دنیا و آخرت کے مسائل، انسان کی پوری عمر کا تجزیہ کریں جو دنیا و آخر کو شامل ہے، اس کی طرف متوجہ ہوں اور اس کی سنجیدگی سے تحقیق کریں تو ہم بہت جلد اس نقطہ پر پہنچ سکتے ہیں۔ قرآن مجید ایک جگہ فرماتا ہے۔

من جاهد فانمايجاهد لنفسه.(١)

---

(۱) عنکبوت :۶

جو شخص جہاد و فداکاری کرتا ہے در حقیقت وہ اپنے لیئے فداکاری کرتا ہے۔

یہ آیت قرآن مجید کی نہایت ہی محکم اور پر معنی آیات میں سے ہے یا مثلاً قرآن مجید اس کے بالمقابل نقطہ کے بارے میں فرماتا ہے۔

وانما بغیکم علی انفسکم(۱)

حد سے بڑھے ہوئے سرکشوں کے بارے میں فرماتا ہے یہ بغاوت اور سرکشی جس کا تم ارتکاب کرتے ہو، در حقیقت یہ تم اپنے اوپر تجاوز و طغیان کر رہے ہو اس کا زیاں آخر کار تم خود دیکھ لو گے یا

ان احسنتم احسنتم لانفسکم و ان اساتم فلھا(۲)

اس کا نیز یہی معنی ہے یا مثلاً

من کان یرید حرث الآخرنزد له فی حرثه ومن کا یریدحرث ا لدنیا نوته منها

کہ اگر کوئی شخص دنیا کے پیچھے بھاگتا ہے یہ بھی ایک قسم کی خود غرضی ہے ہم دنیا میں اس کو کچھ دیں گے لیکن اس کی عاقبت تباہ ہو جائے گی اور اگر کوئی آخرت چاہتا ہے تو وہ اس سعادت کو پوری طرح حاصل کرے گا یا ایک اور آیت میں فرمان رب العزت ہے

من کان یرید العاجله عجلنا له فیها ما نشاء عن نرید

اگر کوئی جلدبازی کرے اور دنیا کی ہوس رکھے اور محدود فوائد اور خود غرضی پر نظریں جمائے ہم اس کی حرکات کے مطابق کوئی ناپائیدار چیز دیں گے لیکن عاقبت اس کی تباہ ہو گی (اب

---

(۱) یونس : ۲۳

(۲) اسراء : ۷

اس بحث کی تفصیل کبھی آئندہ بیان کروں گا کہ خود غرض اور خطاکار انسان جو اس ناپائیداری میں گرے ہوئے ہیں وہ سمجھ لیں)۔

لوگوں کا آپس میں تقابل

آپ دو قسم کے لوگوں کو دیکھ سکتے ہیں ایک نیکی کی طرف جارہا ہے اور دوسرا بدی پر گامزن ہے یعنی ایک کے اندر فداکاری کا جذبہ موجود ہے اور دوسرا خود خواہ ہے اگر ہم دور اندیشی سے دیکھیں تو واضح ہو جائے گا کہ ایک اپنے اندر سب کچھ جذب کر رہا ہے اور دوسرا معاشرے سے کٹ رہا ہے۔

اب بھی مثلاً لوگوں میں کچھ ایسے ہیں جن کی انتہائی کوشش ہے کہ وہ جبہہ اور جہاد پر کمک کریں خود جہاد پر جائیں یا اپنے بچوں کو جہاد پر روانہ کریں یا اپنے سرمایہ کو جہاد پر خرچ کریں یا کسی طریقہ سے بھی کوئی خدمت کریں وہ ہمیشہ اس معاملہ کے درپے ہیں وہ بالکل اس راہ پر گامزن ہیں ممکن ہے ان کے ہمسایوں اور رشتہ داروں میں یا ان کے ہم نشینوں میں کچھ ایسے افراد بھی ہوں جو کہتے ہوں کہ اس وقت جنگ کے شور و غوغا سے فائدہ اٹھالیں۔

ابتدائی طور پر انسان کے ذہن میں آتا ہے کہ یہ خود خواہی اور خود پرستی کر رہا ہے اور وہ دوسرا شخص فداکاری اور جانثاری کر رہا ہے لیکن جب قرآن و اسلام کے نقطہ نظر سے اور اسلامی جہانشناسی اور ان افکار کی روشنی میں جن کو قبول کر کے ذرا باریک بینی کرتے تو دیکھتے کہ ایسا نہیں ہے۔

آخر کار چند سال کے بعد تجزیہ کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں یہ کیا ہو گیا ہے اور وہ کیا ہو گیا ہے یہ ایک شخص خالص خوش بختی کی طرف رواں دواں ہے اور اپنی آخرت بنا رہا ہے اور آنے والے کل کے لیئے خرچ کر رہا ہے اور اپنی نسل کو پاک و پاکیزہ بنا رہا ہے اپنے خاندان کو سعادت

اور خوش بختی کی طرف لے جارہا ہے

دوسرا حرام مال، بدکاری، چوری اور خیانت کے ذریعے اپنے آپ کو دلدل میں پھنسا رہا ہے اور اپنے فاسد خیال میں اپنی نسل کا مستقبل سنوار رہا ہے یہ تو در حقیقت اپنے بچوں کا مستقبل تباہ کر رہا ہے۔ یہ بچے جو اس صورتحال میں آیندہ کی زندگی گزارنا چاہتے ہیں بہر حال یہ دلدل میں ڈوب کر رہیں گے اور کبھی اس کیفیت سے روزی حاصل نہیں کر سکیں گے اور سعادت کو کبھی نہیں دیکھ سکتے۔

یہ خیال کرتا ہے کہ چند شاہی سکے بینک میں جمع کر رہا ہے آیندہ قرینے سے زندگی گزار لے گا یہ نہیں جانتا کہ وہ حقیقی خزانہ کس قدر ہاتھ سے گنوا رہا ہے جب پوری طرح حساب و کتاب ہو گا اس سے بڑھ کر یہ نہیں کہ دنیا میں بھی خوشحالی اس کو نصیب ہو کیونکہ ایک دن ہم معاشرہ میں صحیح معاشرہ تک پہنچے اور ان افراد کی پوری پوری تفتیش ہوئی تو ایسے افراد کو ڈنڈے مار کر ایک طرف لگا دیں گے تم اس وقت چوری کیا کرتے تھے اب اس معاشرہ سے کیا چاہتے ہو؟ لیکن وہ لوگ جو فداکاری کرتے ہیں میرے اس کلام کی رو سے ایک معتدل اسلامی معاشرہ انہیں آگے لائے گا اور یہ معاشرہ میں آئیں گے اس کی دنیا ممکن ہے آیندہ اس سے بھی زیادہ شاد و آباد ہو گی۔ ہم اب معاشرہ اور اس کے بارے میں علیحدہ گفتگو کریں گے۔

عمدہ مثال

پس اس بنا پر اصلا ایک خیر خواہ شخص نے ایک صحیح آرزو کا انتخاب کیا ہے یہ اپنے ہر جانثارانہ و فداکارانہ قدم سے اپنا آج بھی سنوار رہا ہے اور اپنا کل بھی بنا رہا ہے۔ اگر ہم اس معنی کی مثال دینا چاہیں تو یوں ہے کہ دو آدمی ایک جیسا سرمایہ رکھتے ہوں ایک اپنے سرمایہ سے گھر بناتا ہے کارخانہ لگا لیتا ہے اور مینوفیکچرنگ کرتا ہے اور دوسرا اس سرمایہ سے عیاشی کرتا ہے شباب و

کباب اڑاتا ہے اور سرمایہ ختم کر لیتا ہے اور ہاں اب ہم دیکھتے ہیں کہ ایک نہایت ہی خوش و خرم ہے اور ایک خاک آلودہ ہے اپنے کام میں مصروف ہے اپنے فارم پر جاتا ہے کارخانہ پر جاتا ہے اور چند دن کے بعد یہ کارخانہ چل پڑتا ہے اور اس کی مصنوعات بازار میں آنے لگتی ہیں اس کا فارم آباد ہو جاتا ہے گندم کپاس وغیرہ کی فصلیں آنے لگتی ہیں اور دوسرے کا سرمایہ ختم ہو جاتا ہے وہ عیاشی کے اڈے سے شکستہ حال و پریشان، نشے جیسی لعنتوں کا عادی ہو کر نکلتا ہے۔

آج جب ہم تجزیہ کرتے ہیں فرق واضح طور پر معلوم ہوتا ہے یہ خود غرض تھا یا اپنی ذات کا دشمن تھا لیکن سمجھ نہیں رہا تھا لوگوں کے ساتھ رویہ معاشرتی تعلقات قانون و انقلاب کے ساتھ یہ اپنا نقصان کر رہا تھا۔ یہ دو راستے کھلے ہیں ہر انسان کو اختیار ہے کہ ان میں جو دل چاہے اختیار کرے وہ آیت کریمہ جس کی تلاوت گفتگو کے آغاز میں کی تھی اس کی طرف توجہ کریں تو آہستہ آہستہ قرآن کی طرف آتے ہیں۔

قرآن کی نظر میں انسانی مساوات

قرآن کریم نے اکثر مواقع پر اس طرز تفکر کو بیان کیا ہے کوئی یہ توقع کرے کہ دونوں انسانوں کو ہم برابر قرار دیں انہیں ایک آنکھ سے دیکھیں قرآن اس کی استفہام انکاری (۱) کے ذریعہ ممانعت کرتا ہے اور کئی مقامات پر صراحت کے ساتھ اسکی بالکل نفی کرتا ہے۔ یہ آیت کریمہ جس کی میں نے تلاوت کی ہے کھلم کھلا قرآن کے دستور کا اعلان کر رہی ہے

(۱) استفہام انکاری یعنی وہ سوال جو کسی بدیہی الثبوت (واضح) شئے کے انکار کے لئے کیا جاتا ہے مثلاً اللہ فرماتا ہے کیا جو علم رکھتے ہیں ان کے ساتھ برابر ہیں جو علم نہیں رکھتے ہیں یہ سوال اس لئے کیا گیا ہے تاکہ آپ یہ نتیجہ حاصل کر سکیں کہ یہ دونوں برابر نہیں ہیں اسے اصطلاح میں استفہام انکاری کہتے ہیں

"لا ستوی القاعدون من المومنین غیر اولی الضرر و المجا ھدون فی سبیل اللہ باموالھم و انفسھم "(۱)

قرآن پاک فرماتا ہے کہ خواہ مال کے ذریعہ جہاد کریں یا جان کے ذریعہ سے جہاد کریں (دونوں جہاد ہیں)

یعنی جو لوگ اپنے مال کو جہاد کے کاموں میں صرف کرتے ہیں یہ بھی ایک جہاد ہے اور وہ لوگ جو اپنی جانوں کے ساتھ انسانی قوت کے ذریعہ معرکہ کارزار میں حصہ لیتے ہیں وہ بھی جہاد ہے) ہم ان کو ان لوگوں کے برابر نہیں سمجھتے ہیں جو بیٹھے ہیں (قرآن کی اصطلاح میں قاعد ہیں) اور جہاد کے لئے اقدام نہیں کرتے ہیں یہ دو گروہ برابر نہیں ہیں

"لا یستوی القاعدون "

قاعد یعنی جو بیٹھا ہوا ہے جو جنبش نہیں کر رہا ہے اور اقدام نہیں کر رہا ہے وہ مجاہد کے برابر نہیں ہے۔

"غیر اولی الضرر"

یہاں پر ایک نکتہ ہے جو "غیر اولی الضرر" سے نکالنا چاہیے وہ یہ ہے کہ یہ اس شخص کے لئے ہے (جو کوئی قعود اور سکون کے بارے گفتگو کرتا ہے) جو کسی عارضہ میں مبتلا نہیں ہے چونکہ جو شخص کسی عارضہ میں مبتلا ہے اور جہاد میں شرکت نہیں کر سکتا یہ آیت اس کو شامل نہیں ہے۔

ایک شخص مریض ہے، یا ایک شخص اپاہج ہے ایک شخص نفسیاتی طور پر جہاد کی صلاحیت نہیں رکھتا ایسے افراد کو یہ آیت شامل نہیں ہے ایسے افراد قاعد کی اصطلاح سے خارج

---

(۱) نساء : ۹۵

ہیں ان کا حساب اور ہے، وہ شخص جو تندرست، جو شخص صحیح وسالم ٹھیک ٹھاک چل رہا ہے اپنی زندگی کے تمام مشاغل میں مصروف ہے آیت میں ایسے اشخاص کا مقائسہ کیا گیا ہے

مجاہد کا امتیاز

قرآن مجید فرماتا ہے

ہم ان دو قسم کے افراد کو مساوی وبرابر قرار نہیں دے سکتے ہیں خود قرآن ہی اس کو واضح فرماتا ہے کہ

"فضل الله المجاہدین باموالھم و انفسھم علی قاعدین درجۃ"(۱)

اور اللہ مجاہدین کو قاعدین پر درجہ فوقیت وامتیاز عطا فرمایا ہے۔

"کلا وعد الله الحسنی"

اور اللہ ہمیشہ اچھا وعدہ کرتا ہے

محور موضوع بھی یہاں یہ ہے کہ دونوں عام مسلمان ہیں ایسا نہیں ہے کہ ان میں سے ایک گروہ کافر ہو ہم ان کا مسلمان سے مقائسہ کر رہے ہوں۔ نہیں ابلحہ دونوں گروہ عام مسلمانوں کے ہیں

"کلا وعد الله الحسنی"

دونوں گروہوں میں جنہیں اللہ تعالی نے ان اعمال مناسب وعدہ حسن دیا ہو لیکن وعدہ حسنہ والوں میں سے مجاہد اور ساکن (بیٹھنے والے) برابر نہیں ہیں۔ پھر قرآن مجید تاکید کرتے ہوئے فرمارہا ہے کہ ہم انہیں درجات میں ایک دوسرے پر فضیلت دیتے ہیں۔ ان کے جہاد و

---

(۱) نساء: ۵۹

مبارزہ کے لحاظ سے، ان کی فداکاری کے حساب سے ان کو عظمت دیتے ہیں۔ یعنی خداوند کریم نے ایک خاص عظمت کو اس گروہ کے لئے مد نظر رکھا ہوا کہ عام لوگوں کے لئے یہ عظمت منظور الٰہی نہیں ہے۔ خوب: کس لئے جہاد کریں؟

. جہاد فی سبیل اللہ بھی اہم ہے اس وقت جب ہم انقلاب لانے میں ابھی کامیاب نہیں ہوئے تھے یہ بات ہم میں سے بعض کے درمیان موضوع سخن تھی وہ یوں فکر کرتے تھے کہ اصل مبارزہ اہم ہے لیکن کب اور کہاں یہ کوئی مسئلہ نہیں، خود مبارزہ و جہاد اہم ہے، نہ میں یہ نہیں کہنا چاہتا۔

جہاد فی سبیل اللہ اصلاً ایک فداکاری ہے جو میرا موضوع سخن ہے الٰہی اہداف اور عام اہداف میں فرق ہے ارمان آرزو کا ہے ایک گروہ وہ ہے جو صرف عدالت و مساوات کا خواہاں ہے البتہ یہ ارمان خواہی ہے عدالت بھی اچھی چیز ہے۔ لیکن ایک محدود ارمان خواہی کے کئی مراتب ہیں ایک گروہ وہ ہے جس کا مبارزہ، زحمت و فداکاری سارے کا سار آزادی کے لئے ہے یہ بھی اچھا ہے ہم اس کو برا نہیں سمجھتے ہیں اچھا گردانتے ہیں مبارزہ، جہاد برائے آزادی (ایک بہت مقدس خصوصیت ہے) اور اچھے ارمانوں میں سے ایک ہے لیکن قرآن مجید اسکو ایک مسلمان کے لئے کافی نہیں سمجھتا ہے۔

قرآن فرماتا ہے جہاد راہ خدا ہو "راہ خدا" بھی آزادی و عدالت یا انسان کے مفہوم کے حامی ہونے کے برابر ایک حد ہے۔ مثلاً وطن پرستی۔ وطن دوستی اور دیگر محدود چیزیں یوں نہیں ہیں راہ خداوند متعال ان تمام حدود کا مجموعہ ہے یہ سب کی سب راہ خدا میں جمع ہیں۔ انسان اگر اپنے ارمان و آرزو کے انتخاب اور اہداف حاصل کرنے میں بلند ہمت ہو اور اس کا ہدف ذات باری تعالیٰ ہو تو بقیہ ان تمام آرزوؤں کو پالیتا ہے آزادی اس راہ میں ہے عدالت و مساوات راستہ میں ہے مظلوموں کی حمایت، متکبرین سے نبرد آزمائی اس میں ہے۔ حب الوطنی اس میں ہے اور وہ لوگ

جو ایک ہدف یا ارمان و آرزو کے عنوان سے ایک جماعت تشکیل دیتے ہیں (ان کا نعرہ د شعار بن جاتا ہے) یہی در حقیقت جہاد فی سبیل اللہ ہے۔

فداکار انسان

میرے موضوع سخن کی اہم فصول میں سے ایک یہ ہے اور یہی میری گفتگو کا محور بھی ہے ہم اس وقت فداکار افراد کے بارے گفتگو کر رہے ہیں ہمارا موضوع سخن وہی ہیں جو الٰہی اہداف کو منتخب کرتے ہیں مکتب اسلام کی بنیادوں پر اسلامی خواہشات اور اہداف کو انتخاب کرتے ہیں جن کی تشریح اور توضیح ہمارے قرآن پاک، پیغمبر اسلام اور ائمہ علیہم السلام کے ذریعہ موجود ہے۔ یعنی اس وقت میرا موضوع سخن وہ مسلمان ہے جو خدا کے لئے اور اسلامی معاشرہ وجود میں لانے کے لئے جہاد کر رہا ہے البتہ مجھے یقین ہے کہ کچھ لوگ اور بھی ہیں جو شاید مسلمان نہ ہوں بہر حال ایک خصوصیت کے لئے ایک خاص ہدف کے لئے بر سر پیکار ہیں چونکہ وہ اصل اسلام پر نہیں ہیں۔

یہ ایک اعتراض ہے اور چونکہ وہ ایک دائرہ تک محدود ہیں دوسرا اعتراض یہ ہے اب ایک نسبت سے ہو سکتا ہے کہ وہ اسی موضوع سخن میں آجائیں لیکن بنیادی طور پر ہمارا موضوع سخن وہ انسان ہے جو ایمان رکھتا ہو اور میدان جہاد میں صرف اسلامی اہداف کے لئے بر سر پیکار ہو لہذا منافقین جتنے بھی مجاہد ہوں ہمارے ساتھ قابل قیاس نہیں ہیں کیونکہ وہ ایک منحرف گروہ ہیں۔

آپ میری اس گفتگو سے نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ جو لوگ انقلاب سے پہلے بر سر پیکار تھے وہ ممتاز ہو جائیں ہاں: ہم ایک محدود امتیاز ان کے مبارزہ اور جہاد کی وجہ سے انہیں دے سکتے ہیں اگر ان کا انجام صحیح ہو لیکن جس کی پہلی اینٹ ہی کج ہو اور منحرف ہو گیا ہو ارمانوں کو بٹہ

لگانے سے اس کا دائرہ کار اس قدر تنگ ہو گیا ہے کہ اس نے اس کو خراب کر دیا ہے اس نے کلی طور پر معاشرہ کی راہ کو تبدیل کر دیا ہے اور ایک دوسری جگہ سے اس کو نقصان پہنچایا ہے۔ ہم مسلمان عبادت گزار ہیں آج ہم نے نام رکھ لیا پیروان خط امام (امام خمینیؒ کے نظریات کے پیرو کار) جو لوگ بتا رہے ہیں کہ اسلام کے دائرہ میں رہ کر جہاد کریں ہم ان کے لئے ایک عظیم امتیاز کے قائل ہیں اور ہم عقیدہ رکھتے ہیں کہ ہمارا معاشرہ انہیں کے ذریعہ پرورش پا رہا ہے اور آج ہمارا انقلاب انہیں کے دم سے قائم ودائم ہے۔

معاشرہ میں آپ دیکھیں: جس دن سے انقلاب کامیاب ہوا اس دن سے آج تک وہ عزیز وپیارے جو اس لحہ بھی یہاں بیٹھے ہیں وہ مغرب کے ملک اور "پانچویں" عراق جیسے دشمن ہوں، شدید اور بے رحمانہ بمباری میں ثابت قدم ہیں۔ عالمی استعمار کے ہاتھ کاٹنے کے لئے اور استکباری کارندوں کو خط سے نکالنے اور انقلاب اسلامی کو نجات دینے کے لئے جانیں قربان کر رہے ہیں۔

اور وہ جنہیں اسی لمحے فائر لگا ہے اور ان کے خون کے قطرات زمین پر گر رہے ہیں اور وہ خدا تعالی کی مناجات میں مصروف ہیں ایسے لوگوں کو نظر میں رکھیں یہ وہ لوگ ہیں جو انقلاب کی پرورش کر رہے ہیں یہ لوگ حماسہ آخر کی تاریخ رقم کر رہے ہیں اور یہی لوگ ہیں جو روح پھونک رہے ہیں اور یہ لوگ ہمیں جرات اور بہادری عطا کر رہے ہیں کہ ہم ان کے استعمار و استکبار کے سامنے سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح کھڑے ہو جائیں اور ایک باقاعدہ پروگرام کے ساتھ مبارزہ کریں۔

معاشرے میں روح جہاد

اگر اس روح کو معاشرے سے علیحدہ کر دیں جو کہ جہاد فی سبیل اللہ ہے اس کو نکال

دیں تو باقی سب کچھ محو ہو جاتا ہے۔ماہیت انقلاب یہاں سے ہے آپ کے انقلاب اسلامی کی حقیقت اس سے پھوٹتی ہے اس دن جب سٹوڈنٹس اس یونیورسٹی میں آئے تھے اور شاہ کے حکم سے ان پر فائرنگ کی گئی تھی اگر روح جہاد و مبارزہ نہ ہوتی وہ کام یہیں ہو جاتا اور وہ اپنے اپنے گھروں کو چلے جاتے اور یہ ماجرا یہیں ختم ہو جاتا۔لیکن انہوں نے اپنے شہداء کے جنازوں کو اپنے ہاتھوں اٹھایا اور سڑکوں کا رخ کر لیا یہ شاہ اور امریکہ کے ظلم کی سند ہے اور لوگ ان کے پیچھے اٹھ کھڑے ہوئے اور یہ روح جہاد وسیع تر ہو گئی بجائے اس کے کہ یہ جذبہ کم ہو یہ اپنے ساتھ انقلاب لے آیا۔

پس ہم اور ہمارا انقلاب اسی مبارزہ و جہاد کا مرہون منت ہے جو لوگ اس معاشرہ میں اب بھی برائی کے پیچھے ہیں اور سرمایہ جمع کرنے میں لگے ہوئے ہیں ہمارے نزدیک ان کی کیا قدر و قیمت ہے کہ ہم ان پر جمع خرچ شروع کر دیں یہ لوگ آرزوؤں کے اسیر اور طمع کار انسان ہیں۔اگر کبھی کسی شئے کی کامیابی ہو جاتی ہے تو یہ ایک جہت سے اپنی زندگی کے ایک پہلو کو اور زیادہ رزق و برق کر سکتے اور انہیں کوئی سروکار نہیں انکو کس شمار و قطار میں رکھا جا سکتا ہے کیا قرآن پاک کو حق نہیں ہے کہ کہہ دے۔

لایستوی القاعدون من المومنین غیر اولی الضرر و المجاھدون فی سبیل اللہ باموالھم و انفسھم(۱)

یہ معقول نہیں ہے کہ عقل اس کو قبول نہیں کرتی احساس اس کو قبول نہیں کرتا وہ لوگ جو اپنے گھروں میں آرام کر رہے ہیں بے جا تنقید کرنے والے افر تفری پیدا کرنے والے اور کمزوریوں کی طرف جو جنگ و جہاد کے دوران ہر قوم میں پیدا ہو جاتی ہے انگشت نمائی کرنے

---

(۱) نساء : ۹۵

کے علاوہ ان کا کوئی کام نہیں ہے ہم معاشرتی اور اجتماعی حساب کتاب میں معاشرتی عدل و مساوات میں انہیں کس کھاتے میں ڈال سکتے ہیں اور یہ کس قیمت کے ہیں۔

البتہ جب ہمارا معاشرہ ایسا ہے اور ایسے افراد بھی اس معاشرہ میں زندگی گزار رہے ہیں زیادہ سے زیادہ ان کی مثال آوارہ جڑی بوٹیوں کی سی ہے جو کسی عمدہ پھل کے درخت کی جڑوں میں اگی ہوئی ہیں جب اس درخت کو پانی لگاتے ہیں تو وہ خود بخود سیراب ہو جاتی ہیں اور زمین سے غذا حاصل کرتی ہیں لیکن بالکل قابل توجہ نہیں ہوتیں اور اصلاً کسی شمار و قطار میں نہیں ہیں مگر صرف ان کی تربیت کے لئے ہے تو ہم کیوں نہ اپنی تبلیغی، تربیتی مشینری اور افرادی قوت ان کو راہ راست پر لانے کے لئے صرف کریں۔

ہم صرف ان کو ایک منحرف مریض کے طور پر دیکھیں اور ان کی اصلاح کی کوشش کریں ہم اپنی آیندہ زندگی کو ان کی ڈگر پر نہیں چھوڑ سکتے ہیں بلکہ ہم کوشش کریں کہ ہم ان کو اپنی معاشرتی زندگی کے رنگ میں رنگیں۔

ہمارے مسلم عوام قیمتی سرمایہ ہیں

ہمارے وہ عزیز جو فوج، سپاہ اور بسیج میں جان ہتھیلی پر رکھ کر میدان کارزار میں حاضر ہیں اور امام و رہبر اور حکومت کے ذمہ دار افراد کی خوشی کا باعث بن رہے ہیں یہ لوگ ہماری توجہ کے زیادہ حق دار ہیں ہمارے معاشرتی تجزیے و حساب کتاب ہیں ان لوگوں کو مد نظر رکھنا چاہیے ہماری یونیورسٹیوں کو ان کی خدمت کرنا چاہیے سکولز کو ان کے لئے وقف ہونا چاہیے ہماری مصنوعات کے مراکز، ہمارے معاشرے کو چلانے والے، ہمارے قانون ساز سارے کے سارے ان کی خدمت کے لئے وقف ہونے چاہیے۔

یہ لوگ معاشرہ کے روح رواں ہیں وہ لوگ جنھوں نے اپنے بچوں کو میدان میں بھیج

رکھا ہے ان کی مستورات جنگ کے اخراجات کے لئے قالیچے بنتی ہیں ان کے والدین پس پشت جنگ کی حمایت میں مصروف ہیں فیکٹری، یونیورسٹی اور میدان جنگ میں موجود افراد اس جنگ کی وجہ سے تکالیف برداشت کر رہے ہیں۔

ان لوگوں کا ایسے افراد کے ساتھ قیاس نہیں کیا جا سکتا جو اس ملک کے تمام وسائل سے استفادہ کر رہے ہیں ان کے پاس گاڑی، گھر، پیسہ، روزگار اور سب کچھ موجود ہے یہ لوگ عیاشی کر رہے ہیں ان کے پاس بہت بڑے بنک بیلنس اور کارخانے ہیں یہ لوگ گراں فروشی کے لئے ہر ممکن کوشش کرتے ہیں اور زیادہ کمائی کے چکر میں ہیں۔ لہٰذا ہم کس طرح ان دونوں کو برابر سمجھ سکتے ہیں بلکہ انہیں ایک صف میں کھڑا کرنا بہت بڑا ظلم ہے اور قرآن مجید بھی اسے پسند نہیں کرتا۔

ائیر فورس کے افسروں سے ملاقات

چند دن پہلے مجھ سے ملاقات کے لئے ائیر فورس کے افسروں کا وفد آیا تو ان میں سے ایک کہنے لگا کہ میں آپ سے صرف اس لئے ملاقات کرنے آیا ہوں کہ آپ امامؒ کی خدمت میں ہماری طرف سے عرض کریں کہ آپ یہ ہرگز نہ سوچیں کہ یہ فوج پانچ سال پہلے والی فوج ہے۔ میں اور میرے اکثر ساتھیوں کی آرزو ہے کہ ہم امامؒ کی زیر قیادت اپنے خون کا آخری قطرہ تک بہا دیں اور اس ملت نے جو خرچ کیا ہے اور ہمیں اس قابل بنایا ہے کہ ہم اپنے ذمہ ان کے احسانات کا بدلہ دے سکیں اور حجت خدا کی قیادت میں اپنے وظائف کو انجام دے سکیں۔

بعد میں اس کے ساتھیوں نے بتایا کہ اس کے اور بھائی جو ہوا باز تھے شہید ہو گئے ہیں اور یہ بچ گیا ہے کوئی خیال کر سکتا ہے کہ ان جیسے لوگوں کو انکے ہم پلہ دوسرے افسروں کے برابر قرار دیں کہ جن کی تمام تر ہمت و کوشش کچھ اور ہو ان دونوں کو ایک قطار میں کھڑا نہیں کیا جا

سکتا۔ ہمیں ان کے درمیان ایک واقعی فرق کا قائل ہونا پڑے گا ابھی جب میں گاڑی سے اترا تو مجھے ایک خط ایک بہت خوبصورت قالیچے سمیت دیا گیا جو خاتون نے جنگ کے لئے بھیجا ہے اور لکھا ہے

میں فوجی افسر کی بیوی ہوں میرا شوہر میدان جنگ پر ہے اور گھر بیٹھی ہوں تو میں یہ قالیچہ اپنے ہاتھ سے بن کر نماز جمعہ کمیٹی کو پیش کر رہی ہوں کہ یہ جنگ کے اخراجات کے لئے ارسال کریں یہ ایک خاندان ایک ایسا گروہ ہے جس کی قدر و منزلت کا بدلہ ہم نہیں دے سکتے ہیں خداوند تعالیٰ ان کو پورا پورا بدلہ دے گا:

لا يستوى القاعدون من المؤمنين غير اولى الضرر والمجاهدون فى سبيل الله باموالهم وانفسهم على القاعدين درجة و كلا وعدالله الحسنى وفضل الله المجا هدين على القائدين اجرا عظيما.درجة منه و مغفرةو رحمةوكان الله غفوراً ارحيما

کرمان کی ایک فیملی کا خط

کرمان سے ایک فیملی نے مجھے خط لکھا اور دس ہزار تومان بھیجے انہوں نے لکھا تھا یہ رقم ہمارے بچے کی ہے وہ جب جنگ پر جا رہا تھا تو اس نے وصیت نامہ لکھا تھا کہ اگر میں لوٹ آیا تو اس رقم کے بارے خود فیصلہ کرونگا اور اگر شہید ہو گیا تو میرا ڈیتھ سرٹیفیکیٹ بنوالینا اور رقم حکومت کو بھجوا دینا وہ جہاں چاہے اسے خرچ کرے ہمارا بچہ شہید ہو گیا ہے اور اس کا سب کچھ یہی ترکہ ہے۔

---

(۱) نساء: ۹۵-۹۶

یہ فیملی اور یہ غیر معمولی بچے

اگر جنگ سے صحیح وسالم واپس آجاتا تو ہم اس جوان کو دوسرے (بدکاروں کے علاوہ) جوانوں کے برابر قرار دے سکتے ہیں دوسرے معمولی بچے جو اپنی عام زندگی گزار رہے ہیں ان کی بات کر رہا ہوں جو تجارت کر رہے ہیں اور تعلیم حاصل کر رہے ہیں، اور بدکردار تو کسی شمار میں نہیں ہیں خوب یہ دونوں گروہ مساوی نہیں ہو سکتے یہ علیحدہ اور وہ علیحدہ ہیں۔

قرآن مجید ہمیں اجازت نہیں دیتا کہ ہم انہیں برابر قرار دیں ہمارا معاشرہ، ہمارا انقلاب اور ہماری عظیم اسلامی دلاوری جس نے آج دنیا کو ہلا کر رکھ دیا ہے ان افراد کی مرہون منت ہے ہم صرف باتیں بتا سکتے ہیں ہم ان لوگوں کے خون کی تاثیر کی عوام کے سامنے وضاحت کر سکتے ہیں اور وہ خون دیتے ہیں۔ یہ ایسے افراد ہیں کہ ان کو اس سے بھی زیادہ اہمیت دی جانی چاہیے آج ہمارے شہداء کے کچھ لواحقین (شہید فاؤنڈیشن کی دعوت پر) شہداء کی یاد منانے کے لئے یہاں تشریف لائے ہیں یہ ہمارے شہداء اور معاشرے کے لئے روح افزا ہیں۔ اگر شہداء، لواحقین اور دوسرے رشتہ داروں کو غیر معمولی اہمیت دیں تو یہ کوئی گناہ نہیں ہے اسی طرح کلی طور پر ہم تمام مجاہدین کے لئے غیر معمولی قدر و منزلت کے قائل ہو جائیں تو یہ بھی کوئی برائی نہیں ہے

پیغمبر اسلام اور مجاہدین بدر

حضرت پیغمبر اکرم (ص) نے جنگ بدر (۱) میں معرکہ آرائی کرنے والوں کو عمر بھر نہ

(۱) جنگ بدر ایک تاریخ ساز جنگ تھی اس وقت تک مسلمانوں میں پختگی ایمان پیدا نہیں ہوئی تھی اور ان حالات میں جنگ میں جانا خطرہ سے خالی نہ تھا۔

بھلا سکے اس ضمن میں بہت ساری آیات نازل ہوئی ہیں حضرت رسول اکرمؐ کسی محفل میں تشریف فرما ہوں (اگر حضرت کے قریب جگہ نہ ہوتی اور) اگر مجاہدین بدر میں سے کوئی محفل میں وارد ہوتا تو پیغمبر اکرمؐ کسی دوسرے کو اٹھا کر اسے وہاں جگہ دیتے۔

ایک دفعہ کسی صحابی نے آہ کھینچی اور کہا یا رسول اللہ ہم بھی تو مسلمان ہیں حضرتؐ نے فرمایا بے شک تم مسلمان ہو لیکن اللہ تعالی نے مجاہدین بدر کو تم پر ترجیح دی ہے میں یہ سب کچھ اللہ تعالی کے حکم کے مطابق کرتا ہوں۔ پیغمبر اکرمؐ ایک مجلس میں تشریف فرما تھے ایک صحابی آیا جو آپ کے دوستوں میں سے تھا حضرت نے اس کی کچھ زیادہ پرواہ نہ کی اسی لمحے ایک اور صحابی داخل ہوا جو جنگ بدر پر گیا تھا حضرت (ص) کھڑے ہوئے اور اسے اپنے پہلو میں جگہ دی اور فرمایا۔ یہاں بیٹھیں پہلے صحابی کو اچھا نہ لگا اس نے عرض کی آقا ہم سے بے اعتنائی کیوں فرما رہے ہیں۔

حضرت نے فرمایا خدا تعالی نے اسی طرح خواہش کی ہے

اس نے کہا میں نے کیا برا کیا ہے۔

حضرت نے فرمایا تم جنگ میں شریک نہ ہو سکے اور یہ جنگ میں شریک ہوا ہے

اس نے کہا کہ میں مجبور تھا جنگ پر نہ جا سکا حضرت نے فرمایا

تمہاری مجبوری قبول ہے کہ تم جنگ پر جانے سے معذور تھے اسی وجہ سے تو یہاں آسکتے ہو اگر تمہارا کوئی عذر نہ ہوتا اور تم جنگ پر نہ جا سکتے تو تمہیں اس بیٹھک میں آنے کی اجازت نہ ہوتی لیکن پھر بھی وہ تم سے بہتر ہے مجھے چاہیے کہ یہ فوقیت و برتری اسے دوں اور اس آیت

واذا قیل لکم تفسحوا فی المجالس فافسحوا (۱)

---

(۱) ۵۷ : ۱۱

کا شان نزول ہی یہی کہہ رہا ہے کہ ایک دفعہ ایک صحابی آیا تو آپ نے بیٹھے ہوئے ایک دوسرے صحابی سے فرمایا۔ اسے جگہ دو تا کہ یہ بیٹھ جائے اس اکرام کی وجہ یہ تھی وہ صحابی غزوہ بدر میں شریک تھا جب بعض اصحاب کو یہ عزت و تکریم اچھی نہ لگی تو آیت نازل ہوئی کہ جب پیغمبر کسی سے جگہ دینے کا کہیں تو جگہ دے دیا کرو۔

مجاہد کا غیر معمولی مقام

ہمارا موضوع سخن بھی یہی ہے اس کے متعلق قرآن مجید، روایات اور ائمہ کی سیرت یہی تھی آپ نے ایک مجاہد کو غیر معمولی مقام دیا ہے بعض لیبرل قسم کے لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ جو لوگ جنگ میں شہید ہوئے یا جنہوں نے سپاہ میں کام کیا ان کے لئے یونیورسٹیوں میں کوٹہ کیوں معین کیا گیا ہے اس سے یونیورسٹیوں کا معیار گر جائے گا میں کہتا ہوں یہ یونیورسٹیاں مجاہدین(۱) کی ہیں یہ نہ ہوتے تو آج ان یونیورسٹیوں کو نہاوندی جیسے لوگ چلا رہے ہوتے۔ اور یہی (زمانہ شاہ کی) گندگی پھیلا رہے ہوتے انہوں نے تعلیمی اداروں کی حفاظت کی ہم نے ان کے لئے اگر یونیورسٹی میں ایک فیصد کوٹہ مقرر کیا ہے جنہوں نے تحریکیں چلائیں جہاد پر گئے دیہاتوں میں پانچ پانچ سال تک خون پسینہ ایک کیا گرمی جھیلی کہ دیہاتوں کو آباد کیا، سپاہ میں کندھوں پر اسلحہ اٹھایا اس وقت جب کوئی بھی اس مملکت کی حفاظت کرنے والا نہیں تھا وہ انجمنوں میں کام کر رہے تھے جب یہ انقلاب بے چارہ، بے سہارا تھا انہوں نے امن و امان کی

---

(۱) مجلس شوری اسلامی نے فداکاروں اور ایثار گروں کی اعلی تعلیم کے لئے خصوصی کوٹہ مقرر کیا تو بعض لوگوں نے اعتراض کیا کہ اس سے یونیورسٹیوں کا معیار تنزلی کا شکار ہو جائے گا خطیب محترم نے ان کے جواب کو یہاں بیان کیا۔

حفاظت کی اس وقت انہوں نے یونیورسٹیاں ترک کردیں اور جنگ میں شریک ہو گئے تھے اب اگر ہم ان کے لئے ایک فیصد تعلیمی کوٹہ مقرر کیا ہے کہ انہیں کچھ مقام دیا جا سکے اگر انہیں یہ امتیاز نہ دیں تو گویا اس نے بہت بڑا ظلم کیا ہے اور یہ کام عدالت کے خلاف ہے اگر ہم ان مجاہدین کو ان لوگوں کے مقابلے میں جن کا بال بیکا تک نہیں ہوا مساوی اور برابر قرار دیں تو یہ بہت بڑا ظلم ہے

اڑتالیسواں خطبہ

عرفان کے بارے میں گفتگو

عرفان کے مختلف مدارج

خدا کے ساتھ تجارت۔

عرفان کے عملی مراحل اور فقر و تونگری کا بیان

بسم الله الرحمن الرحیم الحمد لله رب العالمین،والصلوۃ والسلام علی رسول الله وآله الائمة المعصومین۔ قال العظیم فی کتابه: اعوذ بالله من الشیطان الرجیم۔ با ن لهم الجنةیقا تلون فی سبیل الله فیقتلون (۱)

عدالت اجتماعی کی بحث کا تسلسل

ہم عدالت اجتماعی کی گفتگو میں انسانی اقدار تک پہنچے تھے آخری قدر انسانی جو ہمارا موضوع بحث تھی وہ انسان میں جذبہ فداکاری اور درگزر کا موجود ہونا ہے۔ ہم نے کہا تھا کہ انسان کے نہایت قابل قدر اوصاف ہیں۔ ایک وصف جو اس کے لئے سرمایہ افتخار ہے جو انسان کو دوسروں پر ممتاز و سربلند کرتا ہے وہ یہ ہے کہ انسان اپنے عظیم ترین ذاتی مفادات سے گزرنے کے لئے اپنی بہترین اشیاء کو فدا کرنے کا جذبہ رکھتا ہے۔

انتخاب زندگی

ہر انسان عام طور سے اپنی زندگی میں دوراہے پر کھڑا ہے ان دوراستوں میں سے اسے ایک کا انتخاب کرنا ہے۔ ایک با اختیار انسان کی زندگی اس کشمکش اور ایک طرف کے

---

(۱) توبہ :111

انتخاب سے پر ہے انسان کو مصمم ارادہ کرنا پڑتا ہے کہ حق و صداقت کی راہ پر چلے یا باطل کی راہ اختیار کرے۔ حق کو منتخب کرے یا باطل کو۔ دوسرے لفظوں میں رحمان کی طرف جائے یا شیطان کی طرف جائے اس کا اپنا انتخاب ہے۔

یہیں سے انسانوں کے راستے ایک دوسرے سے جدا ہوتے ہیں اور ان کے مراتب کی درجہ بندی ہوتی ہے اسلام کسی انسان کو اجازت نہیں دیتا کہ جو افراد حق، خدا اور زیادہ بہتر و مفید کو انتخاب کریں۔ وہ ان افراد کے ہم پلہ ہوں جنہوں نے اپنے لئے شیطان، دنیا گھٹیا چیزوں اور باطل کو پسند کر لیا ہے۔ لیکن یہ فداکاری اور جان کے گزر جانے سے مراتب و درجات ہیں ہر درجہ کی ایک خاص قدر و منزلت ہے ایک نہایت نفیس و ظریف نکتہ ہے جو پہلے خطبے میں بیان کر چکا ہوں (یہ تھا کہ) اسلامی نقطہ نظر سے اس فداکاری کا مطلب ہر گز یہ نہیں ہے کہ انسان اپنے مفادات سے تہی دامن ہو جائے بلکہ فداکاری کا معنی ایک اعلیٰ منفعت اور بہتر مستقبل کا انتخاب کرنا ہے لیکن پہلی نظر اور کوتاہ اندیشی میں انسان سوچتا ہے کہ یہ اپنے مفادات ہاتھ دھونا ہے۔ لیکن اگر دقت نظر سے اس کا تجزیہ کریں تو یہ در حقیقت اساسی منافع کی طرف جانا ہے یعنی پورے اسلامی پروگرام میں آپ کہیں بھی منافع سے تہی دست ہونا نہیں پائیں گے مگر یہ کہ اس کے پیچھے ایک اقوی اور اہم مصلحت موجود نہ ہو یعنی قرآن، اسلام اور ہمارے معارف دینی کی بنیاد اس پر نہیں ہے کہ کوئی اپنے مفادات سے ہاتھ دھو بیٹھے اور بھلائی کر کے اپنے ہاتھ خالی کرے بلکہ یہ صرف ایک عارضی بھلائی کو چھوڑ کر ایک دائمی بھلائی کو حاصل کرتا ہے۔

یہ لفظ انسانی زندگی میں بہت موثر ثابت ہو سکتا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ انسان اس پر ایمان رکھتا ہو میں نے کہا ہے اس فداکاری اور نگرد کے مراتب ہیں اس بلند ترین مرتبہ اپنے مفادلت سے گزر جانے والے افراد میں پایا جاتا ہے یہ عارف اور فنافی اللہ لوگوں کا اختیار ہے یہ بہت بلند مقام ہے اس مرتبہ تک رسائی کسی سرکش کے بس کا روگ نہیں ہے۔

بہت سے لوگ ہیں جو اپنے آپ کو عارف سمجھتے ہیں لیکن عرفاء میں سے نہیں ہیں اور نہ ہی ان میں سے ہیں جو ذات حق تک پہنچ چکے ہیں اور مرتبہ فنافی اللہ پر فائز ہیں جو لوگ اس مرتبہ پر مطمئن ہیں کہ وہ ذات الٰہی میں گم ہو چکے ہیں وہ ہر شئے سے پہلے (بلکہ قبل اس کے کہ اپنے آپ کو دیکھیں) خدا تعالیٰ کو دیکھتے ہیں یہ حقیقی عارف ہیں مجھے نہیں معلوم دنیا اور پوری تاریخ انسانیت میں ان کی تعداد کتنی ہے۔ حقیقت میں ان کی تعداد زیادہ نہیں ہے لیکن انبیاء اور اولیاء میں تو یہ مرتبہ یقینی ہے لیکن بعد میں بھی لوگ ہیں جو اس مرتبہ پر فائز ہوتے ہیں۔

عرفاء کی خصوصیات

یہ ایک ایسی حالت ہے جس کی اگر میں وضاحت کرنا چاہوں تو جو کچھ پڑھا وہ تو بیان کر سکوں گا مگر جو کچھ دیکھا ہے وہ الفاظ ہیں بیان کرنا ممکن ہیں بلکہ میں تو اس کا دعوی بھی کر سکتا ہوں کہ اس کم مرتبہ کو کبھی اپنے وجود میں محسوس کیا ہو۔ اس سے کم درجہ بھی کچھ چیزیں ہیں جنہیں ہم نے کتابوں میں پڑھا ہے عظیم شخصیات سے سنا اور بزرگان اسلام کے حالات زندگی سے حاصل کیا ہے کہ انہیں ہم آپ کے سامنے پیش کرنا چاہتے ہیں۔ انسان کی ایک ایسی حالت ہے جو انبیاء علیہم السلام کے کلام خصوصاً حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے کلام میں نظر آتی ہے۔

حضرت علی ابن ابی طالبؑ فرماتے ہیں۔

میں جس چیز کو دیکھنا چاہوں تو (اس سے پہلے یا اس کے بعد) اس کے پہلو میں ذات حق کو ضرور دیکھتا ہوں۔

حضرت امام حسین علیہ السلام یوں فرماتے ہیں۔

یہ ایک ایسی حالت کی نشاندہی کرتا ہے کہ انسان کسی چیز کی طرف متوجہ نہیں ہوتا

مگر یہ کہ اس کے ساتھ ذات باری کو دیکھتا ہے ایسے افراد کے لئے فداکاری والا مسئلہ اصلاً مورد بحث نہیں ہے۔

یہ تو پہلے ہی فدا ہو چکے ہیں ذات حق میں یوں محو ہیں کہ ماسوی اللہ اور کچھ بھی نہیں دیکھتے جدھر بھی جائیں خدا ہی خدا ہے جو کام بھی انجام دیتے ہیں وہ الہی کام ہو تا ہے ان کے لئے جنت و جنہم، ثواب و عقاب رنج و راحت صلح و جنگ وصال و فراق سب بے معنی ہیں۔ ان کا ایک ہی محبوب و معشوق ہے وہ ذات حق سبحانہ ہے زندگی میں صرف اور صرف اس کے عشق و محبت میں متحرک ہیں اس کی طرف رواں دواں ہیں صرف اور صرف اسی کو دیکھتے ہیں قرآن مجید میں کچھ اشارے ملتے۔

ما تشائو ن الاان یشاء الله (۱)

ان کی مشیت و مرضی بعنوان خدا کی مشیت و رضا ہے جو چیز خدا کو پسند نہیں انہیں بھی پسند نہیں ہے ان کے احساس تک میں وہ نہیں آتی یہ حالت نہایت اعلی حالت ہے۔

اس کی مثالیں انسان شائد میدان جنگ میں دیکھ سکتا ہے وہ نوجوان جنہیں ہم دیکھتے ہیں ہمیں خبر نہیں کہ اللہ تعالی نے انہیں کس طرح کی توفیق عطا فرمائی ہے وہ اس مرتبہ تک پہنچ گئے ہیں اور اس نقطہ تک پہنچ گئے ہیں انسان دیکھتا ہے کہ یہ عاشق خدا ہیں اور ان کا کردار روشن ہے یہ اشعار جو انسان ادباء کی کتب و تحریرات میں دیکھتا ہے کہ کسی کو درد پسند ہے کسی کو رومان کسی کو وصال پسند ہے تو کسی کو ہجران مجھے درد و درمان وصال و ہجران سے وہ پسند ہے جو پسند کرنے جاوں یہ انہی افراد کے ساتھ مختص۔

البتہ کچھ اور شعراء بھی ہیں ممکن ہے انہوں نے ایسے ہی اشعار کہے ہوں جو میں بیان

---

(۱)۷۶: ۳۰

کر رہا ہوں یہ دوسروں کا کلام نقل کر رہا ہوں ایسی چیزیں نہیں ہیں کہ کوئی انسان ان تک رسائی حاصل کر لے یہ ایک وراء فطرت مرتبہ ہے انسان کبھی ایسی حالت تک پہنچ جاتا ہے کہ روایات میں آتا ہے۔ اگر اس کے بدن کو قینچی سے ٹکڑے ٹکڑے کر دیں یا دنیا کی ساری نعمتوں کو ایک لقمہ بنا کر ان کو دے دیا جائے تو ان کے لئے کوئی فرق نہیں ہے یہ صرف ذات خدا کو چاہتے ہیں ہم شہداء کربلا کے صاف میں پڑھتے ہیں۔

و لم یحسو ألم الحدید

کہ نیزہ و شمشیر کی تکلیف ان کے ہاں کوئی اہمیت نہ رکھتی تھی انہوں نے ان سب مصائب کو برداشت کیا تشنگی، رنج و الم اور بے سروسامانی کا انہیں احساس تک نہ ہوا یہ اپنی ملت کے لئے روشنی کرتے ہیں قرآن مجید فرماتا ہے۔

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی

کہو اگر تم خدا سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو۔

یہ ایک ایسا مقام ہے جو ایک خاص طبقہ کا ہے ایک معین گروہ اس وصف کا حامل ہے ایسے افراد کے لئے فداکاری کوئی مسئلہ نہیں ہے ان کا عشق فداکاری سے بالاتر ہے اب کوئی شاعر بیٹھ کر شعر کہنے لگ جائے وہی اشعار جو وہ خود کہیں سے سن سکتے تھے یہ نقل قول ہو سکتا ہے۔

یہ ایک قسم کی اداکاری ہے حقیقت کا یہاں بیان نہیں ہے حقیقی عارف دنیا میں بہت کم نظر آتے ہیں میں نے اپنی زندگی میں صرف امام خمینی کو ان آئیڈیل افراد میں سے پایا پھر بھی ان کو اس مرتبہ بالا پر نہیں کہہ سکتا ہوں جس درجہ کمال پر حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام ہیں۔

ہم دیکھتے ہیں کہ انہوں نے اپنی زندگی میں کسی وقت اور کسی حالت میں بھی اپنے آپ کو

گم نہیں کیا اپنے سکوت میں کبھی کج روی نہیں آنے دی ہمیشہ مستقل مزاجی سے رواں دواں رہے ہیں فتح و کامیابی ہو یا شکست و مصیبت آن پڑے یا نعمت نصیب ہو یا وہ ملک بدر ہو رہے ہوں یا شان و شوکت کے ساتھ واپس آ رہے ہوں وہ زندان میں ہوں یا آج کی طرح پوری دنیا میں محبوب و مشہور ہوں۔ ہم ان کی زیارت کے لئے ان کی خدمت میں جاتے تھے اور ان سے ملتے تھے کبھی بھی ان کی حالت میں تبدیلی نہیں پاتے تھے یعنی ایک ہی جذبہ و لگن اور ایک ہی حالت۔ یہ بہت کم ہے اور پہنچے ہوئے افراد اور حقیقی عرفاء کی خصوصیت ہے۔

حضرت علیؑ عارف کامل

حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام دعاء کمیل میں ان مطالب کی معرفت کے عروج پر پہنچتے ہیں تو فرماتے ہیں۔ فرض کرتا ہوں اگر مجھے آپ جہنم میں لے گئے میں اس آتش جہنم کو برداشت کر سکتا ہوں۔

فکیف اجر علی فراقك و ھبنی یا الھی صبرت علی حر نارك

ملاحظہ فرمائیں حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کبھی غلط بات نہیں کرتے وہ شعر بھی نہیں کہنا چاہ رہے ہیں اس دوران حضرت علی ابن ابی طالبؑ ہیں جن کا چشمہ معرفت یوں جوش میں ہے فرماتے ہیں۔

ھبنی یا الھی و سیدی و مولای و ربی صبرت علی عذابك فکیف اصبر علی فراقك و ھبنی یا الھی صبرت علی حر نارك فکیف اصبر عن النظرالی کرامتك.

میں تیرا فراق برداشت نہیں کر سکتا ہوں وہ چیز معرفت میں تجھے پہچان چکا ہوں اگر وہ مجھ سے چھین لی جائے تو یہ میرے لئے مصیبت و رنج و الم ہے۔ یہ ایک مقام فداکاری ہے خدا توفیق عنایت فرمائے کہ فنا فی اللہ افراد کو ان کی زندگی میں ہی محسوس کریں میرے خیال میں ایک جگہ جہاں ایسے سرفراز کو دیکھا جا سکتا ہے وہ میدان جنگ ہے سر فروش جوان یا بوڑھے کا

کبھی کبھی جب زخمی ہوں یا جہاد کے لئے آمادہ ہوں اس وقت ان کے چہروں سے انسان اس عرفانی اور ملکوتی نور کو دیکھ سکتا ہے۔ صنف علماء میں ایسے بہت سے افراد موجود ہیں جو اس بلند مقام پر فائز ہیں لیکن وہاں تک رسائی بہت مشکل ہے خدا تعالی تمام مسلمانوں کو زندگی میں کم از کم ایک لمحہ ایسا نصیب فرمائے کہ وہ ان حالات کو درک کر سکیں اس (فنافی اللہ اور محوذات حق) کے عرفانی و ملکوتی مرتبہ بالا سے تھوڑی سی تنزلی کریں اور متوسط الفاظ تک آئیں تو یہ مرتبہ بھی ممتاز شخصیات کا خاصہ ہے یہ ایک تجارت ہے۔ محوذات حق کے مرحلہ سے علیحدہ ہے تجارت اچھی چیز ہے خدا کے کلام پاک میں اس مرحلہ کو تجارت سے تعبیر کیا گیا ہے شاید خرید و فروش کے عنوان سے اس طرح ہو۔ ان الله اشترای من المومنین(۱)

اس فصل میں یوں بیان ہوا ہے اکثر لوگ اس طرح ہو سکتے ہیں لیکن وہ مقام بالا فنافی اللہ پر فائز نہیں ہیں جو ان کا تجزیہ بہت واضح ہے جو لوگ الٰہی تائید رکھتے ہیں اور آخرت، جنت و دوزخ کو قبول کرتے ہیں اور جنت کی زندگی جاوید اور اس کی فراوان نعمتوں کے معتقد ہیں۔ (اور دنیا کی صورت حال کو بھی اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں) وہ نہایت سادہ تجزیہ کے ساتھ اس مقام پر پہنچ سکتے ہیں وہ اپنے اہداف کے لئے ایک فداکار، ایک سرفروش اور ایک جان بکف کی طرح جان بیچ سکتا ہے یہ تجزیہ ممکن اور ضروری ہے۔ اسی لئے قرآن مجید نے اس کا نام تجارت ،اور خرید فروش رکھا ہے خداوند متعال کی ذات فرماتی ہے۔ وان الله اشترای

(ملاحظہ فرمائیں یہ آیہ سورہ توبہ کے تقریباً آخر میں ہے اور وہ سب کی سب آیات جہاد سے مربوط ہیں) فرماتا ہے

ان الله اشترای من المومنین انفسهم و اموالهم بان لهم الجنة

---

(۱) ۹: ۱۱۱

اللہ تعالیٰ نے مومن افراد کے ساتھ سودا کیا اس کا موضوع مومن ہے اور غیر اس میں داخل نہیں ہو سکتا ہے۔

خدا تعالیٰ کے ساتھ تجارت

اللہ تعالیٰ نے یوں سودا کیا ہے کہ مال و جان انسان کی طرف سے اور بہشت خدا کی طرف سے پیش ہوئی ہے ادا کرنا بھی کوئی مسئلہ نہیں ہے یعنی آپ جان و مال خدا کے حضور پیش کرتے ہیں اس کا بدلہ جنت ہے پھر بسا اوقات مال تم سے لے لیتا ہے اور کبھی نہیں لیتا جان تم سے لے لیتا ہے اور کبھی نہیں لیتا جو لوگ جنگ پر جاتے ہیں وہ یا اس نیت سے جاتے ہیں کہ اگر شہید ہوئے تو ذات حق سے ملحق ہو جائیں گے اور اگر زندہ و سلامت واپس آگئے تب بھی ان کے لئے ثواب ہے وہ بہشت پالیں گے وہ لوگ جو اپنے اموال کو راہ حق میں لٹا دیتے ہیں یا اس کا ارادہ رکھتے ہیں کہ اگر انہیں مال مل گیا تو وہ اسے لوگوں میں تقسیم کر دیں گے۔

اللہ تعالیٰ انسان سے اس قدر بھی قبول کر لیتا ہے کہ اگر کوئی اس کا ارادہ رکھتا ہو کہ وہ مال حاصل کر کے خرچ کر دے گا اور مال تک اس کی رسائی نہ ہو پائے تو بھی اللہ تعالیٰ کو قبول ہے اور اللہ تعالیٰ راہ حق میں سنجیدہ کوششوں کو بھی قبول کرتا ہے اس کے بدلے میں وہ جنت کی ضمانت دیتا ہے۔ اس آیہ مبارکہ میں ہے کہ ہم نے جنت دے دی ہے۔

"وعدا علیه حقا" اللہ کا وعدہ حقیقی اور سچا وعدہ ہے۔

تورات کتاب موسیٰ میں، انجیل کتاب عیسیٰ میں اور خود ہمارے قرآن میں اس کی ضمانت دی جا چکی ہے آخر میں فرماتا ہے کہ کوئی بھی اللہ تعالیٰ سے زیادہ وعدہ وفائی کرنے والا نہیں ہے۔"ومن اوفی بعهده من الله "اور پھر آخر میں فرماتا ہے .فاستبشروا ببیعکم الذی بایعتم به .

تم کو بشارت ہو کہ یہ اشتراء عاقلانہ ہے جس کو تم نے انجام دیا ہے یہ بڑی بات ہے سارے کا سارا یہ بیع ہے تجارت ہے

تجارت کا طریقہ

اگر کوئی تاجر تجارت کرتا ہے اپنے مال کو فروخت کرتا ہے تو اس کو یہ نہیں کہتے ہیں کہ اس نے فداکاری کی ہے۔ یہ ایک سودا ہے قرآن مجید کی تعبیر یہی ہے پس بہترین مستقبل کو پانے کے لئے ایک درگزر ہے جس کی مثالیں آپ فارورڈ لوگوں میں دیکھ سکتے ہیں۔ یہ جو کچھ بھی شہید کے بارے میں کہا جاتا ہے اس کے بعد آپ سوچیں کہ کون سا عاقل مسلمان ہے جو اس بلند مرتبہ سعادت سے عشق پیدا نہ کرے۔

شہید صرف زمین پر گرتا ہے اور لڑکھڑاتا ہے زمین کی طرف جھکتا ہے تو ہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں مثلاً وہ زمین پر گرتا ہے۔ (معتبر روایات کے مطابق) ملائکہ کے پروبال اس سے پہلے وہاں شہید کے لئے نرم و گداز بستر کے طور پر موجود ہوتے ہیں یہاں تک کہ شہید کے خون کے قطرات تک کو بھی زمین پر گرنے نہیں دیتے ہیں۔ وہیں سے اسی میدان سے اسی مورچے سے اسی سنگلاخ سے ملائکہ اس کو اپنے پروں پر سوار کر کے بہشت کی طرف لے جاتے ہیں (شہداء کی بہشت کہاں اور کیسی ہے) ہم اس کو نہیں سمجھ سکتے ہیں لیکن وہ بہشت جاودانہ اور مستقل ہے۔

بہت ساری آیات کا ظاہر یہ ہے کہ وہ حقیقت بعد میں خلق ہو گی لیکن معلوم نہیں ہے کہیں احتمال ہے کہ بعد میں خلق ہو گی شاید اب بھی ہو لیکن ایک بہشت موجود ہے جہاں شہداء کو لے جاتے ہیں وہ ملائکہ کے ہمدوش پرواز کرتے ہیں جب وہ وہاں پہنچتے ہیں تو دیکھتے ہیں ملائکہ ان کے استقبال کے لئے آتے ہیں اور حورالعین ان کے استقبال کے لئے صف آراء ہیں ان کے

دوست ان کو لینے کے لئے آتے ہیں یعنی وہ نیک لوگوں کی صف میں شامل ہو رہے ہیں۔ان کی آنکھ کھلتی ہے تو وہ ہمیں دیکھتا ہے اس دنیا کے افق پر نظر ڈالتا ہے اپنے پسماندگان کے ساتھ اس کا روحی رابطہ ہے وہ ان کی رہنمائی کرتا ہے۔ شہداء ان کے حالات سے باخبر رہتے ہیں جو ان کے نظریات پر چل رہے ہیں ان کے لئے دعا کرتے ہیں اس طرح بہت سارے کمالات کسب کر لیتے ہیں۔

جو شخص اس طرح کا عقیدہ رکھتا ہے اس کے لئے شہادت کیا دشوار ہے ؟ یہ ہمارے جوان جو جاتے ہیں اور شہید ہو جاتے ہیں یا وہ جانباز جن کے وجود میں کوئی نقص پیدا ہو جاتا ہے اور وہ اپنی جسمانی سلامتی سے محروم ہو جاتے ہیں ان کا جذبہ ایمانی انتہاء کو پہنچ جاتا ہے یہ کیسے (فوق الفطرۃ) انسان ہیں ان کا حساب کتاب بڑا روشن ہے۔ اگر ایمان ہو تو یہ مسئلہ بہت آسانی سے حل ہو جاتا ہے کہ وہ ایک مقام پر پہنچ چکے ہیں اور کچھ جان چکے ہیں ان کا عقیدہ ہے جس پر وہ قائم ہیں ایسی زندگی گزارتے ہیں جس میں ایک اخروی زندگی ہے۔آپ ایک نہایت کوتاہ تجزیہ کریں کہ ہم جو قرآن کو قبول کرتے ہیں یہی آیات میں نے جن کی تلاوت کی ہے۔

هل ادلكم على تجارة تنجيكم من عذاب اليم تومنون بالله و رسوله و تجاهدون فى سبيل الله باموالكم وانفسكم ذالكم خيرلكم ان كنتم تعلمون.

اگر مومن ہو تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے۔اس کے بعد فرماتا ہے ایسے لوگ جو مساکن علیا، جنات عدن، دائمی اور لازوال بہشت اور بہترین مساکن میں داخل ہوں گے جہاں خالص اور ابدی آرام دہ زندگی ہے۔

دنیاوی زندگی کے واضح عیوب میں سے ایک یہ ہے کہ یہ زوال پذیر ہے اور ایک نہ ایک دن ختم ہونے والی ہے انسان جس حالت میں بھی ہے جس عہدہ پر بھی فائز ہے جس مقام و مرتبہ پر ہے جس گھر میں بھی ہے جو بھی تجارت کر رہا ہے جیسی بھی اچھی زندگی گزار رہا ہے

جب سوچتا ہے کہ سب کچھ اس سے چھین لیا جائے گا یہی فکر انسان کو غمزدہ کرنے کے لئے کافی ہے۔ یعنی صرف یہ فکر کرنا کہ یہ سب کچھ اس کے ہاتھ سے جاتا رہے گا انسان کو غمگین کرنے کے لئے کافی ہے لیکن بہشت کو اس کی خصوصیات سمیت انسان کے سامنے رکھا جاتا ہے کہ جو عدن و دائمی اور لازوال زندگی ہے۔ اور کبھی ختم ہونے والی نہیں ہے اور وہاں رنج والم نہیں ہے اس سے مال و جان کا سودا کرنا کوئی بڑی فداکاری نہیں ہے اس سودے کا تقاضہ تو عقل کرتی ہے۔ درایت اس کو چاہتی ہے کہ انسان سمجھے پہلے اس کو قبول کرے عقل کا فیصلہ تو بعد میں ہے اگر اس کو قبول نہ کرے تو اچھا نہیں ہے اگر انسان ایمان لے آئے تو پھر صرف عقل رہ جائے دنیاوی زندگی کا حصہ ہے اب وہ ایک شخص جو آسودہ زندگی گزار رہا ہے اور ایک سرمایہ دار ثروت مند ہے صاحب اقتدار و قدرت ہے اس کی زندگی میں کتنی لذت ہے؟ میں نے ایک دفعہ کہا تھا اگر کوئی اس سرمایہ دار کی زندگی کا ایک عام مزدور کی زندگی سے موازنہ کرے کہ جس کی زندگی کا معیار بہت نیچے ہے متوسط سطح پر ہے۔ اس ثروت مند کی زندگی کے رنج والم کا اس فقیر و ناد کی زندگی سے موازنہ کرے تو پتہ چلے گا کہ اس غریب آدمی کی زندگی زیادہ پر لذت اور آرام دہ ہے۔

فقیر و غنی کا تقابل

جتنا وقت گھر میں ہے آرام و سکون سے ہے اپنے اھل و عیال کے ساتھ جتنا وقت گزارتا ہے لذت و کیف میں ہے بھوکا ہے تو ٹھیک سے کھانا کھاتا ہے اور کھانے سے لطف اندوز ہوتا ہے اگرچہ اس کا کھانا سادہ ہے لیکن بھوک کی وجہ سے پورا پورا مزا اٹھاتا ہے اور یہ مال د جس کو کسی وقت بھی بھوک نہیں ہے کھانے کی میز پر آتا ہے اور ایسے ہی اٹھ کر چلا جاتا ہے اس کو بھوک کا موقع ہی نصیب نہیں ہوتا تو وہ کھانے کی لذت سے کب بہرہ مند ہو وہ ہر وقت اسی

میں مبتلا ہے کہ اس کے مال کا کیا ہوا ٹیکسز کس قدر ہو گئے ہیں۔

یہ قانون کیسے بن گیا، اس نوٹس نے ہمیں کتنا نقصان پہنچایا۔ قانون کی فلاں شق ہمارے لئے کتنی مضر ہے اور ایسی ہی ہزار سوچیں! دوسرے منصب، مقام، عہدہ اور پوسٹ اس سے بھی بد تر ہیں جب فوراً بڑھاپا آتا ہے اور اپنا بوجھ تک برداشت نہیں کرپاتا اور گر تا جاتا ہے تو لذت کی فکر ختم ہو جاتی ہے اور ایک حسرت دامن گیر ہو جاتی ہے۔ جب دیکھتا ہے کہ اس کے خون پسینے کی کمائی دوسرے کھارہے ہیں۔ دنیا کی زندگی یہ ہے اور وہ آخرت کی زندگی ہے۔ لیکن پھر بھی یہ سودا ایک ایثار و فداکاری کا متقاضی ہے یعنی انسان اس کی اصل جڑ کو معلوم کرے کہ یہ واقعاً فداکاری ہے یا تجارت؟ یہ خرید و فروخت ہے اور اس کے مقابل نقطہ کو بھی قرآن مجید نے بیان فرمایا ہے یعنی وہ مقامات جہاں انسان بدکاری اور گندگی کی طرف چلا جاتا ہے فرماتا ہے۔

"اولئك الذين اشتروا الضلالة بالهدى" فما ربحت تجارتهم وما كانوا مهتدين(۱). اولئك الذين اشتروا الحيوة الدنيا بالآخرة فلايخفف عنهم العذاب و لا هم ينصرون .(۲)

انہوں نے یوں سودا کیا ہے کہ دنیا خریدی ہے اور آخرت بیچ دی ہے اس تجارت میں کوئی نفع و فائدہ نہیں ہے اور یہ گمراہ ہیں پس اس مرحلہ میں جن انسانوں نے دنیا کے بدلے آخرت اور رذائل کے بدلے فضائل اور اچھائیاں منتخب کیں یہ لوگ ایک لحاظ سے فداکار اور مجاہد ہیں لیکن ایک لحاظ سے یہ بہترین تاجر اور عقل مند افراد ہیں ایسے تاجر کہ اللہ تعالی جن کی مدح فرمارہا ہے۔

---

(۱) ۲: ۱۶

(۲) ۲: ۸۶

وہ تاجر جو ذات الٰہی کو چاہتا اور ایسی تجارت کرتا ہے جو اس کی تخلیق کا سبب ہے ایسی تجارت کرتا ہے جو انسان کی معرفت کی اساس پر استوار ہے۔ وہ ایک عاقلانہ اور خردمندانہ تجارت کرتا ہے۔ اگر ایسے افراد موجود ہوں تو ان کی عقل ضرور صحیح روش کے ساتھ دنیا میں ممتاز و سربلند کرتی ہے

ممتاز و سربلند انسان

اس بنا پر ممتاز اور سربلند لوگ وہ ہیں جن کو یہ امتیازات حاصل ہیں ان لوگوں کے مقابلہ میں جو کج فہم ہیں وہ نادان جو یہ چاہتا ہے سود، شراب فروشی، اسمگلنگ، ذخیرہ اندوزی، جھوٹ اور ہیرا پھیری سے یا لوگوں کا مال چوری کرے ایک خوشحال آسودہ زندگی گزار لے گا یہ ممکن نہیں ہے اور وہ اتفاق سے اپنے آپ کو مسلمان بھی کہتا ہے یہ کیسا عاقل ہے ؟ ایک نہایت واضح تجزیہ کے تحت ہمیں حق ہے کہ اپنی زندگی میں ہم لوگوں کے ساتھ جو جذبہ اور سوچ رکھتے ہیں کہ اپنے اموال، اپنی جانیں، اپنا وقت، اپنی تعلیم و تجربہ اور اپنی قدرت و وسائل کو راہ حق میں اور نیک آرزوں کے حصول میں خرچ کرنے کے لئے تیار ہیں یہ ایک خاص امتیازی حیثیت ہے کہ اس کی وجہ سے اسلام نے ممتاز کیا ہے اور ہم اس کا حق بھی رکھتے ہیں۔ بہر حال ہمیں بھی چاہیے کہ ان کے اس امتیاز کو اپنی زندگی میں مد نظر رکھیں۔

ایک مرحلہ جس کی کچھ زیادہ ضرورت ہے وہ اگلے خطبہ میں آپ کے لئے وضاحت کے ساتھ بیان کروں گا جو اس دوسرے مرحلہ سے کچھ درجہ کم ہے۔ مرحلہ اول محور ذات الٰہی اور فنا فی اللہ ہے جبکہ دوسرا مرحلہ دنیا پر آخرت، بہشت اور روحانی فضائل کو ترجیح دینا ہے اور تیسرا مرحلہ خود دنیا ہے یعنی کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جن کا اس دنیا میں محاسبہ ہو جاتا ہے بہت سے کام ہیں جنہیں یہ سودمند اور نفع بخش سمجھتے ہیں لیکن حقیقت میں وہ نفع بخش نہیں ہوتے یہ

غلط اندازہ لگاتے ہیں۔

مثلاً گراں فروشی، قانون کی مخالفت، اسلامی واجبات مالی سے فرار اور حرام اشیاء (شراب بیچنا) جیسے امور کو ذریعہ معاش قرار دینا ان کا تجزیہ کریں تو پتہ چلتا ہے یہ سراسر اشتباہ کررہے ہیں۔ اگر اس تجزیہ میں دقت کریں تو معلوم ہوگا کہ انہوں نے دنیا میں غلطی کی ہے ان کی عقل اتنی کم ہے کہ آخرت کے منافع کو سمجھنا تو جائے خود یہ دنیاوی فوائد کو بھی معلوم نہیں کرپاتے ہیں۔ مطالب کو واضح اور روشن کرنے کے لحاظ سے یہ بحث نہایت ہی پیچیدہ ہے۔ اس کے لئے ایک وسیع علمی میدان کی ضرورت ہے اور میں انشاء اللہ اس کو کسی خطبہ میں بیان کروں گا آپ دیکھ لیں جو لوگ دنیا میں کج روی کا شکار ہو جاتے ہیں وہ دنیاوی لحاظ سے بھی نقصان اٹھاتے ہیں فائدہ ان کو نصیب ہی نہیں ہوتا معاشرہ ان سے کسی اور طریقہ سے انتقام لے لیتا ہے۔ اس مسئلہ کو بھی واضح کرنا چاہیے۔

عرفان میں تقوی کی ضرورت

ان تمام مراحل میں جو چیز اہم ہے اور انسان کی حفاظت کر سکتی ہے وہ تقوی ہے۔ حتی کی عرفاء جو محو در ذات الہی ہیں مجاہدین جو اپنا مال و جان راہ خدا میں خرچ کر دیتے ہیں اور وہ لوگ جو معاشرتی مسائل میں معاشرتی مفادات کو ذاتی مفادات پر ترجیح دیتے ہیں۔ ان سب کے لئے تمام مراحل میں تقوی، ایک رہنماء کی حیثیت رکھتا ہے تقوی ایک ایسی حالت ہے اگر ہم میں پیدا ہو جائے تو اچھی اور مثبت فکر اور اچھے انتخاب کی طرف لے جاتا ہے۔

ان تتقوا الله يجعل لكم فرقانا(۱)

---

(۱) ۸: ۲۹

اس فرقان کو ہم تقوی کے ذریعے پاسکتے ہیں۔

لہذا ایک بہترین راستہ جس پر چل کر انسان اپنی زندگی میں صحیح راہ کا انتخاب کر سکتا ہے اور لغزش و گمراہی سے محفوظ رہ سکتا ہے، حق و صداقت کی راہ پر چل سکتا ہے۔ ہمیشہ اس چیز کا خیال رکھے کہ اس کے اندر جو تقوی ہے اس کی حفاظت کرے اور تقوی کی حفاظت ہم کس طرح کر سکتے ہیں؟ ہم اپنی خواہشات کو دبا کر اس کی حفاظت کر سکتے ہیں ہم اپنی ہوس و شہوت سے باخبر ہیں۔

بل الانسان علی نفسه بصیرا . لو القی معاذیره

ہر شخص جب اپنے ضمیر کی طرف رجوع کرتا ہے تو وہ اپنے راہ کے انتخاب کو جان جاتا ہے کہ اس نے کس چیز کو منتخب کیا ہے آیا اس کا انتخاب ہوا و ہوس تھی جس نے اس کو اس نوبت تک پہنچایا۔

اگرچہ بظاہر اس کو اچھائی سمجھتا ہو یا نہ کوئی دوسری چیز نہ تھی ذات باری تو تھی یہ سب کچھ انسان کے لئے روشن ہو جاتا ہے پس اپنے نگہبان و محافظ کو اپنے وجود میں سالم رکھنا چاہیے ہمیشہ انتخاب میں کوشش کرنا چاہیے کہ حق مد نظر رہے۔ راہ خدا کو اپنے سامنے مجسم کریں ہم اس لاٹھی کے ذریعے، اس رہنماء اور اس محافظ کے ذریعہ کہ جو تقوی اور حالت تحفظ ہے، راہ سعادت و خوش بختی کو پالیں۔

انچاسواں خطبہ

عدالت اجتماعی کی بحث کا تسلسل

اسلام میں مجاہدین کا مقام

نظام اسلامی میں مالیات اور ٹیکسیز کی بحث

معاشرہ میں شہداء کی تاثیر

میدان جنگ کے لئے عوام الناس کی کمک

کی ضرورت واہمیت

قال العظیم فی کتابه اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم من کان یرید حرث الا خره نزدله فی حرثه و من کان یرید حرث الدنیا نوته منها و ماله فی الا خرة من نصیب .(۱)

عدالت اجتماعی کی بحث کا تسلسل

آپ کو یاد ہو گا کہ ہمارا موضوع سخن اقتصادی لحاظ سے معاشرتی مساوات ہے اس موضوع کو مکمل کرنے کے لئے یہ گفتگو کر رہا ہوں معارف اسلامی میں کچھ لوگوں کے خاص امتیازات موجود ہیں اگر مناصب کی تقسیم میں خصوصی امتیازات کو مد نظر نہ رکھیں تو یہ ظلم ہے اور مساوات اسلامی میں کی خلاف ورزی ہے۔

مساوات کی بحث کی تکمیل کے لئے ایک مختصر سی گفتگو ممتاز اور سر بلند شخصیات کے بارے کی ہے اور ان کے امتیازات کی وجوہات بھی بیان کیں ہیں اس بحث کا آخری حصہ مجاہدین کے امتیازات ہیں ہم نے اس بارے میں کہا ہے کہ ایک فداکار اور ایثار کرنے والے مجاہد کو کسی بے پرواہ، ست اور خود غرض انسان کے برابر قرار نہیں دے سکتے ہیں اور اگر ایسا عمل موجود ہو تو یہ ظلم ہے۔

---

(۱) شوریٰ: ۲۰

گذشتہ ابحاث کا خلاصہ

معاشرتی مساوات کی وجہ سے ہم پر لازم ہے کہ ہم اپنے معاشرہ کے پروگراموں میں مجاہد، مبارز، فداکار اور ایثار کرنے والوں پر زیادہ توجہ دیں یہ اس گفتگو کا آخری حصہ تھا اس کی وضاحت کرتے ہوئے میں نے کہا تھا۔

قرآن مجید میں ایک نہایت ہی ظریف مطلب بیان کیا گیا ہے جو عوام الناس سے ایثار گری اور فداکاری کے جذبہ کی راہ بیان کرتا ہے کہ اسلامی نقطہ نظر سے اسلام جو فداکاری ہم سے طلب کرتا ہے در حقیقت وہ ایک تجارت اور سودا ہے اور یہ ایک قسم کی خود غرضی ہے جس میں انسان نفع حاصل کرتا ہے لیکن یہ نفع وقت اور تجزیہ و تحلیل کا محتاج ہے یعنی انسان ایک چھوٹے پیمانے پر فداکاری کرتا ہے اور اس کا وسیع تر نتیجہ حاصل کرتا ہے ایک مقام پر اگر وہ اپنے نفع کو چھوڑتا ہے تو دوسرے مقام پر اس سے زیادہ پالیتا ہے اگر ایک ہاتھ سے دیتا ہے تو دس ہاتھوں سے اکھٹا کرتا ہے اس محاسبہ کو قرآن مجید نے تجارت اور خرید و فروخت کا نام دیا ہے۔

هل اء لكم على تجارة منجيكم من عذاب اليم تومنون با لله ورسوله و تجاهدون فى سبيل الله باموالكم و انفسكم. ان الله اشترى من المومنين انفسهم واموالهم بان لهم الجنة.(۱)

اس ضمن میں قرآن مجید کی فراوان آیات میں موجود ہیں میں سب کی تلاوت نہیں کرنا چاہتا بہر حال اسلام جو فداکاری ہم سے چاہتا ہے وہ در حقیقت ایک معقول طریقہ سے منافع

---

(۱) صف: ۱۰،۱۱

حاصل کرنا ہے جس کو اللہ تعالی نے سعادت بشر کے لئے اسلام میں جگہ دی ہے۔

میں نے کہا تھا خود خواہی کا مرحلہ اعلی فداکاری کا وہ مرحلہ ہے کہ انسان اس وقت صرف اور صرف ذات حق کے بارے میں سوچتا رہتا ہے اور آخر کار وہ فنافی اللہ کے مقام پر فائز ہو جاتا ہے۔اس مرتبہ پر پہنچنے والے افراد انگلیوں پر گنے جاسکتے ہیں اور شاید تجارت والی تعبیر ایسے افراد کے لئے نہیں ہے۔

دوسرا مرحلہ ہی اہل تجارت کا تھا اور تیسرا مرحلہ جس کے بارے میں آج گفتگو کرنا چاہتا ہوں وہ اہل دنیا کا ہے یہ ایک جہت سے نہایت ہی پیچیدہ معاشرتی بحث ہے اور دوسری طرف اس کو بیان کرنا بھی ضروری ہے پورے معاشرہ کے لئے معاشرہ کے افراد میں جو شخص خدمت کرنا چاہتا ہے وہ نہایت ہی مفید واقع ہو سکتا ہے کہ اگر کوئی دنیاوی زندگی اور (net re-trun) نیٹ ریٹرن کے لئے بھی یہ قربانی دے جس کا ہم تقاضہ کرتے ہیں یہ منافع سے دستبرداری، جان ومال سے جہاد، یہ دنیاوی طور پر مفید اور مستقبل کی فکر ہے جسے انسان جہاد کی صورت میں فداکاری کے طور پر انجام دیتا ہے۔

یہ مسئلہ ہمارے معاشرہ میں رائج ہونا چاہیے میں خصوصی طور پر یہ مسئلہ نماز جمعہ میں پیش کرتا ہوں اور نماز جمعہ کے دیگر ائمہ برادران سے درخواست کرتا ہوں کہ ان کے پاس مجھ سے زیادہ فرصت ہے وہ اس مسئلہ کو معاشرہ میں زیادہ سے زیادہ شرح وبسط کے ساتھ بار بار بیان کریں تاکہ عوام الناس اس نقطہ کی طرف متوجہ ہوں کہ اللہ تعالی جو ذاتی مفادات سے صرف نظر کرنے کا تقاضہ کرتا ہے وہ ہمارے لئے نفع بخش ہے۔

ان احسنتم احسنتم لانفسکم

اگر تم کوئی اچھائی کرتے ہو تو وہ اپنے لئے کرتے ہو اس مسئلہ سے مربوط آیات قرآن مجید میں بہت زیادہ ہیں کہ وقتی طور پر نفع سے دستبردار ہونا ایک حقیقی نفع کے حصول کے لئے

ہے۔

اگر ہماری زحمت کا فائدہ کسی کی جیب میں جارہا ہے تو اس کا اصل فائدہ تو ہماری جیب میں آیا ہے وہ آیت مبارکہ جس کی گفتگو کے آغاز میں تلاوت کی ہے وہ اور اس کے مشابہ بہت ساری آیات اس معنی اور مفہوم کے بارے میں موجود ہیں قرآن مجید فرماتا ہے۔

من کان یرید حرث الآخرة نزدله فی حرثه

وہ لوگ جو آخرت کی کشت زاری چاہتے ہیں ہم ان کی کھیتی میں وسعت دیتے ہیں لیکن جو دنیا کی کھیتی چاہتے ہیں۔ ہم ان کو اپنی صوابدید کے مطابق اور خلقت کے دستورات کے مطابق اجازت دیتے ہیں کہ وہ اپنے مقاصد کو پائیں لیکن آخرت ان کے ہاتھ سے جاتی رہتی ہے۔

من کان یرید حرث الدنیا نؤتیه منها وماله فی الآخرة من نصیب.

آخرت کا حصہ ان کے ہاتھ سے جاتا رہتا ہے (یہ ایک کم نظری اور کوتاہ فکری ہے کہ وہ آنے والے وقت کو بھول جاتے ہیں) اس آیہ کے مشابہ سورہ اسراء میں تین چار آیات پے در پے ہیں جن میں اللہ تعالی فرماتا ہے۔

من کان یریدالعاجله عجلناله فیها ما نشاء لمن نرید.(۱)

یعنی جو شخص نقد (NET) اور عجلہ کے در پے ہے "جو کہ ایک عارضی فائدہ ہے" اللہ تعالی اس کو اس کے ارادہ کے مطابق عطا کرتا ہے لیکن اس کی آخرت برباد ہو جاتی ہے

دنیا اور آخرت کا نفع اور نقصان

پھر فرماتا ہے۔

---

(۱) اسراء۔۱۸۔

ومن ارادا الاخرة
جو لوگ آخرت کے متمنی ہیں

وسعی لها سعیها وهو مؤمن فأولئك كان سعیهم مشكورا

یہاں نقد (NET) اور بیمہ (انشورنس) کی بحث ہے اور کشت دنیاو آخرت پیش کی گئی ہے یہاں معجّل ومؤجل اشیاء کا موازنہ ہے

اسلام کا معاشرتی نظام ہم سے اپنے ذاتی مفادات سے صرف نظر چاہتا ہے کہ اس صرف نظر کے عوض ہمیں اس دنیا میں ان مفادات سے اعلی منافع بھی نصیب ہو تو اس کے بعد آخرت میں لا محدود فوائد کی ضمانت دیتا ہے جو لوگ اس فرمان الٰہی سے پہلو تہی کرتے ہیں اور ذاتی مفادات سے صرف نظر کی بجائے خود غرضی سے کام لیتے ہیں اور فوری منافع چاہتے ہیں اور آئندہ کی فکر نہیں کرتے ہیں ان کے لئے اللہ تعالی فرماتا ہے۔ انہیں بھی ہم قانون خلقت کے مطابق جس قدر معاشرہ کی مصلحت اجازت دیتی ہے محدود حد تک نعمت عطا کر دیتے ہیں لیکن اس سے آئندہ کے منافع منقطع ہو جاتے ہیں۔

اگر چھوٹی چھوٹی مثالیں یہاں سے شروع کریں تو آہستہ آہستہ پیچیدہ مسائل میں داخل ہو جائیں گے میرے خیال میں یہ گفتگو اس انداز میں اچھی طرح سمجھائی جا سکتی ہے آپ ایک شخص کا تصور کریں جو کھانے کی میز پر بیٹھا ہے کھانے کی خوشبو اسکو منافع کے درک سے روک رہی ہے وہ سیر ہو کر کھاتا ہے اور وقتی طور پر کھانے کی لذت سے خوب لطف اندوز ہوتا ہے لیکن بعد میں اس پر کیا آفت ٹوٹتی ہے اور کون کونسے امراض عارض ہوتے ہیں یہ پھر وہی جانتا ہے ایسی چیزیں جن سے آپ بخوبی واقف ہیں اور بعض کا شاید تجربہ بھی ہو یہ ایک وقتی لذت اور اس کے بعد لمبی مصیبت ہے۔

مختلف لذات

اس سے واضح تر یہ کہ ایک شخص شراب خوری کی عارضی لذت سے دوچار ہو کر ایک لحہ بد مستی کا شکار ہو جاتا ہے شراب خوری کی اس گندی گھائی میں گرنے کے بعد اس کا کیا حشر ہوتا ہے؟ اس کے جگر میں ورم آجاتا ہے اور گردے فیل ہو جاتے ہیں نجانے کیا کیا امراض الکحل کے مشروبات معاشرہ پر لے آتے ہیں اور اسی کے سبب انسان اپنی صحت وسلامتی اور مال و ناموس تک سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے عزت وشرافت جاتی رہتی ہے یہ ہے عارضی لذت اور اس کے بعد آنے والے برے انجام کا ایک نمونہ ہے۔

اسی طرح ایک شخص جب ہیروئن کی دھونی کی ایک محفل سے عارضی لذت حاصل کرتا ہے اور اسی طرح منشیات کے عادی لوگ (جن کی یہ لعنت پوری دنیا میں عام ہے اور یہ لوگ نجانے کتنے خاندانوں کی بربادی کا سبب بنے ہیں) عارضی اور وقتی لذت کی روشن مثالیں ہیں جو ان کے خیال خام میں نقد اور ارجنٹ فائدہ ہے حالانکہ انہوں نے ایک اچھے مستقبل کو باد نشے کے سپرد کر دیا ہے۔

ایک بری نگاہ والا شہوت میں گرفتار شخص ہے جیسے جنسی بے راہ روی بدکاری کی طرف لے جاتی ہے اور وہ دوسروں کی ناموس پر دست درازی کرتا ہے تھوڑے وقت کے بعد جب توجہ کرتا ہے تو اس کو معلوم ہو جاتا ہے اس کی اپنی عزت پامال ہو چکی ہے خود اس کا کیا حال ہوا ہے اور اس نے معاشرہ کو کس گندگی سے آلودہ کیا ہے اور کتنے خاندانوں کی عزت اس کی ہوس کی بھینٹ چڑھی ہے یہ ایک بے جا نقد (NET) مفادات کی مثالیں ہیں اس کے مقابلہ میں ایک اودھار ایک بیمہ شدہ دائمی منافع ہے اور عارضی ہوس عقل وشعور کے تقاضوں کے بالکل برعکس ہے۔

انہیں مسائل کو آپ تھوڑا اور آگے بڑھائیں تو اقتصادی نقطہ نظر سے معاشرتی زندگی میں ایسی مثالیں مل سکتی ہیں اسلام کے معاشرتی قوانین بعینہ اسی طرح کے ہیں جہاں اسلام خرچ کرنے کا حکم دیتا ہے یا قانونی مالیانہ ادا کرنے کا کہتا ہے یا ٹیکسیز کا ادا کرنا ضروری قرار دیتا ہے یا انسان کے لئے حدود و تعزیرات مقرر کرتا ہے۔ اگر کوئی ان قوانین کی بے احترامی کرے اور ان پر عمل نہ کرے ابتدائی طور پر تو اس نے اپنے خیال خام میں بہت نفع حاصل کر لیا ہے لیکن اگر دقت نظر سے دیکھیں تو یہ خسارے میں گئے ہیں اگرچہ وہ اپنے آپ کو فائدہ حاصل کرنے والے سمجھتے ہیں۔

فرض کریں ایک شخص ٹریفک قوانین کی پابندی نہیں کرتا (سادہ مثالوں سے شروع کریں تاکہ پیچیدہ مسائل حل ہو سکیں) جب ایک چوک میں آتا ہے اور اشارہ توڑ کر گزر جاتا ہے پولیس اس کو نہیں دیکھ پاتی تو وہ اپنے تئیں بہت خوش ہوتا ہے کہ اس نے پولیس کو جل دے دیا وہ چند منٹ پہلے چلا گیا لیکن جونہی ایکسلیٹر دبائے تو ممکن ہے سامنے سے بھی اس کی طرح کا کوئی جلدباز آجائے اور راستہ بلاک کر دے اور پھر ایک اس کو ہی نہیں سب کو کئی گھنٹے تک وہاں رکنا پڑ جائے یا ہو سکتا ہے دوسرا شخص جلدی میں اس کی گاڑی میں گاڑی مار کر تباہ کر دے۔ لیکن ممکن ہے یہ ایک بار یا چند بار ایسے گزرنے میں کامیاب ہو جائے لیکن جب یہ مرض کسی معاشرہ میں رائج ہو جائے معاشرہ گھمبیر مسائل سے دوچار ہو جاتا ہے

معاشرے میں بد نظمی

یہاں جو آپ ٹریفک بلاکنگ دیکھتے ہیں یہ ۵۰ فیصد یا ۸۰ فیصد اسی بد نظمی اور جلدبازی کی وجہ سے ہے اگر یہ بد نظمی نہ ہو تو گاڑیاں بہتر طریقہ سے اور ٹائم پر منزل مقصود پر پہنچ سکتی ہیں آپ نے اپنی زندگی میں یہ محسوس کیا ہوگا کہ آپ گاڑی میں بیٹھے ہیں یا اپنی گاڑی چلا رہے ہیں یا کسی

دوست کی گاڑی میں سوار ہیں یا ٹیکسی میں سوار ہیں یا بس میں سوار ہیں ٹریفک جام ہو جائے تو کیا حال ہوتا ہے ؟

اس سے ایک قدم اور آگے اقتصادی مسائل میں بھی اسی طرح ہے ایک علمی تجزیہ و تحلیل کے مطابق معاشرہ کے تمام منافع اور مصالح ایک زنجیر کی مانند باہم پیوستہ ہیں آپ زنجیر کی ایک کڑی کو ایک طرف (صرف پانچ سینٹی میٹر تک) کھینچیں اور پوری زنجیر نہ کھنچے یہ محال ہے بلکہ کھینچنے کا اثر پوری زنجیر پر ضروری ہے۔

لیکن شاید اس وقت نظر نہ آئے لیکن ذرا دقت سے دیکھیں تو نظر آجائے گا کہ پوری کی پوری زنجیر میں حرکت آگئی ہے یا ائمہ معصومین علیہم السلام اور خود پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعبیر کے مطابق کہ معاشرہ ایک انسانی بدن کی مثل ہے اگر ہاتھ کو تکلیف پہنچے تو پورا نظام بدن درہم برہم ہو جاتا ہے حتی کہ دل کو بھی سکون نہیں آتا اور آنکھ بھی چین نہیں پاتی یا آنکھ میں تکلیف ہو بقیہ بدن کیونکر آرام میں رہ سکتا ہے ؟ یا دل اپنا کام صحیح طریقہ سے انجام نہ دے اور باقی سارا نظام بدن چلتا رہے ایسا نہیں ہو سکتا یہ ایک فیز کل ارتباط ہے اور اعصاب کا مرحلہ اس سے پیچیدہ ہے۔

بس اس طرح جو افراد معاشرہ سے خیانت کرتے ہیں، غلطیاں کرتے ہیں اور برے کام انجام دیتے ہیں اس کا برا اثر معاشرہ پر ضرور پڑتا ہے اور خود بھی وہ معاشرہ کا حصہ ہونے کی بنا پر متاثر ہوتے ہیں اور جب یہ اثر زائل ہوتا ہے تو اس کا فائدہ خود ان خطاکاروں کو بھی حاصل ہوتا ہے۔ اور اسی طرح فداکار افراد پر بھی ہوتا ہے اس کے مقابلہ میں ایک شخص کی فداکاری اور ایثار و قربانی کا اثر بھی پورے معاشرہ پر ہوتا ہے ایک طرف جو اصلاح شروع ہوتی ہے تو اس کے اثرات آخر تک ظاہر ہوتے ہیں اور آخر کار یہ فداکار اور قربانی دینے والا بھی اس سے بہرہ مند ہوتا ہے۔

ایسے نہیں ہو سکتا کہ ہم معاشرتی تجزیہ وحساب کتاب میں انسان کے لئے محسوسات کے تجزیہ کی طرح تصویر کشی کر سکیں لیکن تھوڑا سا غور و فکر مسئلہ کو واضح کر دیتا ہے

مہنگائی کا مسئلہ

میں دو تین مثالوں میں اسے واضح کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ مثلاً یہی گران فروش ایک دکان پر ہے یا تجارت کر رہا ہے یا کارخانہ دار ہے وہ خیال کرتا ہے کہ اگر تھوڑی مہنگائی کر دی جائے تو منافع میں خاطر خواہ اضافہ ہو سکتا ہے اور ظاہری صورتحال بھی یہی ہے مثلاً شراب خور ایک بیٹھک میں خوش گزاری کرتے ہیں یا شہوت پرست آدمی ایک جگہ جنسی لذت کو پورا کر لیتا ہے۔ لیکن اس کے بھیانک نتائج جلد ہی اس کے سامنے آجاتے ہیں اسی طرح یقیناً گراں فروشی معاشرہ کے دوسرے افراد پر اثر انداز ہوتی ہے دوسری اجناس پر بھی اثر انداز ہوتی ہے فرض کریں اگر ایک کپڑا مہنگا فروخت کرتے ہیں تو اس کا دوسری اشیاء پر اثر ضرور ہوتا ہے۔

میں ہوں یا آپ جس نے کپڑا مہنگا خریدا ہے اس کا اضافہ وہ اپنی جیب سے نہیں دیتا بلکہ معاشرہ کے دوسرے افراد پر ڈال دیتا ہے اگر کوئی ٹیکسی چلاتا ہے وہ کرایہ زیادہ لے گا اگر کوئی سبزی فروش ہے تو وہ سبزی مہنگی کر دے گا اگر کاشتکار ہے تو اپنی محصولات کی قیمت بڑھا دے گا اگر کوئی مزدور ہے (اگر اس سے ہو سکا) تو وہ مزدوری زیادہ کر دے گا اگر مزدوری زیادہ نہ کر سکا تو کام چوری شروع کر دے گا نتیجہ میں کوئی فرق نہیں ہے۔ جب آپ مٹھائی کی دوکان پر جائیں اور وہ آپ کو ایک تومان مہنگا دے تو فطری طور پر اس مہنگائی کا اثر تمام لوگوں پر منعکس ہوگا یہ بات یقینی اور تجزیہ شدہ ہے اور سب کا شاید تجربہ بھی ہے کہ یہ ایک قطعی مسئلہ ہے۔

آپ کی چند دن کی آمدنی زیادہ ہو سکتی ہے آپ ایک شے کو تھوڑا مہنگا فروخت کریں گے تو اس کے بعد آپ کو ہزار ضروریات زندگی مہنگی خریدنی پڑیں گی آخر کار وہ نفع آپ کو

لوٹاتا ہے مثلاً بہت سال پہلے ایک مزدور کی تنخواہ پانچ روپے یا دس روپے تھی تو وہ اس کے لئے کفایت کرتے تھے۔ لیکن آج اگر ایک مزدور دو صد روپے بھی لیتا ہے تو اس کا پورا نہیں پڑتا اس طرح ایک سبزی فروش سے لے کر بڑے بڑے انجینئر اور سرکاری افسروں تک کا یہی حال ہے ۔ایک نے تھوڑی سی مہنگائی کر دی تو دوسرے نے بھی کر دی اور یہ ایک کبھی نہ رکنے والا سلسلہ شروع ہو گیا اس کو کنٹرول کرنا چاہیے۔ لوگ سوچتے ہیں کہ وہ فائدہ اٹھا رہے ہیں (اس کا ایک دوسرا پہلو بھی ہے جس کو کسی دوسرے وقت کے لئے چھوڑتے ہیں اس گندگی کے اور اس قانون شکنی کے دوسرے افراد پر کیا کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں) اس سے کچھ بس انداز تو ہو سکے گا مگر یہ مال جمع کرنا اپنے ساتھ کتنے مسائل لاتا ہے۔ یہ بحث کا علیحدہ اور مستقل حصہ ہے جس کو بعد میں ذکر کریں گے۔

یا دیگر قوانین جو انسان کے لئے مقرر کیے گئے ہیں مثلاً بلدیہ کے ٹیکس کچھ لوگ جو ایک جگہ اکٹھے ہوئے اور اسکا نام شہر رکھ دیا (یہی اگر دیہات میں ہوتے ایک قلعہ میں زندگی گزار رہے ہوتے تو ان کی زندگی کی وضع قطع اور ہوتی) اگر یہی شہر کچھ بڑا ہو تو اس میں گاڑی کی ضرورت ہے منڈی کی ضرورت ہے پارک چاہیے۔ ٹیلی فون، ٹیلی گراف، بجلی، پانی ان اداروں کو چلانے کے لیے ملازمین، انتظامیہ، بلدیہ کے اہل کار یہ سب کچھ ہو تو یہ شہر صحیح چل سکتا ہے۔ ہم جو اکٹھے ہو کر ایک شہر بسا کر معاشرتی زندگی گزارنا چاہتے ہیں تو اس کے اخراجات ہیں یہ اخراجات کیسے پورے ہوں؟ تو ان کو پورا کرنے کے لئے سب پر تقسیم کر دیا جاتا ہے۔

مالیات اور ٹیکسوں کی وصولی کی وجہ

معاشرہ کو چلانے کے ذمہ دار افراد کہتے ہیں اگر کسی کے پاس ۱۰۰ میٹر کا گھر ہے تو اسے چاہیے کہ اتنی مقدار مالیات سالانہ دے اور جس کے پاس ۵۰۰ میٹر کا گھر ہے وہ اتنی مقدار

مالیات دے جس کے پاس گاڑی ہے وہ اس مقدار میں ٹیکس دے اور جس کو ٹیلی فون کی سہولت حاصل ہے وہ اتنی مقدار ٹیکس میں دے ان کو ٹیکس کہتے ہیں۔ یعنی بلدیہ والے کچھ رقم لیتے ہیں تاکہ شہر کو صحیح طریقہ سے چلا سکیں اب اگر ایک طبقہ اٹھ کر یہ کہنا شروع کردے کہ ہم بلدیاتی ٹیکس نہیں دیں گے ہمیں یہ قبول نہیں ہے۔

ہم جو اتنے بڑے شہر تہران میں جمع ہیں اور بلدیہ کے اہل کار ہمارے لئے اسے چلا رہے ہیں۔ اگر یہ کوڑا جو شہر سے اکٹھا کر کے باہر پھینک آتے ہیں اگر یہ نہ لے جائیں (دس دن نہ لے جائیں) تو یہ شہر گندگی کے ڈھیر میں دب جائے گا اور اس قدر امراض اور وبائیں پھوٹ پڑیں کہ دو ماہ کے اندر ہی کوئی باقی نہ رہے گا یہ کرج سے یا لتیان (۱) سے آپ کے لئے صاف پانی لاتے ہیں ڈرینجنگ کرتے ہیں بند باندھتے ہیں ہزار زحمت اٹھاتے ہیں اور اس کو منظم رکھتے ہیں صاف کرتے ہیں اور آپ کے گھر تک پائپ بچھا کر پانی آپ تک پہنچاتے ہیں تو ہم اپنے لئے آرام سے صاف شفاف پانی لے لیتے ہیں حتی اپنے سونے کے کمرے تک میں لے جاتے ہیں۔

یہ سب شہری زندگی کی عنایت ہے ایک معاشرتی زندگی کے ارمغان ہیں تو اس کے اخراجات بھی ہمیں خود ہی اٹھانے چاہئیں اور کون اس کے اخراجات اٹھائے اس کے اخراجات کیا بشاگرد (۲) یا لار اور میں رہنے والے ادا کریں گے جن کو بجلی کی سہولت بھی میسر نہیں ہے جنہوں نے ابھی تک تہران کا راستہ تک نہیں دیکھا یہ اخراجات کیا وہ ادا کریں گے۔ میں مثلاً ایک نمبر اسفائیڈ روڈ پر گاڑی دوڑاؤں صاف شفاف پانی پیوں بجلی و گیس کا جو کنکشن پائپ کے

---

(۱) لتیان۔ کرج کے نزدیک ایک ڈیم کا نام ہے تہران کے لئے کچھ پانی اس ڈیم سے مہیا کیا جاتا ہے

(۲) بشاگرد۔ صوبہ ہرمزگان کے پسماندہ ترین علاقوں میں سے ایک ہے البتہ اب اس کے چہرے سے جہاد گر فداکاروں کے ذریعے محرومیت اور پسماندگی کا غبار قدرے چھٹ گیا۔

ذریعہ میرے گھر تک پہنچایا گیا سردی گرمی میں اس سے استفادہ کروں اس کے اخراجات کوئی اور ادا کرے۔

وہ بیچارا جو راد کوہ عشاری کے کسی پسماندہ دیہات میں زندگی کی زہر پی رہا ہو اور وہ ہماری طرح نہ جی رہا ہو وہ ہماری سہولیات کا باج کہاں سے ادا کرے حتماً آپ کے ذہن میں یہی آئیگا کہ وہ کیونکر ادا کرے ہم خود ہی ادا کر رہے ہیں حقیقت یہ ہے کہ وہ بیچارہ ادا کر رہا ہے اگر ہم ٹیکس دینا چھوڑ دیں اور حکومت یہ سب سہولیات آپ کو پہنچائے تو ہمارا تیل (اس تیل کے علاوہ ہمارے پاس ان امور کو انجام دینے کے لئے اور ہے ہی کیا)۔

اور یہ تیل بھی نہ میرا ہے اور نہ تنہاء آپ کا اور نہ ہی بلد یہ کا ذاتی مال ہے یہ تو سب کا مشترک ہے اللہ تعالی نے اس مملکت میں یہ سب کے لئے عطا فرمایا ہے اور وہ تیل کا قطرہ جو ہزار اخراجات کے بعد حاصل ہوتا ہے وہی اس صاف شفاف پانی میں تبدیل ہو کر ہمیں نصیب ہوتا ہے۔ جو پانی زعفرانیہ اور تجریش کے سر بلند پہاڑوں سے ہم تک پہنچتا ہے اور اس تیل کے قطرے سے صرف ہمیں ہی سہولیات حاصل کرنے کا حق نہیں ہے بلکہ سب کا حق ہے لہذا ہمیں جو اضافی سہولیات ملتی ہیں ان کے اخراجات ہمیں خود اٹھانے چاہییں۔

جب بلدیہ ٹیکس لاگو کرتی ہے تو کہنا شروع ہو جاتے ہیں کہ حکومت کیا کر رہی ہے یہ سب کچھ ہمارا ہے لیکن تہران میں رہنے والوں اور دیہاتوں میں رہنے والوں کے اخراجات برابر ہیں ایسا نہیں ہو سکتا یہ ایک غیر محسوس چوری ہے یہ حقوق انسانیت پر ڈاکہ ہے جو ہم ڈال رہے ہیں عوام الناس کے اموال کو یوں ہتھیا رہے ہیں۔

پھر ہم یہ بھی فکر رکھتے ہیں کہ اس مد میں اپنی جیب سے خرچ کرنا فداکاری ہے ہمیں یہ نہیں کرنا چاہیے جو لوگ اپنے اموال اس طرح خرچ کرنا جانتے ہیں وہ اس راستہ میں خرچ کریں کہ عوام کے حقوق ادا کریں اپنے حقوق ادا کریں اپنی زندگی کے حقوق ادا کریں کیا یہ درست

ہے۔ کہ مثلاً فلاں محکمہ کے مالدار یا مخیّر لوگ شمیران کے کوڑے کو جمع کرنے کے اخراجات اٹھائیں یہ صحیح ہے لیکن عوام کی اکثریت اس چیز کو نہیں سمجھ سکتی اور درک نہیں کر سکتی وہ صاحب جو تہران کے اس سرے میں ہے۔

بیس تیس کلو میٹر اسفائیڈ سڑکوں پر گاڑی چلاتا ہے۔ اگر اسے کہیں کہ سال میں اس گاڑی کا دو ہزار تومان ٹیکس دو اس کو منظور نہیں ہے تو پھر آپ جو اپنی گاڑی میں آئے (اور گاڑی سڑک کے ایک کنارے پارک کی اور اس کی بیس میٹر جگہ پر آپ حق جمائے ہوئے ہیں وہ سڑک جس کا اسفالٹ فی کلو میٹر کئی ہزار تومان ہے (زمین کے علاوہ) جس جگہ پر آپ نے گاڑی کھڑی کی ہے)

آپ کے درمیان اور اس ایک شخص کے درمیان جو ایک گھنٹہ قطار میں کھڑے ہو کر بس میں سوار ہوا وہاں بھی کھڑا ہو کر آیا ہے کوئی فرق نہیں ہے اگر فرق محسوس کرتے ہیں تو ٹیکس ادا کریں کچھ نہ کچھ بلدیہ کو دیں اگر نہیں دیں گے تو یہ معاشرتی خرابی کا موجب بنے گا فی الفور شائد محسوس نہ ہو لیکن بعد میں آہستہ آہستہ عمل میں جب الارم بجا اور باسی طبقاتی فرق نے سرمایہ داروں کا رخ کیا تو پتہ چلے گا کہ کیا خبر ہے۔

ایک ذخیرہ اندوز جنس کو روکے رکھے گا اس وقت بیچے گا جب زیادہ پیسے ملیں گے وہ خود نہیں سمجھتا کیا کر رہا ہوں وہ اس انتظار میں بیٹھا ہے کہ زیادہ سے زیادہ منافع حاصل کرے بہر حال ابھی انڈے گنے جاتے ہیں کچھ صبر کرنا پڑتا ہے جب کٹنے کا وقت آتا ہے تھوڑا سا اور صبر کریں ابھی یہ ٹیکسیز اس دور میں جو میں نے بیان کیا ہے۔

وہ حضرات جنہوں نے دولت اکھٹی کر رکھی تھی اور شاہ کے اچانک فرار ہونے سے ان کو یہ دن دیکھنے پڑے ہیں کہ وہ اب دنیا میں گدائی کرتے پھرتے ہیں اور کچھ لوگ ملک سے چوری کر کے لے گئے ہیں اور وہاں کھا رہے ہیں تو جو پونجی یہاں چھوڑ کر بھاگے ہیں۔

(اگر چھوڑی ہو تو) وہ حکومت اسلامی کے ہاتھ لگ گئی اور قرق (۱) ہو گئی ہے اور عوام الناس کا اس میں ایک عظیم حصہ ہے امیر شہر اور القانیان (۲) جیسے خاندانوں کی جائیدادوں کی قرقی سے عوام نے بھرپور لطف اٹھایا یہ کس وجہ سے ہوا یہ ان کی کارستانیوں کا عکس العمل تھا جو عوام سے ظاہر ہوا تھا یہ چوربازاریاں اور مال پر مال جمع کرنا معاشرے میں ایک قسم کے اعصابی اثرات پیدا کر دیتا ہے۔

یہ مسئلہ جو دیہاتوں میں جاگیرداروں کے خلاف اٹھ کھڑا ہوا ہے اور قبائل میں موجود ہے یہ کیوں پیدا ہوا ہے اگر جاگیردار جاگیرداری سوچ نہ رکھتے اگر یہ سمجھ لیتے کہ لوگوں کے کیسا رویہ ان کے لئے مفید تھا اگر یہ اس چیز کو درک کر لیتے تو بہتر تھا جاگیردار بھی تو ایک انسان ہوتا ہے دوسرے انسان کی طرح جاگیردار اور غیر جاگیرداروں میں کیا فرق ہے۔ لیکن اب آپ دیہاتوں میں کسی جاگیردار کا نام لے سکتے ہیں؟ کوئی جاگیردار خاندان اپنا جاگیردارانہ رنگ جما سکتا ہے؟ اب کوئی اس طرح وہاں زندگی گزار سکتا ہے معاشرتی مسائل ایسے ہیں ان میں کچھ دستورات ہیں اور انسان کے لئے کچھ قوانین مقرر کیے گئے ہیں۔

انسان خیال کرتا ہے ان قوانین کی مخالفت کر کے نفع پا سکتا ہے لیکن یہ سراسر خودکشی ہے ہمیشہ اس طرح نہیں کر سکتے ہیں ایک معاشرہ اسی (۸۰) لاکھ تہران کی مثل پچاس یا ساٹھ

---

(۱) انقلاب اسلامی کی کامیابی کے بعد بڑے بڑے سرمایہ داروں، سرکاری افسروں اور پہلوی خاندان کی طرف سے حکومت سے وابستہ لوگوں کے اثاثے دادگاہ انقلاب اسلامی کے حکم پر مستضعفین اور مستحقین کے حق میں قرق کیے گئے تھے۔ امام خمینیؒ نے ان کی دیکھ بھال کرنے کے لئے مستضعفین فاؤنڈیشن کی بنیاد رکھی تھی

(۲) حضرت یزدانی، اور القانیان پہلوی دور کے بڑے سرمایہ دار تھے انقلاب اسلامی کی کامیابی کے بعد یہ ملک سے فرار کر گئے ان کے تمام اثاثے مستضعفین کے حق میں قرق کر لئے گئے ہیں۔

لاکھ کی آبادی والا شہر جس طرح کہ آپ دیکھ رہے ہیں اگر اس کے باشندے انصاف والے ہوں اور معاشرے کے حقوق کو درک کریں اور اپنے مفادات کو پہچانیں تو اپنی مدد آپ کے تحت ہی انہیں اپنے واجبات مالی ادا کرنے چاہییں تاکہ اس کے وسائل اچھے ہو سکیں۔

لوگوں کے توسط سے معاشرے کی مشکلات کا حل

ہم میٹرو ٹرین کیوں نہیں چلا سکتے۔ البتہ کبھی یہ نہیں کر سکتے کہ ان غریب دیہاتی عوام کے سرمایہ کو اٹھا کر تہران میں میٹرو بنالیں اگر ایسا کریں تو بہت بڑا جرم ہے اور جنھوں نے ایسا کیا وہ بھی گناہ کے مرتکب ہوئے اگر یہاں کے عوام اخراجات برداشت کریں اور میٹرو بن جائے تو کیا عیب ہے۔ اور جو پانی زمین کے نیچے جمع ہو گیا اور جنوب تہران تک آنے میں سے رکاوٹ ہے اگر لوگ پیسہ خرچ کریں اور عظیم پارک بنائیں اور اس پانی کو کھینچ کر اور (بجائے اس کے کہ ہم کاشتکاری کے لئے کاشتکاروں کو دیں) پمپ لگا کر پہاڑوں تک پہنچائیں یا کسی اور طریقہ سے کم خرچ کے ساتھ اس زمین کو خالی کر لیں تو ہمارے معاشرے کی ترقی کی راہ ہموار ہو سکتی ہے۔

اگر لوگ یہ سمجھیں کہ انہیں کیا کرنا چاہیے حکومت نے مالیات عائد کیے ہیں اب ہمارے ملک میں اعتراضات اور تنقید کی ایک لہر پائی جاتی ہے کبھی انسان بعض سرمایہ داروں کو دیکھتا ہے جو کہتے پھر رہے ہیں کہ ہم کتنے مالیات دیں خمس دیں یا زکوۃ، ٹیکسیز دیں یا جنگ کا تاوان لیکن جب انسان بیٹھ کر حساب کتاب کرتا ہے تو دیکھتا ہے کہ ان کی بات میں اصلاً وزن نہیں ہے۔ کیونکہ آپ فرض کریں کوئی بڑا تاجر ہے اور اس کے پاس ٹرک ہے، گودام ہیں، سڑکوں سے استفادہ کر رہا ہے پلیس اس کے کام آتی ہے اس کے اموال کی حفاظت کے لئے (ملک بھر میں) کتنے اخراجات اٹھانا پڑتے ہیں اگر ان کا حساب لگائیں تو اس کے واجبات ایک عام مزدور یا

ایک معمولی تاجر کے برابر تو نہیں ہو سکتے ہیں۔

یہ سہولیات جو ملک میں ہیں مثلاً بجلی، پانی، گیس، ٹیلی فون، راستے، بندرگاہیں اور ٹرینیں یہ سب کچھ کس کا ہے اس مملکت میں جس کے پاس زیادہ ہے وہ ان سے زیادہ استفادہ کرتا ہے لیکن وہ خود نہیں سمجھتا کہ یہ فوج جو سرزمین ایران کی حفاظت کے لئے سرحدوں پر برسرپیکار ہے اس کی خدمت کیلئے ہے اگر اس کی زمین زیادہ ہے اس کی حفاظت کے لئے یہ بیشتر استفادہ کر رہا ہے یہ پولیس جو رات کو سڑکوں پر حفاظتی گشت کرتی ہے تو جس کے گودام زیادہ ہے وہ اس سے دوسرے کی نسبت زیادہ استفادہ کر رہا ہے۔

یہ واجبات سرمایہ داری کے طور پر مقرر نہیں کیے گئے ہیں یہ مالیات حکومت کی طرف سے عوام کے لئے مہیا سہولیات کا عنصر ہے جن سے عوام الناس استفادہ کرتے ہیں جو شخص جتنا استفادہ کر رہا ہے اسے اتنا ہی ٹیکس دینا چاہیے یہ اسی کے فائدے میں ہے۔ اگر وہ ٹیکس نہ دے یہ بات یہاں ختم نہیں ہو جاتی اس کے پیچھے بہت برے نتائج نمودار ہوتے ہیں جو کہ دھماکوں اور بدامنی (نظم و نسق کا تباہ ہونا) کی وجہ سے سب سے زیادہ نقصان ہوتا ہے جس کے پاس وسائل زیادہ ہیں مال زیادہ ہے پوری دنیا میں جو بھی حادثہ پیش آتا ہے جو بھی بلا نازل ہوتی ہے اس کا زیادہ بوجھ ان پر آنا فطری ہے جنہوں نے زیادہ جگہ کو گھیر رکھا ہے۔ جس کی چھت بڑی ہے۔ اس پر وزن زیادہ ہے "یہی معاملہ ان سے کیا جائے اس بوجھ کو انہیں برداشت کرنا چاہیے لہذا اگر بعض افراد کے ذہن میں یہ بات ہے کہ حکومت جو مالیات لیتی ہے ان کے لئے نقصان دہ ہے ان کی تجوری خالی ہو جاتی ہے یہ بہت بڑا اشتباہ اور غلط سوچ ہے۔

اگر سب لوگ مساوات کے ذریعہ اپنے اپنے حقوق پر کاربند رہنے کے پابند ہو جائیں اور کوئی شخص خود غرضی کی غلطی کرنے کی فکر میں نہ ہوتا کوئی شخص گران فروشی کے ذریعے کمانے اور ٹیکس نہ دے کر مال کی حفاظت کے چکر میں نہ ہوتا یا سرمایہ داری چوری ناانصافی یا

رشوت یا کسی اور غلط طریقے سے دولت حاصل کرنے کی کوشش نہ کرتا تو شائد ان ٹیکس اور مالیات کی ضرورت پیش نہ آتی۔ لیکن یہ سب معاشرتی چیزیں ہیں اور اس کے شوم اثرات بھی سارے معاشرے پر مرتب ہوتے ہیں جو معاشرے کو تباہی کی طرف لے جاتے ہیں اور آخر کار یہ موج سب کو نابود کر دیتی ہے اور ہر کسی سے زندگی کی لذت چھین لیتی ہے اس کے بالمقابل وہ شخص ہے جو فداکاری کرتا ہے اور ایک سو روپیہ تک بھی مالیات نہیں روکتا بلکہ مالیات سے بھی زیادہ دے دیتا ہے وہ باشعور ہے۔

درامد اور ٹیکس میں عدمِ تناسب

خواتین و حضرات سب کو معلوم ہونا چاہیے اور خصوصاً ان سرمایہ داروں کو معلوم ہونا چاہیے کہ آپ کے ملک میں مالیات آپکی آمدنی کے مقابلے میں بہت کم ہیں وہ لوگ جن کا قبلہ مغرب ہے اور مغربی ممالک کو سرمایہ داری کی دنیا سمجھتے ہیں وہ جائیں اور پتہ کریں اور دیکھیں کہ مغربی سرمایہ دار کس قدر واجبات ادا کرتے ہیں اور ان کے مالیات کہاں تک پہنچتے ہیں۔ ہمارے ملک میں یہ مالیات جتنے بھی زیادہ ہو جائیں ابھی ان کا عشر عشیر بھی نہیں ہیں ایسے ہی بلاوجہ تنقید نہ کریں خود کو حقائق کے مطابق ڈھالیں دوسری طرف جو شخص فداکاری کرتا ہے اپنے مفادات ذاتی سے صرف نظر کرتا ہے۔ اس کو معاشرہ میں ایک اور نظر سے دیکھتے ہیں ان حرام خوروں کی خواہش ہے کہ سارے معاشرے کو اپنے جیسا کر دیں یعنی جب لوگ دیکھتے ہیں یہ لوٹ مار میں لگے ہوئے ہیں تو لوگ بھی اس تباہ کاری میں ان کے پیچھے چل پڑیں گے اگر کسی ادارے کا سربراہ رشوت خور ہے تو اس کے ماتحت عملہ بھی رشوت لے گا۔

اگر ایک سرمایہ دار تاجر ناجائز کام کرے گا تو اس سے چھوٹے سرمایہ دار بھی یہی کریں گے اگر ایک تاجر ذخیرہ اندوزی کرے گا تو چھوٹے دوکاندار بھی کریں گے اور یہ فساد معاشرہ

میں ناسور بن جائے گا اور دوسری طرف اگر فداکاری اور ذاتی منافع سے صرف نظر کا جذبہ ہو اور انسان ایثار و سخاوت کرے یہ بھی معاشرے پر اثر کرنا شروع کر دیتا ہے اور آہستہ آہستہ اس کو بہتری کی طرف لے جاتا ہے۔ یہ جنگ جو ہمارے اوپر مسلط کی گئی ہے اس کا ایک پہلو دلاوری و کامرانی اور عظمتیں ہیں جو ان فداکار افراد کے خون سے رقم ہوتی ہیں اس کا ایک پہلو وہ ہے جس میں سر فروش فداکار افراد موجود ہیں اور اس کا اثر معاشرہ پر مرتب ہو رہا ہے ان خاندانوں پر مرتب ہو رہا ہے۔

میدان جنگ میں جانے کے اثرات

جب آپ میں سے کسی کا بچہ میدان جنگ میں جاتا ہے اس جوان کے جانے سے ہی اس کے بہن بھائی اور والدین پر ایک اثر ہوتا ہے وہ ان کو وادار کرتا ہے کہ سوچیں اور انسان بن جائیں۔ اگر شہید ہو جاتا ہے تو اس کا اثر اور زیادہ ہوتا ہے جتنی جتنی اسمیں موج فداکاری بلند ہوتی جائے گی اس کے اقارب اتنے ہی بہتر ہوتے جائیں گے اور واقعاً یہ فداکاری انسان پر اثر انداز ہوتی ہے میں خود ہمیشہ عوام الناس کی فداکاری کی موجوں میں غرق ہوں ہمارا رابطہ صرف فداکار طبقہ سے ہے۔ کل دو عجیب واقعے پیش آئے میں کل رات اس واقعہ کی وجہ سے بڑی دیر تک جاگتا رہا ہوں اور اس واقعہ سے متاثر ہوا ہوں البتہ اس کے پر زور اثرات سامنے آتے ہیں لیکن یہ ہے کہ کبھی کبھی خبر ہی نہیں ہوتی اثر ہو جاتا ہے یہ اثر سب کے لئے ہے صبح اسمبلی میں تھے۔ قم سے شہداء کے کچھ خاندان آئے ان کے پاس نوٹوں اور سونے سے بنے ہوئے زیورات سے بھرا ہوا صندوق تھا اس سے صاف معلوم ہوتا تھا کہ یہ غریب ہیں جو متاع حیات تھی لے آئے۔ خدا گواہ ہے عصر تک جب بھی اس خوبصورت صندوقچہ کا سوچتا تھا اہل کر رہ جاتا تھا کہ خدایا یہ لوگ جو اپنے پیارے قربان کر دیتے ہیں (اور معلوم ہے ان کے پاس اب خرچ کرنے کو کچھ

بھی نہیں ہے) اور یہ اس طرح معاشرہ کے لئے قربانی دیتے ہیں یوں کچھ جنگ کے لئے نکل آئے ہیں اس طرح شہید دیے ہیں اور پھر ایک خوبصورت صندوقچہ بنا کر اس پر امام مدظلہ العالی کا فوٹو لگا کر اس کو رقم سے پر کر کے لے آئے ہیں۔

عصر کو بسیجی (رضاکار) اسمبلی میں مجھ سے ملاقات کے لئے آئے ان میں قبائلی علاقوں کے رضاکار زیادہ تھے ہم دیکھ رہے ہیں کہ قبائلی اس ملک کے پسماندہ ترین عوام ہیں اور یہ وہ مظلوم لوگ ہیں جن کے حقوق کو بدمعاشوں نے خوب کھایا۔ یہ لوگ آئے ہوئے تھے اور وہ ایک ٹرے پیسوں سے بھری ہوئی میرے سامنے لائے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنی اپنی تنخواہ کا کچھ حصہ رکھا ہوا ہے وہ تہران کے عظیم مصلی کے لئے آئے ایک ڈیش تھی جس میں دس دس بیس بیس یا تیس ہزار معلوم نہیں کتنی رقم تھی کسی رضاکار نے ایک ماہ کی ساری تنخواہ دی تھی کسی نے مثلاً ایک صد تومان دیا کسی نے کچھ کھلے پیسے دیے۔

میں نے اس منظر کو دیکھا اور اسی لمحے یہ بھی دیکھا کہ بیٹھے ہوئے لوگوں کی پیشانیوں سے نور پھوٹ رہا ہے اور معاشرہ کے ساتھ ان کا یہ سلوک ہے تو میرے تن بدن میں آگ لگ گئی کہ ہم کیسے معاشرہ میں ہیں اور کیسے کیسے افراد کے ذریعہ لوگوں کی خدمت کر رہے ہیں۔ اور یہ بدمعاش اس مملکت کو لاش کی طرح نوچ رہے ہیں گدھوں کی طرح لوگوں کی جان کے درپے ہیں اور لوگوں کے ساتھ ان کا سلوک یہ ہے کہ ان کے اموال کھا رہے ہیں چوربازاری کرتے ہیں گراں فروشی کرتے ہیں عوام سے ضروریات زندگی روک لیتے ہیں۔

معاشرے کے بھیڑیے اور فرشتوں میں فرق

کتنا فرق ہے دونوں طبقوں میں ایک واقعاً فرشتہ ہیں اور دوسرے گرگ (بھیڑیے) اور گدھ ہیں ان کے درمیان کوئی قابل قیاس شے نہیں ہے کونسی منطق اجازت دیتی ہے کہ ہم ان

کا فدا کار افراد کے ساتھ برابر حساب کریں ان میں کوئی تقابل نہیں ہے۔ کیا معاشرتی مساوات یہ ہے کہ انھیں ان کے ساتھ مساوی اور ہم پلہ قرار دیں ؟

یہ نہایت ہی ناانصافی ہے اس کو عقل واحساس کوئی بھی قبول نہیں کرتا نہ کوئی دنیاوی منطق اور بشری فکر اس نظریہ کی موافقت کرتی ہے اگر کوئی یہ چاہے کہ اس انقلاب اسلامی کو مستضعفین سے روگردان کر کے ان بد معاشوں بد زبانوں اور حرام خوروں اور بدترین مجرموں کی طرف موڑ دیں یہ اس کے بس کی بات نہیں ہے۔ کیونکہ خون غربا کا تھا شمشیر ان بد معاشوں کی اللہ اکبر ان کا تھا مید ان میں انھیں غربا کی موجودگی نے ہمیں یہ عظمت یہ انقلاب اور یہ امام مدظلہ مرحمت کیا ہے آج ہم اس عظمت کے سایہ میں ان کے ساتھیوں سے حاصل کیے ہوئے منافع کو سینہ ٹھونک کر دوسروں کے لیے کھینچ لائیں یہ ناانصافی ہے۔ عدالت، حق، عقل لازم قرار دیتی ہے کہ فداکار انسان ہی اس حرکت کا ہدف و مقصد ہونے چاہئیں اور تقوی بھی یہی ہے اور صحیح تقوی اس بات کو واجب قرار دیتا ہے کہ انسان اور معاشرہ کو سعادت کی طرف لے جائیں اور حقیقی فداکار لوگ اہل تقوی ہیں قرآن اس کو برملا بیان فرماتا ہے۔

ولو ان اهل القرىٰ آمنوا واتقوا لفتحنا عليهم بركات من السماء والارض(۱)

اگر یہ لوگ تقوی اور ایمان رکھتے ہیں اور ان پر اعتقاد کے ساتھ زندگی میں حقوق اور حدود کا خیال رکھتے ہیں تو اللہ تعالی ان پر برکتیں اور رحمتیں نازل فرماتا ہے اس کے مقابلہ میں بے تقوی لوگ ہیں (میں نے عرض کیا ہے اسی محور پر ہی میں نے گفتگو کی ہے) وہ قانون شکنی کریں اور معاشرتی حقوق پورے نہ کریں مالی حقوق ادا نہ کریں یہ سب کام تقوی کی ضد ہیں۔

---

(۱) ۷: ۹۶

پچاسواں خطبہ

اسلامی معاشرہ میں مالیات کی گفتگو

ملک میں مالیات وصول کرنے کی صورتحال

ریکوری کرنے والوں کو نصیحت اور آنے والے وقت پر توجہ کا

ضروری ہونا

بسم الله الرحمن الرحیم الحمد لله رب العالمین قال العظیم فی کتابہ اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم فاما من اعطی و اتقی و صدق بالحسنی فسنیسرہ للیسری و امامن بخل واستغنی وکذب بالحسنی فسنیسرہ للعسری و وما یغنی عنہ مالہ اذا تردی.(۱)

لوگوں کے تین گروہ

اس سے پہلے خطبہ میں مجاہدین کے امتیازات کے بارے میں گفتگو ہوئی تھی کہا گیا تھا کہ لوگ ایک لحاظ سے تین طبقوں میں تقسیم ہوتے ہیں۔

۱۔ نیک خواہشات رکھنے والا خدا پرست گروہ کہ یہ فداکار ہیں۔

۲۔ خود غرض، خود پرست، ھواوہوس کا اسیر، یہ خود خواہ گروہ ہے۔

۳۔ متوسط الحال لوگ جو قوانین معاشرہ پر عمل کرتے ہیں اور ان کی کوئی اور خاصیت نہیں ہے۔

پہلے دو گروہوں کے بارے میں کہ چکے ہیں کہ خود پرست غلطی کررہے ہیں حقیقت

---

(۱) ۹۲:۵تا۱۱

میں یہ خود غرضی ان کے لئے نقصان دہ ہے اور خدا پرست اور فدا کار افراد کے بارے میں کہا ہے حقیقی نفع یہ لوگ حاصل کرتے ہیں اور اپنے آپ کو تمام ہلاکتوں اور تباہیوں سے بچاتے ہیں اس مفہوم کو واضح کرنے کے لئے قرآن مجید سے بہت سی آیات بطور شاہد و مؤید ذکر کی ہیں آج ایک توضیح دونگا تاکہ یہ گفتگو اور روشن ہو جائے۔

یہ دونوں گروہ خدا پرست اور خود غرض، خود غرض افراد خود غرضی میں کبھی اس حد تک پہنچ جاتے ہیں کہ اپنے فرائض وواجبات کی طرف متوجہ بھی نہیں ہوتے اور کبھی صرف مستحبات یا مکروہات کی حد تک خود خواہی کرتے ہیں اور دوسری طرف خدا پرست فدا کار کبھی ایثار و قربانی میں انتہا کو پہنچ جاتے ہیں اور کبھی اس سے کمتر یعنی مجاہد فی سبیل کی حد تک ہوتے ہیں۔ جو لوگ اپنے ذاتی مفادات کے تحفظ اور مادی اور دنیاوی منافع حاصل کرنے کے لئے اور بے وقعت لذات اٹھانے کے لئے واجبات کو ٹھوکر مار دیتے ہیں اور اپنے وظائف سے پہلو تہی کرتے ہیں یہ خسارے اور نقصانات اٹھانے والے گروہ کا بدترین حصہ ہیں قرآن مجید کی تعبیرات کے مطابق کہ فرمایا ہے۔

اولئك الذين اشتروالحيوٰة الدنيا بالاخره فما ربحت تجارتهم وما كانو مهتدين .(۱)

انما بغيكم على انفسكم (۲)

یہ آیات ان افراد کے بارے میں ہیں قرآن مجید کی سخت تاکید اسی طبقہ کی مذمت کے ساتھ مختص ہے یہاں ایک قابل توجہ نکتہ ہے کہ ہماری ملت اگر اپنے ذہن و فکر میں اس بحث

---

(۱) ۲۔۱۹۶۸۲۔

(۲) ۱۰۔۲۳

کے بارے میں سوچے تو وہ خود غرضی کی لعنت کو خود سے دور کر سکتی ہے۔

ہمارے کچھ اسلامی معارف (آیات اور روایات) کہتے ہیں کہ اگر انسان حرام اور ترک واجب کے ذریعے اپنی ہوا و ہوس کو منشاء الٰہی پر ترجیح دے تو کسی نفع تک دسترس حاصل نہیں کر سکتا بلکہ وہ شکست کھا جاتا ہے۔ اگر انسان اس مسئلہ کو قبول کرلے اور اس کا یقین کرلے کہ حرام اور ناراضگی پروردگار کے ذریعہ کسی نعمت تک رسائی ممکن نہیں ہے۔ اور اس پر ایمان لے آئے تو نجانے کتنے گناہوں اور دنیاوی برائیوں کے انجام دینے سے بچ سکتا ہے اور اپنے آپ کو بہت سے امور خیر کی طرف لے جا سکتا اس کا راستہ یہی ہے کہ انسان پہلے یہ عقیدہ رکھے اور اس پر ایمان لے آئے کہ حقیقت یہی ہے

موعظہ حضرت امام حسینؑ

باشعور مسلمانوں میں سے ایک شخص نے امام حسین علیہ السلام کو خط لکھا اور درخواست کی کہ ایک مختصر سا وعظ فرمائیں۔

كتب رجل الى الحسين عليه اسلام عظني بحرفين

مجھے دو حرفی نصیحت فرمائیں۔

(خلاصہ، وہ ایک لمبی تقریر یا مفصل خط کے ذریعہ ہی نصیحت حاصل کرنے والوں میں سے نہیں تھا بلکہ وہ تو نہایت ہی مختصر الفاظ سے نصیحت کا متقاضی تھا) حضرت نے جواب میں فرمایا۔

من حال امرا بمعصية الله كان اخوف مما يرجو واسرع لمجيه مازنخاف.

یہ جملہ نہایت ہی نصیحت آموز ہے اگر امام حسین علیہ السلام سے عقیدت ہے اور ان

کی تعلیمات کو اپنا نصب العین سمجھتے ہیں تو ہماری مشکلات آسانی سے حل ہو جائیں گی فرماتے ہیں کہ اگر کوئی یہ ارادہ رکھتا ہو کہ حرام اور اللہ کی معصیت کے ذریعہ کسی مقام تک پہنچ جائے یہ راستہ اس کو مقصد سے دور کر دے گا اس راستہ میں جتنا بھی بھاگے تب بھی جس سے ڈرتا ہے اس میں واقع ہو گا لیکن اس مطلب کو باور کرنا بد گمان اور ضدی افراد کے لئے اس وقت تک مشکل ہے جبتک یہ عملی زندگی میں ان کے سامنے نہیں آجاتا بہر حال حضرت امام حسین علیہ السلام نے یہ جامع جملہ اس شخص سے فرمایا تھا۔

داستان حضرت علیؑ

ایک دن حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام مسجد میں تشریف لائے اور دو رکعت نماز پڑھنا چاہتے تھے مسجد کے دروازے پر ایک بے کار نوجوان کھڑا تھا۔ حضرت نے اپنے گھوڑے کی لگام اس کے ہاتھ میں دی اور فرمایا۔

میرے مسجد سے آنے تک تم ادھر ٹھہرو

حضرت گئے نماز پڑھی مسجد سے باہر آئے تو اپنا ہاتھ جیب میں ڈالا کہ اس شخص کو کچھ دوں جس نے گھوڑے کی لگام پکڑی تھی آپ آئے تو دیکھا کہ وہ آپ کے گھوڑے کی لگام اتار کر بھاگ گیا ہے اور گھوڑا بغیر لگام کے پھر رہا ہے حضرت نے وہی پیسے کسی اور کو دیے اور فرمایا کہ جا کے لگام خرید لائے ۔چوری کرنے والا شخص نے لگام کسی پھیری والے کو بیچ دی تھی اور حضرت نے جس کو بھیجا تھا وہ گیا اور اسی پھیری والے سے وہی لگام خرید لایا اور حضرت کو لا دی حضرت نے فرمایا۔

سبحان الله ان العبد ليحرم من الرزق الحلال بجلبه على الحرام۔

یعنی سبحان اللہ اس شخص نے اللہ تعالی کی طرف سے مقرر کردہ حلال رزق سے اپنے نفس کو محروم کیا اور حرام کی طرف جلدبازی کے ذریعہ گیا پھر حضرت نے خود اس کی وضاحت فرمائی میں نے یہ پیسے اس کو اس کی مزدوری کے طور پر دینے کے لئے نکالے تھے اس نے یہی پیسے (یا اس سے بھی کم) چوری کے ذریعہ حاصل کیے اور اگر میرے ہاتھ لگ جائے تو اس پر حد جاری کرونگا۔ یہ مسئلہ کتنا آسان ہے جو حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام اور حضرت امام حسین علیہ السلام کی زبان سے بیان ہوا ہے ہم اپنی زندگی میں بھی اس مسئلہ کو اپنا معمول بنا سکتے ہیں۔

لیکن تھوڑی سی دقت کرنا پڑتی ہے تھوڑا سا فکر کرنا پڑتا ہے انسان سمجھتا ہے کہ اکثر جلدبازیاں اور خود غرضیاں حقیقت میں مفادات کے خلاف ہوتی ہیں اور ظاہری سوداگری بار پر منتج ہوتی ہے یہ سوداگری اور تجارت نہیں ہے میں آیات اور روایات سے ماخوذ اس محکم اور مستحکم مطلب کے لئے اپنے معاشرے میں درد کی چند مثالیں بیان کرنا چاہتا ہوں۔

ابھی تک میں نے یہ پڑھا ہے اور پچھلے جمعہ کے خطبہ میں ایک مثال بیان کی تھی اس کے بعد مجھے کچھ خطوط موصول ہوئے اور کچھ مطالب مجھ تک پہنچے بھی میں ان کو مزید واضح کرنا چاہتا ہوں۔ اس کے بعد کچھ اور باتیں ہیں اور کوشش کرونگا نہایت اختصار کے ساتھ بیان کر کے آپ کی زحمت ختم کروں کیونکہ مجھے احساس ہے کہ لوگ اس سردی کو برداشت کرنے میں مشکل سے دوچار ہیں انشاء اللہ اس طرح بیان کروں گا کہ اول وقت ظہر میں ہم نماز پڑھ کر فارغ ہو جائیں گے۔

ٹیکس دینا ضروری ہے

ٹیکس کے بارے میں کہا تھا کہ جو ٹیکس کے بوجھ سے نکلتے ہیں غلطی کرتے ہیں وہ اپنے

خیال خام میں فائدے میں ہیں۔

لیکن در حقیقت وہ لوگ نقصان میں ہیں

مجھے دو قسم کے خط موصول ہوئے ہیں بعض خط سرمایہ دار طبقہ کی طرف سے ہیں انہوں نے اعتراض کیا ہے کہ جناب عالی آخر ہم کس قدر ٹیکس ادا کرسکتے ہیں خمس دیں یا زکواۃ جبکہ آپ کچھ اور بھی فرما رہے ہیں ان باتوں پر انہیں اعتراض اور بعض لوگوں نے اس گفتگو پر نہایت رضائیت اور اطمینان کا خط لکھا ہے لوگ چونکہ یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ جو ٹیکس ادا کرتے ہیں ایک اضافی بوجھ ہے میں اس ضمن میں اس کے لئے ایک وضاحت کرنا چاہتا ہوں جو ٹیکس ادا کرتے ہیں تھوڑا سا آپ بھی سوچیں اور دیکھیں یہ ملک اور اس کا موجودہ بجٹ جو اس سال کے لئے ہمارے پاس ہے ہمیشہ ہی صورت حال یہی رہی ہے۔

ہمارا بجٹ تقریباً چار سو ملیارد تومان ہے یہ بجٹ اس نوروز سے اگلے نوروز تک کا ہے یہ پیسہ اس مملکت میں حکومت کے ہاتھ خرچ ہوتا ہے اور اس چار سو ملیارد تومان سے ایک سو تمیں ملیارد تومان تعمیراتی کاموں کے لئے ہے آباد کاری کے لئے ہے۔ جیسے راستے، مدارس، پل، بندر گاہیں اور اس جیسے تعمیراتی کام اور دو سو پچاس ملیارد تومان تقریباً جاری اخراجات یعنی ملازمین کی تنخواہیں ہیں تعلیم و تربیت کے لئے، یونیورسٹیوں کے لئے، فوج کے لئے، جنگ کے اخراجات کے لئے اور اس طرح حکومتی اخراجات کے لئے ہے اسی طرح بجٹ کا وہ حصہ بھی ہے و عمرانیات کے لئے خرچ ہوتا ہے۔

اس کو اگر ہم تیل سے بھی حاصل کرلیں تو کوئی اشکال نہیں ہے یا صنعت سے یا کسی اور ذریعہ سے مہیا کرلیں اور اسے خرچ کریں کیونکہ اگر تیل روخت کریں سڑکیں بنائیں بندرگاہیں بنائیں اس کی کمی پوری ہوسکتی عیب نہیں ہے اور یہ دو سو پچاس ملیارد تومان اگر تیل کی قیمت سے خرچ کریں اور عوام کے ذخیرہ سے خرچ کریں اس کا معنی یہ ہے کہ اگر تیل ہمارے ذخائیر میں

تمیں چالیس سال کے لئے ہے تو ہم تمیں چالیس سال بعد میں آنے والے لوگوں کے حقوق چوری کر رہے ہیں اور ان لوگوں کے لئے خرچ کر رہے ہیں جو موجود نہیں ہیں۔

مستقبل کی فکر

میرے خیال میں کوئی مسلمان اس پر راضی نہیں ہوگا کہ ہم آنے والی نسلوں کو روئے زمین پر فقیر اور بدبخت چھوڑ جائیں۔ کیا آپ خوش ہونگے کہ اپنی پونجی کو خرچ کرلیں اور آپ کی آئندہ نسل بھوکی رہے آپ سب جانتے ہیں کہ اس طرح نہیں ہے بلکہ سب لوگ اپنی اولاد کے لئے کچھ نہ کچھ بچت کر کے جمع کر جاتے ہیں جب ہم بچوں کا مال نہیں کھا رہے ہوتے بلکہ اپنے خون پسینے کی کمائی ہوتی ہے جسے ہم خرچ بھی کرلیں تو کوئی حرج نہیں کہ بچے بعد میں خود کما کر بھی کھا سکتے ہیں۔

لیکن اس کے باوجود ہم جمع کرتے ہیں اور ان کے لئے کچھ نہ کچھ چھوڑ جاتے ہیں اور وہ چیز جس کو جو اللہ تعالی نے آنے والی نسلوں کے لئے رکھا ہے ہم اس سے خرچ کریں یہ صحیح نہیں ہے پس لوگوں کو چاہیے یہ مبلغ (دو سو پچاس ملیارد تومان) ادا کریں تاکہ ان لوگوں کے لئے خرچ کیا جا سکے ہم یہ مالیات ٹیکسیز کے طور پر یا گورنمنٹ کے دیگر ذرائع سے مہیا کرتے ہیں۔ اس سال ہمارے مالیات بہت زیادہ ہوئے ہیں ایران کی تاریخ میں یہ اوج پر ہیں) ہمارا اجٹ تقریبا آٹھ سو ملیارد تومان مالیات کی حد میں ہے یعنی گورنمنٹ کے اخراجات کا ایک تہائی حصہ مالیات ہیں (اگر یہ مالیات وصول ہو جائیں)

اب آپ پوچھیں کہ یہ مالیات کب ادا کرنے ہیں اپنے آپ فکر کریں (ہر شخص جو میری بات سمجھ رہا ہے (اور رات کو ٹی وی نشر ہو جائے گی اور کل اخبارات میں بھی آئے گی) آپ عہد کرلیں کہ یہ مالیات کب ادا کرنے ہیں اب ہم جو مالیات وصول کر رہے ہیں بہت آسانی سے

وصول کر رہے ہیں (۱) اس طرح مجموعی طور پر حکومتی ذخائیر میں ۳۱۷۳ ملیارد ریال موجود تھے مندرجہ بالا اعداد و شمار پر سرسری نگاہ ڈالنے سے خطیب کی گفتگو حقائق پر مبنی معلوم ہوتی ہے۔

ملازمین سے ٹیکسوں کی وصولی

یہ مالیات گورنمنٹ اپنے ملازمین سے وصول کر رہی ہے اور بقیہ مالیات لینا آسان نہیں ہیں کچھ مالیات سنٹرل بنک دے گا یہ خود گورنمنٹ کا مال ہے جو مالیات سرکاری ملازمین سے وصول کرنا ہیں وہ در حقیقت مالیات نہیں ہیں یہ اس لئے کہ اخراجات بہر حال گورنمنٹ نے پورے کرنے ہیں تو ہمیں ابھی سے ایسے پروگرام بنانا چاہییں کہ ان کے اخراجات پورے ہوتے رہیں۔ ہمارے ملک کے بعض ایسے غریب لوگ اور سرکاری ملازمین ہیں (۲) جن کی تنخواہیں پہلی ہی رہی ہیں اور مہنگائی بڑھتی گئی ہے۔

---

(۱) وزارت خزانہ کی رپورٹ کے مطابق ۱۳۶۲ (ھ ش) میں مبلغ ۷۹۷ ملیارد ریال وصول ہوئے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مقدار ۱۳۶۱ (ھ ش) میں وصول ہونے والے ٹیکسوں کی نسبت تقریبا ۲۸.۵۰ فی صد اور ۱۳۵۹ (ھ ش) میں وصول ہونے والے ٹیکسوں کی نسبت ۱۳۰ فی صد زیادہ ہے۔

۱۳۶۲ (ھ ش) میں لوگوں سے وصول کئے جانے والے ۷۹۷ ملیارد ریال کے ٹیکسوں کے علاوہ مبلغ ۱۵۸۵ ملیارد ریال تیل کی فروخت سے اور ۲۱۹ ملیارد ریال متفرق ذرائع سے اور ۶۹۵ ملیارد ریال داخلی قرضوں کی بابت اور ۲۴۹ ملیارد ریال پچھلے قرضوں کی ادائیگی کے طور پر اور ۱۹۴ ملیارد ریال تیل کی پیشگی فروخت سے حاصل ہوئے۔

(۲) محکمہ سروسز کے اعداد و شمار کے مطابق ۱۳۶۲ (ھ ش) میں سرکاری اداروں میں کام کرنے والے ملازمین کی تعداد بارہ لاکھ سولہ ہزار آٹھ سو نوے تھی۔

سنٹرل بینک کے اعداد و شمار کے مطابق تہران کے شہری علاقوں میں ۱۳۶۲(ھ ش) میں اشیاء اور ضروریات زندگی کی قیمتوں کا گراف ا۔۲۱۸ تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قیمتوں کے گراف میں اضافہ ۱۳۶۱(ھ ش) کی نسبت ۲۳ پوائنٹ اور ۱۳۶۰(ھ ش) کی نسبت ۱۲۰ پوائنٹ ہے۔ ہم ان سے تو آسانی کے ساتھ مالیات وصول کر لیتے تھے اور اس سال اسمبلی میں یہ بھی پاس ہوا ہے کہ جن ملازمین کی تنخواہیں چار ہزار تومان یا اس سے کم ہیں وہ مالیات سے مستثنیٰ ہیں اور ملازمین میں اکثریت کی تنخواہیں چالیس ہزار تومان یا اس سے کم ہیں اور بقیہ مالیات سرمایہ دار طبقہ اور جن کی آمدن زیادہ ہے وہ ادا کریں ہم نے ان دوکانداروں کو بھی مالیات معاف کر دیے ہیں جن کی ماہانہ انکم چالیس ہزار تومان ہے یا اس سے کم ہے (یعنی جن ماہانہ آمدنی چالیس یا پچاس ہزار تومان ہے) بقیہ مالیات بڑی بڑی انکم والوں کو ادا کرنا چاہئیں۔

یا ہم اصلاً کوئی کام نہ کریں مدارس بند کر دیں فوج کو چھٹی کرا دیں سپاہ کو خیر باد کہہ دیں جنگ سے کنارہ کشی کر لیں سرکاری ملازمین کی تنخواہیں نہ دیں (DARMERIE) شہروں کے باہر کی انتظامیہ کی چھٹی کرا دیں تھانہ پولیس وغیرہ شہری انتظامیہ کو فارغ کر دیں یعنی کچھ بھی نہ کریں اور یہ آپ نہیں کہتے ہیں تو پھر مالیات ادا کریں کیونکہ مالیات کا ادا نہ کرنا پورے نظام کو درہم برہم کرتا ہے اور اگر ہم آئندہ نسلوں کی پونجی اٹھا کر خرچ کر دیں اور ملک کو مکمل طور پر تباہ کر دیں اور پھر ایک دن دیکھیں کہ ہماری آئندہ نسلیں سیاہ بخت ہو نگی یہ ان سے بہت بڑی خیانت ہے کون سرمایہ دار تیار ہے کہ اپنی اس نسل کو تباہ اور بدبخت کرے کیا یہی آسمان سے گرا کھجور میں اٹکا ہے کا مصداق نہیں ہے یا ان سب کچھ کی چھٹی کروائیں۔

آپ بھی جانتے ہیں کہ یہ ناممکن ہے ہم اسمبلی میں جتنی بھی بحث کرتے ہیں کہ ہم اس جاری بجٹ سے کچھ کم کر دیں لیکن کوئی صورت نظر نہیں آتی نہ ہم سرکاری ملازمین کی تنخواہیں کم کر سکتے ہیں اور نہ ہی فوج کی چھٹی کرا سکتے ہیں نہ جنگ روک سکتے ہیں کوئی کام بھی ان میں سے

ہونے کا نہیں ہے۔ کیا یونیورسٹیاں ختم کی جاسکتی ہیں مدارس بند کیے جاسکتے ہیں بجلی ختم کی جاسکتی ہے پانی بند کیا جاسکتا ہے یہ ادارے ہم سے وافر مقدار میں سب سیڈیز (۱) لیتے ہیں کیا روٹی ختم کی جاسکتی ہے۔

ہم کسانوں کو سب سیڈیز دے کر ان سے گندم تین تومان سے زیادہ میں خریدتے ہیں اور نانبائیوں کو آٹا سستا دیتے ہیں یا ڈیزل جو کہ گورنمنٹ کو تین تومان لیٹر پڑتا ہے اور دور افتادہ دیہاتوں میں پانی کی قیمت میں یعنی ۲ ریال لیٹر بیچتے ہیں ان اخراجات سے پہلو تہی نہیں کر سکتے اگر یہ سب کچھ چھوڑ دیں ملک درہم برہم ہو جائے گا اور اگر ہم ملک چلانا چاہتے ہیں تو سرمایہ داروں کو اپنے حصے کی مالیات دینا ہوں گی۔ لہذا کسی کو تنقید نہیں کرنا چاہیے کہ ہم سے مالیات کیوں وصول کرتے ہیں یا ہماری ملامت کیوں کی جاتی ہے

ریکوری کرنے والوں کو نصیحت

البتہ میں اپنی طرف سے مزید عرض کرونگا کہ ریکوری کرنے والے ظلم نہ کریں مالیات کے وصول کرنے والے بعض لوگ تو شائد شیطان ہوں ملک کے نظام کو درہم برہم کرنا چاہتے ہوں اور لوگوں کو تنگ کرنا چاہتے ہوں گورنمنٹ کے حق سے زیادہ وصول کرنا چاہتے ہوں اس طرح بھی ہمیں منظور نہیں ہے ظلم نہیں ہونا چاہیے قانونی حدود میں رہ کر مالیات وصول کیے جائیں اور عوام کو یہ مسائل سمجھنا چاہئیں اگر کسی کو شر کی خرابیوں سے گریز ہے تو وہ

---

(۱) سب سڈی (جسے فارسی میں یارانہ کہتے ہیں اس سے مراد ایسی بلا معاوضہ امداد ہے جیسے حکومت بعض اشیاء اور ضروریات زندگی کی قیمتوں میں تفاوت کی بابت مالی یا غیر مالی صورت میں ادا کرتی ہے اور یہ عوامی فلاح و بہبود کے لئے انتہائی ضروری ہے۔

بیابان بازوں کا بوجھ اٹھائیں جنہیں شہر راس نہیں ہے وہ جنگلوں میں اپنی پیٹھ پر بوجھ اٹھائیں

سمگلروں کا مستقبل

ایک اور مثال آپ کے لئے ذکر کروں وہ منشیات کی سمگلنگ کی ہے جو لوگ یہ دھندہ کرتے ہیں کیا وہ سمجھتے ہیں کہ فائدہ اٹھا رہے ہیں کیا واقعاً وہ فائدہ حاصل کر رہے ہیں۔ کیا ایک سمگلر ہیروئین فروشی کے ذریعے زیادہ آمدن حاصل کر لے گا کیا یہ واقعاً نفع ہے آپ جائیں اس کی زندگی کا مطالعہ کریں ان سمگلروں کی زندگی کو دیکھیں یہ بیچارے زندگی گزارتے ہیں یہ کیا ہیں کون ہیں ان کی زندگی میں کتنا نفع ہے ایک شخص مثلاً ایک ہزار جوان کو ایک ملین تومان کے عوض ہیروئین کا عادی بناتا ہے آپ اندازہ کریں یہ کیسا آدمی ہے آپ اپنے ذہن سے سوچیں اور دیکھیں کہ وہ کیا کر رہا ہے۔

آپ جو آگر چرس ہیروئین جیسی چیزوں میں لوگوں کے بچوں کو مبتلا کرتے ہیں اگر یہ آپ کی اپنے گھر آجائیں تو آپ کو سمجھ میں آئے یہ کیا ہے اس وقت ہوش آئے گا کہ ہم کیا کر رہے تھے یا پڑھا لکھا جوان ہو یا ان پڑھ ان میں کوئی فرق نہیں حتی ایک مزدور کو آپ اس لعنت میں مبتلا کرتے ہیں تو یہ بدبخت مفلوج ہو کر رہ جاتا ہے اور اس کا خاندان تباہ ہو جاتا ہے۔ آپ کو معلوم ہو گا اگر کسی خاندان میں ایک نشیئی ہو تو اس خاندان اور اس کے ہمسائیوں دوستوں کا آرام سکون جاتا رہتا ہے اس سمگلر کو کیا پہلے تو یہ کہ اسمگلر کی اخیر معلوم ہے ان گروہوں کو پھانسی دی جا رہی ہے اور اگر بچ گئے تو کل گرفتار ہو جائیں گے۔ (۱)

(۱) اسلامی انقلاب کے بعد منشیات اور منشیات کی سمگلنگ کی روک تھام پر خصوصی توجہ دی گئی اور منشیات کے خلاف مزید شدت لانے کے لئے شوری انقلاب نے ایک قانون بھی پاس کیا۔ لیکن جنگ شروع ہونے

دوسرے یہ کہ اگر یہ بالکل ہی گرفتار نہ ہوسکے ان جیسے لوگوں کی اولاد عام طور سے اس بدبختی کا شکار ہو جاتی ہے اور آنے والا کل اس کی بیٹی بیٹا پوتی پوتا یا کسی اور رشتہ دار کو سیاہ دن ضرور دیکھنا پڑتے ہیں لہذا یہ لوگ ان پیسوں کو کیا کریں گے۔

تیسرا یہ کہ پورا معاشرہ اس لعنت میں گرفتار ہوگیا تو یہ اسمگلر کیسے فرد آسودہ کی زندگی گزارے گا اس کے لئے یہی زندگی سب کچھ ہے۔

من حاول امر بمعصیه الله کان اخوف یو خو ا واقعاً

یہ جملہ سونے کے پانی سے لکھنے کے قابل ہے اور اس کو ایک شعار کے طور پر گھر میں فریم کر کے آویزاں کیا جانا چاہیے سب لوگوں کو اس کی اتباع کرنی چاہیے اور معصیت الٰہی کے ذریعے پیسہ نہیں کمانا چاہیے آج کوئی جرم بھی اس سے بڑھ کر نہیں ہو سکتا۔ مجھے معلوم نہیں کہ ہمارے ملک میں نشئوں کی تعداد کتنی ہے ایک ملین ہے یا اس سے کم ہے ہمارے پاس صحیح تعداد نہیں لیکن یہ جتنے بھی لوگ آج سرمایہ پرست لالچی کی قربانی ہیں کبھی یہ کام فارنر کیا کرتے تھے وہ یہ دشمنی کی وجہ سے کرتے تھے۔

اور اندرونی سازشوں اور فتنوں کے سر اٹھانے کی وجہ سمگلروں نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے منشیات کی سمگلنگ کو وسیع کر دیا۔

ایرانی عہدیداروں نے اس مسئلہ پر توجہ کرتے ہوئے ۱۳۶۲ (ھ ش) میں منشیات کی فراہمی اور تقسیم کے خلاف تازہ لہر ایجاد کی اور ۱۳۶۲ (ھ ش) کے آخر میں ملک کے مختلف شہروں میں منشیات کا دھندہ کرنے والے گروہوں کے سربراہوں اور سرغنوں کو اجتماعی طور پر پھانسی کے پھندے پر لٹکایا گیا۔ جمہوری اسلامی ایران کی شہربانی نے ۱۳۶۲ (ھ ش) میں ۶۵۳۲ کلو گرام اور ژاندار مری نے ۱۱۰۷۶ کلو گرام منشیات سمگلروں سے برآمد کر کے ضبط کر لی۔

ان کی اہم اندرونی اسباب میں یہ سازش ہے وہ جن ہاتھوں میں ہیروئین موجود ہے جن کے ہاتھوں میں چرس موجود ہے جن کے ہاتھوں میں منشیات موجود ہیں تھوڑا سا بھی اپنے عقل سے سوچیں تو جن کے ہاتھوں میں جو کچھ ہے اس کو پھینک دیں گے اور اس مال کو ٹھوکر مار دیں گے اور اپنی صحت مند زندگی طرف پلٹ آئیں گے وگرنہ اس غلط صورت حال سے پچھتائیں گے۔

اگر ایسی چیزوں کو اپنی زندگی میں مد نظر رکھیں تو آپ متوجہ ہونگے کہ ہم کن مسائل سے دوچار ہیں فداکار افراد کے مقابلہ میں ہماری گفتگو یہ ہے کہ ایسے افراد فداکاروں کے ساتھ مساوی نہیں ہوسکتے ہیں اور جو شخص مالیات سے پہلو تہی کرنا چاہتا ہے وہ بھی ایک لحاظ سے اسمگلر ہی ہے۔

فسادی انسان

جو شخص لوگوں کی بچیوں، عورتوں اور ناموس کو اس بدبختی اور برائی کی طرف کھینچتا ہے وہ بھی اسی سمگلر کی مثل ہے۔ صرف وہ ایک اور صنف ہے اور اس کا طریقہ واردات مختلف ہے یہ پیسہ کمانے کے لئے گندگی پھیلاتا ہے اس نے ایک قہوہ خانہ بنایا ہوا ہے چرسیوں اور افیونیوں کے لئے جھنڈ اگاڑا ہوا ہے وہ ایک اور طرف سے ان کی جڑ کاٹ رہا ہے جو لوگ معاشرتی مسائل میں داخل ہوتے ہیں وہ ایسی جنایات کا ارتکاب کرنا شروع کردیتے ہیں تاکہ اپنی مادی زندگی کے وسائل مہیا کرلیں ان کی کیٹگری یہی ہے آپ ان کی زندگیوں کو مد نظر رکھیں اور تصویر کشی کریں اور ان کو فداکار لوگوں کے سامنے کھڑا کریں پھر ان آیات کا ترجمہ کریں تو دیکھیں کہ معنی کیا بنتا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم الحمد للہ رب العالمین قال

العظیم فی کتابه اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم فاما من اعطی و اتقی و صدق بالحسنی فسنیسرہ للیسری و اما من بخل و ستغنی و کذب بالحسنی فسنیسرہ للعسری وما یغنی عنه ماله اذا تردی۔(۱)

یہ وہی موضوع ہے جس کو میں بیان کر رہا ہوں۔ کہ ایک کیٹگری وہ ہے جو کہ متقی ہیں وہ ہدف اصلی اور خیر حقیقی یعنی ذات خداوند متعال کو قبول کرتے ہیں اور اپنے مال سے خرچ کرتے ہیں یہ ایک گروہ ہے اس کے مقابلے میں وہ لوگ ہیں جن کی راہ سیدھی نہیں ہے اور آرزوئیں نیک نہیں ہیں اور اپنے مال سے خرچ نہیں کرتے ہیں اور اسی کوشش میں ہیں کہ دوسروں کے اموال پر ہاتھ صاف کریں اور یہ ایک دوسرا گروہ ہے قرآن مجید فرماتا ہے کہ ہم پہلے گروہ کو مستقبل میں نیکی و خیر مہیا کریں گے اور دوسرے گروہ مستقبل میں بدی کے لئے تیار رہے۔

فسنیسرہ للیسری۔

(جو لوگ عربی ادب سے واقف ہیں) وہ جانتے ہیں کہ اگر کہیں کسی شے کے مستقبل بعید میں ہونے کی طرف اشارہ کرنا ہو تو کلمہ سوف فعل مضارع کے اول میں اضافہ کرتے ہیں اور اگر مستقبل قریب کی طرف اشارہ کرنا ہو تو سین کا اضافہ کرتے ہیں) یعنی قرآن مجید فرماتا ہے ممکن ہے یہ صلہ بلا فاصلہ نہ ہوبلکہ کچھ وقت کے بعد ہو یعنی یہ بخیل، بے تقوی اور خود غرض مشکلات زندگی سے ضرور دوچار ہو گا اور وہ متقی، سخی، مجاہد اور صدقہ دینے والا فلاح و بہبودی پائے گا۔

---

(۱) ۹۲:۵ تا ۱۱

جوہر تقویٰ

میری نظر میں تقوی کا نچوڑ اور خلاصہ یہی ہے کہ انسان اس صورتحال کا مطالعہ کرے جو میں نے عرض کی ہے اس میں فکر کرے (جو باتیں میں نے آپ سے عرض کی ہیں ان میں توجہ کریں ایک رہنمائی کی حد تک توجہ کریں اور پھر سوچیں تو ان کے نتائج آپ کے سامنے آجائیں گے)۔ آپ میں ایک تقوی کی حالت پیدا ہو جاتی ہے ایک پاسبان اور محافظ آپ میں موجود ہو سکتا ہے تو پاسبان کی پاسبانی سے آپ معاشرتی امور میں اس طرف جا سکتے ہیں جو خدا چاہتا ہے۔

سقوط انسان

خدا فرماتا ہے

وما يغني عنه ماله اذاتردى.

جب انسان ہلاکت میں گر جاتا ہے تو مال اس کے کام نہیں آتا اور ہم نے اسے کوئی وعدہ نہیں دیا کہ مال کے عوض نجات دیں گے۔ لیکن جو جہاد اور فداکاری کے راستے پر چلتا ہے ہم اس کی حفاظت کرتے ہیں کیونکہ اس کی نگاہ صرف ذات خدا تعالیٰ پر ہے آخر میں فرماتا ہے۔

ولسوف يرضىٰ.

آخر یہ فداکار ایک دن اپنے کار خیر و جانثاری سے راضی و مطمئن ہو جائے گا اور افتخار کرے گا کہ کیا اچھا ہے کہ میں نے یہ راستہ منتخب کیا اور دوسرا بدبخت بھی کسی وقت متوجہ ہو گا کہ وہ ہلاکت و بربادی میں گرا ہوا ہے اور اس کو بچانے والا کوئی نہیں ہے نہ مال کام آئے گا نہ خاندان، نہ دوست و احباب کام آئیں گے اور نہ عہدہ نہ مرتبہ کوئی بھی وہاں اس کے کام نہیں آئے گا سردی کی وجہ سے میں نے گفتگو کو مختصر کیا ہے لیکن اپنے موضوع کے متعلق کئی ایک نکات ہیں جو انشاء اللہ ایک پورے خطبہ میں شاید مکمل ہو سکیں گے انہیں اگلے خطبہ میں بیان کروں گا۔

اکاونواں خطبہ

عدالت اجتماعی کی بحث کا تسلسل

عدالت اجتماعی میں اقدار سے متعلق آخری بحث

اسلام میں جہاد کی قدر و منزلت

مختلف اسلامی ممالک میں مسلمان مجاہدین

مسلمانوں کی امداد کی ضرورت

فوجی معاہدوں کی منسوخی میں تختیار کی خیانت

بسم الله الرحمن الرحیم الحمد لله رب العالمین و الصلواۃ والسلام علی رسول الله وآله الائمة المعصو مین قال العظیم فی کتابه و یو ثرون علی انفسهم وکان بھم خصاصه

عدالت اجتماعی کی بحث کا تسلسل

ہم نے عدالت اجتماعی کی بحث میں اخلاقی اقدار اور اسلامی قدروں کے نظام کے بارے میں ایک باب شروع کیا تھا جس کا ہدف یہ تھا کہ حدود اور حقوق کی تعیین اور عدالت کے نفاذ کے وقت اقدار کو ملحوظ خاطر رکھا جائے تا کہ کوئی یہ تصور نہ کرے کہ عدالت کا مطلب فقط یہ ہے کہ تمام پہلوؤں میں مساوات ہو اور اقدار اور ضد اقدار آپس میں برابر ہوں۔ اس کی طرف توجہ کرتے ہوئے کہ اقدار اور عدالت اجتماعی کی آئندہ پیش کی جانے والی تمام بحثوں میں اس کو بیان کرنا ضروری اور لازم تھا۔

آج اقدار سے مربوط آخری بحث پیش کرنی ہے اور بعد والے خطبوں میں ان تمام بحثوں کو مرتب و منظم کیا جائے گا جو اجتماعی عدالت کے اقتصادی پہلو سے مربوط ہیں۔ ہم نے کہا تھا کہ اسلامی اقدار کا ایک محور جہاد فداکاری اور ایثار تھا کہ جس کا نقطۂ مقابل حب نفس اور خود پرستی

---

(۱) سورہ حشر :۸۹

ہے۔

اس باب میں کہا تھا کہ قرآنی، منطقی، عقلی اور تجربی دلائل کی رو سے مجاہدین اور ایثار کرنے والے لوگ نہ فقط آخرت میں بلکہ دنیا میں بھی کامیاب و کامران ہیں اور ان کی فداکاری اور ایثار و قربانی کے فوائد دنیا میں بھی ظاہر ہوتے ہیں اور خود پرست لوگوں کا گروہ شکست خوردہ ہوتا ہے۔

عام طور سے جہاد اور فداکاری سے متعلق ان چند خطبوں سے کلی نتیجہ لیا جاسکتا ہے انسان میں ایثار اور خود پرستی دو متضاد جہات ہیں بعض لوگ ایسے ہیں جن کا طرز تفکر یہ ہے کہ تقسیم بندی کرتے وقت اپنے آپ کو مقدم سمجھتے ہیں اور اپنی ذات کے لئے تمام چیزوں کے خواہاں ہیں اور یہی ان کے متحرک رہنے کا محور ہے۔ ان کے مقابلے میں بعض انسان ایسے ہیں جو دوسروں کو خود پر مقدم کرتے ہیں سب سے پہلے مرحلے میں خدا کو مد نظر رکھتے ہیں اور خدا کے ساتھ ساتھ خلق خدا کو بھی مد نظر رکھتے ہیں اور ان کی حرکت کا محور خدا ہے خلق خدا کے منافع ہیں اور اپنے آپ کو انہی لوگوں میں ہی شمار کرتے ہیں۔

اسلام میں اجتماعی قدریں

اس مطلب سے مربوط فرعی بحثوں کی طرف اشارہ نہیں کرتا آج میری بحث کا محور و مرکز وہ کلی اور عمومی فرق ہیں جو ان دو قسم کے انسانوں میں پائے جاتے ہیں عدالت اجتماعی کی بحثوں میں یہ کہنا مقصود ہے کہ اگر ہم ان دو قسم کے لوگوں کو برابری کی نگاہ سے دیکھیں اور یہ خیال کریں کہ عدالت اس امر کی متقاضی ہے کہ معاشرے میں کسی منصب پر فائز ہونے میں اور حدود اور حقوق کی تعیین میں وہ تمام امتیازات کہ جو ہم فداکار اور خداجو اور لوگوں کو دیتے ہیں۔

یہ یہی امتیازات خود پرست انسانوں کو بھی قائل ہوں یہ فقط عدالت اجتماعی کے خلاف ہی نہیں نہ صرف عدالت نہیں بلکہ ظلم ہے اور انسانی قدروں سے خیانت ہے اور اس کے نقصانات کی بازگشت معاشرے کی طرف ہے ہمیں اس فرق کا اعتراف کرنا پڑے گا اور اللہ تعالی بھی اس فرق کا قائل ہوا ہے۔

آج میں اس سلسلے میں دو تین روایات کا مختصر تجزیہ و تحلیل پیش کرونگا اور اس کے بعد چند روشن و آشکار نمونے پیش کرونگا جو ان قدروں کو نظر انداز کرنے کے خطرات کی نشاندہی کرتے ہیں اور یہ نمونے نالائق اور خود پرست انسانوں کو اجتماعی مناصب عطا کرنے کے نقصانات و خطرات بیان کرتے ہیں پہلے خطبے میں آپ کو آگاہ کرنا چاہتا ہوں کہ ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ مجاہدین جنگجو اور ایثار کرنے والے لوگوں کا شمار خدا کے شائستہ اور پسندیدہ بندوں میں ہوتا ہے خداوند متعال ان کی خیر اور بھلائی چاہتا ہے۔ یہاں کبھی ایسے لوگوں کا خدا کے ساتھ رابطہ مد نظر ہے اور کبھی ان کا معاشرے کے ساتھ رابطہ ملحوظ خاطر ہے ان دونوں کے لئے ایک روایت پیش کرتا ہوں جس سے آپ باخوبی جان لیں گے کہ معیار کیا چیز ہے۔

حدیث قدسی

ایک روایت یعنی حدیث قدسی میں ہے حدیث قدسی سے مراد ایسی حدیثیں ہیں جنہیں پیامبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی بھی طریقہ سے خداوند کائنات سے نقل کرتے ہیں عام طور پر معمولی احادیث پیامبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی طرف سے بیان کرتے ہیں الفاظ قرآن بلاواسطہ خداوند کی طرف سے ہیں اور احادیث قدسی ایسے مفاہیم اور مضامین ہیں جنہیں معصومین علیہم السلام خداوند کائنات سے لیتے ہیں اور ہم تک پہنچاتے ہیں یہ روایت بھی انہی میں سے ایک ہے۔ مختصر اور فہرست وار عرض کرتا ہوں حضرت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم نے فرمایا

قال اللہ تعالی و عزتی و جلالی و عظمتی و نوری و علوی و ارتفاع مکانی لا یوثر عبد ھوای علی ھویہ الا استحفظتہ ملائکتی و کفلت السموات والارضوان رزقہ و کنت لہ من وراء تجارۃ کل تاجر و اتتہ الدنیا و ھی راغمہ۔

اللہ تعالی نے اس حدیث قدسی میں اپنی عزت و جلال اور عظمت وبلندی کی قسم کھائی ہے یعنی خداوند متعال نے (اس مطلب کے بارے میں) تمام رائج تاکید کے ساتھ قسم کھائی ہے اور فرمایا ہے۔ جو بندہ حب خدا، منشاء الٰہی اور تمایل خداوندی کو حب نفسانی خواہشات پر ترجیح دے اور اپنے تمام اعمال میں رضائے خدا کو اپنی ذاتی رضا اور خواہش پر مقدم کرے اللہ تعالی سے یہ امتیازات عطا کرتا ہے کہ خدا ملائکہ کو اس کی حفاظت پر مامور کرتا ہے ملائکہ کی حفاظت سے مراد صرف یہ نہیں ہے کہ انسان کو فقط جسمانی خطرات سے محفوظ رکھیں۔

بلکہ انسان خدا کے خفیہ محافظ کی حفاظت میں ہے اور خدا کے خفیہ محافظوں کی نگرانی اور ہدایت میں اس راہ پر حرکت کرتا ہے جو راہ اس کی سعادت کی ضامن ہے یعنی اگر ہمارے سامنے یہ معیار ہو کہ ہر قدم اٹھانے سے پہلے سوچیں اور دیکھیں کہ آیا خدا راضی ہے نہیں اگر خدا راضی ہے تو پھر یہ نہ دیکھے کہ میری خواہشات کے ساتھ مطابقت رکھتا ہے یا نہیں۔ جب رضاء الٰہی کی تشخیص دے دیں تو وہاں اقدام کریں (خواہ مشکلات ہوں یا نہ ہوں یہ کام ہمارے لئے مفید ہو یا نہ ہو ہر صورت میں ہمارا محور رضائے پروردگار ہے) اس وقت ملائکہ کو خدا کی طرف سے یہ ذمہ داری سونپی گئی ہے کہ ہماری حفاظت کریں۔

زمین آسمان کو حکم دیتا ہوں کہ وہ اس فداکار اور خدا کی رضا کو اپنی رضاء پر ترجیح دینے والے شخص کے رزق کی ضمانت فراہم کریں اس کی ضروریات پوری کریں یعنی یہ انسان محتاج نہ

رہے (میں خدا موجود ہوں)

(کنت له من وراء تجارة کل تا جر

جس جس چیز کو دوسرے لوگ تجارت زحمت کر کے جمع کرتے ہیں میں خدا ان چیزوں کی ضمانت اپنے اس بندے کے لئے فراہم کرتا ہوں جو میری رضاء کو اپنی رضاء پر ترجیح دیتا ہے۔

واتته الدنیا و هی راغمة

دنیا کی حالت یہ ہے کہ خود بخود سعادت دنیا اس شخص کے قدم چومنے آگئی یعنی دنیا دست بستہ غلام کی طرح اس شخص کی خدمت میں ہے لیکن جس طرح ہم پہلے دنیا کی بحث میں بیان کر چکے ہیں کہ دنیا کا مفہوم و مطلب مال و ثروت اور جاہ و حشم نہیں بلکہ یہ ایک سعادت اور ایک واقعیت ہے جو انسان کو نصیب ہوتی ہے یہ ہمارا خدا کے ساتھ رابطہ تھا۔

محور رضائے الٰہی

لہذا آپ زندگی میں محور انتخاب کریں تو وہ محور رضائے الٰہی ہونا چاہیے اور اسے آپ کے لئے چراغ ہدایت اور رہنماء اصول ہونا چاہیے جو کام کرنا چاہیں جو قدم اٹھانا چاہیں جس راستے کا انتخاب کرنا چاہیں جب بھی لب کشائی کرنا چاہیں اس وقت خوب سوچیں اور دیکھیں کہ خدا راضی ہے یا نہیں اگر آپ نے اس محور کے مطابق حرکت کی تو آپ کو مطمئن ہونا چاہیے اور آگے بڑھتے چلے جانا چاہیے کچھ بھی پیش آئے سعادت ہے عین ممکن ہے انسان سمجھنے سے قاصر ہو اور خیال کرے کہ یہ مشکل ہے لیکن آخر کار اس نتیجے تک پہنچے گا کہ یہ مشکل نہیں بلکہ یہی سعادت کا حقیقی مصداق ہے۔

انسانوں کے باہمی روابط سے متعلق بھی ہمیں بہت سے روشن اور واضح معیار دیے گئے

ہیں جنہیں آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔

روایت پیغمبر

ایک شخص پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آیا ایک معمولی سی رہنمائی چاہی وہ بحث واستدلال سے بھی عاری تھا پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

جاء اعرابی الی النبی صلی الله علیه وآله وسلم فقال یا رسول الله علمنی عملا أدخل به الجنة

ایک عرب بدو (یعنی وہ دیہات سے تعلق رکھتا تھا یا خانہ بدوش تھا اور کسی شہر کا باسی نہ تھا) پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آیا زیادہ پڑھنا لکھنا تو جانتا نہ تھا اور جلدی میں بھی تھا کہنے لگا ہمیں ایسی چیز کی تعلیم دیں جس کے سبب ہم جنت میں جائیں ہمیں باقی باتوں سے سروکار نہیں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ بہتر یہ ہے کہ ایسے شخص کو کوئی سادہ نسخہ بتانا چاہیے ایسے شخص کو کوئی کتاب بتانا مناسب نہیں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

ما اجبت أن یا تیه الناس الیك فانه الیهم وما کرهت ان یا تیه الناس علیك فلا تا ته الیهم

اچھی طرح دیکھو اور اپنے ضمیر سے پوچھو اپنے تمایلات اور خواہشات کی طرف نگاہ کرو اور دیکھو لوگوں کا رویہ تمہارے ساتھ کیسا ہے آیا لوگوں کا رویہ تمہارے ساتھ اچھا ہے جب لوگوں کے ساتھ تمہارا آمنا سامنا ہو تو لوگ کونسا کام کریں جو تمہیں اچھا لگے۔

بالالفاظ دیگر لوگوں کا کونسا رویہ تمہاری رضاء کا سبب ہے اگر دوکان پر جاؤ تو دوکاندار کا کونسا رویہ ہونا چاہیے جو تمہیں پسند آئے اگر آپ گاڑی پر سوار ہوں تو ڈرائیور کا کونسا طرز عمل آپ

کا مورد پسند ہے اور آپ کو راضی کر سکتا ہے اگر کسی دفتر میں کسی ادارے میں جائیں تو سرکاری ملازمین، افسر اور دفتر کا انچارج اور اسی طرح باقی عملے کا کونسا رویہ اچھا لگتا ہے اور اسی طرح آپ جہاں بھی جائیں گھر میں اپنی اہلیہ سے کس قسم کے رویہ کی توقع رکھتے ہیں آپ کے بچے کا رویہ آپ کے ساتھ کیسا ہونا چاہیے ہمسائے کا سلوک آپ کے ساتھ کیسا ہونا چاہیے۔ اس کو جاننا اور اس کو تشخیص دینا انسان کے لئے بہت آسان ہے ایک منصف مزاج اور باشعور شخص اپنے آپ سے پوچھے اور دیکھے کہ کون سی چیزیں اسے پسند ہیں اور دوسروں سے کیسے رویے کی توقع رکھتا ہے اسے بھی لوگوں کے ساتھ وہی رویہ اپنانا چاہیے ہمیشہ اپنے آپ کو اپنے مقابل والے شخص کی جگہ رکھیں کام نہایت آسان اور سادہ ہے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس رہنمائی کا معجزہ یہ ہے کہ ایک بدو جو کہ ان پڑھ ہے اور مکمل ہدایت کا خواہاں ہے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے ساتھ اس کی ذہنیت کے مطابق گفتگو کرتے ہیں اور اس کے ہاتھ میں ایک مشعل راہ دے دیتے ہیں جس کے وسیلے سے وہ جنت کی راہ پر گامزن ہو جاتا ہے اور یہی مشعل راہ اور چراغ اسے جنت کا راستہ بتاتا ہے۔

بہت بہتر!

ہم سب یہ چراغ اٹھائیں اور یہ کام کس قدر آسان ہے اگر ہمارا تاجر ہمارا دوکاندار ہمارا ڈرائیور، سرکاری ملازم، ہمارا وزیر، ہمارا وکیل، ہمارا عالم دین، ہمارا فوجی، ہمارا محافظ بلکہ سب لوگ جو گھروں میں رہتے ہیں حتی عورتیں بچے سب کے سب اپنے لئے اس کو محور زندگی بنالیں اور یہ فیصلہ کریں کہ ہم اپنے آپ کو مدمقابل کی جگہ پر رکھتے ہیں اور طرف مدمقابل کو اپنی جگہ پر اور اس محور کے مطابق کاروان زندگی کو آگے بڑھاتے ہیں یہ محور انسانی زندگی کے لئے ایک صاف شفاف اور صحیح وسالم محور ہے۔

یعنی خود پرستی ختم کردیں یہاں تک سب کچھ مساوات کا پہلو تھا یعنی خود پرستی کو ترک کرنا تا کہ اس کے بعد اس عظیم مرتبہ تک پہنچ سکیں جس کے لئے ایثار و فداکاری کی ضرورت ہے اس طرح ہمارا ہر قدم آگے کی طرف بڑھے گا۔ انسان ایسے وسائل سے مالامال ہے کہ ان کی شدید ضرورت محسوس نہیں کرتا لیکن دوسرے لوگوں کے لئے وہ وسائل بہت ضروری ہیں ہم اپنا وقت اپنی عزت وآبرو قدرت و توانائی اور جان پہچان اس کے علاوہ جو کچھ بھی ہمارے اختیار میں ہے ہم دوسروں کے لئے خرچ کریں یہ مرحلہ پہلے والے مرحلے سے بالاتر ہے۔

پہلے والا مرحلہ یہ تھا کہ مد مقابل شخص کو اپنی جگہ پر فرض کریں لیکن یہ مرحلہ اس سے کہیں آگے ہے اور وہ یہ ہے کہ جو وسائل آپ کے پاس ہیں اور معاشرہ ان وسائل کا محتاج ہے۔ آپ یہ وسائل معاشرے اور لوگوں کی ضروریات پوری کرنے کے لئے بروئے کار لائیں اگر دریغ کریں تو یہ ایک لغزش ہے اور اگر یہ وسائل معاشرے کی خدمت کے لئے پیش کردیں یہ فداکاری ہے ایثار ہے قربانی ہے یہ فداکاری کا پہلا مرحلہ ہے۔

اب آپ کی خدمت میں ایک روایت پیش کرتا ہوں۔

حضرت امام صادقؑ سے روایت

حضرت امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں۔

”من كانت له دار فاحتاج مومن الي سكينها فمنعه ايا ها قال الله عز و جل ملائكتي! ابخل عبدي على عبدي (يا بخل عبدي على عبدي يا ابخل) يسكن الدنيا و عزتي لا يسكن جنات ابداء“

توجہ فرمائیں اس نکتے میں کتنے مطالب پوشیدہ ہیں کس طرح زندگی کی راہ دکھائی جا رہی ہے یہ ہیں ہماری روایات یعنی ہماری روایات کس قدر عظیم ہیں ہمارے بزرگان کی کیا

عظمت ہے ہمارے ائمہ معصومین (ع) کا کیا مقام اور کیا قدر و منزلت ہے۔امام فرماتے ہیں (امام نے یہاں پر گھر کی مثال دی ہے اس کی مثال پیسے کے ساتھ بھی قالین، گاڑی، مقام و عزت غرض ہر چیز کے ساتھ مثال دی جاسکتی ہے اگر کسی کے پاس مکان ہو اور ایک مسلمان ضرورت مند ہو اور اس مکان میں رہائش رکھنا چاہتا ہو۔

(یہاں بحث یہ نہیں کہ وہ مفت چاہتا ہے بلکہ صورتحال یہ ہے کہ آپ کے پاس ایک گھر زائد ہے اور ایک شخص کو اس گھر کی ضرورت ہے اور آپ اسے دے بھی سکتے ہیں) اگر یہ صورتحال ہو اور آپ کے لئے ممکن ہو کہ اس کی ضرورت پوری کریں لیکن آپ اسے یہ مکان نہ دیں۔

"فمنعه اياها"

یعنی گھر اس کے حوالے نہ کریں خداوند کائنات یہاں یوں فرماتا ہے

(خدا اپنے ملائکہ سے مخاطب ہوتا ہے اس شخص سے مخاطب نہیں ہوتا یہ شخص صلاحیت نہیں رکھتا اور اس کا اہل نہیں ہے کہ خدا اس سے گفتگو کرے) خدا فرماتا ہے

"ملائكتى"

خدا ملائکہ کے ساتھ تکلم کرتا ہے کہ میرے اس بندے نے دوسرے بندے کے ساتھ بخل کیا ہے اور اس نے اسے دنیا میں سکونت اور رہائش کی اجازت نہیں دی مجھے قسم ہے اپنی عزت کی (خدا اپنی عزت کی قسم کھا رہا ہے اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ واقعہ کس قدر اہمیت کا حامل ہے) کہ محال ہے اور نا ممکن ہے کہ یہ شخص میری جنت میں رہائش پذیر ہو سکے کتنے حسین پیرائے میں خدا نے اس مطلب کو بیان کیا ہے یعنی اگر کوئی شخص دنیا میں دوسرے کے لئے رہائش کا بندوبست کر سکتا ہے اور ایسا نہیں کرتا تو خدا کی جنت سے محروم ہو جاتا ہے ایک معمولی کام ہے جس میں تھوڑا سا ایثار سے کام لینا پڑتا ہے لیکن ہم یہ معمولی کام نہیں کرتے

اس کا نتیجہ یہ ہے کہ خدا کی جنت سے محروم ہو جاتے ہیں۔باقی مسائل کو بھی یہیں سے سمجھا جا سکتا ہے۔

مسلمانوں کی امداد کی ضرورت

حضرت امام رضا علیہ السلام نے فرمایا

"من قصد الیه رجل من اخوانه مستجیرا به فی بعض احواله فلم یجره بعد ان یقدر علیه فقد قطع ولایت الله عز وجل "

(کس قدر سخت تعبیر ہے)امام رضا علیہ السلام فرماتے ہیں اگر مسلمان بھائی آپ کی طرف رجوع کرے اور آپ کی طرف پناہ لینے آئے اور آپ سے کسی چیز کی درخواست کرے اسے دفتری کام ہو دفتری مشکل ہو اور آپ کی طرف رجوع کرتا ہے یا مقروض ہے اور آپ کی طرف رجوع کرتا ہے یا اس کے ہاں کوئی مریض ہے اور آپ کی طرف رجوع کرتا ہے یا اس کے پاس گھر نہیں ہے اور آپ کی طرف رجوع کرتا ہے یا کسی مطلب سے آگاہی نہیں رکھتا اور اسے سمجھنے کے لئے اور اپنی علمی پیاس بجھانے کے لئے آپ کی طرف رجوع کرتا ہے۔

الغرض ایک مسلمان ایک بندہ دوسرے بندے سے کسی قسم کی بھی مدد چاہے اور وہ اسے مثبت جواب نہ دے اور اس کی درخواست رد کر دے "بعد ان یقدر علیہ" (شرط یہ ہے کہ مدد کرنے پر قادر ہو اور مدد نہ کرے) اس شخص کا رابطہ خدا کی ولایت سے کٹ جاتا ہے اور ایسا شخص جس کا رابطہ خدا کی ولایت سے کٹ جائے لوگوں میں سے سب سے زیادہ لعنتی شخص ہے بلکہ ملعون کا معنی ہی یہی ہے کہ جس کا رابطہ خدا سے کٹ جائے۔جب تک خدا کا رابطہ انسان کے ساتھ برقرار ہے (رابطہ ولایت) انسان لعنت کا مصداق نہیں۔

لعنت یہ ہے کہ خدا اور خدا کی رحمت کا رابطہ انسان سے کٹ جائے یہ ایسے لوگوں کا

نمونہ ہے جو دوسروں کے دکھ درد کا مداوا نہیں کرتے اور ایسے لوگوں کا نمونہ ہے جو دوسروں کے رنج والم کو درک نہیں کرتے یہ وہی لوگ ہیں جن کی سوچ اپنے تک محدود ہے جن کی نگاہیں فقط اپنے آپ کو دیکھتی ہیں لوگوں کی مشکلات کو نہیں دیکھتے۔اس مورد میں پیغمبر اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے ایک جامع تعبیر نقل ہوئی ہے

" سئل رسول الله من احب الناس الی الله "

پیغمبر اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے پوچھا گیا کہ بندگان خدا میں سے کون سا بندہ خدا کا محبوب ترین بندہ ہے اور خدا کے سب سے زیادہ پسند کرتا ہے پیغمبر اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا

" انفع الناس للناس "

وہ شخص جو لوگوں کے لئے سب سے زیادہ مفید ہو یعنی لوگوں کے لئے جس کے فوائد زیادہ ہوں یہ شخص جس قدر مفید ہو گا اسی قدر سے خدا کے نزدیک محبوب تر ہو گا۔بات کس قدر واضح ہے اصلاً تفسیر اور بحث کی ضرورت نہیں۔پتہ چلتا ہے خدا کے ساتھ رابطے کا محور وہی ہے جو میں نے پہلے عرض کیا تھا اور یہ ہے کہ اپنی خواہشات کو خدا کی خواہشات سے مؤخر رکھیں لوگوں کے ساتھ رابطے کا محور کم سے کم یہ ہے کہ اپنے آپ کو لوگوں کے مساوی رکھیں اور بہتر تو یہ ہے کہ لوگوں کو اپنے آپ سے مقدم جانیں۔

یہ آیت ہم نے آغاز خطبہ میں تلاوت کی تھی

"و یوثرون علی انفسهم ولوکان بهم خصاصه"

مشکلات اور مصائب میں جہاں تک ممکن ہو اور اپنی جان بھی خطرے میں نہ ہو

---

(۱) حشر: ۹ا

دوسروں کو اپنے آپ پر مقدم کریں۔ اگر ایسے لوگ مل سکیں تو یہ واقعاً حقیقتاً امتیازات اور خصوصیات کے حامل ہیں۔

مجاہدین کی قدر و منزلت

ایک روایت ایسے لوگوں کے بارے میں عرض کرتا ہوں جو راہ خدا میں جہاد کرتے ہیں اور اس بحث کے بعد ایک کلی نتیجہ گیری کروں گا ایک اہم بحث جو یہاں پیش کرنی ہے مجاہدین فی سبیل اللہ کی قدر و منزلت کے بارے میں ہے۔ یہ افرادی قوت اور یہ جنگجو افراد جو اس وقت محاذ جنگ پر موجود ہیں اور آپ لوگوں کے کفن پوش بیٹے کہ جو آج انقلاب کا دفاع کرنے کی اہم ذمہ داری انہیں کے کندھوں پر ہے یہ لوگ مجاہدین فی سبیل اللہ کا کامل اور اکمل مصداق ہیں۔

پیغمبر اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے روایت ہے۔

"من اغتاب غازیا و اذایه و خلفه فی اهله بالسوء نصب له یوم القیامه فی یستغرق حسناته"

پیغمبر اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) فرماتے ہیں اگر کوئی شخص غازی کی غیبت کرے یا کسی بھی طریقے سے اس کے لئے باعث اذیت بنے اور اسے افسردہ کرے (جس طرح بھی ہو۔ غیبت اس کے خاندان کے بارے میں ہو یا اس کے والد کے بارے میں یا اس کی والدہ کی غیبت ہو یا اس کی اہلیہ کی غیبت ہو یا اس کے بچوں کی غیبت ہو یا اس کی بہن کی نسبت غیبت ہو یا اس کے کسی اور تعلق دار یا کسی اور رشتہ دار کی غیبت کی جائے) یہ گناہ کبیرہ ہے۔ اور غازی کے ساتھ غیر مناسب رویہ قیامت کے دن ایسے آثار کا موجب بنے گا کہ جیسے آثار ہمارے ملک پر نمایاں ہیں اس خشیار نے ایسے ایسے کام کیے اور ایسی خیانت کی کہ جس کے آثار کو نہ تو محو کیا جا سکتا ہے اور نہ

ہی ان کی اصلاح کی جا سکتی ہے۔

شاہ پور بختیار کی خیانت

شاہ پور بختیار کے سیاہ کارناموں میں سے ایک معمولی سا کارنامہ بیان کرتا ہوں میں نے وزارت دفاع سے امریکہ کے ساتھ کیے گئے فوجی معاہدوں اور شاہ پور بختیار کی خیانت کے بارے میں وضاحت طلب کی جو خیانت اس نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں اس قوم (ایرانی قوم) کے ساتھ کی تھی۔ وزیر دفاع نے مجھے ایک بہترین رپورٹ بھیجی۔ پہلے مبہم اور غیر روشن معلومات تھیں میں نے آج صبح اس رپورٹ کا مطالعہ کیا اس کے بعض حصے آپ کے لئے بیان کرتا ہوں۔ ہمارے امریکہ کے ساتھ کچھ معاہدے تھے ان میں سے ایک شاہ کے زمانہ میں خریداری کا معاملہ تھا جو کہ دو ہزار سات سو معاہدوں پر مشتمل تھا۔ خریداری کا معاملہ "الف ایم" کے نام سے موسوم تھا یعنی غیر ملکی فروخت امریکیوں کا حق ہے جنگی ہتھیار جو غیر ملکیوں کو بیچے جائیں گے۔

ایک خاص ضابطہ کے تحت انجام پاتا تھا کہ اسی ضابطہ کے تحت شاہ کے زمانے میں خریداری ہوئی تھی۔ اس رپورٹ کے مطابق جو مجھے موصول ہوئی ہم نے شاہ کے زمانے میں تقریباً گیارہ ارب ڈالر ادا کیے (گیارہ یا اس سے کچھ زیادہ) مجموعی طور پر بیس ارب ڈالر کی قرارداد تھی شاہ کے آخری ایام میں امریکہ کے ساتھ نہایت ہی اہم معاہدے کئے گئے تھے۔ اس وقت جب امریکا چاہتا تھا ہمارے ملک کو اپنی ذاتی منافع کی حفاظت کے لیے طاقتور بنائے (اس دور میں یہ معاہدے کئے گئے ہیں)

طاغوت کے زمانہ میں جنگی ہتھیاروں کی خریداری

جب شاہ کی حکومت معرض خطر میں تھی اور امریکی سمجھ رہے تھے کہ یہ قرارداد میں

ایرانی قوم کے لئے سود مند ثابت ہوں گی اور اگر یہ قوم اٹھ کھڑی ہوئی اور یہ وسائل اس کے ہاتھ میں آگئے یہ ملک جو عظیم طاقت ہے۔ اگر یہ قوت و طاقت حزب اللہ کے ہاتھ آگئی تو یہ علاقے میں ایک مضبوط اور طاقتور حکومت قائم ہو جائے گی یہاں سے انہیں پریشانی لاحق ہوئی کہ ان قراردادوں کو کسی بھی طرح منسوخ کر دیا جائے کہ جس کے نتیجہ میں ہمیں ایک اور خسارہ اٹھانا پڑا۔

اب میں آپ کے لئے معاہدوں کے کچھ اقتباسات پیش کرتا ہوں جنہیں بختیار نے توڑا تھا حتماً آپ یہ پوچھیں گے کہ اس نے کب یہ معاہدے توڑے ؟ بعض کو سترہ (۱۷) بہمن کو توڑا (آپ جانتے ہیں کہ سترہ بہمن کب ہے)(۱) یعنی شہنشاہیت کے سقوط سے پانچ دن پہلے شہنشاہیت کا سقوط ۲۲ بہمن کو تھا سترہ بہمن وہ دن ہے جب امام خمینی نے باقاعدہ طور پر حکومت کا اعلان کیا امام خمینی بارہ ۱۲ بہمن کو ایران آئے اور یہ دس دن کا فاصلہ ہے بعض معاہدے چودہ

---

(۱) ایران اور امریکہ کے درمیان فوجی معاہدوں کی منسوخی پر اس وقت دستخط ہوئے جب امام خمینی ایران واپس آچکے تھے اور انجینئر بازرگان کو وزیر اعظم کے طور پر متعارف کرواچکے تھے حوالہ کتاب: سید ضیاء کے دور سے بختیار تک ایرانی حکومتیں۔

انجینئر بازرگان کی وزارت عظمی کے عہدے پر تقرری فوراً تمام دنیا میں مشہور ہو گئی تھی اس وقت تہران میں امریکی سفیر سولیوان اور امریکی افسر جنرل فون مارید بختیار کے دفتر میں موجود تھا اور اسلحے کی قرارداد کی منسوخی، اور ایران نے جو امریکہ کے ساتھ فوجی ساز و سامان کے حوالے سے جو آرڈر دیا تھا، اس پر دستخط کر رہا تھا۔ اس سے پہلی رات واشنگٹن ہر قسم کے فیصلے کے بارے میں پریشان تھا اور واشنگٹن نے معاہدے کے بعد بعض حصوں میں ضروری تبدیلی کے بارے میں خبر دی تھی سولیوان جو جانتا تھا کہ کل کیا ہونے والا ہے اس نے امریکی جنرل کو قائل کر لیا تھا کہ شاید بختیار کل ان معاہدوں پر دستخط کرانے کے لیے موجود نہ ہو اور اسے اپنی ذمہ داری پر بختیار کے دستخط کرنے پر آمادہ کر چکا تھا۔

بہمن کو ٹوٹے یعنی امام کے آنے کے دو تین دن بعد کہ جب مسئلہ ختم ہونے والا تھا۔

آپ ملاحظہ فرمائیں کہ قوم وملت کے ساتھ یہ سلوک کرنے والا شخص کتنا بد ذات ہو سکتا ہے۔ اگر ساری دنیا جہنم بنا دیں اور بختیار کو اس میں ڈال دیں آیا ہم نے اس کے برے اعمال کی سزا دی ہے یا نہیں! اور اسے اس کے اعمال کی سزا کہا جا سکتا ہے یا نہیں؟ نہیں ہر گز نہیں۔ آپ کو ان معاہدوں سے آگاہ کرتا ہوں سترہ بہمن کے دن اس نے برطانیہ کے ساتھ کیے گئے تین معاہدوں کو منسوخ کیا کہ ان میں سے ایک معاہدہ نو (۹) سو ملین پونڈ کا تھا نو سو ملین لیرہ اس وقت کے تقریباً دو ملیار ڈالر کے برابر ہے کہ (جب ٹینک شیر) خریدا گیا تھا۔ ایک رائپر میزائل کہ آج ہمیں جس کی سخت ضرورت ہے اس وقت اس کی قیمت ایک سو اسی ملین پونڈ تھی جس معاہدہ کو بختیار نے منسوخ کر دیا۔

ان معاہدوں میں سے ایک معاہدہ کی رو سے ہم نے اکہتر (۷۱) عدد ٹینک بر خریدے کہ آج ہمیں سخت ضرورت ہے ٹینک اٹھانے کے لئے ٹرالر کہ جس کی ایڈوانس رقم ہم نے شاہ کے زمانہ میں ادا کر دی تھی ہم شیر ٹینک کے لئے دو سو اکیاسی (۲۸۱) ملین پونڈ ادا کر چکے تھے اسی ملین پونڈ رائپر میزائل کی بابت ادا کر چکے تھے چھبیس (۲۶) ملین پونڈ ٹینک ٹینک اٹھانے والے ٹرالر کے لئے ادا کئے تھے۔ بختیار کے ایک دستخط کے ذریعے یہ سارے معاہدے توڑ دیئے گئے اگر چہ اس معاملے میں ضعیف پہلو ہیں کہ جن کی رو سے ہم لوگ برطانیہ کا گریبان پکڑ سکتے ہیں اور بعد میں برطانیہ پر پریشر ڈالیں گے۔

بختیار نے سترہ بہمن کے دن یہ سیاہ کارنامہ انجام دیا اور یہ گنجائش بھی رکھی کہ وہ لوگ آکر تاوان بھی وصول کر سکتے ہیں ہم نے یہ رقم بھی ادا کی لیکن ہمیں اسلحہ نہیں دیا گیا اور وہ لوگ تاوان کا مطالبہ بھی کرتے ہیں کہ آپ لوگوں نے معاہدے منسوخ کیے ہیں۔ یہ سترہ بہمن کے واقعات تھے۔ چودہ بہمن کے دن بختیار نے عجیب و غریب کام کیا آمریکا کے ساتھ طے پانے

والے دسیوں معاہدے منسوخ کر دیئے اور بہت سی وہ قراردادیں جو ہمارے اور آمریکہ کے درمیان لکھی گئی تھیں اور ان کی رو سے اسلحہ کی کچھ مقدار ہمیں مل چکی تھی عثیار نے ان قراردادوں میں کمی واقع کر دی اور بعض کو منسوخ کر دیا۔ ابھی میں آپ کے لئے ان معاہدوں میں سے بعض کو بیان کرتا ہوں (یہ دوورق فقط فہرست پر مشتمل ہیں)

قراردادوں کا ایک نمونہ

ان میں ایک ایف سولہ (F ۱۶) طیارے ہیں امریکیوں نے ہمیں ایک سو ساٹھ طیارے فروخت کئے تھے اور انہیں یہ طیارے ہمارے حوالے کرنے چاہئیں تھے اور بہت بڑی رقم پیشگی کے طور پر ہم سے وصول کر چکے تھے۔ عثیار نے یہ معاہدہ توڑ دیا اور کہا یہ سب کچھ آپ کے پاس رہے سات عدد اواکس (awax)(۱) طیارے ہیں جو در حقیقت متحرک راڈار

---

(۱)۔ آواکس ہوائی جہاز وسیع علاقے پر نظارت کے علاوہ فوجی نقل وانتقال سے آگاہی پر بھی قادر ہے اور اس کے علاوہ دس ہزار میٹر کی بلندی سے تمام علاقے میں حملوں کی ہدایت کرتا ہے اور کنٹرول اور کمانڈنگ کے کاموں میں بھی بلاواسطہ دخالت کرتا ہے۔ مشکل ترین جنگی حالات میں فریب دینے والی شعاعوں کے باوجود یہ سسٹم کمانڈنگ اور کنٹرول کے کاموں کی مدد کرتے ہوئے علاقے کی حفاظت اور مورد نظر اہداف کی تلاش کر سکتا ہے۔ اس جہاز پر مختصر مختلف قسم کے انٹینے نصب ہوتے ہیں اور نظارت کرنے والا اصلی انٹینا جہاز کی پشت پر نصب کیا گیا ہے۔ آواکس کا سسٹم امریکی بوئینگ 707 پر نصب ہوتا ہے جو بوئینگ E-3A کے نام سے مشہور ہے۔ اس جہاز میں چار جٹ انجن ہوتے ہیں اور ان انجنوں میں سے ہر انجن میں جداگانہ جنریٹر ہوتا ہے آواکس کا عملہ عام حالات میں سترہ افراد پر مشتمل ہوتا ہے اور دی جانے والی ذمہ داری کے لحاظ سے عملے کی تعداد میں اضافہ کیا جا سکتا ہے۔

آواکس ہوائی جہاز متعدد زمینی اڈوں کا کام انجام دے سکتا ہے اس ہوائی جہاز میں انتہائی پیچیدہ

ہیں ان میں سے چار عدد سعودی عرب کو ملے جس کے نتیجہ میں سارا علاقہ آج ان راڈاروں کی زد میں ہے اگر یہ طیارے (راڈار) ہمارے پاس ہوتے تو جنگ کے دوران سارے علاقے کو کنٹرول کیا جاسکتا تھا۔ یہ قرارداد بختیار نے منسوخ کر دی سولہ نہایت ترقی یافتہ طیارے (.R .E-F.A) ہیں یہ ہمارے لیے زندگی جتنی اہمیت کے حامل ہیں۔

ہمارے ہاتھ سے جانے والی چیزوں میں سے ناو شکن (ایس فرانز) ہے جن کی تعداد چار عدد تھی ان میں سے دو کی قرارداد توڑ دی گئی اور ہم آج کل بحری محاذوں پر ان کی سخت ضرورت محسوس کر رہے ہیں۔ امریکی اسلحہ کی ایک قسم دارگون میزائل ہے آج کل جنگی محاذوں پر اس کی شدید ضرورت ہے۔ ہمارے پاس اس قسم کے کئی میزائل تھے لیکن ان کے بارے میں طے پانے والا معاہدہ منسوخ کر دیا گیا ہے اگر بختیار سے پوچھا جائے کہ جس نے جانے سے (دو تین دن) پہلے اپنے سکریٹری کو اکسا کر دو لفظوں کے ذریعہ یہ معاہدے منسوخ کر دیئے اس نے کیوں ایسا کیا؟ انسان لوگوں کے ساتھ ایسا سلوک کیوں کر کرتا ہے؟ ہمیں بختیار سے بدترین اور خبیث ترین انسان ڈھونڈے سے بھی نہیں مل سکتا۔

خیانت کی وضاحت

بختیار نے جب اقتدار سنبھالا تو کہنے لگا کہ میں لوگوں کے لئے بہت کچھ کروں گا(۱)

کامپیوٹروں کے ساتھ متصل ایک نظارت کی میز پائی جاتی ہے۔ اس ہوائی جہاز پر سوار افراد ان میزوں کی مدد سے ایک ہی وقت میں تقریباً ایک سو ہوائی جہازوں کی شناخت اور ان کا پیچھا کر سکتے ہیں۔

(۲) وزارت عظمٰی کے آغاز میں شاپور بختیار کے نظریات یہ تھے:

امید ہے کہ امام خمینی مجھے یہ سعادت بخشیں گے اور جلد ہی ایران تشریف لے آئیں گے۔ تمام سیاسی پارٹیاں فعالیت کر سکتی ہیں میری حکومت ملک میں اسلام کی مروج ہوگی اور قانونی اقلیتوں کا احترام کیا

کچھ وڈیروں نے (جنہیں قوم پرست کہا جاتا ہے) اس کو سر پر اٹھایا ہوا تھا عین اس وقت کہ جب امریکی اس ملک سے ناامید ہو چکے تھے اور یہ محسوس کر رہے تھے یہ ملک ان کے ہاتھوں سے چلا جائے گا انہوں نے اپنے اس نوکر کو امور مملکت پر مسلط کر دیا اور یہ ان کی منشاء اور رضا کے مطابق کام کرتا تھا وہ جو کچھ چاہتے تھے وہی کرتا تھا۔ ان حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ان قراردادوں کو منسوخ کرنا کوئی معمولی واقعہ نہ تھا۔

امریکہ نے جب اسے حکم دے دیا کہ یہ فوجی ساز و سامان امریکی نیوی کو بیچ دے اور معاہدے منسوخ کر دے ان معاہدوں کی منسوخی سے جو انہیں نقصان اٹھانا پڑا، ایرانی اکاؤنٹ سے اس کا حساب چکالیں اس کا مطلب یہ ہے کہ بختیار نے صرف معاہدوں کی منسوخی پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ یہ بھی کہا کہ فوجی ساز و سامان امریکی نیوی کو دے دیا جائے۔

ہم نے یہ کیس بین الاقوامی عدالت میں دائر کیا ہے اور اس کی پیروی کر رہے ہیں ہم اس کی اس خیانت اور غداری کو کبھی معاف نہیں کریں گے اگر ہم عدالت کے ذریعے امریکیوں

جائے گا۔ عمومی حقوق پر ڈاکہ ڈالنے والوں اور فساد کے ذمہ داروں کو سزا دلوانے کے لیے اور ساواک کو ختم کرنے کے لئے قومی اسمبلی میں بل پیش کیے جائیں گے۔

شہربانی و ژاندار مری کو پاک کیا جائے گا اور اس کی اصطلاح کی جائے گی۔

تمام سیاسی قیدی رہا کر دیے جائیں اور آہستہ آہستہ کرفیو اٹھا لیا جائے گا۔

اگر ضروری ہوا تو آخری تین مہینوں میں شہید ہونے والوں کے لواحقین کی مادی و معنوی امداد کی جائے گی لوگ مجھ پر اعتماد کریں اور اگر میں ایک معقول عرصے میں اپنے وعدے پورے نہ کر سکا تو اس وقت لوگوں کو حق حاصل ہوگا کہ میرے بارے کیے گئے فیصلے پر نظر ثانی کریں اور میرے تیس سالہ اعتبار کو ختم کر دیں۔

ترجمہ شعر :- میں طوفانی پرندہ ہوں لہذا طوفان سے نہیں ڈرتا- میری موج ایسی نہیں جو سمندر کی موجوں سے ڈر جائے۔

سے اپنا حق لینے میں کامیاب نہ ہوئے تو جس طرح بھی ہو اہم اس کی قیمت ضرور وصول کر کے رہیں گے یہ ذمہ داری ہمارے کندھوں پر ہے اور اسے پوری طرح نبھائیں گے۔

اس طرح ایک قسم کی سمندری آبدوزیں ہمارے ہاتھ سے گنوا کر نختیار نے ہمارے ساتھ بہت بڑی خیانت اور غداری کی ہے اسمعاہدے میں کئی قسم کے میزائل شامل تھے ان میں فونکس میزائل ایک ایسا میزائل تھا جسے ایف ۱۴ کے ذریعے داغا جاتا ہے یہ بہت اہمیت کا حامل اور قوم کے لئے ضروری تھا ہمارے پاس اسی (۸۰) فونکس طیارے تھے آج بھی ہمارے پاس ہیں مگر ان کے لئے میزائل ضروری ہیں کچھ تعداد میں میزائل ہمارے پاس موجود ہیں لیکن چار سو چوالیس فونکس میزائل (آج ان میں سے ہر ایک کی قیمت پانچ ہزار ڈالر ہے) نختیار نے اس قرار داد کو ختم کر کے ہم سے ضائع کر دیے۔

اسی طرح ہاپون میزائل (جو سمندر سے سمندر میں داغا جاتا ہے) ایرانی قوم کے لئے اقیانوس ہند خلیج فارس بھی نہایت اہمیت کا حامل تھا ہم نے اس قسم کے دو سو نو (۲۰۹) میزائلوں کو معاہدہ کیا ہوا تھا مگر نختیار نے یہ معاہدہ بھی توڑ ڈالا اور معیاری میزائلوں (جن کی اہمیت ہوا بازوں کے لئے روشن اور واضح ہے) کی کچھ مقدار ہمارے پاس موجود تھی لیکن نختیار نے مزید میزائلوں کی قرار داد منسوخ کر دی۔

دو سو اٹھاون (۲۵۸) ہاک میزائلوں کی قرار داد بھی منسوخ کر دی گئی آج ہمارے ملک میں اس کی اشد ضرورت ہے اگر یہ ہمارے پاس ہوتے تو بہت سے علاقوں کی حفاظت کا سبب بنتے ہم کافی حساس مقامات پر ان کو نصب کر سکتے تھے نختیار نے ان کی تین سو ساٹھ (۳۶۰) جیسی بڑی مقدار ضائع کر دی ہم نے اس کی رقم پیشگی ادا کی ہوئی تھی ہمارا بہت زیادہ پیسہ امریکی اکاؤنٹ میں موجود تھا۔

اسی طرح تین سو باسٹھ (۳۶۲) سائیڈ وائینڈر اور تین سو باسٹھ اسپاروں میزائل اس

قرارداد میں موجود تھے نہ صرف یہ بلکہ ہمارے پاس موجود امریکی اسلحہ کے سپئیر پارٹ اور پرزہ جات کو بھی بختیار نے گنوادیا اور ان کے متعلق باندھی گئی قرارداد بھی منسوخ کردی۔

آپ ملاحظہ فرمائیں اگر ہم یہ بحث کریں کہ خود خواہ اور خود پرست لوگوں کو اہم مناصب پر فائز نہیں کیا جاسکتا تو یہ بحث معنی خیز ہے ہم کس طرح ایک غدار اور خیانت کار شخص کی خیانت اور غداری کا جبران کرسکتے ہیں۔

اس نے یہ خیانت اس لئے کی اسے کہا گیا تھا کہ یہ سب ٹھیک ہے تم ہمارا یہ کام کرو ہم ایران سے فرار ہونے میں تمہاری مدد کریں گے اور تمہیں پیرس لے جائیں گے اور ہوا بھی اسی طرح اسے پیرس لے جایا گیا پولیس کے محافظ فراہم کیے گئے جو اس کی حفاظت کیا کرتے تھے یہ سب کچھ اس لئے کیا گیا تھا کہ اس نے بہت بڑی خدمت کی تھی۔ شاہ پارٹی کے دوسرے لوگ بھی اسی طرح تھے اور شاہ پور بختیار بھی اسی قسم کا آدمی تھا اور اس کے وزراء بھی اسی طرح تھے یہ سب خیانت کار اور غدار ہمارے معاشرے پر حکمران تھے۔

لوگوں کے ساتھ نامناسب سلوک کرتے ایک ضرب المثل مشہور ہے(۱) کہ ایک رومال کے ساتھ بادشاہت جلادیتے ہیں کہ اس کا مفہوم واضح ہے کہ کونسی بادشاہت ہماری دفاعی طاقت سے زیادہ عظیم ہے۔ بختیار کو ایک رومال سے زیادہ کیا ملا۔ گھٹیا، خیانت کار، غدار، خود خواہی ایسے کام کا ارتکاب اس جیسا ہی کرسکتا ہے جمہوری اسلام ایران کا مخالف بھی اسی حال سے دوچار ہے اور افسوس یہ ہے کہ کہ یورپ میں بیٹھ کر قوم پرستی کا نعرہ لگاتا ہے اور خود کو اس

---

(۱) "قیصریہ را برای دستمالی آتش می زند" یہ ایک ضرب المثل ہے اور اس وقت استعمال ہوتی ہے جو شخص ذاتی خواہشات یا جہالت کی وجہ سے جان بوجھ کر اور کسی خاص مقصد کے تحت اپنے معمولی ہدف تک پہنچنے کے لئے یا بیہودہ اور کم ارزش ہدف کی خاطر کوئی ایسا کام کرے جس کا نقصان بہت زیادہ ہو۔

ملت کا غمخوار سمجھتا ہے لیکن یہ نا ممکن ہے کہ ہماری قوم ایسے غداروں کو بھلادے (یہ سب کچھ تو ایک مختصر سا نمونہ تھا) اس کے علاوہ اور بھی بہت سی خیانتیں ہیں۔

اب میں تھوڑا سا اس کی جاسوسی اور ناشائستہ کاموں کا تذکرہ کرتا ہو کیوں کہ خود خواہی کا محور نقصان ہی نقصان ہے جب کہ خدا پرستی اور مردم پرستی کا محور نفع بخش ہے اس کی حقیقت تقویٰ الٰہی ہے (میں نے جہاد کی بحث میں اس بات پر زور دیا تھا کہ تا کہ کوئی یہ خیال نہ کرے کہ تقویٰ کے بغیر اس کو حاصل کر سکتا ہے اور کوئی یہ تصور بھی نہ کرے کہ کوئی متقی انسان خود خواہ اور خود پرست ہو سکتا ہے۔

تقویٰ کا مطلب فدا کاری، حق خواہی، خدا پرستی اور وظائف کا انجام دینا ہے بلکہ تقویٰ تو ان سب سے مقدم اور اہمیت کا حامل ہے تقویٰ ان سب چیزوں کی حقیقت ہے اور جو چیز فساد ہے وہ شیطانیت، فسق و فجور، تقویٰ کا مخالف اور تقویٰ کی ضد ہے اس لئے تاکید کی جاتی ہے کہ اجتماعی ذمہ داریوں کے لئے جو چیز سب سے زیادہ ضروری ہے ان میں تقویٰ سر فہرست ہے اور تقویٰ کی وجہ سے ہی عمدہ نتائج مرتب ہو سکتے ہیں۔

باونواں خطبہ

عدالت اجتماعی کی ایک بحث کا تسلسل

اسلام کا اقتصادی نظام

پیداوار میں اضافی اقدار کی تقسیم

اسلام میں مالکیت، اسلام میں حصول مال کی حدود

زمین کی مالکیت کے اصول

ٹیکسوں سے متعلق گفتگو

بسم الله الرحمن الرحیم الحمد لله رب العالمین والصلوة والسلام علی رسول الله و آله الآئمة المعصومین قال العظیم فی کتابه اعو ذ با الله من الشیطان الرجیم وان الله یامر بالعدل والاحسان و ایتاء ذی القربی و ینهیٰ عن الفحشاء والمنکر والبغی یعظکم لعلکم تذکرون ۔(۱)

میں نے وعدہ کیا تھا کہ اقتصادی پہلو سے مربوط عدالت اجتماعی کی بحثوں کا خلاصہ بیان کروں گا بہر حال یہ کام بہت ضروری بھی ہے۔

عدالت اجتماعی کی بحث گذشتہ سے پیوستہ

جب میں نے عدالت اجتماعی کی بحث شروع کی تھی اس وقت عرض کیا تھا کہ عدالت اجتماعی کے چند شعبے ہیں اور ان میں ایک شعبہ اقتصادی مسائل سے متعلق ہے اور اس کے دوسرے شعبے ان مسائل اور مشکلات سے مربوط ہیں جو نسلی اور شناختی تقسیم سے پیدا ہوتے ہیں یا حکومت اور عوام یا عوام اور عدلیہ یا ایک عورت اور مرد کے درمیان پیدا ہونے والے مسائل ہیں ان میں سے ہر ایک مستقل موضوع ہے۔

جہاں تک ہو سکا بالترتیب ان اقسام کو پیش کروں گا اور ان کے متعلق تفصیلی گفتگو کروں گا البتہ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اقتصادی بحث اتنی طویل ہو جائے گی اس کے باوجود کہ میں نے ان ابحاث کو فہرست وار ذکر کیا ہے اور اس وقت تک تقریباً پچاس خطبے دے چکا ہوں

اور تقریباً دو سال کا عرصہ لگا ہے آج میں اس بحث کا ایک مکمل خلاصہ پیش کرنا چاہتا ہوں اور آئندہ خطبوں میں عدالت اجتماعی کے کسی اور پہلو کے متعلق بحث کروں گا

اسلامی عدالت اجتماعی کے ضمن میں میری بحث متعدد فصول پر مشتمل ہے چند خطبے کلی اور مقدماتی مسائل پر مشتمل تھے اور چند ایک خطبے اسلام کے اقتصادی نظام اور اہداف کے بارے میں تھے اور بعض خطبے فکری عقیدتی اصولوں سے متعلق تھے اور چند خطبے اسلامی اقتصاد کے اہداف تک پہنچنے کے ذرائع اور ان اہداف پر عمل کرنے سے متعلق تھے بہر حال اسلام نے جتنے بھی طریقہ کار بیان کیے تھے انہیں اپنی ابحاث کے ضمن میں نماز جمعہ کے خطبہ میں بیان کرتا رہا ہوں۔

البتہ یہ ممکن نہیں ہے اس بحث کی تمام جزئیات اور شرائط مفصل دلائل کے ساتھ ذکر کر سکوں میں قابل احترام اسلامی دانشوروں سے تقاضا کرتا ہوں یہ لوگ کوشش کریں کہ میں جو بحث یہاں پر پیش کرتا ہوں۔ یہ لوگ اس کی تکمیل کریں اور اسے لوگوں کے سامنے پیش کریں۔

خوش قسمتی سے دو سال کے دوران بہت سے افراد اور اداروں نے اس پر کام کیا ہے میں نے ان میں سے بعض حصوں کو دیکھا جو نہایت ہی خوبصورت تھے اور طلبہ برادری جو دینی مدرسوں اور یونیوسٹیوں کے اشتراک کے ساتھ کام کر رہے ہیں انہوں نے بحث کے اصل مستندات کو مفصل فقہی اور روائی کتب سے جمع کیا ہے۔

یہ یونیورسٹی کی کلاسوں، کانفرنسوں اور مذہبی معاشرے میں بہترین اسناد قرار پا سکتی ہیں نیز میں نے سنا ہے بعض اساتذہ نے ان فصول کو تھیسز کے طور پر طلبہ کے لئے متعین کیا ہے اور گریجویٹ طلبہ کے لئے گائیڈ کے طور پر دیا گیا ہے کہ وہ اس پر تحقیق کریں انشاء اللہ ہم اس کے ذریعے اسلام کے اقتصادی نظام کو ایک واضح صورت میں پیش کر سکتے ہیں جو دیگر تمام

اسلامی ممالک کے لئے نمونہ بن سکتا ہے۔ اس وقت انقلاب اسلامی پوری دنیا میں اپنی ساکھ مضبوط بنا چکا ہے اس کا اہم کام یہ ہے کہ دنیا کے سامنے اپنا اقتصادی نظام پیش کرے (۱)۔ انشاء اللہ ہمارے محققین اور میں اس پر کام کروں گا اور اپنی استعداد کے مطابق جہاں تک ہو سکا اس بحث سے متعلق تمام مسائل کو مورد بحث قرار دوں گا۔

اسلام کا اقتصادی نظام

پہلا مسئلہ یہ تھا کہ اسلام میں اقتصادی نظام ہے یا نہیں ہے چند خطبوں میں ثابت کیا ہے کہ اسلام کا اپنا ایک اقتصادی نظام ہے جو کہ خود مستحکم اور مضبوط ہے اور تنہا قیمتی اقتصادی نظام جو نہایت عمیق علمی سابقہ رکھتا ہے اور فطرت کی بنیاد پر استوار اقتصادی نظام ہے بعض خطبوں میں میں نے کہا تھا کہ دنیا میں موجود نظاموں میں سے اہم ترین نظام کیپٹلزم سوشلزم اشتراکی نظام ہے۔ جو نہ تو خالص سرمایہ داری نظام ہے اور نہ ہی خالص سوشلزم ہے نہ مارکیسزم۔ (۲)

---

(۱) اسلام کے اقتصادی نظام کے متعلق کافی کتابیں تالیف ہوئی ہیں ان میں سے ایک کتاب استاد شہید باقر الصدر کی تصنیف "اقتصادنا" ہے اس کتاب میں اسلامی اقتصادی اصولوں کے متعلق تفصیلی بحث ہوئی ہے۔

(۲) وہ اقتصادی نظام کہ جس میں نجکاری پر محدود سرکاری نظارت ہو اشتراکی نظام کہلاتا ہے۔ حکومتی کنٹرول اور نگرانی کے ساتھ ہو اس کو اقتصاد مختلط یعنی اشتمالیت کہتے ہیں یعنی یہ نجی شعبہ وسیع پیمانے پر مختلف منابع کی مالکیت رکھتا ہے لیکن اساسی اور اہم ذخائر حکومت کے اختیار میں ہوتے ہیں حالانکہ مختلف شعبوں میں ذخائر کی تقسیم کار افراد کی فعالیت اور قیمتوں کی صورتحال کے مطابق ہوتی ہے اور حکومت بھی اس میں پیداوار معین کرنے کے لئے حکومتی یونٹس کی کارکردگی کی مدد سے اور مالی اور سرمایہ داری پالیسیوں سے کام لے کر (اور درآمدی کی تقسیم کے ذریعے (مالیاتی اور فلاحی قوانین کی مدد سے) اپنا فریضہ انجام دیتی ہے بعض اوقات

مارکسسٹ اور سوشلسٹ سرکاری ملکیت کا نظریہ رکھتے ہیں جو بعض مقامات پر نہایت شدت کے ساتھ تمام اشیاء کو سرکار کے ہاتھ میں دے دیتا ہے یہ لوگ گزرنے کے ساتھ ساتھ متوجہ ہوئے کہ اس نظام کو عملی جامہ نہیں پہنایا جاسکتا لہذا آہستہ آہستہ کتنی ہی چیزوں کو حکومت کے ہاتھ سے لے کر پرائیویٹ شعبے کے سپرد کر دیا ہے۔

مختلط اقتصادی نظام کی حاکمیت

دوسری طرف سے سرمایہ دار طبقہ نے تمام اشیاء کو نجی شعبے کے سپرد کر دیا کینیڈا' امریکہ، جنوبی افریقہ، برطانیہ نے اپنے اقتصاد کو سرمایہ داری کی اساس پر منظم کیا لیکن بعد میں متوجہ ہوئے ہیں۔ حکومت کو ان موارد میں ضرور مداخلت کرنی چاہیے لہذا انہوں نے اپنے پرائیویٹ سیکٹر سے سرمایہ سرکاری سیکٹر کی طرف منتقل کرنا شروع کر دیا بعض مغربی ممالک میں

ممکن ہے کہ حکومت بعض صنعتوں کو قومیانے کے ذریعے اقتصادی شعبہ میں مداخلت کرے اور ایسی ترکیب جو پرائیویٹ اور سرکاری کنٹرول کی معین وجہ ہے سرمایہ داری دنیا کے اکثر ممالک اور تیسری دنیا کے ممالک میں موجود ہیں۔

ان میں سے بعض ممالک مثلاً برازیل' میکسیکو اور جنوبی کوریا میں پرائیویٹ شعبہ نہایت طاقتور ہے جب کہ بعض اور ممالک مثلاً ھندوستان' الجزائر وغیرہ میں اہم اقتصادی فعالیت کی ذمہ داری حکومت ہے۔ ایران میں حکومت اہم صنعتوں (گیس، پیٹرولیم، فولاد اور مشینری) کو چلانے کے ذریعے ترقیاتی منصوبوں پروگراموں کو بناتی ہے اور ان پر عمل درآمد کرتی ہے اور سرمایہ اور ثروت کے اہم ذخائر سے استفادہ کرنے اور بڑی صنعتوں بینک وغیرہ کو قومیانے کے ذریعے ذریع اقتصاد کو اپنے ہاتھوں سنبھالے ہوئے ہے کہ جو منابع پرائیویٹائزیشن میں اہم شمار ہوتے ہیں جب کہ پرائیویٹ شعبہ پنیر کے پیداواری یونٹوں میں کارکردگی اور چھوٹی چھوٹی سروسز کے ذریعے اقتصاد میں نہایت اہم کردار ادا کرتا ہے۔

اب اقتصا نصف نصف اور بعض ممالک میں ۶۰ فیصد کی نسبت سے بعض میں ۷۰ اور بعض میں ۳۰ فیصد کی نسبت سے چل رہا ہے اس کا نام انہوں نے سوشلزم رکھا ہے مثلاً فرانس نے اپنے اقتصادی نظام کا نام سوشلزم رکھا ہے لیکن سرمایہ داری نظام کے ساتھ اس کا کوئی فرق نہیں ہے جرمن نے بھی یہی نام رکھا ہے لیکن کوئی تبدیلی نہیں کی برطانیہ چاہے لیبر پارٹی بر سر اقتدار آئی ہو یا کنزرویٹو پارٹی کوئی فرق نہیں پڑتا اقتصاد اس قدر تباہ ہو چکا ہے کہ اس کا اصلی سسٹم ہی فراموش ہو چکا ہے صرف اس کا نام باقی رہ گیا ہے۔

آج دنیا پر اقتصادی نظام اشتراکت مسلط ہے میں نے کہا کہ اسلام نے پہلے دن سے ہی حقیقت پسندی کے ساتھ مسائل کو منظم کر دیا تھا یعنی نہ ہی اعلان کیا ہے کہ ہر چیز پرائیویٹ سیکٹر کے سپرد ہے اور نہ یہ کہا ہے کہ ہر چیز پر صرف حکومت کو اختیار ہے بلکہ کچھ حکومت کو سونپا ہے اور کچھ پرائیویٹ سیکٹر کے سپرد کیا ہے بہترین تعبیر ہے جو میں نے کسی خطبہ میں استعمال کی تھی اور وہ یہ ہے کہ اسلامی اقتصاد حکومت کی رہنمائی میں ہے اور حکومت اس کی ہادی اور رہنما ہے تاکہ پرائیویٹ سیکٹر صحیح راہ پر چل کر اپنے اہداف تک پہنچ سکے۔

اپنے خطبے کے دوسرے حصے میں یہ بحث کی ہے کہ اصالت اسلام کے ساتھ ہے اسلام ۱۴۰۰ سال پہلے یہ سب کچھ بتا چکا ہے اور دنیا ان حقائق تک اب پہنچ رہی ہے جو کچھ میں نے بیان کیا تھا وہ تقریباً ایک ہزار سال پہلے ، کا پانچ سو سال یا چار سو سال سے پہلے کی کتب سے مربوط اور میری یہ باتیں جو بیان کر چکا ہوں مجموعاً دنیا میں اقتصادی نظاموں کے رائج ہونے سے پہلے کی ہیں یعنی ہم اسلامی اقتصادی نظام کو خود شیخ طوسی (۱) کی کتب سے حاصل کرتے ہیں جو تقریباً ایک ہزار سال پہلے لکھی جا چکی ہیں۔

---

(۱) ابو جعفر محمد بن حسین طوسی معروف بہ شیخ طائفہ اور شیخ طوسی جو کہ ۳۸۵ ھ میں طوس میں پیدا ہوئے اور

ائمہ علیہم السلام سے جو روایات بارہ سو سال پہلے صادر ہوئی ہیں ہم ان سے استفادہ کرتے ہیں اور ہمارا محور و مرکز و راہنما اصول ہیں جو رسول پاک (ص) اور حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے بیان کیے ہیں۔

لہذا ہم پر تہمت لگانا نا مناسب ہے کہ ہم مارکس ازم یا کیپیٹل ازم کے نظریات سے استفادہ کرتے ہیں ہم ان انتہائی عمیق اور قدیم ترین اصول و نظریات پر بھروسہ کرتے ہیں جو ہمیں ماضی سے اپنے رہنماؤں اور علماء و مدرسین سے پہنچے ہیں لہذا اس نتیجے تک پہنچتے ہیں کہ ہم شروع سے اقتصادی نظام رکھتے ہیں لیکن وہ پوری طرح مرتب نہیں ہوا ہے لہذا ہم پر لازم ہے کہ ہم اپنی فقہ و حدیث کی کتب سے ان مسائل کو اخذ کریں جو ہمارے تمام امور کے لئے کافی ہوں تاکہ بعد میں ہمارے لئے کار آمد ثابت ہیں۔ واقعاً ہم نے ان چند سالوں میں بہت بڑے قدم اٹھائے ہیں اب ہم مسلم اور قابل قبول اقتصادی نظام قائم کرنے کے نزدیک ہیں لیکن ابھی تک طولانی فاصلہ باقی ہے

اسلام کے اقتصادی نظام کے اہداف

اسلامی اقتصادی نظام کے اہداف کیا ہونا چاہیں میں نے کہا کہ جو چیز ہم ان تمام اصول و ہدایات سے سمجھ سکتے ہیں (میں نے ان ۵۰ خطبوں کے دوران مسلسل اس پر استدلال کیا ہے)

سن ۴۶۰ھ میں نجف اشرف میں رحلت فرمائی وہ مذہب شیعہ امامیہ میں چند ایک علوم کے بانی ہیں ان کے آثار اور تالیفات مختلف علوم میں بہترین کتابوں میں سے شمار ہوتی ہیں۔ تہذیب اسلام کتب اربعہ شیعہ میں سے ایک ہے جس میں شیخ طوسی نے صرف فروعات کے بارے میں صادر ہونے والی احادیث اہل بیت علیہم السلام کو جمع کیا ہے۔ انہوں نے ۵۰ مختلف موضوعات کتب کی ہیں نے ۵۰۔ عنوان کتاب شیعہ کے مختلف مسائل کے بارے میں تحریر کی ہیں جن میں سے مسائل اقتصادی بھی ہیں۔

وہ یہ ہے کہ اسلام اپنے اقتصادی نظام میں اخلاقی اور معارفی نظام کے ساتھ شانہ بشانہ حرکت کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ قدرتی وسائل جو کہ خدا نے زمین کے سینے میں رکھ دیئے ہیں معاشرہ معقول سطح تک ماحول خراب کیے بغیر اور بے جا خرچ اور افراط کے بغیر ان سے زیادہ استفادہ کرے اور ان قدرتی ذخائر کو بے کار نہ چھوڑے اور لوگ ان تمام اشیاء سے استفادہ کریں جن کو اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کے استفادہ کے لئے خلق کیا ہے

هو الذی جعل لکم الارض ذلولا فامشو افی منا کبها و کلوا من رزقه

اس نظام میں یہ چاہا گیا ہے کہ لوگ فطری عنایات سے استفادہ کریں اور اسراف اور فضول خرچی نہ کریں، تقسیم عادلانہ ہونی چاہیے کسی کا حق غصب نہ ہو اور کوئی کسی کا حق نہ کھائے اور قدرتی وسائل سے استفادہ ہر سطح پر نزدیک ہو ہم نے مساوات کو پیش نہیں کیا کیونکہ ہم نے کہا ہے کہ ایسا نہیں ہو سکتا یہ صرف ایک فکر اور خیال ہے لیکن اقتصادی لحاظ سے ایک دوسرے کے نزدیک ہونا ممکن ہے۔

یعنی یہ ہو سکتا ہے کہ ایک پیٹ بھر کر کھانے سے پھٹے نہ اور دوسرا بھوک سے مرے نہ کوئی غذائی مواد رکھنے والا اس حال میں نہ سوئے کہ دوسرے کے گھر میں کھانے کی کوئی چیز نہ ہو دوسروں کو کام کرنے کا حق دینا اور استفادہ اور مالکیت میں معاشرہ میں پھوٹ پڑنے اور دو گروہوں میں بٹنے سے روکنا ہم نے کہا ہے اسلام کا نظریہ بھی یہی ہے کہ حتیٰ الامکان لوگ وسائل کے لحاظ سے ایک دوسرے سے زیادہ فاصلہ نہ رکھتے ہوں لیکن مالکیت کی مقدار میں فرق ایسی چیز ہے جس سے اجتناب ناممکن ہے۔

لیکن ثروت مند ہونے کے باوجود سرمایہ سے استفادہ اس تفاوت کے ساتھ نہ ہو ممکن

---

(۱) سورہ ملک: ۱۵

ہے کہ ثروت حاصل کرنے میں زیادہ ہوں لیکن بہرہ مندی واستفادہ میں اتنا فرق نہ ہو ثروت مند اور سرمایہ دار ہونے کے لحاظ سے بہترین چیز اعتدال اور متوسط حد ہے زیادہ ثروت وہاں ہے اور فقر تنگ دستی یہاں ہے امور میں بہترین چیز یہ ہے کہ ہر چیز کافی و وافی ہو اور عزت نفس بھی باقی رہے یعنی کفاف مع العفاف پیغمبر اکرمؐ دعا فرمایا کرتے تھے اے اللہ مجھے اور میری امت کو کفاف مع العفاف عطا فرما پیغمبرؐ کی مشہور اور مکرر دعا تھی اور زیادہ سرمایہ داروں کے متعلق قرآن مجید فرمارہا ہے۔

ان الانسان لیطغی ان راہ استغنی

اس کے علاوہ متعدد آیات اس مضمون کو ادا کرتی ہیں اسلامی اقتصاد کا ہدف وسائل سے بھرپور استفادہ ہے ہم نے کہا ہے امت مسلمہ کو بحیثیت مسلمان کوئی حق نہیں ہے کہ وہ قدرتی ذخائر کو بے کار چھوڑ دے حتیٰ عوام کی فلاح و بہبود کے لئے بھی ان سے استفادہ نہ کرے ہم اس کی تائید کرتے ہیں کیونکہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اسلام کہتا ہے کہ درویشانہ زندگی گزاریں صوفی اور تارک دنیابن کر رہیں، اور دنیا کی اچھائیوں کو اہل دنیا کے لئے چھوڑ دیں نہ ایسی بات نہیں ہے اسلام قطعا یہ نہیں چاہتا ہے کہ اس اقتصادی نظام میں لوگ اچھی چیزوں سے محروم رہیں بلکہ اسلام کہتا ہے کہ زمین سے بہترین چیزیں نکالیں تاکہ لوگ ان کو استعمال کریں لیکن صرف یہ کہتا ہے کہ یہ استعمال عادلانہ ہو جس کا تذکرہ پہلے حصوں میں گزر چکا ہے

اسلام کا اجرائی و عملی پروگرام

ہاں یہ ہدف تھا اور یہ ابھی مقدمہ تھا لیکن اس ہدف تک پہنچنے کے لئے ہم نے کہا ہے اسلام میں کچھ پروگرام اور کچھ فکری اصول موجود ہیں رکھتا ہے جو کہ تخلیق کائنات کے بارے میں اسلام کی سوچ اور خالصتا فکری اور اعتقادی مسائل ہیں اور ایک سلسلہ اجرائی اور عملی مسائل

کا بھی ہے ان کی فہرست بھی عرض کرتا ہوں تاکہ گفتگو کا مرکزی نکتہ اچھی طرح آپ کے ذہن نشین ہو جائے آئیڈیالوجی اور نظریاتی ابحاث میں ہم نے سب سے پہلے جو چیز پیش کی ہے وہ یہ ہے کہ انسان اپنی آمدن کا مالک ہے انسان کا عمل اس کا اپنا ہے انسان اپنی زندگی میں کام کرنے کے لئے طاقت و توانائی صرف کرتا ہے اور ہر لحہ اپنی زندگی کا کچھ حصہ صرف کرتا ہے اور اسے جو اس کا نتیجہ ملتا ہے وہ اس کا اپنا ہے۔

اس بنا پر ہم نے کہا تھا استثمار دوسروں کے کام کا حق کھانا ہے دوسروں سے استفادہ کرنا استثمار نہیں ہے کیونکہ دو شخص جو آپس میں مل کر کام کرتے ہیں سرمایہ اور نفع کے طور پر کام کرتے ہیں کاریگر سرمایہ سے استفادہ کرتا ہے یہ بھی استثمار ہے سرمایہ دار کاریگر سے استفادہ کرتا ہے یہ بھی استثمار ہے لیکن یہ قابل اعتراض نہیں ہے مارکس ازم کے نظریے کے مطابق یہ بھی استثمار کی صورت ہے اور وہ اس کو قبول نہیں کرتے ہیں کیونکہ یہ صورت دوسروں کا حق کے مترادف ہے۔

یعنی دوسروں کے حق سے اور دوسروں کے وجود سے غذا حاصل کرنا اور یہ حرام ہے ہمارے اقتصادی اصول میں یہ ایک اہم بنیاد ہے کہ کام بھی خود انسان کی ملکیت ہے اسی اصل کی بنیاد پر ہم نے ایک دوسری اہم بحث پیش کی تھی وہ یہ تھی کہ مارکس (۱) نے جو اضافی قدر پیش کی

---

(۱) مارکس (۱۸۸۳،۱۸۱۸) قدر عمل کے نظریہ کی بنا "کہ نظام قیمت جس پر متنبی ہے "اس کا نتیجہ یہ ہے کہ مزدوروں کا معاوضہ ان کے عمل کی قدر و قیمت ہے "یعنی حد اقل روزی مہیا کرنے کے لئے ضروری معیار۔ جس کے ذریعے افرادی قوت کو ثابت رکھا جا سکتا ہے جس کو وہ دریافت کرتے ہیں لیکن وہ مجبور ہیں کہ معینہ اوقات سے زیادہ کام کریں تاکہ اس حد اقل روزی کو پا سکیں اس لحاظ سے یہ اضافی قدر سرمایہ داروں کے لئے مفید ہے سرمایہ دار اس اضافی قدر کو اپنی سرشت اور دوسرے سرمایہ داروں سے رقابت کے میدان

ہے ہم اس کو قبول نہیں کرتے ہیں یعنی ہم جو کہتے ہیں کہ عمل یہاں ہے کہ عمل منشاء مالکیت انسان ہے اور جس اضافی قدر کا اس نے خیال کیا ہے تمام اقتصادی قدریں عمل کی ہیں اس نظریہ کو ہم قبول نہیں کرتے بلکہ ہر قدر کے اضافی ہونے کا نظریہ ایک انحرافی لائن ہے۔ طبیعت اور نیچر میں قدریں موجود ہیں معدنیات میں سمندروں میں جنگلوں میں اور بہت ساری چیزوں میں خود سرمایہ بھی ظاہر ہے جو کہ ہمارے نکتہ نظر سے نفع بخش ہونا چاہیے لیکن نفع اور فائدہ عادلانہ ہو اس طرح ہے کہ جتنی مقدار عمل انجام پائے سرمایہ اس کے برابر ہو یعنی صحیح اقتصادی نظام اس طرح نہیں ہے کہ مثلاً نفع کا زیادہ حصہ سرمایہ کو دیں اور کم حصہ عمل کو دیں۔

مارکس کی "قدر اضافی"

پس در حقیقت محصول و نتیجہ "کام" کرنے والے کا یعنی مزدور کا ہے دوسرے یہ کہ استثمار مزدور کے حقوق پر ڈاکہ ڈالنے کے معنی میں ہو تو حرام ہے اور ہم نے کہا ہے کہ جس "قدر اضافی" کو مارکس نے پیش کیا ہے اس کی اساس صحیح نہیں ہے اگر ان اضافی قدروں کا جو پیداوار میں حاصل ہوتی ہیں تو محاسبہ کریں تو ان میں سے کچھ قدرتی ذخائر کی ہیں اور کچھ مزدور کی اور کچھ سرمایہ کی ہیں جن کے بارے میں پچھلے خطبوں میں وضاحت کر چکا ہوں کہ کس طرح

میں پیچھے رہ جانے کے خوف سے ماشینی آلات اور زیادہ سے زیادہ افرادی قوت کو ملازمت دینے کی صورت سے "لگتا ہے مارکس کے نظریہ کے مطابق مزدوروں کو ان کے عمل کی پوری تنخواہ یا پیداوار کا پورا حصہ نہ دے کر استثمار کیا جا سکتا ہے جب کہ ماشینی آلات کا استعمال صرف ان کے استہلاک کے مطابق پیداواری محصولات کی قدر میں اضافہ کرتا ہے اس لحاظ سے جس شے کو "سرمایہ ثابت" کا نام دیا جا سکتا ہے وہ میسر نہیں ہے۔

انہیں تقسیم کرنا چاہیے ایک مسئلہ جو یہاں عرض کرنا ہے وہ یہ ہے کہ اصل مالکیت یعنی دنیا میں ابتدائی مالکیت ”کار“ کے لئے ہے لیکن انتقالی مالکیت ایسے نہیں ہے مزدور کے علاوہ کوئی دوسرا بھی اس کا مالک بن سکتا ہے یعنی قدرتی ذخائر کا قبل اس کے کہ کوئی دوسرا مالک بنے، بغیر عمل کے اس کا مالک نہیں بن سکتا کام بھی موثر ہونا چاہیے نہ کہ بے اثر' اسے نقدی صورت میں لانے کے لئے ہو کم از کم وہ ایک قبضہ ہے اور اگر تحجیر (۱) انسان کے لئے ایک خصوصی حق لا سکتی ہے تو عمل بھی ایک خصوصی عمل لا سکتا ہے پھر ایک عمل جس سے ایک زمین آباد ہو اور پیداواری عمل جو کیفیت کو تبدیل کردے ان کو پہلے عرض کر چکا ہوں کہ ان کو منتقل کرنے سے کوئی مانع نہیں ہے میں جب کسی چیز کو شرعی طریقے سے قدرتی وسائل سے حاصل کرتا ہوں اس کو بخش بھی سکتا ہوں وارث کے طور پر بھی کسی کے لئے چھوڑ سکتا ہوں اور قسم قسم کے انتقالات کے ذریعے منتقل بھی کر سکتا ہوں۔

اسلام میں مالکیت کی بحث

یہ ہمارے اصولوں میں سے ہے کہ انسان کی مالکیت سے پہلے اللہ تعالیٰ کی مالکیت ہے ہماری مالکیت خدا تعالیٰ کی مالکیت کے طول میں ہے اصولی طور پر ایک لحاظ سے ہم کسی چیز کے مالک نہیں ہیں کیونکہ ہمیں اللہ تعالیٰ کی مالکیت کے طول میں مالکیت ملی ہے اگر ہم کسی چیز میں تصرف کرنا چاہیں تب بھی خدا تعالیٰ کی مالکیت (تمام انسانوں کی مالکیت) پر فوقیت رکھتی ہے اسی سلسلہ میں ہماری اگلی اصل یہ تھی کہ انبیاء علیہم السلام' ائمہ علیہم السلام اور ان کی حکومتیں اسلامی شرعی اور انسانی حکومتیں تھیں جو مالکیت میں (خدا تعالیٰ کے حق مالکیت کے ذریعے)

---

(۱) تحجیر: بنجر زمینوں پر آباد کرنے سے پہلے نشان لگانا

اللہ تعالیٰ کے جانشین ہیں یعنی وہی مالکیت جو خدا تعالیٰ کی مالکیت کے طول میں ہے ہماری مالکیت امامت اور ولایت فقیہ اور ان کی شرعی حکومتوں کی مالکیت کے طول میں ہے ہمیں بعض مقامات پر ایسے حالات در پیش ہوتے ہیں جن میں معاشرے کی مصلحت کے تقاضوں کے مطابق چلنا ہوتا ہے پھر بھی یہ ہم سے بڑھ کر ہماری چیزوں میں تصرف کا حق رکھتے ہیں۔

معاشرے کے حقوق

دوسرا مسئلہ (جو میں نے عرض کیا تھا) "معاشرے کے حقوق" کے متعلق تھا ہم نے کہا ہے کہ معاشرہ ایک اجتماعی وجود ہونے کے عنوان سے افراد کے مقابلے میں ایک حق رکھتا ہے اور معاشرے کے حقوق، ثروت کی تقسیم، اور مینجمنٹ میں اسلامی اقتصادی نظام میں ایک قاعدہ اور ضابطہ ہوتا ہے ہم نے کہا ہے کہ شرعی حکومت تصرفات کرنے میں معاشرے کی نمائندہ ہے یہ دو اصلیں ہیں جن کی باہمی ترکیب سے یہ ایک عمدہ صورت پیدا ہوتی ہے۔

اسلام میں پرائیویٹ مالکیت

ہم نے اپنی اساسی بحثوں میں یہ کہا ہے کہ انفرادی محرک 'خود غرضی' حب نفس اور اسلام ایک قاعدے کے تحت ہے یعنی یہ اصل دنیا کے اقتصادی نظام کو چلانے کے لیے انجن کی حیثیت رکھتی ہے اس اصل سے اسلام نے بے اعتنائی نہیں کی ہے۔ اسی وجہ سے اسلام کے اقتصادی نظام پر ائیویٹ سیکٹر میں بھی سرگرم رہ سکتا ہے کیونکہ یہ عنصر نہائت قوی ہے۔ لیکن حب نفس کو اسلام نے اخلاقی حدود' قوانین اور حکومت کی زیر نگرانی رہبری وہدایت میں محدود کیا ہے اور اس کی حدود کی تعیین کردی ہے یعنی یہ عنصر اہم ہے اور یہیں سے ہم پرائیویٹ مالکیت کی طرف منتقل ہوتے ہیں اور کہا ہے کہ پرائیویٹ مالکیت اسلام میں نہائت قابل احترام

ہے یہاں تک کہ کسی کی گندم کا ایک دانہ یا کسی کی ایک بالشت غصب کی ہوئی زمین قیامت کے دن غاصب کی گردن میں "لعنت کا طوق" ہو گا۔ مسئلہ ثبوت مالکیت کو ہم نے اقتصاد اسلامی کی ایک اصل کے طور پر پیش کیا ہے کہ یہ پرائیویٹ سیکٹر کے لیے اطمینان کے اصول میں سے ہے۔

اسلام میں "اختلاف"

ان بنیادی اصولوں میں ایک مسئلہ اختلاف تھا ہم نے کہا ہے کہ معاشرے میں (سرمایہ کے لحاظ سے) اختلاف ایک فطری اور خداداد چیز ہے۔ اور آیات قرآن میں واضح ہے کہ تمام انسان مساوی نہیں ہیں۔

ولا يزال الناس بخير ما تفاوتوا و ان تساووا اهلكوا

یہ اصول اسلامی اقتصاد میں ایک ایسی اصل ہے جو انسانی معاشرے کی بہت ساری مشکلات حل کرتے ہیں اسی بنا پر ہم نے کہا ہے کہ چونکہ طبعی جغرافیائی اور دیگر مسائل و حوادث کے لحاظ سے انسان مختلف ہیں ان کا حب و بغض، ان کی لڑائیاں اور جنگیں سب اثر رکھتی ہیں اور اجتماعی زندگی میں ہم انسانوں کو اپنے اقتصاد میں کلی طور پر برابر نہیں رکھ سکتے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہی ہے جو ہم نے کہا تھا کہ معاشرے کے نفع کیلئے اسلام اس اختلاف سے کیسے استفادہ کرتا ہے؟ یعنی اسلام اس تفاوت اور اختلاف کے ہوتے ہوئے حصول ثروت میں عدالت اور اس سے نفع حاصل کرنے میں عدالت کو کیسے کنٹرول کر سکتا ہے جبکہ شخصی تحرک کو اقتصاد کو چلانے والے انجن کی حیثیت سے قبول کیا جا چکا ہے۔ اور اصل اختلاف بھی قبول کیا جا چکا ہے بہر حال اس ہلاک کرنے والی تفریق سے ایک مادر پدر آزاد دنیا وجود میں آتی ہے۔ اس کے بارے میں توضیح دی جا چکی ہے۔

حصول ثروت کی محدودیت

اس کے عمل درآمد کے بارے میں گفتگو شروع کرتے ہیں اجرائی امور کے تین الگ الگ حصے ہیں جن کو مد نظر رکھ کر کس طرح اسلام کنٹرول کرے اور اپنے اس ہدف کو پالے تا کہ حصول ثروت ' منافع اور قدرتی وسائل سے استفادہ میں تفریق و اختلاف کی روک تھام کر سکے اور یہ مسائل پیش نہ آئیں ہماری گفتگو کا پہلا حصہ اسلام کا حصولِ ثروت کو کنٹرول کرنا ہے اور دوسرا حصہ حصول ثروت کے بعد اس کے واپس لینے کے لیے اسلام کے اجرائی پروگرام ہیں اور تیسرا حصہ نفع حاصل کرنے ' ثروت سے فائدہ اٹھانے اور اس کے خرچ کرنے کے مقامات کو کنٹرول کرنا ہے۔

ہم نے کہا ہے حصول سرمایہ کے شعبے میں اسلام نے حقیقی اور واقعی حدود مقرر کی ہیں ایسے نہیں ہے کہ جو شخص جس طرح چاہے سرمایہ حاصل کرے۔ پہلے تو یہ کہ قابل ملکیت اشیاء کم ہیں۔ ایسے نہیں کہ جو کچھ بھی اس زمین میں ہے اس کو ملکیت بنایا جا سکتا ہے۔

انفال (۱) کے بارے میں کہا تھا کہ یہ حکومت کا مال ہے۔ اگر ایک محتاط طریقے سے بات کریں تو یہ کم از کم حکومت کے اختیار میں ہے اور اس میں کسی مسلمان کو شک کی گنجائش بھی نہیں ہے۔ سمندر، جنگلات، دریا، زمین ' ساحل اور بہت ساری اشیاء جن کا قانون اساسی میں تذکر کیا گیا ہے یہ سب انفال ہے۔

اسمبلی میں بھی اسی کی اساس پر قانون پاس ہو چکا ہے۔ اور شوریٰ نگہبان نے بھی اسی

---

(۱) انفال الٰہی عطا اور خداداد سرمایہ کو کہتے ہیں جیسے جنگلات، چراگاہیں، سمندروں کے ساحل معدنیات وغیرہ جن کو راہ خدا میں اور عوام کی بہبود کیلیے صرف ہونا چاہیے (رسالہ نوین جلد ۲ ص ۴۸)

اساس کے صحیح ہونے پر اعتماد کیا ہے جو ہمارے اقتصادی نظام میں کیا ہے کہ یہ حکومت کا مال ہے۔(۱)

لہذا یہ محدودیت پہلے سے موجود ہے کہ جو جتنی بھی زمین پر قبضہ کرے، سمندر میں جس حد تک بھی خط کھینچ لے یا جنگل میں جس حد تک بھی قبضہ کرے وہ اسی کا ہو جائے گا ایسا نہیں ہے ایک قانون ہے ایک نظام ہے جہاں حکومت مصلحت سمجھے گی وہاں دے دے گی اور جہاں مصلحت نہیں سمجھے گی نہیں دے گی جتنی مقدار میں مصلحت سمجھے گی دے دے گی اور اس بدلے میں جتنی مقدار چاہے گی لے سکے گی۔ حکومت جو حق اپنے لیے مقرر کرنا چاہے کر سکتی ہے اور جس تعداد میں کسی کو شریک کرنا چاہتی ہے کر سکتی ہے۔ البتہ حکومت عادل ہو جو مصلحت کے مطابق ان اصول کو انجام دے پس اسلام میں قابل ملکیت اشیاء کافی محدود ہیں۔ یہ اصل بھی مادر پدر آزاد سرکشوں کو پابند کر دیتی ہے۔

اگلا قدم یہ ہے کہ حصول سرمایہ کے طریقے بھی محدود ہیں اب اگر ہمیں اجازت مل

---

(۱) اسلام میں انفال سے مراد مندرجہ ذیل چیزیں ہیں۔

۱۔ بنجر زمین اور وہ زمینیں جن کو ان کے مالک چھوڑ کر چلے گئے ہیں۔

۲۔ پہاڑ، درے، جنگلات اور صحراء

۳۔ سمندر، ساحل اور بڑے بڑے دریا

۴۔ معدنیات

۵۔ جنگی غنائم میں بادشاہوں کے مخصوص توشے

۶۔ ان جنگوں کا مال غنیمت جو امام کے اذن کے بغیر اور عادل اسلامی حکومت کے اذن کے بغیر لڑی جائیں

۷۔ وہ زمین جو جنگ کے بغیر مسلمانوں کے ہاتھ آئے۔

۸۔ کسی لاوارث (مرنے والے) کا مال۔

گئی ہے کہ زمین کو آباد کریں اور اس سے استفاد کریں تو ایسے نہیں ہے کہ جس طرح بھی ہو ہم اس سے نفع حاصل کریں بلکہ اس کے لئے بھی اصولوں کو مد نظر رکھنا ہو گا۔ ان اصولی بحثوں میں ایک بحث مسئلہ "کار و سرمایہ" اور "صاحب عمل اور کارگر" تھا میں نے کہا ہے کہ طبیعت کے مواد اور خام قدرتی وسائل سے استفادہ کرنا ایسے نہیں ہے جیسے یہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ جس طرح چاہے کسی کاریگر سے کام لے اور جو کچھ بھی چاہے اس کو دے۔

میں نے امامؒ کے فتویٰ کو اپنے کلام کا محور قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ امامؒ کا فتویٰ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کاریگر کو مزدوری کے لئے لے جاتا ہے اور چاہتا ہے کہ اس کو کام پر لگائے تو اس میں محور اصلی وہ کاریگر ہے۔ کاریگر کو حق ہے کہ وہ مزدوری کرتے وقت نیت کرلے کہ عمل کا ریٹرن اسی کا اپنا ہے یا نیت کرلے کہ میرے عمل کا ریٹرن مالک و مستاجر کا ہے۔ لیکن اگر اس نے نیت کی کہ ریٹرن اس کا اپنا ہے تو مالک و مستاجر سے لی ہوئی اجرت واپس کرنا ہو گی اور اگر مالک کے لئے نیت کرتا ہے تو اپنی اجرت کے برابر مال اس سے الگ کر سکتا ہے۔ اس کا کاریگر کو اختیار ہے یعنی امام کے فتویٰ کے مطابق اصلی محور "کاریگر" ہے البتہ اجارہ اور وکالت کا عنوان بھی صحیح ہے اس کو بھی انجام دے سکتا ہے۔

زمین کی ملکیت کے اصول

جو آراء اس مسئلہ میں تھیں وہ میں نے عرض کر دی ہیں۔ خود زمین کے بارے دو مسلم نظریے ہیں کہ آیا زمین ملکیت بنتی ہے یا انسان صرف اس کا مالک بنتا ہے جو کچھ اس زمین سے استفادہ ہوتا ہے۔ یہ خود ایک بحث ہے اس میں دو نظریے ہیں آیت اللہ منتظری اور دیگر علماء کے نظریے بیان کئے جا چکے ہیں۔ بعض علماء "رقبہ" زمین کو کہتے ہیں انسان اس کو ملکیت بنا سکتا ہے بعض کہتے ہیں صرف اس کو آباد کرنے کی صورت میں مالک بن سکتا ہے لہذا جب اس کی آبادکاری

ختم ہو جائے گی زمین کی ملکیت بھی ختم ہو جائے گی۔ یہ دو نظریے ہیں میں کسی ایک کو قبول کرنے میں مصمم نہیں ہوں۔ حصول ثروت کے شرائط میں ہم نے کہا ہے کہ اسلام نے بہت ساری راہوں کو بند کر دیا ہے۔ مثلاً سودی راستہ، جوئے کا راستہ، ذخیرہ اندوزی، غش و ملاوٹ، دھوکہ دہی، استثمار، اور بہت سارے سرمایہ حاصل کرنے کے جو طریقے آج کی سرمایہ دار دنیا میں تکاثر سرمایہ کا وسیلہ ہیں ان سب کو اسلام نے بند کر دیا ہے۔ ان سب میں سے اہم مسئلہ اجارہ داری کا تھا، اس کے بارے میں بحث کر چکے ہیں۔ حکومت کی طرف سے قیمت کا مقرر کرنا تھا اس کو توزیع و تقسیم کے مسئلہ میں بیان کر دیا ہے۔

پس حصول ثروت کے طریقے محدود ہیں اور قابل ملکیت اشیاء بھی محدود ہیں وہاں پر میں نے مکاسب محرمہ (۱) (حرام کمائیاں) کی بحث پیش کی تھی۔ میں نے مکاسب محرمہ کے تقریباً ۷۰ عنوان بھی پیش کیے ہیں جن کے ذریعے کمائی نہیں کی جا سکتی۔

سرمایہ واپس لینا

حصول سرمایہ کی بحث میں سرمایہ واپس لینے کے بارے میں ہم نے کہا تھا کہ اگلا قدم یہ ہے کہ جو سرمایے حاصل کئے ہیں وہ شرعی اور جائز بھی ہیں اس کمانے والے کا اپنا مال ہیں لیکن اسلام نے وسیع پیمانے پر پروگرام بنائے جن کے ذریعے مال کو واپس لے کر دوسرے شعبے کو دے۔ اس کا پہلا حصہ مالیات تھے جن کے بارے میں ہم نے کہا تھا کہ مالیات کی دو قسمیں ہیں۔

مالیات ثابت جو ہر صورت ادا کرنا ہیں جیسے خمس و زکات ہیں ان دونوں کی میں نے

---

(۱) مکاسب محرمہ، ان پیشوں اور کاموں پر بولا جاتا ہے شریعت اسلامی میں جن کو اپنانا حرام ہے جیسے الکحل والے مشروبات کی خرید و فروخت۔

وضاحت کی تھی کہ یہی خمس وزکات اگر صحیح طریقے سے وصول کیے جائیں تو اس وقت کے رائج مالیات سے کہیں زیادہ ہیں کفارات، نذورات، اور دیگر چیزیں مثلاً زکاۃ فطرہ اور بعض چیزیں جن کا تذکرہ خلاصہ بیان کیا تھا اور کہا تھا کہ ان میں سے بیشتر اسلام کے مستحب انفاقات ہیں۔ جو بحث ان مستحب انفاقات کے بارے میں ہوئی تھی اس طرح تھی کہ انسان اپنے ذاتی خواہش' منافع ومفادات کے تحفظ اور اپنی سعادت کے لئے (سرمایہ حاصل کرنے کے) خدا کی راہ میں انفاق کرتا ہے میں ان کی بھی وضاحت کر چکا ہوں اور یہی مسئلہ اخوت اسلامی میں بھی پیش کیا تھا کہ فقراء اغنیاء کے ساتھ صیغہ اخوت پڑھیں تو ان کی زندگی اچھی ہو سکتی ہے اور یہ لوگ اچھے برے حالات میں ایک دوسرے کے ساتھ شریک ہو سکتے ہیں۔

اسلام میں مالیات

اس مسئلہ کے ساتھ ہی مالیات کو بیان کیا تھا کہ ان امور میں ایک یہ ہے کہ اسلام میں حکومت کو مالیات لینے کا حق ہے اور عارضی مالیات لینے کا بھی حق حاصل ہے بلکہ اس کی حد کو وقت، ضرورت اور معاشرتی حالات متعین کرتے ہیں، آپ نے دیکھا ہے کہ امام خمینیؒ نے اپنے آخری بیانات میں کتنی تاکید فرمائی ہے۔

کسی نے کہا تھا کہ مالیات ادا نہ کریں امامؒ نے اس کی کس طرح سرزنش کی اور فرمایا کہ حکومت اگر مالیات وصول نہ کرے تو وہ ملک کو کس طرح چلا سکتی ہے؟ مالیات ایک بہت بڑا وسیلہ ہے جو حکومت اسلامی کے ہاتھ میں ہے۔ اور معیاری ہے۔ کیونکہ حکومت سروس دیتی ہے اس لیے انفال اس کا حق اسے ہے اسی لئے کہ بازار اس کا مال ہے معاشرہ کی امنیت اور سلامتی اس کے ذمہ ہے یہ فضا و ماحول جس میں ہم کام کر رہے ہیں اس کو چلا رہی ہے یہ فضا کسی ایک شخص کی ملکیت نہیں ہے۔ جس سے معاشرہ استفادہ کرتا ہے خداوند تعالیٰ نے یہ حق

معاشرہ کی نمائندہ حکومت کو دیا ہے وہ ان سے مالیات وصول کرے۔

مالیات، حکومت کے وسائل

یہ مالیات حکومت کے ہاتھ ایک وسیلہ ہے اس کیساتھ تکاثر اور فقر و محرومیت کی روک تھام کر سکتی ہے اور اس وسیلہ سے ہمیشہ کام لیتی ہے۔ پس ہم نے اس دوسرے حصے کے لئے کہ شرعی و جائز سرمایہ واپس لینے کے سلسلے میں کہا تھا کہ کچھ مالیات ثابت ہیں اور کچھ عارضی کچھ مستحب انفاقات ہیں اور ان کے علاوہ بہت سی چیزیں (جن کی وضاحت وہاں کر چکے ہیں) حکومت کے ہاتھ میں ایک وسیلہ ہیں۔ آخری حصہ اسلامی اقتصادی نظام میں نہایت اہم ہے وہ استفادہ کرنے کا مسئلہ ہے۔

انسان جائز طریقے سے کمائی کرتا ہے اور مالیات بھی ادا کرتا ہے اس وقت نفع حاصل کرنے کی نوبت آتی ہے یہ نفع حاصل کرنا بھی آزاد نہیں ہے کہ جس طرح چاہے اسراف و فضول خرچی کرے اگر فضول خرچی کرے گا تو گناہ گار ہے۔ اپنے سرمایہ کو برباد نہیں کر سکتا ہے ضائع نہیں کر سکتا ہے۔ جس ثروت کے ذریعے ایسی تزئین یا آرائش ہو جس سے دوسروں کا دل دکھائے، ملت میں تفرقہ، جدائی اور بے چینی کا باعث بنے ایسی ثروت رکھنے کا اس کو حق نہیں ہے۔ میں نے ایک دفعہ کہا تھا کہ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا کہ جو شخص نمود و نمائش کے لئے گھر بنائے، قیامت کے دن اسی گھر کو آتش جہنم سے بھر دیا جائے گا اور اس کے ذریعے اس کو سزا دیں گے۔ حضرت اس حد تک تزئین و آرائش کے مخالف تھے۔

لہذا ہم دیکھتے ہیں کہ اس اقتصادی نظام (محدود حصول ثروت کے ذریعے ثروت واپس لینے) میں حکومت کا ہاتھ کھلا ہے، جبکہ نقصان دہ حدود نفع حاصل کرنے کیلئے مالک کا ہاتھ میں بند ہے۔ ایک سرمایہ دار انسان اگر جائز طریقے سے سرمایہ حاصل کرے اگر ایک ملک امانت دار

اور متدین حکومت میں تبدیل ہو جائے تو اس نے بہت اچھا کام کیا اور اچھا حصول سرمایہ کیا اور قدرتی وسائل کو اچھے انداز میں تبدیل کیا ہے۔ وہ اچھی طرح عمل انجام دے سکے اور اسی کو خدمت خلق میں لگائے تو گویا اس نے تمام برائیوں کا سدباب کر دیا ہے۔ ضروری ہے کہ اس معاشرے (البتہ میں نے عرض کیا ہے یہ مساوی اور دوسروں کی سطح زندگی کے لیے قابل برداشت ہو) میں بھیڑ اور بھیڑیے کا کھیل نہ ہو۔

یہ عدالت اقتصادی کے بارے میں تقریباً پچاس خطبوں کی کششوں کا مرکزی خیال ہے تاکہ ہم ایسے نظام تک پہنچیں کہ جس میں زمین اور بہترین اقسام کی منفعت تقسیم ہو اور وہ بہترین رفاقت اخوت اور دوستی ہو۔ اس کے ساتھ معاشرے کی ضروریات کو پورا کرنے کا مسئلہ اور حکومتی فرائض کو بھی پیش کیا تھا تاکہ معلوم ہو کہ حکومت کون کون سے فرائض رکھتی ہے تاکہ ہمیشہ اس چیز کا خیال رکھے کہ جہاں بھی دیکھے کہ ایک پہلو کمزور پڑ رہا ہے اس کو قوی کرے اگر دیکھے کہ پیداوار کا شعبہ ضعیف ہو رہا ہے تو وہ معاشرے کو پیداوار کی طرف بلائے۔ اگر دیکھے کہ تقسیم کار کا شعبہ ضعیف ہو رہا ہے تو اس کو تقویت دے اگر دیکھے کہ ایک گروہ نابود ہو رہا ہے ان کو قوی کرے اگر دیکھے کہ ایک گروہ بلاوجہ موٹا ہو رہا اور خطرناک بن رہا ہے تو اسکا سدباب کرے۔ حکومت کو حاذق طبیب کی طرح معاشرے پر نگاہ رکھنی چاہیۓ اور اسلامی اقتصادی نظام کے وسائل (جو اس کو دیۓ گئے ہیں) سے استفادہ کرے اور ان کاموں کو انجام دے۔

تقویٰ کا مسئلہ

پھر ان تمام خطبوں میں ہم نے مسئلہ تقویٰ کو ایک اہم ترین اجرای عامل کے طور پر جانا ہے اور کہا ہے کہ اگر انسان میں تقویٰ کا عنصر نہ ہو تو یہ سب عوامل ادھورے ہیں پیداوار دینے والا بری پیداوار دے گا کاریگر برا کام کرے سرمایہ دار کاریگر کے ساتھ برا سلوک کرے گا اور

مصرف کرنے والا برے طریقے سے استعمال کرے گا اور دو حکومت اگر تقوی نہ رکھتی ہو تو بری نگرانی کرے گی ہم ان تمام عناصر میں اپنے اقتصادی نظام کو اسی روش پر شمار کرتے ہیں اگر تقوئی خدا ترسی اور حدود کی پابندی اور انسانی اور اسلامی حقوق کی پابندی قوہ مجریہ میں نہ ہو تو بھی کام ادھورا رہ جاتا ہے۔ تمام کاموں میں معیار اور اصلی سرچشمہ تقوئی ہے کہ اگر یہ وسیلہ' یہ سرچشمہ' یہ سرمایہ اور یہ روح اپنے تمام کاموں میں رکھیں تو ہم آسانی کے ساتھ اپنے اہداف تک پہنچ سکتے ہیں۔

نعوذباللہ اگر ہم میں تقوئی نہ ہو تو تمام پروگرام نقش برآب ہوں گے اس مطلب کے بعد بحث اقدار کو پیش کیا تھا اقدار کی بحث کا وہ حصہ عدالت اجتماعی کی تمام بحثوں کے ساتھ مربوط ہے کہ آئندہ کسی بحث میں اس کے ارتباط کو بیان کروں گا۔

بسم الله الرحمن الرحيم. تبت يدا ابى لهب وتب ما اغنى عنه ماله وما كسب.سيصلى نارا ذات لهب.وامراته حمالة الحطب. فى جيدها حبل من مسد(۱)